

READING SECTION

Online Library For Pakistan

WWW.PAKSOCIETY.COM

READING SECTION

Online Library For Pakistan

WWW.PAKSOCIETY.COM

گھر کے ہر فرد کے لئے

ماہنامہ  
پاک سوسائٹی

ستمبر 2016

نشان ملی

میراج رسول

پاک سوسائٹی

پاک سوسائٹی

پاک سوسائٹی

READING SECTION

Online Library For Pakistan

WWW.PAKSOCIETY.COM

READING SECTION

Online Library For Pakistan

WWW.PAKSOCIETY.COM

انجم انصاری اور رفعت سراج کے ناولوں کی نئی اقساط  
سعد پیر نیس، نگہت اعظمی و عقیلہ حق کی خصوصی تحریریں  
قابل اور باصلاحیت ٹی وی میزبان شگفتہ یاسمین سے دلکش ملاقات

# پاکینہ

نگرانِ اعلیٰ: معراج رسول  
 مدیرہ اعلیٰ: عذرا رسول  
 مدیرہ: انجم انصار  
 معاون: آمنہ حماد



رکن آل پاکستان خواتین اور بچوں کی

## شعبہ اشتہارات

نیچر اشتہارات محمد نواز خان 0333-2256789  
 نمائندہ کراچی محمد رمضان خان 0333-2168391  
 رائل حمید 0323-2895528  
 نمائندہ لاہور سید فراز علی نازش 0332-4214400

قیمت فی پرچہ (پاکستان) 60 روپے

قیمت فی پرچہ (سعودی عرب) 12 ریال یا مساوی متحدہ عرب امارات

زر سالانہ (اندرون ملک) 800 روپے ..... جلد نمبر: 44 شمارہ: 06 ستمبر 2016ء



ماڈل: کائنات حیات  
 میک اپ: روز بیوتی پارلر  
 فوٹو گرافی: موسیٰ رضا

## افسانے

- 47 ہاجرہ ریحان سوال  
89 نگہت اعظمی احسن الخالقین  
117 نرمین سرہیو رسالوں کے رنگ  
121 نظیر فاطمہ دیر سے سجھو  
135 طیبہ عنصر مغل ڈیزائنرز سوسائٹی  
141 سعدیہ رئیس عمر قید  
177 فرح طاہر قریشی اوپن میرٹھ  
187 ہالہ احمد سیر الی کاماں  
191 سلمیٰ غزل بغاوت کی چنگاری  
199 عقیلہ حق رکن  
207 عمارہ خان وہ کتنے...؟

## خصوصی مضامین

- 249 رضوانہ پرنس فیضان حقیقت ہے  
261 پاکیزہ بہنیں شادی مبارک  
288 شائستہ زریں پاکیزہ کے مہمان

## اداریہ

- 15 مدیرہ مجھے کچھ کہنا ہے

## سلسلے وار ناول

- 18 انجم انصار گم شدہ محبت  
98 رفعت سراج کون سا بچہ کون سا  
150 اے عشق تیرے ہیں کھیلے عجیب آدمی ثمن بلال اے عشق تیرے ہیں کھیلے عجیب آدمی

## مکمل ناول

- 210 فاخرہ گل محبت ہے سمندار رکن

## ناولٹ

- 53 عذرا فردوس پینا محبت لانی ہے عید  
68 مدیحہ شاہد پتھر کا دس

پبلشر پرو پرائٹرز: ذیشان رسول، مقام اشاعت: گراؤنڈ فلور-C-63 فیوڈ ایکس نیشن، ڈیفنس، مین کورنگی روڈ کراچی 75500  
پرنٹر: جمیل حسن، مطبوعہ: ابن حسن پرنٹنگ پریس ہاکی اسٹیڈیم کراچی



### مستقل عنوانات

283	پاکیزہ بہنیں	خوش فائقہ	16	ادارہ	دین کی باتیں
285	مہ جبین	حسن نگار کو آئیے	264	مدیرہ	بہنوں کی محفل
286	پاکیزہ بہنیں	بڑا پاپیڑہ	274	عظمیٰ آفاق سعید	پاکیزہ ڈائری
300	ادارہ	روحانی مشورے	278	انجم انصار	جلت رنگ
302		ہومیوکلینک	281	صغریٰ زیدی	میں اکثر گن گنتی ہوں

Office: 63-C, Phase-II (Ext), D.H.A. Commercial Area, main Korangi Road Karachi.  
 Postal Address: Box No. 662, G.P.O., Karachi-74200  
 Phone: (021)35895313, Fax: 35802551, E-mail address: jdpgroup@hotmail.com



بفضل اللہ تعالیٰ حج کی تیاریاں شروع ہو چکی ہیں اور حج پر جانے والوں کی خوشیاں دیکھی جاسکتی ہیں۔ یہ عبادت بہت اہم اور جذباتی کیفیت سے متعلق ہے..... اس لیے اس عبادت کی ادائیگی کا بہت زیادہ اہتمام ضروری ہے..... کسی ایک جگہ کی لغزش اس عبادت کی کیفیت کو زائل کر دیتی ہے۔ حج کے دنوں میں صبح شام ایک ہی صداحرم کے اطراف میں گونجتی ہے جو تمام حاجیوں کے دل و زبان سے ادا ہوتی ہے: "اے اللہ، تیرے دربار میں، میں گناہ گار حاضر ہوں، تمام تعریفیں و حمد تیرا ہی حق ہے، احسان کرنا تیرا ہی کام ہے، تیرے اقتدار میں کوئی دوسرا شریک نہیں۔"

اللہ کی حقانیت اس کی بزرگی و برتری اور وحدانیت کا اقرار اور غیر خداؤں سے انکار، خشوع و خضوع کے ساتھ اپنے رب کے آگے سر بہ سجود ہونے کا نام ہی درحقیقت حج ہے۔ یہ حقیقت ہے کہ حج کی ادائیگی میں جہاں بے شمار حکمتیں پنہاں ہیں وہیں اس کی ایک بہت بڑی حکمت اتحاد امت مسلمہ بھی ہے۔ دنیا کے گوشے گوشے کے مسلمان اس موقع پر جمع ہوتے ہیں، جن میں ہر رنگ و نسل کے لوگ ایک ہی جگہ تمام تفرقات سے بالاتر ہو کر ایک ہی صف میں ایک ہی امام کے پیچھے کھڑے ہو کر نماز پڑھتے ہیں۔ حج ہمیں اتفاق، اتحاد اور امن و آشتی کا مکمل درس دیتا ہے..... اور ہم مسلمان آج یہ سبق خود ہی بھول رہے ہیں، آج ہمیں آپ سے یہی کہنا ہے کہ کبھی اپنے مسلمان، بہن، بھائیوں کی یہ سوچ کر مدد کریں کہ یہ ہمارے دینی بہن، بھائی ہیں..... جن کی مدد کرنا ہمارا فرض بھی ہے..... تو ہمارے دل کو جو خوشی اور طمانیت حاصل ہوگی وہ بیان نہیں کی جاسکتی..... یقین نہ آئے تو تجربہ کر کے دیکھ لیں..... جی ہاں.....!

مدیر  
انجم انصار

اور تمہاری قوم نے اس کی تکذیب کی حالانکہ وہ حق ہے تم (ان سے) کہہ دو کہ میں تم پر (کوئی) نگہبان نہیں ہوں (۶۶) ہر چیز کی ایک میعاد ہوتی ہے اور (قیامت کا بھی ایک وقت مقرر ہے) عنقریب تم جان لو گے (۶۷) اور (اے نبی ﷺ) جب تم ان لوگوں کو دیکھو جو ہماری آیتوں میں بحث کرتے ہیں تو ان سے اعراض کرو یہاں تک کہ اس کے سوا کسی اور بات میں بحث کرنے لگیں اور (ہمارا یہ حکم) تمہیں شیطان بھلا دے تو یاد کرنے کے بعد ظالم لوگوں کے پاس مت بیٹھو (۶۸) اور جو لوگ پرہیزگاری کرتے ہیں ان پر ان (ظالموں) کے حساب سے کچھ (مواخذہ) نہیں ہے ولیکن (صرف) نصیحت کرنا (انہیں لازم ہے) تاکہ وہ پرہیزگاری کریں (۶۹) اور ان لوگوں کو چھوڑ دو جنہوں نے اپنے دین کو کھیل بنا رکھا ہے اور انہیں دنیاوی زندگی نے دھوکے میں ڈال دیا ہے اور قرآن سے (لوگوں کو) نصیحت دو (تاکہ ایسا نہ ہو) کہ کوئی شخص اپنے عمل کے سبب سے ہلاک ہو جائے (اور اس وقت) اللہ کے سوا کوئی اس کا کارساز نہ ہو اور نہ سفارش کرنے والا اور اگر عوض میں سارے (جہان) بدلے (میں) دے، اس سے نہ لیے جائیں گے یہی لوگ ہیں جو اپنے اعمال کے سبب سے ہلاک کر دیے گئے ان کے لیے گرم پانی ہو گا اور درودینے والا عذاب، سبب اس کے کہ کفر کرتے تھے (۷۰) کہو کہ کیا میں اللہ کے سوا اس سے مناجات کروں جو نہ ہمیں فائدہ اور نہ نقصان پہنچا سکتا ہے اور بعد اس کے کہ اللہ نے ہمیں ہدایت کی ہم اپنے پچھلے (دین) پر واپس کر دیے جائیں اس شخص کی طرح جسے شیطان نے جنگل میں گمراہ کر دیا ہو حیران ہو اس کے کچھ رفیق اسے ہدایت کی طرف بلاتے ہوں کہ ہمارے پاس آؤ کہہ دو کہ وہ اللہ ہی کی ہدایت ہے اور ہمیں حکم دیا گیا ہے کہ سارے جہان کے پروردگار کی فرمانبرداری کریں (۷۱) اور تم نماز پڑھو اور اللہ سے ڈرو اور وہی ہے جس کی طرف تم (سب مرنے کے بعد) اٹھائے جاؤ گے (۷۲) وہی ہے جس نے سچائی کے ساتھ آسمان پیدا کیے اور زمین (پیدا کی) اور جس دن (کسی چیز کو) کہتا ہے کہ ہو تو وہ ہو جاتی ہے اس کی بات سچی ہے اور اسی کی بادشاہت ہے جس دن صور پھونکا جائے گا وہ جاننے والا ہے چھپی اور کھلی (باتوں) کا اور وہ حکمت والا (اور) باخبر ہے (۷۳) اور (وہ وقت یاد کرو) جب ابراہیم نے اپنے باپ آذر سے کہا کہ (اے باپ) کیا تم بتوں کو (اپنے) معبود بناتے ہو بے شک میں تجھے اور تیری قوم کو صریح گمراہی میں دیکھ رہا ہوں (۷۴) اور اسی طرح ہم ابراہیم کو آسمانوں اور زمین کی بادشاہت دکھلاتے تھے تاکہ وہ (ہماری وحدانیت کا) یقین رکھنے والوں میں سے ہو جائے (۷۵)

(سورۃ انعام آیت نمبر ۶۶ تا ۷۵)



## آنحضرت ﷺ کے اسمائے گرامی

اللَّهُمَّ صَلِّ عَلَى سَيِّدِنَا مُحَمَّدٍ سَيِّدِ الْفَاتِحِينَ ط

افضل الانبياء سيد المرسلين حضرت محمد ﷺ کے صفاتی اسمائے مبارک میں سے ایک نام **فاتح** بھی ہے جس کا مفہوم، فتح کرنے والے... کھولنے والے کے ہیں جیسا کہ قرآن پاک میں بھی ہے۔

إِنَّا فَتَحْنَا لَكَ فَتْحًا مُّبِينًا (۱) الفتح

ترجمہ: (اے محمد ﷺ) ہم نے تم کو فتح دی اور فتح بھی صریح واضح۔ (یہ فتح مکہ کے حوالے سے سورہ ہے جس میں اس عظیم الشان فتح کا پورا واقعہ بیان کیا گیا ہے)

الحديث: حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہما سے مروی ہے کہ آپ نے فرمایا کہ میں قیامت کے دن جنت کے دروازے پر آؤں گا اور فاتح بن کر کہوں گا دروازہ کھولو۔ جنت کا خازن عرض کرے گا کہ آپ کون ہیں؟ میں کہوں گا کہ میں محمد ﷺ ہوں۔ خازن عرض کرے گا کہ مجھے محمد ﷺ کے لیے کھولنے کا حکم دیا گیا ہے آپ سے پہلے میں کسی کے لیے نہیں کھولوں گا۔ (مسلم)

لین پول نامی مغربی مؤرخ کی رائے کے مطابق

حقائق تلخ ہوتے ہیں اور یہ حقیقت ہے کہ محمد ﷺ نے جس دن اپنے دشمنوں پر فتح پائی اور جو ان کی عظیم ترین فتح تھی۔ وہی دن دراصل محمد ﷺ کی اپنی ذات پر فتح کا دن تھا۔ آپ نے مکہ کے لوگوں کو عام معافی دے دی۔ یہ وہی لوگ تھے جن کے ناقابل بیان مظالم اور اذیتوں کا آپ نشانہ بنے رہے تھے۔ آپ نے مکہ کی پوری آبادی کو امان دے دی پوری انسانی تاریخ میں ایسی مثال نہیں ملتی جس طرح محمد ﷺ فاتح کی حیثیت سے مکہ میں داخل ہوئے۔ دنیا کا کوئی فاتح اس طرح مفتوحہ شہر میں داخل نہیں ہوا۔

الفضائل: یہ اسم مبارک فاتح ۷۹ مرتبہ سات یوم تک بلا تاخیر ہر نماز کے بعد پڑھنے سے دشمن مغلوب ہوگا اور وہ صلح پر آمادہ ہو جائے گا۔

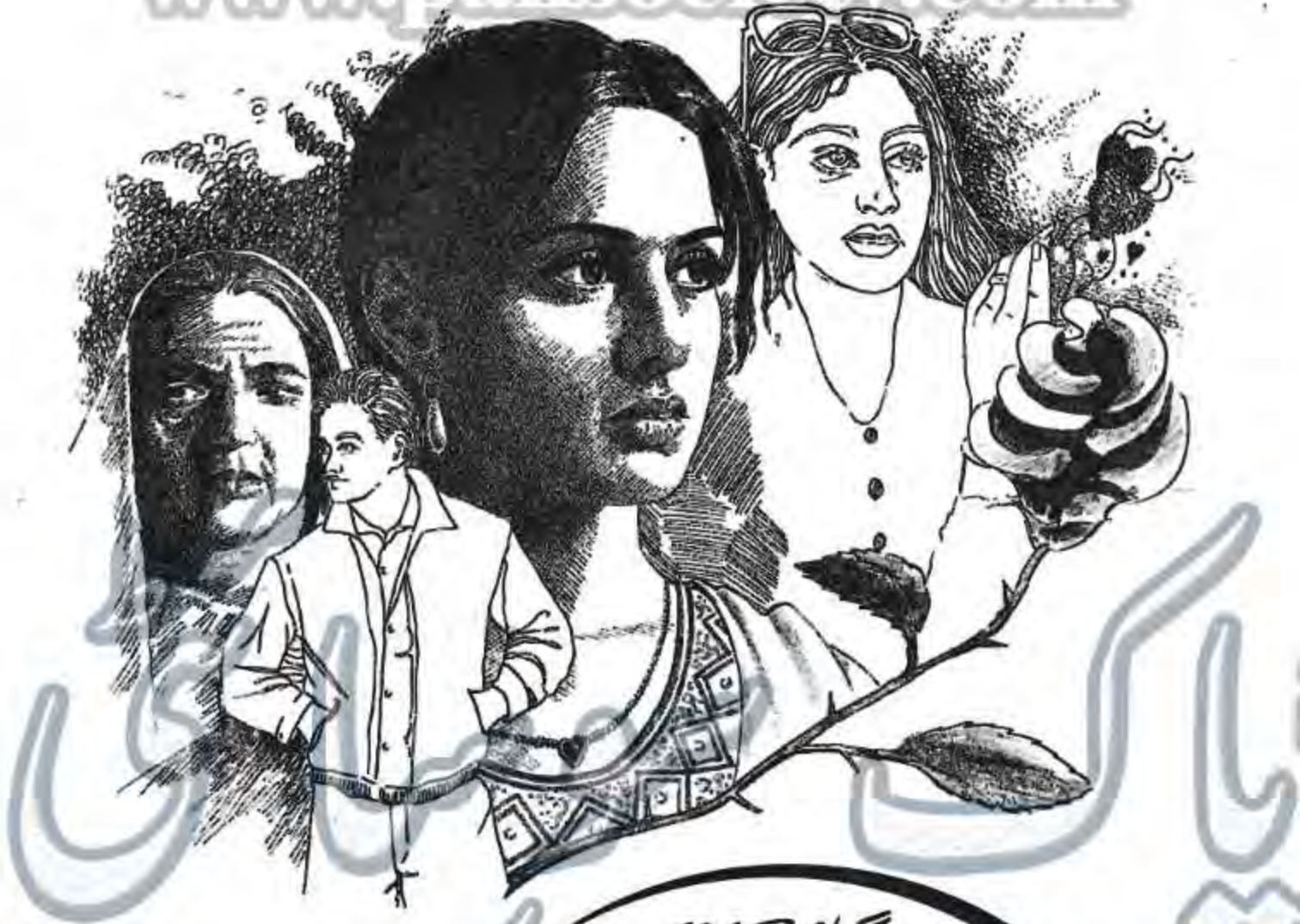
۲۔ رات کو سونے سے قبل با وضو حالت میں

بکثرت پڑھنے سے اللہ تعالیٰ کی قربت

نصیب ہوگی اور اس پر مخفی راز

کھل جائیں گے۔

قیصرہ حیات کی کتاب انوار انساب النبی ﷺ سے اقتباس



## گرم سیدہ محبت

قطعہ 8

انجم انصار

انسان نہ کچھ پنس کر سیکھتا ہے، نہ رو کر سیکھتا ہے، جب بھی  
سیکھتا ہے یا کسی کا ہو کر سیکھتا ہے یا پھر کسی کو کھو کر  
سیکھتا ہے... چونکہ لوگ دل کے امیر کم، کم ہوتے  
ہیں، اس لیے زندگی کی کتاب میں

اتنی غلطیاں نہ کرو کہ پنسل

سے پہلے رہز ختم ہو جائے

اور توبہ سے پہلے

زندگی...

جو آنکھوں اوٹ ہے چہرہ اسی کو دیکھ کر جینا  
یہ سوچا تھا کہ آساں ہے مگر آساں نہیں ہوتا  
نہ بہلاوا نہ سمجھوتا، جدائی سی جدائی ہے  
ادا سوچو تو خوشبو کا سفر آساں نہیں ہوتا

جست کے انکے روپ سنوارتی ایک حسین

تحریر





دو تین دن نہیں، پورے دس دن ریحان نے اس سے مغز ماری کی تھی۔ جب اس کی سمجھ میں یہ بات آئی تھی کہ دوستوں کی طویل فہرست میں بہت سارے لوگ ایسے بھی ہوتے ہیں جن سے ہماری ذہنی ہم آہنگی ہونا ضروری نہیں ہوتا۔ اور حادثہ مان گیا تھا کہ وہ شہلا سے دور، دور سے دوستی ضرور رکھے گا..... تا وقتیکہ اسے ساجد کی حقیقت نہ معلوم ہو جائے۔ حادثہ نے اپنے آپ کو بھی اچھی طرح سمجھا دیا تھا کہ جیسا چل رہا ہے..... اسے ویسا ہی چلنے دیا جائے۔ آخر بینکوں میں بھی تو بھانت، بھانت کے لوگ آتے ہیں اور اپنے تمام کلائنٹس سے خوشگوار مراسم رکھنے کی کوشش کی جاتی ہے۔

مگر شہلا تو زمین پر قدم رکھنے کے بجائے بادلوں پر قدم رکھ رہی تھی اور اب اسے حادثہ کے سوا کوئی بھٹائی نہیں دے رہا تھا۔

اس کی سالگرہ کا دن اسے اور امی کے علاوہ کسی تیسرے فرد کو معلوم نہیں تھا..... مگر شہلا نے بذریعہ ڈاک کرنا شلوار، پرفیومز، ایک کے ساتھ پتا نہیں کیا کچھ اسے بھیج دیا تھا اور موبائل پر سالگرہ کے سانگز علیحدہ بھیجے جا رہے تھے۔

”بیٹا..... یہ اتنا سب کچھ کس نے بھیجا ہے تمہیں۔“ امی بھی جہاز کی پیکٹ کو حیرت سے دیکھتے ہوئے پوچھ رہی تھیں۔

”آپ ریحان کو تو جانتی ہی ہیں ناں..... یہ ساری الٹی سیدھی حرکتیں وہی کیا کرتا ہے..... اسی کی وجہ سے یہ پیکٹ آیا ہے۔“ وہ اپنے آپ کو نارمل رکھتے ہوئے بولا۔

”مگر وہ ایسا کیوں کر رہا ہے؟ اس میں اس کا کیا فائدہ ہے۔ اس بیچارے کے تو خواہ مخواہ ڈھیر سارے پیسے خرچ ہو گئے ہوں گے۔“

”اگلے ماہ موصوف کی سالگرہ جو ہے، اس نے کہا ہے کہ ڈگنا کر کے مجھے وش کرنا۔“ اس نے بات بنائی۔

”مگر اس سے قبل تو اس نے اس طرح تمہیں سالگرہ پر وش نہیں کیا۔“ امی کی حیرت کسی طور ختم نہیں ہو رہی تھی۔

سالگرہ کا رڈ اس نے سرعت سے نکال لیا تھا..... ورنہ وہ ایک لمحے میں سمجھ جاتیں کہ سرخ مار کر سے دل بنا کر اس میں شہلا نے اپنی تصویر چسپاں کی تھی۔

”امی، کسی کو پاگل ہوتے ہوئے کوئی دیر تھوڑی لگا کرتی ہے۔“ وہ اس پیکٹ کو اٹھا کر اپنے کمرے میں لے آیا اور اپنی الماری میں اس طرح پھینک دیا..... جیسے اسے کھائی میں ڈال دیا ہو۔

”بے وقوف لڑکی..... تم کو اس بات کا خیال بھی نہیں کہ اگر تمہارے کارڈ پر لکھی ہوئی چیپ سی تحریر امی پڑھ لیتیں..... تو پتا نہیں وہ میرے بارے میں کیا سوچتیں۔“

☆☆☆

”کیا سوچ، سوچ کر مسکرائے جا رہی ہو۔“ کریم بیڈروم میں داخل ہوا تو راحیلہ کو خاموش مسکراتے دیکھ کر پوچھ بیٹھا۔

”میری دعائیں پوری ہو گئیں..... اب جلد میری آپا کی شادی حادثہ بھائی کے ساتھ ہوگی۔“

”ہاں، ہو چکی شہلا کی شادی..... جس طرح وہ شخص پہلے بھاگ گیا تھا..... اب پھر دوبارہ بھاگ جائے گا۔“ کریم نے تمسخر بھرے لہجے میں کہا۔

”نہیں، اب ایسی بات نہیں ہے، کل رات وہ فون پر آپا سے پوچھ رہے تھے کہ ان کی سالگرہ کب ہوتی ہے، شاید وہ اس دن اپنی امی کو لے کر گھر آئیں گے۔“

”نہیں لائے گا وہ کسی کو بھی۔“

”آپ ایسا کیوں کہہ رہے ہیں؟“

”مجھے معلوم ہے ناں..... پیسے والے لڑکے غریب گھرانے کی لڑکیوں کو کس طرح بے وقوف بناتے ہیں۔“

”ہونہ، میری آپا بے وقوف بننے والی نہیں ہیں۔“ راحیلہ نے کیلے لہجے میں کہا۔

”لگانی ہو شرط..... اسی بات پر کہ شہلا کی شادی حارث سے ہوگی یا نہیں.....“

”ان باتوں پر شرطیں نہیں لگانی جاتیں..... اگر اللہ چاہے گا تو ان کی شادی ضرور حارث بھائی سے ہی ہوگی۔“

”مگر میں لگاتا ہوا شرط..... کہ نہیں ہوگی اور کبھی نہیں ہوگی۔“

”اور اگر آپ شرط ہار گئے جو کہ یقیناً ہار ہی جائیں گے تو پھر کیا سزا رکھی جائے آپ کے لیے۔“ راحیلہ نے ہمت

بھرے لہجے میں کہا۔

”جو چاہے دے دینا..... مجھے منظور ہوگی۔“

”یاد رکھیے گا آپ اپنی یہ بات۔“ وہ ہنسی۔

”یاں، یاد رکھوں گا کہ میں نے حارث کی آنکھوں کی بے اعتنائی پڑھ لی تھی۔ جیسی تو یہ سب کہہ رہا ہوں میں۔“

”صحیح کیا ہے اور غلط کیا ہے..... اس کا پتا اکثر بہت بعد میں معلوم ہوا کرتا ہے..... اس لیے آپ ہارنے کے لیے

تیار ہو جائیں۔“

”ٹھیک ہے، تم بھی یاد رکھنا، جس طرح بڑھ، بڑھ کر بول رہی ہو۔ بہت جلد سر جھکا کر میری باتیں سن رہی ہوگی اور

تمہاری آنکھوں سے پر نالہ علیحدہ بہہ رہا ہوگا۔“ کریم نے سفاکی سے کہا۔

”اللہ نہ کرے..... وہ بڑ بڑائی اور خوف زدہ سی ہوگئی۔

☆☆☆

امی کی طبیعت قدرے خراب تھی..... اور خالہ بے عدا سردہ سی تھیں ان کی قریبی دوست فوزیہ کی اچانک ڈہتھ ہوگئی

تھی۔ خالہ کی یہ دوست ان سے بے حد محبت کرتی تھیں اور گاہے بے گاہے ان کے پاس آتی رہتی تھیں..... چونکہ ادلاو کی نعمت

سے محروم تھیں..... اس لیے اپنی تنہائی سے خاصی پریشان رہا کرتی تھیں۔

”صبا اگر آج تم آفس نہ جاؤ تو.....“ امی نے مجھے آفس جاتا دیکھ کر کہا۔

”کیوں امی.....؟“

”بس ایسے ہی میرا دل گھبرا رہا ہے۔“

”آج پیر ہے، آفس میں کام زیادہ ہوتا ہے، میں کل چھٹی کر لوں گی۔“

”مگر میرا دل گھبرا رہا ہے۔“ امی نے پھر کہا۔

”آپ نی وی کی خبریں دیکھنا چھوڑ دیں..... ڈپریشن میں کمی آئے گی۔“

”مگر تمہارا اخبار بڑھنا تو نہیں چھوڑ سکتی ناں..... اب تو اخبار پڑھ کر بھی دل گھبراتا ہے..... اور خاص طور پر تمہارا

کالم پڑھ کر تو مجھے ڈر سا لگنے لگا ہے۔“

”جنہیں ڈرنا چاہیے، جب وہ نہیں ڈرتے..... تو آپ کیوں ڈر رہی ہیں۔“

”بیٹا بڑے لوگوں کو کچھ نہیں ہوتا..... عتاب تو ہمیشہ غریبوں پر آیا کرتا ہے۔“

”مگر اب ہم غریب نہیں ہیں۔“ میں امی کی بات ہنسی میں اڑائی ہوئی چل دی۔

سگنل پر گاڑی رکی تو مجھے یوں لگا جیسے میرے برابر والی گاڑی عامر کی ہو۔ میں نے بغور دیکھا..... اس کی گاڑی میں

بچے بھرے ہوئے تھے..... وہ شاید اپنے بچوں کو اسکول چھوڑنے جا رہا ہوگا۔

”ہوں..... اب میں راہ چلتوں کی شکلوں میں بھی عامر کو ڈھونڈنے لگی ہوں..... حد ہوگئی ہے.....“ میں نے اپنے

آپ کو سمجھایا۔

”اگر عامر نے شادی کر لی تو.....“ دل میں یہ خیال ابھرا۔

”تو..... اس کے بعد دیکھا جائے گا۔“

”اب ایسا تو ہونے سے رہا کہ میں اس سے یہ کہوں کہ میں آگنی ہوں اب اپنی بیوی، بچوں کو کہیں دور پھینک دو۔“  
”اللہ نہ کرے..... کہ ایسا کچھ ہو..... یا میں ایسا کچھ کہوں.....“ آج راتے میں ٹریفک زیادہ تھا..... اور میرے  
دماغ میں بھی خیالات کا ہجوم تھا۔

آفس پہنچی..... تو سامنے ہی سے ندیم خان اپنے روم کی جانب جاتے نظر آتے۔  
”سر، صبح بخیر.....“ سلام کے بعد میں نے ان سے کہا۔

انہوں نے اچھٹی سی نظر مجھ پر ڈالی اور سر کے اشارے سے سلام کا جواب دیا اور تیزی سے اپنے کمرے میں داخل ہو گئے۔  
فرزانہ نظر آئی..... تو میری شکل دیکھتے ہی بولی۔

”آج تو تم نے نہیں آنا تھا..... تو کیوں آگئیں.....؟“

”تم سے کس نے کہا کہ مجھے آج چھٹی کرنی تھی۔“ میرے لہجے میں حیرت سی گھلی ہوئی تھی۔

”نا تم سے تم نے ہی کہا تھا..... امی کی طبیعت خراب چل رہی ہے، اس لیے تم چھٹی کرو گی۔“

”وہ تو میں تذکرنا سے بتا رہی تھی۔“

”بھئی مجھے کیا معلوم..... کہ تم کون سی بات تذکرنا کرتی ہو اور کون سی ضرورتاً اور کون سی محسباً.....“ وہ تمسخرانہ لہجے

میں مزید بولی..... ”تمہاری چھٹی کے بارے میں، میں سر ندیم کو بھی بتا چکی ہوں..... اور وہ کہہ رہے تھے بے شک تم تین  
دن کی چھٹی کرو یا دس دن کی اس سے آفس کو کوئی فرق نہیں پڑتا۔“

”یا اللہ ذرا سی بات کا اتنا بڑا فسانہ۔“ میں نے اپنا سر تھام لیا..... ہمارے آفس کا ماحول کچھ دنوں سے واقعی کیلا سا  
ہو گیا تھا۔

میں نے سوچا کہ میں ندیم خان سے ضرور کہوں گی..... کہ یہ فرزانہ کچھ زیادہ ہی اور ہوتی جا رہی ہے۔ اور مجھے تو  
برداشت ہی نہیں کرتی۔

اور جب کہا تو وہ لا تعلقی سے بولے۔

”مس صبا، مجھے لڑکیوں کی باتیں سمجھ میں نہیں آیا کرتیں۔ وہ بولتی کچھ ہیں اور سمجھتی کچھ ہیں..... ہو سکتا ہے کہ  
آپ کو مس فرزانہ کے بارے میں کوئی مغالطہ ہوا ہو..... جیسے مجھے بھی اکثر ہو جاتا ہے، مجھے بھی لڑکیوں کی باتیں سمجھ  
میں نہیں آتیں۔“

”نہیں سر..... وہ بے بات کی بات کرنے لگی ہے۔“

”اور آپ اسے ڈیل نہیں کر پار ہی ہیں، حیرت ہے بھئی.....“ وہ شاید تمسخرانہ لہجے میں کہہ رہے تھے۔

مگر مجھے یوں لگا..... جیسے وہ میرا مذاق اڑا رہے ہوں اور مجھے اکسار ہے ہیں کہ میں فرزانہ سے لڑوں۔

”سر آپ تو جانتے ہی ہیں کہ میں کسی سے لڑ تو نہیں سکتی۔“

”نہیں بھئی، آپ غلط کہہ رہی ہیں..... میں آپ کو بالکل نہیں جانتا..... بالکل بھی نہیں.....“ ان کا لہجہ بھی پھیکا، پھیکا

ساتھا۔ ”یریوں بھی کسی کے دل میں کیا ہے دوسرا کیسے جان سکتا ہے۔ نہیں جان سکتا..... بالکل بھی نہیں جان سکتا۔“

”سر پورے دو سال ہونے والے ہیں آپ کے ساتھ کام کرتے ہوئے..... آپ کو اپنے ورکرز کے بارے

میں اندازہ تو ہو گیا ہوگا کہ کون کتنے پانی میں ہے۔“

”مس صبا، میں بالکل سچ کہہ رہا ہوں، میں کسی کے کام کی کارکردگی کے سوا پر سنی کچھ بھی نہیں جانتا.....“

”ایسا کس طرح ہو سکتا ہے؟“

”ہو سکتا ہے آپ مجھے ایک انتہائی برا شخص سمجھتی ہوں..... آپ کے نزدیک میں کوئی پاگل ہوں اور.....“

”سریہ آپ کیا کہہ رہے ہیں.....“ میں ان کی بات کاٹ کر بولی۔ ”آپ تو اس اخبار کی شان، آن اور جان ہیں.....“ اور وہ یوں چپ ہو گئے جیسے لفظ ان کے حلق میں ایک گئے ہوں۔

”مس صبا یہ بات مجھے آج معلوم ہوئی آپ بڑی سچائی کے ساتھ جھوٹ بھی بول لیا کرتی ہیں۔“ اور ان کے اس جوک پر میں خواہ مخواہ ہی ہنس دی۔

کسی کے لہجے میں اگر فرق آجائے تو سامنے والے کو سمجھ لینا چاہیے کہ وہ اسے اگنور کر رہا ہے مگر مجھے بالکل بھی یہ اندازہ نہیں ہو پایا تھا کہ ندیم خان مجھ سے خفا ہیں..... یا میری موجودگی میں وہ اکتاہٹ محسوس کر رہے ہیں، میرا رویہ تو پہلے جیسا ہی تھا۔

میرے نئے لکھے ہوئے کالم پر زہر آلود خطوط آئے..... تو میں ان کے پاس لے کر گئی اور کہا..... ”سر اب مجھے ہتھ ہولا رکھ کر لکھنا چاہیے..... دیکھیے تو ان خطوط میں کیسی، کیسی دھمکیاں دی گئی ہیں۔“

”اور آپ ان خطوط کو پڑھ کر ڈر گئیں..... ہے ناں۔“ لہجہ مسخرا آمیز تھا۔

”میں کیوں ڈروں گی..... میں کون سا اپنے نام سے کالم لکھا کرتی ہوں۔“

”سب یہی جانتے ہیں ناں کہ میں لکھ رہا ہوں کالم.....“

”جب ہی تو میں پریشان ہو رہی ہوں کہ کوئی آپ کو نقصان نہ پہنچا دے..... آج کل سچ کی آواز کون سننا چاہتا ہے۔“

”آپ کو میرے بارے میں ہرگز پریشان ہونے کی قطعی ضرورت نہیں ہے۔“ انہوں نے چشمہ اتار کر اسے بغور دیکھا۔

”سر..... آپ ہی تو کہتے ہیں کہ دشمن کو کبھی کمزور نہیں سمجھنا چاہیے۔“

”مگر میں تو جس کو دوست سمجھتا رہا..... وہ بھی دشمن جان نکلا.....“ ندیم خان نے یہ سب دل میں سوچا ضرور..... مگر چپ رہے مگر ان کی خاموشی میں بھی ایک اذیت سی رہتی تھی..... جسے شاید وہی محسوس کر سکتے تھے۔

”کیا میں غلط کہہ رہی ہوں؟“

”ہاں، آپ بہت سی باتیں غلط کہتی رہی ہیں۔“ وہ اسے دیکھتے ہوئے بولے۔

”تو میں اسی انداز میں لکھتی رہوں.....؟ آپ کو ان دھمکی آمیز خطوط کی ذرہ برابر پروا نہیں ہے۔“ مجھے ان کا یہ انداز قطعی اجنبی سا لگ رہا تھا۔

”جی..... بالکل۔“ اب وہ اپنے کام میں اتنے محو ہو گئے تھے کہ انہیں یہ بھی احساس نہیں رہا تھا کہ میں ان کے بدمقابل بیٹھی ہوئی ہوں۔

”سر میں جاؤں.....؟“ یہ جملہ میں نے اس وجہ سے کہا..... کہ شاید وہ میرے کالم کے بارے میں کوئی مشورہ دیں گے۔

”اوہ..... آپ ابھی گئی نہیں۔“ انہوں نے یوں چونک کر مجھے دیکھا کہ میں شرمندہ سی ہو گئی..... مگر حیرت سے انہیں دیکھا ضرور..... اس انداز میں تو انہوں نے کبھی مجھ سے بات نہیں کی تھی۔

مگر وہ تو اس طرح محو ہو کر فائلوں کے ڈبیر میں منہ دیے بیٹھے تھے کہ انہیں شاید احساس تک نہیں تھا کہ میں ایک تک انہیں دیکھے چلی جا رہی ہوں۔

میں کیوں بیٹھی رہی..... اور اب میں کیوں کھڑی ہوں؟ میں شاید یہ سب اپنے آپ سے پوچھ رہی تھی۔ میرا خیال تھا..... سر ندیم ہمیشہ کی طرح اس موضوع پر مجھے کچھ نہ کچھ بریفنگ ضرور دیں گے۔

وہ شاید زیادہ مصروف تھے..... یا بے حد تھکے ہوئے..... یا ان دنوں آفس میں کام کا انبار ان کو گھیرے میں لیے

ہوئے تھا..... اس لیے وہ قدر۔ ریچرچرے بھی نظر آرہے تھے۔ اس لیے انہوں نے یوں بی ہو کیا۔ میں نے دل میں سوچا..... اور سرعت سے ان کے آفس سے باہر نکل آئی۔

شہر کے حالات تو خیر ہمیشہ کے جیسے تھے..... مگر ہمارے اخبار کے حالات خاصے پُر اسرار سے چل رہے تھے..... بریکنگ نیوز ہر روز دھمکی آمیز آرہی تھیں۔

”اگر آپ نے اس طرح کی خبریں شائع کیں تو ہم یہ اخبار بند کروادیں گے۔“

”اگر یہ اخبار بند ہو گیا تو میں کسی دوسرے اخبار میں تو ہرگز جا ب نہیں کروں گی۔ ہاں پروڈکشن ہاؤسز بھی نہیں جانا۔ ایک تجربہ ہی بہت تھا، کسی میگزین کی ادابت بھی قبول نہیں کرنی۔ اب رہی کسی چینل کو جوائن کرنے والی بات تو اس کی اجازت امی دیں گی اور نہ ہی خالہ..... اور نہ ہی خوب بن سنور کر روزانہ جانے کی مجھ میں ہمت ہے۔“ میری جو سہیلیاں جینٹلو میں جا ب کر رہی تھیں..... وہ کتنی بزی رہنے لگی تھیں..... کہ انہیں شاید فرصت نام کی چیز حاصل ہی نہیں تھی۔

”اوہو آج شاید سونے کے لیے آفس آئی ہوتی.....“ سامنے سے آتی ہوئی فرزانہ نے مجھے یوں اپنے آپ میں گم آنکھیں موندے دیکھا تو جملہ مارتے ہوئے گزر گئی۔ اور میں چونک کر یک دم سوچنے لگی کہ ہمارے آفس کا ماحول شاید اب ہر روز کیلا سے کیلا ترین ہو رہا ہے کہ اب کوئی کسی کو برداشت کرنے کے لیے تیار نہیں ہے۔

☆☆☆

”آپ تو اسکول میں جا ب کرتی تھیں، وہ کیوں چھوڑ دی؟“ حارث اور شہلا باہر کسی کیفے میں بیٹھے آفس کریم کھا رہے تھے تو حارث نے ریحان کے لیکچر کو یاد کرتے ہوئے اس سے پوچھ ڈالا۔

”بس وہاں ٹینشن سی ہوئی تھی۔ اس لیے جا ب چھوڑ دی تھی۔“

”ٹینشن تو ہر جا ب میں ہوا کرتی ہے، اس کے لیے کوئی جا ب تھوڑی ناں چھوڑی جاتی ہے۔“

”ہاں امی بھی یہی کہہ رہی تھیں مگر اسکول اونر کا بیٹا خواہ مخواہ مجھ سے فری ہو رہا تھا۔ اس لیے یہ سب مجھے اچھا نہیں لگا۔“

”تو دوسری جا ب بھی اس وجہ سے نہیں ڈھونڈی کہ کسی اور اونر کا بیٹا تمہارے پیچھے نہ لگ جائے۔“

”افوہ آپ تو بات ہی پکڑ لیتے ہیں۔“ شہلا، حارث کی بات پر ہنسی بھی اور کھسپائی بھی۔

”یہ کہو ناں جا ب کرنا تمہیں پسند نہیں ہے۔“

”پسند تو ہے بلکہ ہمارے گھر کی تو شدید ضرورت بھی ہے..... مگر جا ب ملتی کہاں ہے؟“

”اپلائی کرو گی تو ملے گی ناں..... کوئی گھر میں آ کر تو نہیں کہے گا، آؤ ہمارے اسکول.....“

”آپ کو کیا پتا، میں نے کتنی جگہ اپنا سی وی دے رکھا ہے مگر کسی نے بھی کال نہیں کی۔“

”اچھا..... اپنا سی وی مجھے بھی دے دو..... میرے دوست کی کمپنی ہے شاید وہاں مل جائے جا ب..... مگر میں سفارش نہیں کروں گا.....“

”پھر تو مل چکی، سفارش کے بغیر تو جا ب کرنے کا کہیں تصور تک نہیں ہے۔“

”مجھے ملے بھی بغیر سفارش کے..... جب میں نے بینک میں نوکری کی تھی۔“

”ٹھیک ہے آپ میرا سی وی دے دیجیے..... نصیب میں ہوئی تو مل جائے گی ورنہ مجھے آفس ورک تو صرف اسکول کا ہی آتا ہے۔“

”وہاں کوئی ٹیکنیکل ورک تو نہیں ہوگا شاید..... دراصل وہ ایک سراغ رساں کمپنی ہے وہاں مختلف لوگوں کا بائیو ڈیٹا اکٹھا کیا جاتا ہے۔“

”نہ بابا نہ، میں ایسی جگہ تو میں کبھی جا ب نہیں کروں.....“

”وہ کیوں.....؟“

”مجھے ایسے لوگوں سے ڈر لگتا ہے جو ہر وقت کسی نہ کسی کی ٹوہ میں پڑے رہتے ہیں۔“

”تو ٹھیک ہے مت کرو..... ویسے بھی کون سی تمہیں وہاں لازمی جا ب مل جانی تھی۔“ حارث نے بہت

بے پروائی سے کہا۔

”میں نے سنا ہے کہپنی میں تنخواہ بہت اچھی ہوا کرتی ہے؟“

”مجھے نہیں معلوم.....“

”اسکول والے تو دونوں شفٹوں میں آفس کلرک کی جا ب کے پندرہ ہزار دیتے تھے..... اتنے تو مل ہی

جائیں گے نا.....؟“

”ہاں اس سے کچھ زیادہ مل جائیں گے اور ٹائم بھی نو سے ڈھائی تک کا ہوگا..... بعد میں ٹریننگ پر بھیجا جائے تو ٹائم

بڑھ سکتا ہے..... مگر یہ سب اسی وقت ہوگا جب آپ کو سلیکٹ کر لیا جاتا ہے۔“

”یہ تو مزے کی نوکری ہے، کاش مجھے مل جائے۔“

”میں تو اس سلسلے میں کچھ نہیں کر سکتا۔“

”میری اپیلی کیشن تو وہاں تک پہنچا سکتے ہیں نا؟“

”ہاں بس اتنا ہی کر سکتا ہوں۔“ حارث اپنی مسکراہٹ داب کر بولا۔

”اللہ کرے مجھے جا ب مل جائے..... اپنا جہیز ہی بنا لوں گی، اگر کم جہیز لے کر گئی تو آپ کی امی کے ارمان ادھورے

رہ جائیں گے۔“

اور حارث کا پھر سر گھوم گیا۔

”یہ تم کو شادی کرنے کا کتنا شوق ہے، ہر وقت اپنی شادی کی باتیں کرتی رہتی ہو۔“

”میری چھوٹی بہن کی شادی ہو گئی اور میری نہیں ہوئی تو لوگ باتیں تو بناتے ہیں نا.....“

”اور تم لوگوں کی باتوں کی پروا کرتی ہو؟“

”پروا کون نہیں کیا کرتا..... آپ نہیں اس طرح سوچتے کیا؟“

”ہاں، ٹھیک کہہ رہی ہو۔“ حارث کو بے اختیار وہ سب باتیں یاد آ گئیں جب بینک میں چیک کے فراڈ کے بعد اسے

لوگوں کی باتیں سننے کو ملی تھیں اور لوگوں کی باتیں سن کر اسے کتنا افسوس ہوا تھا۔

”شہلا تم اپنا سی وی مجھے میل کر دو اور میں اسے جمع کر دوں گا۔“

”وہ تو میں آج ہی آپ کو پوسٹ کر دوں گی اپنے کمپیوٹر سے۔“

”چلیں اب.....“ اسے مزید بیٹھا دیکھ کر وہ اس سے بولا۔

اور وہ نہ چاہتے ہوئے بھی اٹھ کھڑی ہوئی۔ ورنہ دل تو اس کا چاہ رہا تھا کہ حارث بولتا رہے اور وہ سنتی رہے.....

☆☆☆

”خدا کا شکر ہے آج تم نے ڈھنگ کے کپڑے بھی پہنے اور اپنے آپ کو سجایا اور سنوارا بھی ہے۔ آج لگ رہی ہو تم

نئی نئی دہن.....“ چھوٹی خالہ اسے سرشار اور تیار سادیکھ کر بولیں۔

”آج میں واقعی بہت خوش ہوں.....“ وہ مسکرا کر بولی۔

”میں ناں کہتی تھی کہ کریم تمہاری طرف ضرور مائل ہوگا۔“ خالہ نے مسکرا کر اس سے کہا۔ ”آخر کون، کب

تک..... اتنی اچھی اور اتنی سلیقہ مند بیوی سے بھاگ سکتا ہے۔ دیکھو تم نے میرا کہا مانا تو وہی ہونا.....“

## یہ شمارہ پاک سوسائٹی ڈاٹ کام نے پیش کیا ہے

### پاک سوسائٹی خاص کیوں ہیں:-

ہائس کو الٹی پی ڈی ایف  
ایڈ فرس لنکس  
ایک کلک سے ڈاؤن لوڈ  
ڈاؤن لوڈ اور آن لائن ریڈنگ ایک پیج پر  
کتاب کی مختلف سائزوں میں اپلو ڈنگ  
ناولز اور عمران سیریز کی مکمل ریجنج

Click on <http://paksociety.com> to Visit Us

<http://fb.com/paksociety>

پاک سوسائٹی کو فیس بک پر جوائن کریں

<http://twitter.com/paksociety1>

پاک سوسائٹی کو ٹویٹر پر جوائن کریں

<https://plus.google.com/112999726194960503629>

پاک سوسائٹی کو گوگل پلس پر جوائن کریں

ہمیں وزٹ کرنے کے لئے ہمارا ویب ایڈریس براؤزر میں لکھیں یا گوگل میں پاک سوسائٹی تلاش کریں۔

اپنے دوست احباب اور فیملی کو ہماری ویب سائٹ کا بتا کر پاکستان کی آن لائن لائبریری کا ممبر بنائیں۔

اس خوبصورت ویب سائٹ کو چلانے کے لئے ہر ماہ کثیر سرمایہ درکار ہوتا ہے، اگر آپ مالی مدد کرنا چاہتے ہیں تو ہم سے فیس

بک پر رابطہ کریں۔۔۔

ہمیں فیس بک پر لائک کریں اور ہر کتاب اپنی وال پر دیکھنے کے لئے امیج پر دی گئی ہدایات پر عمل کریں:-

**Dont miss a singal one of your Favourite Paksociety's Update !**

- i. Open Paksociety Page.
- ii. Click Liked.
- iii. Select Get Notifications.
- iv. Select See First.

All Done

Like Message

Get Notifications  
Add to Interest Lists...

Unlike

IN YOUR NEWS FEED

See First  
See new posts at the top of News Feed

Default  
See posts as usual

Unfollow



”خالد یہ بات نہیں ہے..... آپ غلط سمجھ رہی ہیں۔ کریم جیسے تھے ویسے ہی ہیں..... انہیں آج بھی میں پسند نہیں ہوں۔ ان کے مزاج میں رتی بھر بھی فرق نہیں پڑا ہے۔“ اس نے جیسے کلس کرنا نہیں بتایا۔  
”تو پھر..... تمہاری یہ خوشی، یہ تیاری، یہ مسکراہٹ کس کے لیے ہے؟“ وہ حیرت کے ساتھ قدرے دکھ سے بھی پوچھ رہی تھی۔

”اپنی آیا کے لیے..... میری آپا خوش ہیں اور میں ان کو خوش دیکھ کر خوش ہوں۔ ان کو ان کی محبت مل گئی..... اور میری دعائیں پوری ہوئیں۔“

”تو کیا تم نے اپنی بہن کے لیے ہی دعا مانگی تھی..... اپنے لیے نہیں مانگی تھی۔“  
”خالد، اپنے لیے بھی مانگی تھی..... مگر اس کا پورا ہونا شاید ناممکنات میں سے ہے۔“  
”مگر میں نے تو یہی سنا ہے..... جب ہماری کوئی ایک دعا پوری ہوتی ہے تو اس سے جڑی دوسری دعائیں بھی ضرور پوری ہوا کرتی ہیں۔“

”اب میں کیا کہہ سکتی ہوں کہ میرے ساتھ کیا ہوگا اور کیا نہیں..... مگر اللہ کا صد شکر ہے کہ میری بہن کے ساتھ تو اچھا ہوا اور مزید اچھا ہونے کے آثار نظر آنے شروع ہو گئے ہیں۔“ راحیلہ کا لہجہ فخریہ اور خوشی سے لبریز تھا۔  
”کیا شہلا کی شادی ہو رہی ہے؟“

”شادی بھی ہو جائے گی۔ ابھی تو انہوں نے ایک بڑی اچھی کمپنی میں جاب کی ہے۔“  
”ایل لو..... کمپنی میں جاب کر لی..... پہلے تو اسکول میں نوکری کرتی تھیں..... اب دفتروں میں ماری، ماری پھریں گی۔“

”خالد، بڑے آرام کی جاب ہے، کمپنی کی گاڑی صبح نو بجے لینے آتی ہے اور دوپہر دو ڈھائی تک گھر بھی چھوڑ دیتی ہے۔ اور وہاں کام بھی بہت ہلکا پھلکا سا ہے..... اور تنخواہ بھی پہلے سے ڈبل ہے..... آپا کو تو وہاں کام کر کے بہت مزہ آرہا ہے۔“

”یہ تو بہت اچھی بات ہے..... اب شہلا اپنا جہیز خود ہی بنائے گی۔“  
”نہیں خالد..... حارث بھائی جہیز کے سخت خلاف ہیں..... انہوں نے پہلے سے ہی کہہ دیا ہے کہ ان کے گھر میں اتنا کچھ ہے کہ وہ کوئی جہیز لیں گے ہی نہیں۔“

”ارے ایسا بڑا ڈالا لڑکا کہاں سے ڈھونڈ لیا..... ہم نے تو اپنی ہر لڑکی کو بساط بھر جہیز دیا اور پھر بھی لینے والوں نے یہی کہا کہ جہیز کم دیا گیا۔“  
”آج کل لالچی لوگوں کی تعداد زیادہ ہے نا، اس لیے اس قسم کی باتیں زیادہ ہوتی ہیں۔“

”ہاں ٹھیک کہہ رہی ہوں..... مگر بیٹا..... میں جو تم سے کہہ رہی ہوں کہ اپنا زیادہ سے زیادہ خیال رکھو..... کریم اپنی غلطی پر ضرور پشیمان ہوگا.....“ چھوٹی خالد نے محبت بھرے لہجے میں اس سے کہا..... وہ کیسے بھول سکتی تھیں..... کہ ان کی بہو نے دورانِ علالت انہیں بیڈ بین تک دیا تھا..... اور ان کا کوئی کام بھی اکتاہٹ بھرے انداز میں نہیں کیا تھا۔

”خالد..... جو شخص اپنی غلط بات کو غلط ہی نہیں سمجھے تو وہ پشیمان کیسے ہو سکتا ہے، وہ تو خود کو ارفع و اعلیٰ سمجھتے ہیں اور ان کی ہر بات ٹھیک ہوا کرتی ہے۔“

”بیٹا وقت سب سے بڑا استاد ہے، ایسے لوگوں کو وقت سمجھایا کرتا ہے۔“  
”ہاں نہیں، کون کب سمجھے گا۔ اور سمجھے گا بھی یا نہیں.....“ وہ بے دلی سے اٹھ کر کام میں لگ گئی کہ بعض دفعہ دل و دماغ کی یورش سے پناہ پانے کے لیے..... اسے کام میں جت جانا زیادہ بہل لگا کرتا تھا۔



شہلا بہت خوش تھی..... آفس میں کام کرنے میں تو اسے اتنا لطف نہیں آرہا تھا..... مگر وہاں روزانہ حارث سے بھی ملاقات ہو رہی تھی۔ وہ گاہ بہ گاہ..... کسی کام سے بھی ادھر آتا..... تو اس کے آفس کا چکر ضرور لگاتا۔  
 ”اسکول کے مقابلے میں آفس کی جاب کیسی لگ رہی ہے؟“ ایک دن حارث نے اس سے پوچھا۔  
 ”بہت ہی اچھی.....“

”اسکول والا شور وغل نہیں ہے، اس لیے ایسا کہہ رہی ہو؟“  
 ”نہیں، اسکول کی رونق تو مجھے اچھی لگا کرتی تھی..... مجھے تو یہ جاب اس لیے اچھی لگ رہی ہے کہ آپ تقریباً روزانہ ہی آجاتے ہیں۔“

”وہ تو میں یوں ہی آجاتا ہوں، دراصل میرے سارے کام اسی طرف ہوتے ہیں۔“ وہ گڑبڑایا۔  
 ”ہاں، میں جانتی ہوں جس طرح میں ہر روز آپ کو دیکھنا چاہتی ہوں..... اسی طرح آپ بھی.....“ شہلا نے اس کی بات کاٹی۔

”لا حول ولا قوۃ.....“ وہ دل ہی دل میں جھنجھلایا مگر بولا کچھ نہیں۔  
 ”اس آفس میں کام و ام تو ہے نہیں..... کہیں یہ آفس بند تو نہیں ہو جائے گا.....“ ایک دن حارث آیا تو شہلا نے اسے بڑے راز درانہ لہجے میں بتایا۔

”بہت جلد آپ کو آفس کے کام سے کہیں بھیجا جائے گا تو گھبرامت جائے گا..... یہ سراغ رسانی کا آفس ہے، یہاں جب کام ہوتا ہے تو بہت ہوتا ہے اور جب نہیں ہوتا تو بالکل نہیں ہوتا۔“  
 ”میں کام سے گھبرانے والی نہیں ہوں..... آپ نے دیکھا نہیں کہ جس اسکول میں، میں جاب کرتی تھی وہاں کی دونوں شیفتوں میں کام کیا ہے میں نے..... اور کبھی تھکن کارو نا نہیں رویا۔“

”مگر یہاں کی جاب..... اسکول کی جاب سے خاصی مختلف ہے۔“ اس نے سمجھاتے ہوئے کہا۔  
 ”مگر میں سب کر لوں گی۔“ وہ بے پروائی سے بولی۔

اور جب ریحان نے اسے بتایا کہ اسے کس طرح ساجد کے پروڈکشن ہاؤس میں جاب حاصل کرنی ہے..... تو اس کے ہاتھوں کے دائمی طوطے اڑ گئے تھے۔  
 ”اتنے ماڈلباس پہن کر اور آپ کے بتائے ہوئے طریقے پر تیار ہو کر تو میں گھر سے باہر بھی نہیں نکل سکتی۔“  
 ”تو آفس آ کر تیار ہو جایا کرنا.....“ حارث نے کہا۔

”نہیں حارث..... اس طرح ساجد کو شک ہو سکتا ہے، وہ اتنا سیدھا شخص نہیں ہے جتنا وہ پوز کرتا ہے۔“  
 ”مگر شہلا اس طرح بن سنور کر نہیں نکل سکتی۔“  
 ”تو اس کے لیے کچھ سوچنا ہوگا۔“

”حارث بالکل ٹھیک کہہ رہے ہیں..... میں اس طرح گھر سے نکلی تو میرے محلے کے لوگ ہی باتیں بنائیں گے۔“  
 ”یاراتنی خوب صورت لڑکی کے لیے کوئی بیٹا سنورنا ضروری نہیں ہے۔“ حارث نے روانی میں کہا تھا مگر شہلا کے دل میں تو پھلجڑیاں سی چھوٹنے لگیں۔

حارث کو وہ اچھی لگی اور وہ اسے خوب صورت بھی سمجھتا ہے۔ اب شہلا محبت بھری نظروں سے حارث کو دیکھے چلی جا رہی تھی۔ حارث اپنی ہی پریشانیوں میں گہرا بیٹھا تھا اور ریحان یہ سب دیکھ کر میٹنگ سے باہر نکل گیا تھا۔  
 ادھر ذکیہ بیگم بھی خوش تھیں..... شہلا کی جاب آدھے دن کی تھی اور تنخواہ بھی ڈبل مل رہی تھی جو وہ ماں کے ہاتھ پر رکھ کر پوچھتی بھی نہیں تھی کہ آپ نے اس کا کیا کیا..... ایک دن وہ آفس سے آکر اپنے کپڑے پر لیس کر رہی تھی کہ کریم آ گیا۔

”مہیں جاب تو بہت اچھی مل گئی ہے۔“ وہ اسے دیکھتے ہوئے بولا۔

”ہاں اللہ کا کرم ہے، اسکول کے مقابلے میں یہ جاب زیادہ اچھی ہے۔“

”حارث نے لگوائی ہے، جب ہی تو مل گئی..... ورنہ اتنی آرام دہ نوکریاں کہاں ملا کرتی ہیں کہ خالہ محلے کے دو۔۔۔ تین گھر گھوم آئیں تو معلوم ہوتا ہے کہ تم اپنی نوکری نمٹا کر واپس بھی آ جاتی ہو۔“

”ہاں، یہ میری قسمت ہے..... کہ اللہ نے ایسی آسانیاں مجھے عطا کی ہیں..... اور میرے منگیترنے میرے لیے یہ نوکری ڈھونڈی ہے۔“

”اگر تمہیں اپنی بہن راحیلہ سے محبت ہے اور اگر تم یہ بھی چاہتی ہو کہ اس کے مالی حالات بہتر ہوں تو تم اس کو بھی ایسی جاب دلوا دو ناں.....“

”کریم بھائی..... چار دن پہلے تک تو آپ میری نوکری کے خلاف تھے۔ اور میرے بارے میں الٹی سیدھی باتیں بول کر گئے تھے اور آج آپ مردوں کے ساتھ کام کرنے کے لیے اپنی بیوی کو بھیجنا چاہتے ہیں۔“

”وہ اس لیے کہ اس کے خواب اس کی چادر سے کہیں زیادہ ہیں..... اور وہ ہر وقت تمہارا مقابلہ کرتی رہتی ہے اگر اسے جاب نہ ملی تو وہ بیمار ہو جائے گی۔“

”مگر راحیلہ کو تو کبھی جاب کرنے کا شوق ہی نہیں تھا۔“ اسے کریم کی باتوں پر حیرت تھی۔

”وقت کے ساتھ، ساتھ ہر شخص کی ترجیحات بھی بدل جایا کرتی ہیں۔“ کریم تو کہہ کر چلا گیا تھا۔ مگر ذکیہ بیگم..... سوچ میں پڑ گئی تھیں کہ آخر کریم نے ایسا کہا تو کیوں کہا..... اور پھر وہ خود ہی فیصلہ کر کے بولیں۔

”کریم لاپچی تو تھا ہی، اب حرص خورہ بھی ہو گیا ہے اور اگر راحیلہ نے جاب کر بھی لی تو وہ ساری زندگی اس ٹکنبے میں کسی رہے گی۔“

”آپ ایسا کیوں کہہ رہی ہیں پتہ شہلانے ماں سے پوچھا۔“

”بیٹا..... میں نے بے شمار ایسی خواتین دیکھی ہیں..... جو نوکری چھوڑنا بھی چاہیں تو ان کے شوہر انہیں چھوڑنے نہیں دیتے تب گھر اور باہر کی ذمے داریاں اٹھاتے، اٹھاتے ان کی اپنی کمر ٹوٹ جاتی ہے مگر ان کے شوہروں کو ان پر رحم نہیں آیا کرتا.....“

”مگر کریم بھائی تو کہہ رہے تھے کہ ایسا راحیلہ چاہتی ہے۔“ شہلانے مزید حیرت زدہ ہوتے ہوئے کہا۔

”جھوٹ بول رہا ہے وہ، راحیلہ بتا رہی تھی کہ وہ دو تین مرتبہ تمہارے آفس جا کر دیکھ کر آیا ہے کہ تم وہاں کیا کام کر رہی ہو۔“

”مگر میں نے انہیں نہیں دیکھا۔“

”بڑا چالاک ہے وہ..... معلومات کرنے گیا ہوگا..... کہ تم وہاں پر کیا کام کر رہی ہو.....؟ کتنی تنخواہ ہے وغیرہ..... اور جب مطمئن ہو گیا تو اس نے سوچا ہوگا کیوں نہ راحیلہ کو بھی کام پر لگا دیا جائے۔“

☆☆☆

”رئیسہ بیگم کو بخار ہو گیا تھا جو ان کی بد پرہیزیوں کے سبب ٹھیک نہیں ہو رہا تھا۔ عامر، ماں کی وجہ سے خاصا پریشان تھا اور اس کی پریشانی میں مزید اضافہ اس کی خالہ نے آ کر کر دیا تھا کہ انہوں نے پہلے ہی خواب میں دیکھ لیا تھا کہ اب میری بہن نہیں بچے گی۔ خاندان کی جتنی بھی ناگہانی اموات عرصہ دراز پہلے ہوئی تھیں انہوں نے ان کی موت کا سبب بھی ہلکا سا بخار بتایا جو ایسا آ کر ان کے وجود میں بیٹھ گیا تھا جو ان سب کی موت کا سبب بنا تھا۔“

”میں امی کو اچھے اسپیشلسٹ کے پاس لے کر جا رہا ہوں اور وہاں سے لائی گی ادویات جب کھائی ہی نہیں گئیں تو بخار کیونکر اترتا..... یوں بھی دائرل فیور ہے جو اپنی معینہ معیار پر ہی اترتا ہے۔“

عامر کی بڑھتی ہوئی پریشانی نے رئیسہ بیگم کو بھی قدرے پریشان تو ضرور کر دیا تھا مگر ایسوشل بلیک ملینگ کا یہ بہت اچھا

وقت تھا..... اب وہ اس کی شکل دیکھتے ہی ایک ہی بات کہتیں۔ ”میں مر جاؤں تو میری بھتیجی سے ضرور شادی کر لینا ورنہ میں تمہارے لیے مرنے کے بعد بھی بے چین رہوں گی۔ چلو زندگی میں نہ سہی مگر مرنے کے بعد میری بات ضرور ماننا۔“

”آپ جلدی سے ٹھیک ہو جائیں..... اور جہاں دل چاہے میری شادی کر دیں..... مگر پلیز ایسی باتیں نہ کریں.....“ وہ آبدیدہ سا ہو گیا تھا۔

عمر کے جملے تھے یا کوئی صحت بخش ٹانک ریسیہ بیگم دونوں میں بھلی چٹکی ہو گئیں۔ اور اپنی بھتیجی کو نہ صرف انگوٹھی پہنا آئیں بلکہ ڈھیر ساری مٹھائی اپنے اریب قریب تمام ملنے والوں میں بانٹ دی۔

شادی ربیع الاول میں ہونا قرار پا گئی..... اور عمر نے کسی معاملے میں کوئی بات نہیں کی تھی..... اور یہ سب ریسیہ بیگم کو بے حد اچھا لگ رہا تھا۔

”آخر صبا کے اثرات میرے بیٹے کے سر سے اتر ہی گئے..... بیوی گھر میں آجائے گی تو تھوڑی بہت کسر بھی ختم ہو جائے گی۔“ اور جب رشتہ طے ہونے کے بعد فرزانہ منگنی کی انگوٹھی پہن کر شرمائی لجائی ریسیہ بیگم کے گھر میں داخل ہوئی تو عامر اس کے یہ انداز دیکھ کر بولا۔

”مجھ سے شادی کرنے سے پہلے ایک مرتبہ یہ ضرور سوچ لینا..... میں بے حد معمولی سا شخص ہوں..... اور تم جیسی خوب صورت لڑکی سے ایک سے بڑھ کر ایک اچھا لڑکا شادی کا خواہش مند ہو سکتا تھا، یہ نہ ہو کہ بعد میں مجھے برا بھلا کہو.....“

”عامر، آپ کو کیا پتا، آپ میرے لیے کتنے خاص الخاص ہیں۔“

”مجھے تو واقعی نہیں معلوم، تم ہی بتا دو۔“ اس نے سادگی سے پوچھا۔

”آپ کے بغیر میں جینے کا تصور بھی نہیں کر سکتی۔“

”ایسی بات تم کیسے کہہ سکتی ہو، میں نے تو کبھی تم سے ایسا وعدہ نہیں کیا تھا.....“ اسے واقعی حیرت ہو رہی تھی۔

”یہ میری ہی باتیں تھیں جو آپ میرے نصیب میں آئے اور عنقریب ہماری شادی بھی ہو جائے گی۔ اب آپ خود ہی اندازہ لگائیں۔“

”شاید تم ٹھیک کہہ رہی ہو۔“ ایک سردی آہ اس کے لبوں سے نکلی۔ ”یا پھر میری بھتیجیوں میں کوئی کمی رہی ہوگی جو مجھے صبا ہی نہیں پائی۔“

”صبا آپ کا ماضی تھی اور میں آپ کا حال اور مستقبل دونوں ہوں..... اس لیے اسے بھول جائیں۔“

”اب اگر تم یہ بھی کہہ دو کہ میں اپنے آپ کو بھی بھول جاؤں تو کیا یہ سب مجھے کرنا ہوگا؟“ وہ انتہائی نرم لہجے میں اس سے پوچھ رہا تھا۔

”جب آپ کو دیکھ کر میں اپنی ہستی بھول جاتی ہوں تو ایسا وقت تو آپ پر بھی آئے گا کہ آپ کو میرے سوا واقعی کوئی نظر ہی نہیں آئے گا۔“

”اچھا، اب ایسا بھی ہونے والا ہے۔“

”بالکل..... اب آپ دنیا کو میری آنکھوں سے بھی دیکھیں گے اور میری طرح محسوس بھی کیا کریں گے؟“ فرزانہ دھیمے لہجے میں شرمائے اور اترائے انداز میں اس کے کانوں میں اپنے حساب سے جیسے رس گھولنے کی سعی کر رہی تھی۔

”اس کا مطلب تو یہ ہوا کہ مجھے اپنی آنکھیں نہیں رہن رکھ دینی پڑیں گی۔“

”آنکھوں کے ساتھ، ساتھ اپنا دل بھی.....“ وہ ہنسی۔

اور وہ اس کے چہرے کو دیکھتا رہا..... کہ وہ سنتے ہوئے اچھی لگ رہی تھی مگر صبا سنتے ہوئے بہت ہی اچھی لگا کرتی تھی۔ اور جب وہ آنکھیں بند کر کے وفور عشق سے کھلکھلایا کرتی تھی تو اس کی دراز پلکیں کتنی خوب صورت لگا کرتی تھیں۔ شرارت سے وہ نچلا ہونٹ کاٹتے ہوئے جب بولا کرتی تھی تو وہ اس کے ہونٹ پر پڑنے والے گاجری نشان کو دیکھتا رہتا جاتا

تھا۔ جو ہونٹ کاٹنے کے سبب درآتا تھا۔  
عامر کا رشتہ طے کر کے رئیسہ بیگم کی خوشی کا کوئی ٹھکانا نہیں تھا..... فرزانہ گا ہے بہ گا ہے گھر آ جاتی..... یا اپنے گھر پر  
کوئی نہ کوئی دعوت اریج کر لیتی۔

عامر، اس کے بلاوے پر ماموں کے گھر بھی جا رہا تھا اور فرزانہ کے مستقبل کے پلانز کو سنجیدگی سے سن بھی رہا تھا۔  
”امی، فرزانہ کہہ رہی ہے کہ شادی سے پہلے مجھے زیرو میٹر گاڑی لے لینی چاہیے..... میری گاڑی کا ماڈل خاصا پرانا ہے۔“  
”ٹھیک ہے لے لو۔“ رئیسہ بیگم نے سرشاری سے کہا کہ کوئی تو ایسا موقع آیا کہ عامر نے اپنے بارے میں گاڑی  
کے حوالے سے ہی سوچا اور نہ اسے نہ اپنی پروا تھی اور نہ ہی اپنے سے وابستہ چیزوں کی۔

عید کے بعد ماموں نے ایک پکنک رکھی تھی..... سب بہن، بھائیوں کو مدعو کیا تھا..... اور رئیسہ بیگم کو لگ رہا تھا فارم  
ہاؤس میں کی گئی ایک پکنک کی دعوت جو مٹی کی دعوت ہو۔ فرزانہ کسی دلہن کی طرح تیار تھی۔ میچنگ جیولری تک پہنچی ہوئی تھی  
اور وہ عامر کا ہاتھ تھام کر یوں گھوم رہی تھی جیسے اس کے علاوہ وہاں کوئی دوسرا ذی نفس موجود ہی نہیں ہو۔  
عامر اس کی حرکتوں پر ہچکچا رہا تھا مگر وہ کسی طور نہیں مان رہی تھی اور پھر جب وہ اپنی ہائی ہیل پہنے، پہنے پیر توڑنے کو  
اچکی تو اپنا بیکنس سنبھال نہیں سکی۔  
اور وہ عامر کے ہاتھوں میں تھی۔

”پکنک میں لوگوں کو جو گرز پہن کر جاتے دیکھا ہے یہ ہیل والی سینڈل پہن کر کون جا یا کرتا ہے۔“ عامر نے اس سے کہا۔  
”اب یہ سینڈل اس پر پل سوٹ کے ساتھ خریدی تھی تو اس کے ساتھ ہی پہننی تھی ناں..... اگر میں لڑھکتی نہیں تو  
آپ نے میری سینڈل کی طرف دیکھنا بھی نہیں تھا۔“  
”اوہ..... تمہیں بھی دیکھوں اور تمہاری سینڈلوں کو بھی۔“ عامر کی اس کی بات سن کر ہنسی آ گئی۔  
”بالکل مجھ سے وابستہ ایک، ایک چیز کا خیال رکھنا آپ کی ہی تو ذمے داری ہوگی۔“  
”یہ تو بڑے مشکل کام ہیں۔“

”یہ اتنی سی بات..... آپ کو مشکل کام لگ رہی ہے پتہ ابرو چڑھا کر ناز سے پوچھا گیا۔  
”بالکل.....“ اکتاہٹ سے بھرپور لہجے میں کہا گیا۔  
”ہاں بھئی..... میں اپنی سوچوں میں ڈوبا ہوا شخص..... اپنا خیال نہیں رکھ پاتا..... میں کہاں دوسروں کو اتنی باریک  
بینی سے دیکھ سکتا ہوں۔ نیور، اب بھی سوچ لو یہ نہ ہو کہ بعد میں۔“  
”سنیں اب آپ ڈوبے ہوئے شخص نہیں رہے ہیں۔“ بات کاٹ کر کہا گیا۔  
”کیا مطلب.....؟“ وہ جیسے اس کی بات ہی نہیں سمجھ سکا تھا۔

”پہلے بھی آپ ڈوبے ہوں گے مگر آپ کو نکال لیا گیا ہے۔ اور اب آپ میرے عامر بننے جا رہے ہیں..... صرف  
میرے۔ اور یوں بھی شادی تو نام ہی ذمے داریوں کا ہے، آپ کا خیال رکھنا اب میری ذمے داری ہوگی اور میری ذمے  
داری اب آپ کی ہوگی۔ اور ان کاموں کے لیے پہلے سے تیار ہو جائیں تو کیا برا ہے۔“  
”زندگی کا کام چلنا ہے، اب وہ مجھے کس سمت میں چلانا چاہ رہی ہے اس کے لیے میں اپنے آپ کو تیار کرنے کی  
کوشش ضرور کروں گا۔“

”عامر خوشیاں ہماری راہ دیکھ رہی ہیں..... اب آپ کو فکر مند ہونے کی چنداں ضرورت نہیں ہے۔“  
وہ خاموش رہا۔

”آپ کے لیے میں نے اتنا انتظار کیا کہ اس کا احساس تک شاید آپ کو نہ ہو۔ آپ کو نہ کبھی پروا رہی اور نہ ہی میرا  
خیال..... کہ میں آپ کی ایک نظر کے لیے کتنی پریشان رہی ہوں۔ آپ تو بس اس ایک غیر حاضر وجود کے لیے دنیا ہی چھوڑ

کر بیٹھ گئے تھے اور میرا روال، روال آپ کی توجہ بھیک میں مل جانے کے لیے بھی تیار رہتا تھا۔ آخر اللہ کو مجھ پر رحم آیا..... اور میرا انتظار ختم ہوا۔“

”تم ٹھیک کہہ رہی ہو، انتظار کے لمحات انتہائی جاں گسل ہوا کرتے ہیں اور بعض لوگوں کو شاید احساس ہی نہیں ہو پاتا۔“

”مگر اب آپ نے بے حس بن کر نہیں رہنا۔“ وہ اس کے اتنے قریب بیٹھی تھی کہ اس کے بال اس کے چہرے کو چھو رہے تھے۔

”میں بے حس ہوں کیا.....؟“ وہ چونک سا پڑا۔

”پہلے تو واقعی تھے..... وہ ہنسی۔“

”کیا تم میری بات کر رہی تھیں۔“ اب وہ اسے دلچسپی سے دیکھ رہا تھا۔ وہ کیسے اپنے بالوں کی دراز چوٹی کو اپنی انگلی پر گھماتے ہوئے شوخ سے لہجے میں اس سے باز پرس کر رہی تھی۔

”نہیں..... میں محلے والوں کی بات کر رہی تھی۔“ مصنوعی غصے سے کہا گیا۔ اور وہ ہنس پڑا۔ زندگی سے بھرپور ہنسی۔

ایسی ہنسی جو اس کے لبوں پر عرصہ دراز کے بعد دکلی تھی۔

”جتا بے کل میں نے آپ کے لیے خوب شاپنگ کی۔“ وہ لاڈ بھرے لہجے میں بتا رہی تھی۔

”مگر کیوں بھئی..... میں نے تو تم سے کوئی فرمائش نہیں کی تھی۔“

”وہ اس لیے کہ آپ اپنے کپڑوں کی جانب سے بہت بے پروا ہیں اور آف وائٹ رنگ کے سوا کوئی رنگ بھی نہیں پہنتے ہیں۔“

”آفس میں یہ رنگ اچھے لگتے ہیں، بندہ سو برس لگتا ہے۔“

”مگر مجھے نہیں پسند..... اگر میں نیلا سوٹ پہنوں گی تو آپ کی شرٹ کا رنگ بھی نیلا ہونا چاہیے..... اور اگر میں کالا سوٹ پہنوں گی تو آپ بھی کالی شرٹ پہنیں گے۔“

”اور اگر تم سرخ جوڑا پہنوں گی تو پھر.....؟“ وہ جملہ منہ میں داب کر مسکرا کر بولا۔

”ہاں تو پھر.....؟ آپ کو بھی سرخ شرٹ پہننی ہوگی۔“ وہ مسکرائی۔

”جو کر بیانا چاہتی ہو مجھے..... اور ایسا کبھی نہیں ہونے والا۔“

”اور اب جو ہوگا..... وہ آپ سوچ بھی نہیں سکتے۔“

”ایسا کیا ہوگا؟“ اس نے آنکھوں ہی آنکھوں میں پوچھا۔

”جب ہوگا تب ہی جانیے گا.....“ اس کی ناز بھری شرمیلی آواز کانوں میں گونجی۔

☆☆☆

شہلا اپنی دانست میں خوب اچھی طرح تیار ہو کر ساجد کے پروڈکشن ہاؤس پہنچی تھی مگر اس سے کسی قسم کی بات کیے بغیر ہی واپس لوٹا دیا تھا کہ یہاں کسی قسم کی کوئی ویٹیننسی خالی نہیں ہے اور نہ ہی ضرورت ہے۔

”تم وہاں بات کرنے کی کوشش تو کرتیں۔“ ریحان نے اپنا غصہ دباتے ہوئے کہا۔

”ان لوگوں نے جب صفا چٹ کہہ دیا کہ ہمارے ہاں کوئی ویٹیننسی خالی نہیں ہے تو میں کس سے بات کرتی۔“ شہلا نے سادگی سے کہا۔

”انہوں نے تو میری بات سنتے ہی کہہ دیا تھا کہ آپ جاسکتی ہیں۔“

”ہم نے تمہیں سمجھایا تھا ناں ہماری کہنی ساجد صاحب کے پرسنل کوائف زارداری سے اکٹھا کر رہی ہے، اس کے لیے تمہیں بتایا گیا تھا کہ وہاں ساجد صاحب سے بات کرنے کی کوشش کرنا۔“

”کیا کسی سے زبردستی بھی بات کی جاسکتی ہے؟“ شہلا نے جزیب ہو کر کہا۔

”ہاں، جس سے بات کرنی ضروری ہو تو اس سے بات کرنے کا کوئی نہ کوئی طریقہ ڈھونڈنا ہی پڑتا ہے۔“

”تو میں وہاں روزانہ جاؤں کیا؟“ شہلا اب الناریحان سے ہی سوال کر رہی تھی۔

”یہ سب تو میں نے نہیں کہا۔“

”سر، میں تو آپ کی کمپنی میں جاب کرنے آئی تھی مگر آپ مجھے دوسری جگہ بھیج رہے ہیں..... یہ سب مجھے خود اچھا نہیں لگ رہا۔“

”آپ یہ سمجھ کیوں نہیں لیتیں..... وہاں جا کر کام کرنا بھی آپ کی اسی جاب کا ہی حصہ ہے۔ جب تک آپ وہاں کام کریں گی آپ کو یہاں ڈگنی تنخواہ ملے گی۔“

”ریٹیل؟“ شہلا تو یہ سن کر ہی خوش ہو گئی تھی۔

”تو کیا کل میں دوبارہ ان کے لیے آفس میں جا کر اپنا سی وی دینے کی کوشش کروں.....؟“ اس نے سرشار لہجے

میں پوچھا۔

”فی الحال نہیں.....“ ریحان نے نفی میں سر ہلاتے ہوئے کہا۔

”مگر کیوں سر؟“

”وہ اس لیے کہ وہاں کا اونز کوئی بے وقوف شخص نہیں ہے، وہ پہلے تمہارے بارے میں پورے کوائف اکٹھے کرے گا اگر اسے ذرا سا بھی شک ہو گیا کہ تم ایک سراغ رساں کمپنی میں جاب کرتی رہی ہو تو وہ اسی وقت تمہیں نکال باہر کرے گا۔“

”پھر تو وہاں جاب حاصل کرنا خاصا مشکل ہے۔“ شہلا کی ساری گرجوشی پل بھر میں بیٹھ گئی۔

”ہاں مشکل ضرور ہے مگر ناممکن نہیں۔“

”دیکھتے ہیں کہ ہم آگے کیا کر سکتے ہیں..... فی الحال آپ ہفتہ بھر کی گھر میں بیٹھ کر چھٹی منائیں۔“

”ارے واہ..... یہ تو بہت اچھا آفس ہے.....“ شہلا نے دل میں سوچا..... ”اتنی اچھی جاب اگر راحیلہ بھی کر لیتی

تو کوئی مضائقہ نہیں تھا۔ نہ جانے کیوں حارث کہہ رہے تھے کہ یہاں اب کوئی دستکاری ہی نہیں ہے۔ اگر میں راحیلہ کو جاب

دلوانے کی کوشش بھی کروں تو شاید حارث ایسا نہیں ہونے دیں گے۔ خیر..... پہلے میں اپنے قدم جمالوں راحیلہ کے لیے بعد

میں دیکھوں گی۔ مگر دیکھوں گی ضرور۔ اچھا ہے وہ جاب کے بہانے ہی کسی اپنے گھر سے باہر تو نکلے..... جو اس کے لیے

زندگی کی حیثیت رکھتا ہے۔“ اور جب اس نے ریحان سے جاب کی بات کی تو اس نے حیرت سے اسی سے پوچھ ڈالا۔

”آپ سے کس نے کہہ دیا..... یہاں کوئی جاب خالی ہے، آپ کو بھی بس حارث کے کہنے پر رکھ لیا..... پرانا

دوست ہے، ایک عرصہ ہم ساتھ رہے ہیں، اب اس کے کہے کو منج تو نہیں کیا جاسکتا نا.....“

”اچھا اگر جاب نکلے تو آپ کو میری بہن کو رکھنا ہے۔“ اس نے پرجوش لہجے میں کہا۔

”ہماری اس کمپنی میں کتنی کے لوگ ہیں، کیا آپ نہیں دیکھ رہی ہیں..... جب یہ لوگ چلے جاتے ہیں تو کیا آپ کو

ایسا نہیں لگتا جیسے کسی اسکول کی چھٹی ہو گئی ہے۔“

”مجھے تو یہ معلوم ہے کہ ایک خاتون یہاں سے باقاعدگی سے تنخواہ لیتی ہیں مگر آفس نہیں آتی ہیں۔“

”اوہ..... اچھا مسز ناصر کو کہہ رہی ہو۔“

”ہاں..... میں نے انہیں ہر ماہ تنخواہ لینے کے لیے آتے دیکھا ہے۔“

”مگر آپ کو نہیں معلوم..... وہ ہمارے آؤٹ ڈور کے کام کیا کرتی ہیں۔“

”اچھا..... مجھے تو یہ معلوم ہے کہ وہ اپنے گھر میں بیوٹی پارلر کا کام کرتی ہیں۔“

”بڑی معلومات ہیں بھئی، کام کرتے ہوئے ابھی جمعہ، جمعہ آٹھ دن نہیں ہوئے مگر سب کے بارے میں جان گئی

ہو.....“ ریحان نے ہنس کر کہا تو وہ کھسیا کر مسکرا دی۔

☆☆☆

”نہیں..... ایسا نہیں ہو سکتا..... اور ایسا وہ کر ہی نہیں سکتی.....“ ریحان کی بات سن کر حارث نے واضح انکار کر دیا تھا۔  
 ”اتنا زبردست موقع ہاتھ آیا ہے، ساجد خاں دیگر لوگوں کے ساتھ کئی ماڈلز کی کیٹ واک کے بیچ بنے ہیں اور اگر اس میں شہلا بھی حصہ لے، لے تو وہ ساجد کو ضرور متاثر کرے گی۔“

”یاد متاثر کرنا نہ کرنا تو دوسری بات ہے، ایک لوئر مڈل کلاس کی لڑکی کس طرح کیٹ واک کر سکتی ہے..... اور اگر بالفرض اس نے کر بھی لی.... تو اس کا خاندان اس کا ناطقہ بند کر دے گا..... اور وہ تو خواہ مخواہ بدنام بھی ہو جائے گی۔ اور میں کبھی کسی کے لیے پریشانیاں پیدا کرنا نہیں چاہتا۔“

”میں نے ساری معلومات حاصل کر لی ہیں..... شادی کے ملبوسات کی ماڈلنگ ہے..... ہم اس کے میک اپ اور لباس کے انتخاب میں اس بات کا خیال رکھیں گے کہ اس کا چہرہ پہچان میں نہ آنے پائے..... اور اس کا نام بھی شہلا کے بجائے صرف سین رکھ دیں گے۔“

”تم کیا کرو گے اور کیا نہیں..... میں ان تمام معاملات سے دور رہنا چاہتا ہوں..... تم اس ضمن میں خود بات کرنا چاہو تو ضرور کرو..... مگر میرا سو فی صد یہی خیال ہے کہ شہلا کبھی صورت نہیں مانے گی..... اس کی جان کے پیچھے ویسے ہی اس کا بہنوئی پڑا ہوا ہے..... دیگر خاندان والے بھی یقیناً اسی بیچ کے ہوں گے..... ایک ایسی لڑکی جس میں کانفیڈنس رتی بھر بھی نہیں ہے..... وہ ماڈلنگ خاک کرے گی اور اگر وہ وہاں تک چلی بھی گئی تو اس کو ریہرسل میں ہی نکال دیا جائے گا اور وہاں کی انتظامیہ تمہاری کتنی ہی جاننے والی کیوں نہ ہو، وہ ایسا رسک کبھی نہیں لے گی کہ ایک بے وقوف سی لڑکی کو صرف اس کی خوب صورتی کی بنا پر لے کر اپنا پروگرام خراب کر دیا جائے۔“

”اب تم مزید تقریر کرنا بند کرو..... میں کیا کرتا ہوں اور کیا کرنے والا ہوں یہ تم کو ایک ہفتے بعد بتا چلے گا۔“  
 اور جب شہلا نے حارث کو فون کر کے ماڈلنگ کے بارے میں پوچھا تو اس نے قطعی لائق کا اظہار کر دیا۔  
 ”مجھے نہیں معلوم تمہارے آفس کے کیا پروگرامز ہیں..... اور تم بھی اگر ان چیزوں میں حصہ لوگی تو اس سے اپنے گھر والوں کو بے خبر رکھنا اور خواہ مخواہ کی پریشانیاں مولی لوگی۔“ اپنے طور پر وہ اسے سمجھانے کی سعی کر رہا تھا۔  
 ”یہ تو مجھے سب بتا ہے مگر میں تو چاہ رہی تھی کہ پروگرام کے دن اگر آپ بھی وہاں تقریب میں آجاتے تو مجھے اچھا لگتا۔“

”میں کیوں آؤں گا وہاں..... خواتین کی ماڈلنگ سے مجھے کوئی دلچسپی نہیں ہے۔“  
 ”مگر مجھ سے تو آپ کو دلچسپی ہے نا؟“ لہجہ دلچسپ بھرا تھا۔  
 ”تو صرف تمہاری وجہ سے میں وہاں آ کر بور ہو جاؤں۔“  
 ”حارث کیا آپ مجھے دلہن بنا ہوا نہیں دیکھنا چاہتے ہیں؟“ اب یہ اس کا دوسرا سوال تھا۔ جسے سن کر ہی وہ متوحش سا ہو گیا۔

”یہ کس قسم کی باتیں کر رہی ہیں آپ؟“  
 ”میں وہاں دلہن کے لباس زیب تن کروں گی اور آپ ہی مجھے نہیں دیکھیں گے..... تو مجھے وہاں شرکت کر کے خاک مزہ آئے گا۔“

”ریحان بتا رہا تھا کسی ٹی وی چینل پر اس پروگرام کی براہ راست ریکارڈنگ بھی دکھائی جائے گی..... میں دیکھ لوں گا۔“  
 ”تو..... آپ وہاں نہیں آئیں گے؟“

اب حارث کیا کہتا..... کہ وہ ساجد کی شکل نہیں دیکھنا چاہتا..... تو ایسے پروگرام میں وہ کیوں شرکت کرتا مگر پھر بھی بات کو سنبھالتے ہوئے بولا۔ ”ہاں کوشش تو ضرور کروں گا۔“



”ایمان سے؟“ جذب بھرے لہجے میں کہا گیا۔  
 ”یہ سب تو میں نہیں کہہ سکتا ویسے تم کس قسم کا ڈریس پہن رہی ہو؟“  
 ”بڑے چمکتے دکتے کپڑے ہیں، بس مجھے اپنے بہت بھاری سے لہنگے کو دونوں ہاتھوں سے پکڑ کر خراماں، خراماں چلنا ہے..... جیسے کوئی شہزادی اپنے باغ میں ٹہل رہی ہو، یہی سب مجھے بتایا گیا ہے۔“  
 ”تم سے یہ سب ہو جائے گا؟ میرا مطلب ہے، بے شمار نظروں اور لاتعداد کیمروں کی روشنیوں کی زد میں آ کر تم چل پاؤ گی؟“

”حارث آپ مجھے کیا سمجھتے ہیں، جس اسکول میں، میں جاب کرتی تھی وہاں لڑکیوں کے ڈراموں کی انچارج میں ہی تھی..... میں اسٹوڈنٹس کورسیرسل کروایا کرتی تھی۔“ وہ تو فلی سے بولی۔  
 ”اس کا مطلب ہے کہ ماڈلنگ کرنا تمہارے لیے کوئی مشکل کام نہیں ہے۔“ حارث حیرت بھرے لہجے میں بولا۔  
 ”بالکل بھی نہیں..... جب میں نے انتظامیہ کے سامنے ماڈلنگ کی تو وہ کہنے لگے آپ کو تو سکھانے کی چنداں ضرورت نہیں۔“ اس نے فخریہ لہجے میں اسے بتایا۔

”میں خواہ مخواہ ہی تمہاری طرف سے پریشان ہو رہا تھا۔“ اس نے جیسے بڑبڑاتے ہوئے اپنے آپ سے کہا۔  
 ”آپ کیوں پریشان ہو رہے تھے؟“ نہ جانے وہ کیسے اس کے دل کی بات سمجھ بیٹھی۔  
 ”کچھ نہیں..... بس ایسے ہی.....“ وہ کھپسا گیا۔  
 ”بتائیں ناں..... آپ کیوں میرے لیے پریشان ہو رہے تھے۔“  
 ”بس ایسے ہی..... کہیں کوئی ٹیلی ایڈوائز نہ ہو جائیں اور آپ کو کوئی مسئلہ ہو۔“  
 ”آپ پریشان نہ ہوں ایسا کچھ نہیں ہوگا..... سر ریحان نے مجھے بتا دیا ہے کہ اول تو مجھے کوئی پہچان نہیں پائے گا اور

ستمبر 2016ء کے شمارے کی  
 ستم گر کہانیاں، پریچس دانستائیں

## ماہنامہ جاسوسی ڈائجسٹ

اولین صفحات پر کاشف زبیر کی یادگار تحریر۔ فتنہ

طاہر جاوید مغل کے قلم سے سلگتے بہو کو گراتے..... انگارے  
 ڈاکٹر عبدالرب بھٹی کے آوارہ گرد کی شہ زوریاں اور آواز گریں



رورق نگار  
 محمد فاروق انجم  
 اور مختار آزاد کے سنگ

تنویر ریاض، سلیم انور، جمال دستی،  
 منظر امرا اور عکس فاطمہ کی دل ربا، چلبلی اور دلچسپ  
 کہانیاں، گھٹی میٹھی محفل، تبصرے، حکایتیں، لطیفے، اور بہت کچھ

اپنے ہا کر سے آج ہی اپنی کاپی محفوظ کرائیں

بالفرض کسی نے پہچان لیا تو اسکولوں اور کالجوں کی لڑکیاں بھی تو مختلف درجائی پروگرامز میں ایسے ہی سوانگ بھرا کرتی ہیں..... میری بہن کی دوستیں اپنے اسکول کے مینا بازار میں غلام بنی تھیں وہ تو بعد میں پتا چلا تھا..... مردانہ قد و کاتھ کی وجہ سے ان کی نیچر نے انہیں مرد بلکہ غلام کا کردار دیا تھا..... میں تو بہت عرصے تک گھر میں ان کا مذاق اڑاتی رہی تھی کہ غلام کے ہاں سے کھیر آئی ہے، غلام کی امی کا فون آیا ہے، جس پر امی خاصی ناراض ہوا کرتی تھیں کہ میں چھوٹی خالہ کے گھر کی عزت نہیں کیا کرتی ہوں۔“

”دوسروں کا تو مذاق اڑاتی رہتی ہو..... اب کہیں تمہارا مذاق نہ بنے۔“ دل کی بات اس نے اس کی ساری کتھاسن کر کہہ ہی دی۔

”ارے واہ..... آپ نے مجھے سمجھا کیا ہے..... میں شہلا ہوں..... اپنے کالج کے زمانے کی آل راؤنڈر اسٹوڈنٹ..... میرے سامنے یہ ماڈلنگ سے کیا چیز..... اور وہ بھی نئی لڑکیوں کی ماڈلنگ..... جو ساری کی ساری اس معاملے میں اناڑی بھی ہیں اور خاصی نروس بھی..... وہ میرے سامنے کہاں چل پائیں گی..... آپ دیکھیے گا..... پانچ اکتوبر کی شام کو ہر جگہ صرف شہلا، شہلا کا ہی نام ہوگا۔“

”اللہ کرے ایسا ہی ہو۔“ اس نے ہنس کر بات ختم کر دی تھی کہ یوں بھی فون کر کے یا اس کا فون ریسیو کر کے وہ ہمیشہ پھنس جایا کرتا تھا۔ وہ پانچ منٹ کی بات پورے گھنٹے میں کرنے کی عادی تھی۔

اور ایسا بھی اکثر ہوتا تھا کہ وہ بولتی رہتی تھی اور وہ صرف ہوں، ہاں کرتا رہتا اور بعض دفعہ تو چپ بھی سادھ لیا کرتا تھا۔ اور اب اس سے فون پر بات کرنے کے بعد واقعی اپنا سر پکڑ کر بیٹھ گیا تھا۔

اگر اس پروگرام میں شرکت کرنے والی دیگر لڑکیاں پریشان تھیں یا بقول اس کے وہ نروس بھی تھیں مگر شہلا تو احساس برتری کا شکار نظر آرہی تھی..... جو احساس کتری کی ہی ایک شکل ہوا کرتی ہے اس کا دل نہ جانے کیوں پریشان سا تھا..... اور اسے ایسا لگ رہا تھا کہ مقررہ دن کوئی ان ہونی ہو کر رہے گی۔

”اللہ نہ کرے..... ایسا کچھ ہو.....“ وہ از خود اپنے آپ کو دلا سادے رہا تھا۔

☆☆☆

اور پھر وہ دن بھی آ گیا۔ حارث اور ریحان اپنے آفس میں ٹی وی کی اسکرین کے سامنے بیٹھے تھے۔ پروگرام شروع ہو چکا تھا۔ اور بظاہر نروس ہونے والی لڑکیاں بڑے اعتماد کے ساتھ ریمپ پرواک کرتی نظر آرہی تھیں اور ان کو دیکھ کر بالکل بھی ایسا نہیں لگ رہا تھا..... کہ یہ ان کا پہلا، پہلا تجربہ ہے۔ ان کا اعتماد اور انداز واقعی دیکھنے کے قابل تھا۔ حارث نے اس سے قبل ایسے پروگرامز سرسری سے ضرور دیکھے ہوں گے مگر آج وہ اس طرح دیکھ رہا تھا جیسے اس پروگرام کا اصل جج وہ خود ہی ہو اور پھر وہ لمحہ بھی آ گیا..... جب دلہن بنی شہلا اسٹیج پر نمودار ہوئی۔

”واؤ کیا حسین لڑکی ہے، یار اگر وہ تمہاری محبوبہ نہیں ہوتی ناں تو میں بھد خوشی اس سے شادی کرنے کو تیار ہوتا۔“ ریحان نے شوخ سے لہجے میں اسے چھیڑتے ہوئے کہا۔

”اے مسٹر..... وہ میری کوئی محبوبہ نہیں ہے..... ہاں اور یہ بات تم اچھی طرح جانتے ہو..... اور اس پنگو پر تمہارا دل آ گیا ہے تو میری اجازت ہے، تم بخوشی اس سے شادی کر سکتے ہو..... ویسے بھی اسے شادی کرنے کا شوق شاید بچپن سے ہی ہے۔“

”مگر وہ تو نہیں کرے گی ناں..... اس کے دل و دماغ میں تو تم ہی تم ہو۔“ ریحان ہنسا۔

حارث، اب ریحان کی بکو اس کے بجائے اسے توجہ سے دیکھ رہا تھا۔ شہلا انتہائی اعتماد کے ساتھ اپنا شرارہ سنبھالے واک کر رہی تھی..... اس نے یقیناً ہائی ہیل بھی پہنی ہوئی تھی..... اس لیے اس کا قد بے حد لمبا لگ رہا تھا۔

دلنی تکی لہسی خوب صورت لڑکی..... جب عروسی جوڑا پہن لے تو وہ مہا خوب صورت لگنے لگتی ہے۔ اور یہاں تو

خوب صورت ادا نہیں بھی تھیں..... وہ کچھ منگتی، دو روپے مہمانوں کو دیکھ کر ہاتھ ہلاتی اب واپس جا رہی تھی۔  
حارث نے دیکھا بائیں جانب سب سے آگے کی نشست پر بیٹھا ہوا ساجد اسے بڑی توجہ سے دیکھ رہا تھا۔ بلکہ دیگر مہمانوں کے ساتھ مسلسل تالیاں بھی بجا رہا تھا۔

اب اتراتی لہراتی شہلا، ساجد کے سامنے سے گزرنے والی تھی۔ حارث نے دیکھا..... ساجد اپنی نشست سے اسے بڑی توجہ اور دلچسپی سے دیکھ رہا تھا اور پھر وہ ہوا جو کوئی سوچ بھی نہیں سکتا تھا۔

اوپچی ہیل پر کیٹ واک کرتے ہوئے شہلا کا پاؤں پھسلا..... اور وہ اپنے آپ کو کنٹرول کرنے کی سعی کرتے ہوئے بے اختیار نیچے گری۔ جسے فوری کھڑے ہو کر ساجد نے اپنے بازوؤں میں تھام لیا..... ٹی وی کمرے نے یہاں تک تو دکھا دیا تھا۔ اس کے بعد ان کا کیمرا دوسری ماڈل گرل کو کور کرنے لگا تھا جو دوسرے عروسی لباس میں ملبوس بجلیاں گراتے داخل ہو رہی تھی۔

حارث کی حالت عجیب تھی..... اس کا بس نہیں چل رہا تھا کہ بھاگ کر وہیں چلا جائے..... جہاں وہ گری تھی۔

”تم کہیں نہیں جاؤ گے.....“ ریحان نے اس کا ہاتھ تھام لیا۔

”مگر شہلا کو اس ذلیل شخص نے تھام لیا ہے..... پتا ہے تمہیں وہ کتنا کمینہ شخص ہے۔“

”وہ کچھ نہیں کر سکتا..... اور نہ اسے کچھ ہوگا..... وہاں ہماری سینئر ورکر مسز ناصر دیگر لوگوں کے ساتھ شہلا کی حفاظت کے لیے بھی موجود ہیں۔“

”میں نے کہا تھا ناں، نہیں کر سکے گی وہ واک.....“ حارث زچ ہو کر بولا۔

”ہاں، ٹھیک کہہ رہے ہو تم..... اس واک میں وہ کوئی بھی نمبر حاصل نہیں کر سکے گی..... بلکہ ججو اس کا نام مقابلے میں شریک لڑکیوں میں شامل ہی نہیں کریں گے۔“ ریحان نے کہا۔

”پھر کیا فائدہ ہوا..... تمہیں اس کو بھیجنے کا..... مڑ گیا ناں اس کا پاؤں..... آخر وہ گر ہی گئی ناں.....“ حارث ہنوز جیس بہ جیس تھا۔

”یار، فائدہ..... اتنا تو ضرور ہو گیا کہ ساجد نے اسے اچھی طرح سے دیکھ لیا۔ اب وہ اسے بھول نہیں سکتا۔“ ریحان نے سوچتے ہوئے کہا۔

”جی نہیں، جوڑکی اول آئے گی وہ سب کو یاد رہے گی۔ مقابلے سے نکل جانے والے تو لوگ کسی کو یاد نہیں رہتے۔“

”یہ تو مجھے نہیں معلوم..... مگر اتنا اندازہ تو ضرور ہے کہ وہ شہلا کو اب ضرور جا ب دے گا۔“

”ہونہر دے چکا وہ جا ب..... خام خیالی ہے تمہاری۔“ حارث نے منہ بنا کر کہا تھوڑی دیر بعد ساجد اول آنے والی ماڈل کونہ صرف میڈل دے رہا تھا بلکہ اس کے کان میں بھی مسکراتے لبوں سے کچھ کہہ رہا تھا۔ اور ریحان نے یہ سب دیکھ کر ٹی وی ہی آف کر دیا اور سوچتے ہوئے بولا۔

”شاید شہلا بھی کوئی میڈل حاصل کر لیتی اگر وہ گر نہ جاتی تو.....؟“

”وہ پگلو عام زندگی میں ہائی ہیل پہن کر نہیں چل سکتی تھی تو وہاں کیسے چل پاتی..؟“

”شاید تم ٹھیک کہہ رہے ہو۔“ ریحان نے دل گرفتہ ہو کر کہا۔

”شاید نہیں یقیناً۔“ حارث کا لہجہ کیسیلا سا تھا۔

”اب اس کو ساجد کے ہاں نوکری دو کر بھی نہیں ملنے والی۔“ ریحان دھیمے لہجے میں بولا۔

”میں نے پہلے ہی تم سے کہا تھا کہ وہ بے وقوف سی لڑکی ہے۔“

”ہوں۔“ ریحان اثبات میں سر ہلا رہا تھا۔

”اس ماہ کے اندر، اندر تم بھی اپنے آفس سے فارغ کرو اسے..... خواہ مخواہ اپنا پیسہ کیوں بہا رہے ہو..... بہت

”مگر پھر تو بیچاری وہ..... جا ب لیس ہو جائے گی۔“ ریحان نے کہا۔

”ہو جانے دو..... تم نے کیا اس کا ٹھیکالے رکھا ہے۔“

”تم وعدہ کرو..... اس کے لیے کسی اسکول میں جا ب ضرور ڈھونڈ دو گے..... تب ہی میں نکال پاؤں گا ورنہ وہ کیا کرے گی۔“

”اور اگر اس کے لیے میں کوئی جا ب نہیں ڈھونڈ پایا تو؟“

”پھر کچھ عرصے اور انتظار کروں گا اور اس کے بعد اس کی جا ب ختم کر دی جائے گی۔“ ریحان نے کچھ سوچ کر مگر

وٹوق بھرے لہجے میں کہا۔ یہ جملے کہہ کر ریحان کھڑا ہو گیا..... اور باہر جانے کے لیے اپنی گاڑی کی چابی بھی اٹھالی۔

”یہ کچھ عرصے انتظار کرنے کی کوئی وجہ تو ہوگی۔“ حارث نے اس سے پوچھا۔ ”اتنے دیا تو تم کبھی نہیں رہے..... اب کیوں بن رہے ہو، کوئی خاص وجہ تو ضرور ہوگی۔“

”ہاں یار..... جب میرا ایک بے وقوف دوست دوسرے بے وقوف سے شادی کرنے پر رضامند ہو جائے گا تو اسے جا ب سے نکال باہر کروں گا۔“ یہ کہہ کر ریحان رکا نہیں..... اور تیزی سے اپنے آفس سے باہر نکل گیا۔

اور یہ پہلا موقع تھا جب اس کے دل جلادینے والے جوک پر وہ غصہ کرنے کے بجائے کھلکھلا کر ہنس پڑا تھا۔

☆☆☆

سرندیم اپنے آفس میں داخل ہوئے تو ٹیبل پر ڈھیر سارے بوکے قرینے سے رکھے تھے۔

”یہ سب کیا ہے بھئی.....؟“ انہوں نے پیون سے پوچھا۔

”چائیکس سر..... مس صبا ہی یہ سجاوٹ کر رہی تھیں..... اس نے بتایا۔“

اس نے صبا کو کال کی..... اور قدرے ورشت لہجے میں کہا۔

”سنیے..... میں کوئی کم عمر لڑکی..... یا چھوڑا سا لڑکا نہیں ہوں جو اپنے آفس میں کام کرنے کے بجائے خرافات جمع کر کے خوش ہوں گا..... ہٹا میں وہ سب میری ٹیبل سے۔“

”سر..... آپ بچوں کو خرافات کہہ رہے ہیں۔“

”ہاں، جو بھی میرے کام میں حائل ہو وہ پھول نہیں خار ہے۔“

”سر، آج آپ کی سالگرہ ہے۔“

”تو پھر.....؟“

”آپ بھی تو اپنے ورکرز کی ایسی خوشیوں کا کتنا خیال رکھا کرتے ہیں۔“

”میں تو ایک پاگل شخص ہوں، میری کیا آپ مثال لے کر بیٹھ گئیں۔“

”ایسا تو نہ کہیں سر.....“

”پلیز آپ ہٹو میں وہاں سے..... مجھے وحشت ہو رہی ہے۔“ اور جب کچھ دیر بعد وہ وہاں سے سارے بوکے لے کر پلٹ رہی تھی تو اس نے پوچھا۔

”سر میں آپ کے لیے ٹیک بیک کر کے لائی تھی وہ تو کھائیں گے ناں آپ.....؟“

”سوری مس صبا..... میرے حلق میں کچھ تکلیف ہے، میں ٹیک نہیں کھا سکوں گا۔“

”اوہ تو پھر آپ کے لیے سوپ منگوا کر بھیجوں حلق کی سکاکی ہو جائے گی۔“

”اس کی کوئی ضرورت نہیں ہے، میری امی نے میرے لیے بہت اچھا سوپ بنایا تھا..... جو میں پی کر آیا ہوں..... اور اپنے آپ کو اب بہتر بھی محسوس کر رہا ہوں۔“

”مگر سر آج آپ کی سالگرہ بھی تو ہے ناں.....“  
 ”ہوگی..... مجھے ان چیزوں کا کوئی شوق نہیں ہے..... بلکہ اب تو میں یہ سب خرافات سمجھا کر تا ہوں۔“  
 ”خرافات.....؟“ اس نے دکھ سے کہا۔  
 ”بالکل وقت کے ساتھ بہت سی باتوں کی سمجھ جو آگئی ہے۔“ یہ کہہ کر وہ اپنے کام میں ایسا محو ہو گیا کہ اس نے یہ بھی نہیں دیکھا کہ مس صبا سے ترحم سے دیکھتی ہوئی گئی تھی۔

☆☆☆

وہ پورے چار دن بعد آفس آئی تھی۔  
 ”کیا میڈل جیتا تھا آپ نے..... جس کی خوشی میں چار دن چھٹی منا کر آئی ہیں آپ۔“ ریحان نے شرارت سے حارث کو دیکھتے ہوئے شہلا سے پوچھا۔  
 ”ہاں جیتا تو نہیں..... مگر جیتنے کے قریب ترین ضرور پہنچ گئی تھی۔“ شہلا نے بھی شوخی سے جواب دیا۔  
 ”اچھا آپ یہ بتائیں کہ وہاں کیسے گر گئیں..... کوئی چوٹ وغیرہ تو نہیں آئی۔“ حارث کو خدشہ تھا کہ کہیں فریکچر وغیرہ نہ ہو گیا ہو کہ کھڑے سے گری گئی۔  
 ”چوٹ تو خیر کوئی نہیں آئی..... مگر میں وہاں ریحان سر کی وجہ سے گری گئی..... اگر سر نہ کہتے تو کبھی نہیں گرتی.....“  
 ”کیا میں نے تمہیں دھکا دیا تھا وہاں.....“ ریحان نے چبھتے ہوئے لہجے میں کہا۔  
 ”یہ بھی سمجھا جاسکتا ہے.....“ وہ مسکرائی۔  
 ”حارث اس دن میں تمہارے ساتھ تھا۔ دیکھو..... یہ محترمہ کیسے جھوٹ پر جھوٹ بولے چلی جا رہی ہیں۔“  
 ”سر میں جھوٹ نہیں بولتی..... کیا آپ نے مجھ سے یہ نہیں کہا تھا..... جب میں ساجد صاحب کے آفس سی وی دینے گئی تھی تو مجھے کسی بھی طریقے سے ان سے مل کر آنا چاہیے تھا۔“

”ہاں کہا تھا..... تو پھر.....؟“

”بس اسی لیے تو میں گئی۔“

”کیا مطلب..... تم اچانک گری نہیں تھیں.....؟“ حارث اب اسے حیرت سے دیکھ رہا تھا۔

”جی ہاں، میں نے جب ساجد صاحب کو تالیاں بجاتے دیکھا تو سوچا..... کیوں نہ ان کے قریب گرجاؤں.....“

”تو پھر.....؟“ ریحان نے سانس روک کر پوچھا۔

”تو میں گئی۔ انہوں نے مجھے سہارا دیا اور اندر روم تک لے کر گئے اور پوچھنے لگے کہ کیسے گر گئیں؟ میں نے کہا جلد بازی میں میرا پیر مڑ گیا..... مگر افسوس اب مجھے میڈل ملے گا اور نہ پچاس ہزار روپے۔ اب میں اپنی ماں کا علاج کیسے کرواؤں گی۔“

”آپ یہاں جا کر لیجئے..... آپ کو اس سے کہیں زیادہ پیسے مل سکتے ہیں۔“ تب انہوں نے کہا۔

”سر مجھے کون جا ب دے گا..... آپ تو جانتے ہی ہیں کہ بغیر سفارش کے کہیں جا ب نہیں ملا کرتی۔“ میں نے مسکین لہجے میں کہا۔

”کہیں جا ب کی ہے تم نے؟“ انہوں نے کچھ سوچتے ہوئے پوچھا۔

”لیس سر، ایک اسکول میں کلرک تھی..... دونوں شفٹوں کا کام دیکھا کرتی تھی۔“

”اوہ.....“ انہوں نے مجھے دیکھتے ہوئے کہا اور پھر اپنے والٹ سے اپنا کارڈ نکال کر دیتے ہوئے کہا۔ ”نیکسٹ

منڈے میرے آفس آ جانا، دیکھیے یہ ہے ان کا کارڈ۔“ شہلا نے ریحان کے سامنے وہ کارڈ نکالتے ہوئے کہا۔

”میں تو تم کو واقعی بے وقوف سمجھتا تھا اور غلط تھا۔“ ریحان نے حارث کو دیکھتے ہوئے مسکرا کر کہا۔

”تم کو یہاں نہیں آنا چاہیے تھا۔“ حارث نے کہا۔

”اب تو مجھے وہیں جانا ہے مگر جانے سے پہلے ملنے تو آنا تھا ناں۔“

اب نہیں ملو گی..... اور نہ اپنے موبائل سے ہمیں فون کرو گی۔“

”پھر آپ سے رابطہ کیسے کروں گی؟“ وہ تو پریشان ہو گئی۔

”دوسرے موبائل سے اور وہ میں تمہیں ابھی منگوا دیتا ہوں۔“

”حارث ٹھیک کہہ رہا ہے، ہم تم سے تمہارے موبائل پر رابطے میں رہیں گے۔ اور تم روزانہ کی رپورٹنگ ہمیں گھر

آنے کے بعد دیا کرو گی۔“ ریحان نے اسے سمجھاتے ہوئے کہا۔

”ایک لحاظ سے میرے لیے یہ برا ہوا کہ ساجد صاحب کے ہاں جاب حاصل کرنے کی وجہ سے میں حارث سے مل

ہی نہیں پاؤں گی.....“

”میں نہیں کہہ رہا کہ تم وہاں جاب لازمی کرو.....“ حارث نے کہا۔ ”تمہارا دل چاہے تو کرو اور دل نہ چاہے تو مت

کرو..... اور یوں بھی میرا دل ساجد کو کبھی ایک شریف شخص سمجھنے کے

لیے تیار نہیں ہو سکتا۔“

”ارے یار..... کچھ ہی دنوں کی بات ہے، یہ بہت جلد اس کا پورا کچا چٹھا معلوم کر آئے گی اور پھر کسی بھی بہانے سے

وہاں کی جاب چھوڑ دے گی۔“ ریحان نے اسے تسلی دتے ہوئے کہا۔

”سر، میں جاب چھوڑنے کے لیے بہانہ کیا بناؤں گی؟“

”ابھی آپ نے جاب اشارت کی ہے نہیں چھوڑنے کی فکر ہو گئی ہے۔“ ریحان کو اس کی جلد بازی پر ہنسی آ گئی۔

”جب ہی تو کہہ رہا ہوں کہ جاب کرتے ہوئے اپنے دل سے بھی پوچھ لینا.....“

”اب اس کے پاس دل کہاں ہے، جو وہ پوچھے گی۔“ ریحان نے رازداری سے حارث سے کہا۔

اور وہ ملامت بھری نظروں سے دیکھنے کے سوا کچھ نہیں کر سکتا تھا۔

”سر، آپ نے بتایا نہیں کہ میں جاب چھوڑنے کا کیا بہانہ بناؤں گی۔“ شہلا نے پوچھا۔

”ارے وہی بہانہ..... جو ہمارے ہاں زیادہ تر لڑکیاں کیا کرتی ہیں۔“

”لڑکیاں کیسا بہانہ کرتی ہیں؟“

”یہی کہ ان کی شادی ہونے والی ہے..... اور شوہر صاحب کو ان کی جاب کرنا پسند نہیں ہے..... اس لیے وہ جاب

چھوڑ رہی ہیں۔“

”مگر..... میں تو یہ بہانہ نہیں کر سکتی۔“

”کیوں نہیں کر سکتیں؟“

”وہ اس لیے کہ حارث کو تو میرا جاب کرنا بہت پسند ہے۔“

ریحان نے اس کی بات اپنی ہنسی داب کر سنی اور مزید مسکرانے کے لیے مڑ کر حارث کو دیکھا تو وہ اپنی کرسی چھوڑ کر

باہر جا رہا تھا۔

شاید اسے شہلا سے اسی قسم کے جواب کی توقع تھی جسے وہ ریحان کے سامنے سننا نہیں چاہتا تھا۔

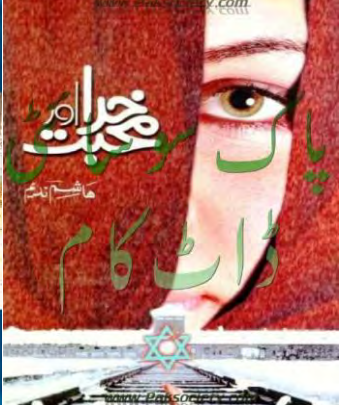
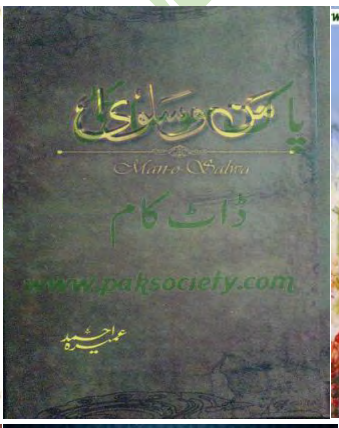
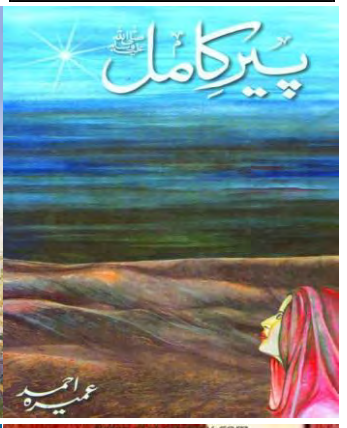
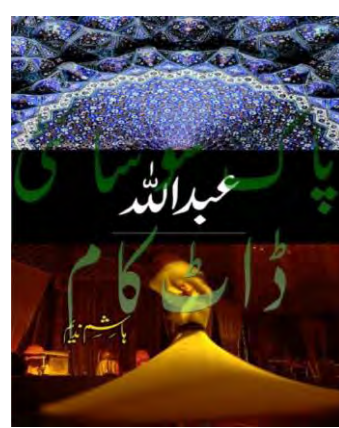
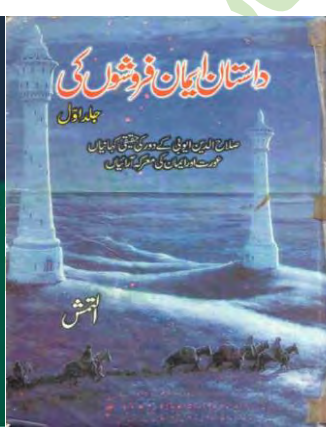
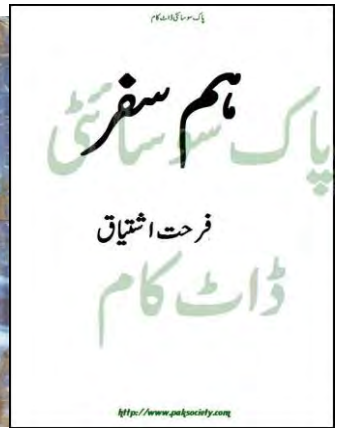
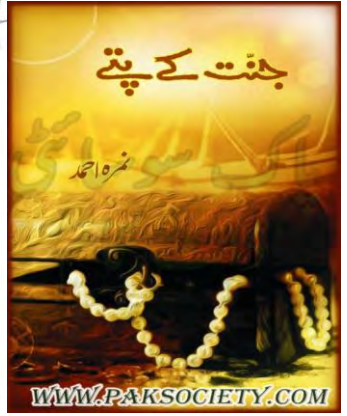
☆☆☆

بعض دفعہ ایسا لگتا ہے کہ وقت بھاگ رہا ہے..... اور ہم اور ہمارے کام ادھورے رہ گئے ہیں۔ آج صبح فجر کی

پہلی پڑھے بغیر ہی میں اپنے کاموں میں مصروف ہو گئی تھی..... اسی لیے میرا ہر کام ہی غلط ہو رہا تھا۔ پہلے دو پنا جلا پھر آئس

جانے کے لیے نکلی تو آدھے راستے میں یاد آیا کہ فلاں چیز لینا تو بھول ہی گئی ہوں..... گھر سے نکل رہی تھی کہ پاؤں مڑا چیل

پاک سوسائٹی ڈاٹ کام پر موجود آل ٹائم بیسٹ سیلرز:-



ٹوٹی واپس پلٹی کہ... گھر سے سینڈل تبدیل کر کے چلی... تو راستے میں ایکسی ڈینٹ دیکھ کر خواہ مخواہ طبیعت خراب ہوئی۔ ابھی آفس پہنچی ہی نہیں تھی کہ گاڑی کا ٹائر پچھڑ ہو گیا۔ ناچار، آفس فون کیا... گاڑی منگوائی اور آفس پہنچی تو وہاں فرزانہ اور ساجد کی لڑائی چل رہی تھی۔ یہ سب دیکھ کر طبیعت میں مزید پریشانی رچ گئی۔

ندیم خان آفس آئے تو وہ برستے ہوئے داخل ہوئے۔ انہیں گندگی سے انتہائی چڑھتی... اور آج ان کے آفس کی کسی نے اچھی طرح ڈسٹنگ نہیں کی تھی اور انہیں آتے ہی چھینکیں شروع ہو گئی تھیں۔ ان کی ناراضی ہمیشہ ان ہی باتوں سے شروع ہوا کرتی تھی۔

”سر آپ دوسرے کمرے میں چلے جائیں، میں آپ کا روم اچھی طرح سے کلین کرواتی ہوں۔“ میں نے جا کر کہا مگر ان کے سر پر غصہ اتنا شدید سوار تھا کہ وہ مجھ سے بھی انتہائی برہمی سے بولے۔

”مس صبا... آپ اپنے کام سے کام رکھا کریں... جو آپ کا کام ہے، آپ وہی کیجیے، میرے کمرے کی صفائی کروانا آپ کا کام ہے اور نہ ہوگا۔“

اور میں چپ چاپ نکل آئی کہ نیکی کا تو زمانہ ہی نہیں۔ بندہ کسی کے اچھے کے لیے کچھ کرنا بھی چاہے تو بھی اسے باتیں سننے کو مل سکتی ہیں۔

”ٹھیک ہے رہو تم گندگی میں۔ اچھا ہے پیون نے صفائی نہیں کی۔ اللہ کرے وہ کل بھی نہ کرے اور تم خوب چھینکیں مارو اور اتنی مارو کہ دو دن تک تم نزلے کی وجہ سے آفس تک نہ آؤ۔“ اس نے کمرے میں آ کر میں بھی مسلسل بڑبڑا رہی تھی۔

ندیم خان کی باتوں کے ساتھ مجھے ناعمہ پر بھی غصہ آ رہا تھا جو ان کو دیکھ کر تمسخرانہ لہجے میں مجھ سے کہہ رہی تھی۔

”ہاں صبا، سر ندیم ٹھیک تو کہہ رہے ہیں... تم اپنا کام دیکھو... اب تمہارا کام تو سر کے کمرے کی ڈسٹنگ کروانا نہیں ہے ناں...“

”اس آفس میں ایک سے ایک چھپے بھرے ہوئے ہیں، اس اخبار کا نام تو روزنامہ ہے ہونا چاہیے تھا۔ یہ ناعمہ صاحبہ کو تو ہر وقت ہی سر ندیم کا چچھو بنا پسند ہے۔ پگلو کہیں کی... ہر ایک کی بات میں کو دنا اپنا فرض اولین سمجھا کرتی ہے۔ خیر، میری بلا سے۔“

ندیم خان اپنے روم میں بیٹھا... اس کی ہر بات کو کمال سنجیدگی سے سن رہا تھا۔ مگر پہلے کی طرح اس کی اس طرح کی باتوں کو سن کر نہ اس کے لبوں پر کوئی مسکراہٹ دکھائی اور نہ ہی وہ عادتاً اپنا چشمہ اتار کر ہنساتا تھا۔

آفس میں آنے کی ابتدا بھی شور شرابے سے ہوئی تھی... اور جوں، جوں وقت گزر رہا تھا... اس شور شرابے میں اضافہ ہوتا چلا جا رہا تھا۔

پیون، اپنی چائے کی گول ٹرے لہراتا ہوا ہمیشہ کی طرح میٹرھیاں چڑھا اور اتر آ کر تا تھا... اور آج وہ ٹرے سمیت نیچے آ گرا تھا... اور اس کا کہنا تھا کہ کسی نے اسے دھکا دیا ہے... جبکہ دور، دور تک کوئی میٹرھیوں پر نظر نہیں آ رہا تھا۔

”ہو سکتا ہے ہمارے آفس میں جن اور بھوت بھی کام کرتے ہوں انہوں نے شا کر کو دھکا دیا ہو۔“ یہ ناعمہ کی رائے تھی۔

”ناعمہ بھئی! اتنی زیادتی مت کیا کرو اب اکیلے جن اور بھوت تھوڑی ناں ہوں گے... ان کی مگھتیر، ان کی بیویاں یا ان کی سہیلیاں بھی تو ان کے ساتھ ہوں گی...“ فہد، ناعمہ سے بحث کر رہا تھا جو شاکر کی ہائے، ہائے میں دب گئی تھی۔

مرے پر سو درے اور... اس دن میرا تازہ کالم بھی شاید کچھ زیادہ ہی کڑوا تھا... یا جن لوگوں کو سچ برداشت کرنے کی ہمت نہیں تھی... ان کے لیے وہ تازیانہ ثابت ہوا تھا۔

سارا ہی دن... دھمکی آمیز فونز کا تانتا سا بندھا رہا... اور یہ کہا جاتا رہا کہ آئندہ روز فرنٹ صفحے پر معذرت کی جائے کہ یہ سب بالکل غلط لکھا گیا ہے اور ہماری تمام معلومات ایک مفروضے پر قائم تھیں۔ اور کسی نے ایسا زور زبردستی کے تحت لکھوایا تھا... وغیرہ، وغیرہ...“



”سر میرا خیال ہے ایک چھوٹی سی معذرت لگا دی جائے کہ ہمارے کسی مضمون کی اشاعت سے ایڈیٹر کا متفق ہونا ضروری نہیں..... آج کل جیسے حالات چل رہے ہیں اس میں لکھنے والوں کو بھی کچھ سوچ سمجھ کر ہی چلنا چاہیے۔“ میں یقیناً اپنے حساب سے انہیں درست مشورہ ہی دے رہی تھی۔

”مس صبا آپ کو اس اخبار میں کام کرتے ہوئے کتنا عرصہ ہو گیا ہے؟“ انہوں نے چشمہ اتار کر پوچھا۔

”سر 18 دسمبر کو پورے دو سال ہو جائیں گے.....“ میں نے حساب لگا کر بتایا۔

”اور آپ کو ابھی تک یہ نہیں معلوم ہو سکا کہ ایڈیٹر کا صرف مراسلہ نگاروں کی رائے سے متفق ہونا ضروری نہیں ہوتا مگر جو مضامین ایڈیٹر میل صفحہ پر شائع کیے جاتے ہیں وہ صرف ایڈیٹر کی مرضی اور منشا سے ہی لگائے جاسکتے ہیں۔“

”سر میں تو لڑائی جھگڑے سے بچنے کی وجہ سے کہہ رہی تھی.....“ ان کی باتیں سن کر میں کھسیا کر بولی۔

”اگر ہم ڈر گئے ناں تو پھر تو چل چکا اخبار.....“ وہ مجھے ایسے دیکھ رہے تھے جیسے اہانت بھری نظروں سے دیکھ رہے ہوں۔

تب میں شرمندہ سی ہو کر اپنے کیمن میں آگئی۔

پھر ظاہر ہے کہ اگلے دن اخبار میں ایسی کوئی معذرت نہیں لگائی گئی۔

میرا خیال تھا آج مزید ہمکنی آمیز فون کالز آئیں گی مگر دوسری جانب چپ سا دھلی گئی۔

شام پانچ بجے کا وقت تھا..... دوسری شفٹ آنا شروع ہو گئی تھی۔ صبح والے جا رہے تھے اور دوسرے ورکرز آ رہے تھے۔ میں اپنے بیگ میں اپنی چیزیں سمیٹ کر رکھ رہی تھی اور اپنی قائلیں اپنے لا کر میں رکھنے میں مصروف تھی..... کہ ایک چھریرے سے جسم کالز کا سرعت سے اندر آیا..... اور نئے پون سے بولا۔

”ساحر صاحب کہاں بیٹھے ہیں..... مجھے ایک بریکنگ نیوز دینی ہے۔“

”وہ سامنے کمرے میں ہیں۔“ پون نے اشارہ کیا اور اوپر کی جانب چل دیا۔

”آخر ایسی کون سی نیوز آئی ہے؟ میں نے دل میں سوچا..... اور برق رفتاری سے ندیم خان کے آفس میں داخل ہوئی۔

”ہم نے کہا تھا ناں..... تم اپنے اخبار کے فرنٹ صفحے پر معافی مانگو گے..... تو کیا ہماری بات سمجھ میں نہیں آئی؟ جو معافی نہیں مانگی گئی۔“ اب وہ لڑکا، ندیم خان کے مقابل کھڑا تھا اور غصیلے لہجے میں کہہ رہا تھا۔

”آپ بیٹھیں..... پھر بات کرتے ہیں، ہمارے اخبار کی پالیسی کیا ہے؟ اور ہمیں کن امور کو ملحوظ رکھنا ہوتا ہے۔“

ندیم خان اس سے شائستگی بھرے لہجے میں کہہ رہے تھے۔

”اوسٹر..... یہ سب ہماری سمجھ میں نہیں آتا۔“ اسے بلکہ ہر فون پر معافی مانگنے کو کہا گیا تھا تو پھر اس اخبار کو معافی مانگنی چاہیے تھی ناں۔“

”ٹھیک ہے، ہم آپ کے خیالات بھی اپنے قارئین تک ضرور پہنچائیں گے۔ مگر آپ بیٹھ کر بات تو کریں..... آپ کا موقف کیا ہے..... اوڑا آپ یہ سب کس وجہ سے کر رہے ہیں؟“ ندیم سر اس کا جلال کم کرنے کی پوری سعی کر رہے تھے۔

اس اثنا میں دوسرا لڑکا آفس میں داخل ہوا..... اس کے چہرے پر نقاب تھا۔ اس کے داخل ہونے کا جارحانہ انداز میں دیکھ چکی تھی کہ کس طرح نیبل کولات مار کر اس نے پیچھے کیا تھا۔ اس نے پسلٹل نکالی اور فائر کر دیا۔

مگر اس سے قبل ہی میں اُن کی گھومنے والی کرسی کو پیچھے دھکا دے کر گرا چکی تھی۔

سو گولی ندیم خان کے بجائے میرے لگ گئی۔ کہاں لگی تھی یہ مجھے معلوم نہیں۔ ایک خون کا فوارہ ابلتے ہوئے تو میں نے ضرور دیکھا تھا۔ اور ندیم خان کی چیخ بھی ضرور سنی تھی۔ مگر اس کے بعد کیا ہوا تھا یہ مجھے بالکل معلوم نہیں تھا۔ میں تو اسی لمحے اپنے ہوش و حواس کھوئی چلی گئی تھی۔

(جاری ہے)

اور تمام کے تمام کاغذ جورات بھر میں نے اپنی  
 بے مقصد سوچوں کو لکھتے کالے کیے تھے بس ایک ہوا  
 کاغذوں کو ہوا کی زد میں اڑتے دیکھا ہے؟  
 جس پر چٹنی زیادہ سیاہی ہوگی جو جتنا زیادہ الفاظ  
 سے بھرا ہوا ہوگا..... وہ اتنا ہی دور جا کرے گا کہ کبھی  
 آپ سمیٹنے میں اسے نظر انداز ہی کر دیں..... اور پھر  
 ان بے جان، ہلکے، قلم کی سیاہی سے کالے کیے گئے

## سوال

باحبرہ ریحان



صدیوں بعد وہ کاغذ اچانک سے آپ کی نظروں میں اڑتا پھرتا آجائے گا..... آپ اسے اٹھا کر دیکھیں اور یاد کرنے پر بھی یاد نہ کر سکیں کہ آیا یہ کوئی کہانی کا حصہ تھا جو اس وقت لکھا جا رہا تھا یا زندگی کا کوئی لمحہ..... مجھے یقین تھا کہ میں بھی چند ایک کو کھوجی ہوں..... میں نے باقی ماندہ سیٹے ہوئے کاغذوں کو میز پر کتاب کے نیچے دباتے ہوئے کھڑی سے جھانکا..... بارش کی آمد، آمد تھی..... ہوا میں مٹی کی دھبی مسکور کن خوشبو بس چکی تھی..... میں نے ایک لمبی سانس کھینچ کر انہیں پلٹ کر دیکھا..... وہ یونہی پھرتی، پھرتی سے بھاگ دوڑ کر رہے تھے۔ حیرت کی بات یہ ہے کہ ناشتا جو کہ میں بنا کر میز پر ان کے تیار ہونے سے پہلے لگا دیتی ہوں..... صبح کی چائے وہ بستر پر آنکھ کھلتے ہی پی لیتے ہیں، کپڑے رات میں ہی استری کر کے واش روم میں لٹکا دیتی ہوں..... جوتے موزے اپنی جگہ پر ہمیشہ یوں ہی ملتے ہیں جیسے کسی نے ان کو وہاں گوند سے چپکا دیا ہو..... پھر وہ کیا چیز ہے؟ جو ان کو صبح، صبح اس طرح دوڑاتی ہے؟ میں نے اس سوال کا جواب ڈھونڈنے کی کوشش تک نہیں کی..... کیونکہ میں صبح کے ماند ستارے کے مانند ہردن کا آغاز کرنے کی عادی ہو چکی ہوں۔

جیسے ایک بڑا قرض لے کر کوئی لمبی مسافت کو چلے..... میں نے انہیں ناشتے کی میز پر بیٹھے ایک بار پھر دیکھا..... وہ روزانہ کی طرح اپنی نظر کی ٹیک کو احتیاط سے اپنے بیگ میں رکھ رہے تھے پھر فائلز کی باری آئی، ایک عدد در و مال، بٹوا اور وہ بے رنگ ساپین.....

وہ روزانہ کسی عبادت میں کی جانے والی نئی تلی حرکات کی طرح گھرا کر اپنا سامان پڑھنے کی میز پر بیگ سے نکال کر سجا دیتے اور صبح اسی طرح واپس بیگ میں رکھ لیتے..... ان کی معمول کی حرکات دیکھ کر میرے صبر کا پیمانہ لبریز ہونے لگا..... میں نے ٹھنڈی سانس بھر کر سوچا۔

”اے دل..... نہیں..... کبھی نہیں..... یہ شخص پتھر کی صورت اپنی جگہ سے کبھی ہلا بھی تو ٹھوکر لگنے پر..... اس کو اپنی جگہ سے اس کے یا میرے جذبات

ماہنامہ پاکیزہ ﴿ 48 ﴾ ستمبر 2016ء

نہیں ہلا سکتے..... یہ آج بھی اسی مشین انداز میں کام پر چلے جائیں گے۔ ان کے گلے میں لٹکتی کھلی ہوئی ٹائی میرے ہاتھوں کی منتظر تھی..... میں ان کے قریب گئی تو وہ ہمیشہ کی طرح بیگ میں اپنا سامان بھر چکے تھے اور پھر مجھے آتا دیکھ کر گردن اکڑائے اپنی جگہ پر جے کھڑے تھے۔ میں ایک ہاتھ سے ان کی ٹائی باندھنے لگی اور دوسرے سے ان کی شرٹ کے کالر کو بٹھا رہی تھی اور شرٹ کے آخری بٹن کو بند کرتے وقت میں نے ان کی گردن پر اپنے ہاتھ سے ہلکا سا دباؤ ڈالا..... جو ان کے لیے نیا تھا۔ ان کی نظریں جھکیں اور میری اٹھتی آنکھوں سے جا ملیں..... ہلکا سا مسکرائے اور بولے۔

”جانتا ہوں، دیر ہو گئی ہے آج، ناشتا نہیں کر سکوں گا۔“ میری آنکھیں شرم سے بو جھل ہو کر جھک نہ جاتیں تو آنسوؤں سے چھلک ضرور جاتیں..... میرے خاموشی سے رات سے ہٹ جانے پر معمول کی طرح بیگ اٹھایا اور خدا حافظ کہتے چلے گئے۔

اس وقت تک بارش شروع ہو چکی تھی..... گھر میں کچھ دنوں کے لیے آئے ہوئے ان کے چند رشتے دار آہستہ، آہستہ ناشتے کی میز پر جمع ہونے لگے..... میں نے روزمرہ کا کام شروع کرنے سے پہلے حسب موسم گانے لگا دیے تھے..... اتنے میں ان کی چچا زاد کزن اپنے بچوں کو کرسی پر جماتے ہوئے چبکی۔

”ارے واہ بھابی کیا گانا ہے..... موسم ہے عاشقانہ..... اے دل کہیں سے اُن کو ایسے میں ڈھونڈ لانا..... کیوں بھئی فون کر کے بھائی صاحب کو واپس نہ بلا لوں آفس سے؟“ میں اس کی بیٹی کو دودھ کا گلاس پکڑاتے، پکڑاتے مسکرائی..... گو کہ زخم تازہ تھا..... پھر بھی صبر آچکا تھا۔

”ارے نہیں، نہیں بہن بس رہنے دو۔“ میں نے تحمل سے جواب دیا۔

اس کو میں کیا بتاتی کہ موسم تو اللہ کی مہربانی سے عاشقانہ ہو بھی سکتا ہے مگر شوہر نہیں..... سوال ہی پیدا نہیں ہوتا۔

وہ کبھی عاشقانہ مزاج بھی رکھتے تھے۔ شاید اب

گے..... مگر ایسا کچھ نہیں ہوا..... یقین ہی نہیں آ رہا تھا کہ یہ وہی شخص ہے جو صرف چند دن پہلے فون پر بتا رہے تھے کہ وہ میرے لیے ہی تو اتنی محنت کر رہے ہیں۔

بلاشبہ وہ ایک کامیاب انسان تھے جو ایک مشہور اور بنگ بزنس مین..... جس پر چند دوسرے کامیاب بزنس مین کی اس لیے نظر کرم تھی کہ وہ اسے اپنی بیٹی، بہن یا سالی کے لیے پھانسا چاہ رہے تھے..... اور وہ سمجھدار..... بردبار ایسے کہ سب سے راہ و رسم رکھ کر بھی ان کے گھروں میں گناہم رہے..... مجھے ان کی سادگی اور ہمارے رشتے کے ساتھ ان کی وقاداری پر فخر تھا..... میں تھی ہی کیا..... انتظار گاہ میں بیٹھی میں یہی سوچ رہی تھی..... ان چند لمحوں میں مجھے اپنی اوقات کا اچھی طرح سے اندازہ ہو چکا تھا۔ میں ان کا خود سے سوازنہ کر رہی تھی کہ ان کی سیکرٹری نے آ کر مجھے اندر جانے کا اذن دیا..... جب اتنے آفس روٹین سے مجھے اندر لے جایا جا رہا تھا تو میرا بھی فرض تھا کہ ایک مہذب انسان ہونے کا ثبوت دوں..... میں نے ان کے کیمین کے بند دروازے پر ہلکی سی دستک دی۔

”بس کم آن.....“ وہ قائل پر سر جھکائے تیزی سے قلم چلا رہے تھے۔ میں ابھی اندر داخل ہوئی تھی کہ انہوں نے قائل سے مراٹھائے بغیر بیٹھ جانے کا حکم سنا دیا۔

”تو تم میرے سب سے سب سے باوجود بھی آئی گئیں؟“

”اس میں حرج ہی کیا ہے؟“ میں نے بڑی مشکل سے جواب دیا۔

”آخر یہ تمہیں کیا سودا سما یا ہے؟ کہا ناں آج کل کا ماحول بہت گندا ہو گیا ہے، اب عورتوں کی ہمارے معاشرے میں وہ وقعت نہیں رہی..... اب مردوں کی نظر سے شرم کا پردہ ہٹ چکا ہے، کتنی بار تم کو سمجھا چکا ہوں مگر تم کو پتا نہیں کیوں یہ دھن سوار ہو گئی ہے؟ نوکری، نوکری، نوکری..... کیا کرو گی نوکری کر کے؟ ہاں چند روپے مل جائیں گے اور چند روپوں کی خاطر تم خاندان کی عزت نیلام کرتی پھر وگی..... اوپر سے مجھ سے اجازت مانگ رہی ہو؟ یہ کیا بے وقوفی کی رٹ لگا رہی ہے۔“

بھی ان کو ان کے یار دوست ایسا ہی سمجھتے ہوں۔ کیونکہ بظاہر ہم دونوں میاں، بیوی ایک دوسرے کے ساتھ مطمئن اور خوش نظر آتے ہیں..... وہ مجھ سے مل کر اور میں ان سے مل کر مکمل ہو چکی ہوں..... اور یوں مکمل ہو جانے کے بعد ہم نے ایک دوسرے کو کھو دیا..... ادھورا کر دیا..... اتنے ہوئے قریب کہ ہم دور ہو گئے۔ کیا کبھی ایسا ہوا کہ دو لوگ ہزاروں میل کے فاصلوں پر رہ کر بھی ایک دوسرے سے قریب رہے ہوں؟ ان کے وہ دعوے کہ وہ مجھے جانتے ہیں، وہ میری کہی ان کہی کو سمجھ سکتے ہیں..... کیا محض دکھاوا تھا.....؟ میں سوال کرنا جائز نہیں سمجھتی..... سوال انسان کو بہت ذلیل کرتے ہیں..... ہاں کچھ کھوئے ہوئے کاغذ ہیں جو وقت بے وقت اچانک کہیں سے نمودار ہو کر نظروں میں اڑتے پھرتے ہیں پھر کیا ہاتھ بڑھا کر اٹھالوں..... پڑھ لوں..... یا بغیر دھیان دیے پھاڑ کر پھینک دوں؟ وہ پہلا ہوا آخری دن..... جب میں ان کے آفس گئی تھی۔

وہ اپنے کیمین میں تھے۔ جہاں وہ اپنے بزنس کو برقرار رکھنے اور ترقی دینے کے جتن کرتے..... جہاں سے انہوں نے مجھے کتنے ہی فون کیے تھے اور بتایا کرتے تھے کہ وہ کیسے ترقی کر کے ایک چھوٹی سی فیکٹری سے گارمنٹ مل کے مالک بن گئے۔ وہ سب باتیں جو وہ مجھ سے کرتے تھے ایسے جیسے انہیں سننا اور سنتے چلے جانا میرا فرض ہے..... جیسے اپنی سب باتیں وہ ایک امانت کے طور پر..... ایک تحفے کی صورت مجھے سونپ رہے ہوں..... میں سمجھتی تھی کہ اتنا کچھ امانت رکھ لینے کے بعد میں ان کی کام کی زندگی میں بھی شامل ہو گئی ہوں..... کام کی جگہ..... آفس، جہاں میں بھی جاسکتی ہوں جہاں وہ مجھ سے مل سکتے ہیں گو کہ میں نے اس ایک دن..... جب انہوں نے مجھے آفس پہنچنے پر باہر انتظار گاہ میں بٹھوایا تو میرا منہ کس طرح اتر گیا تھا..... میں تو سمجھتی تھی کہ میرے وہاں آفس پہنچتے ہی وہ دروازے سے ہی مجھے خوشی، خوشی اندر لے کر آجائیں گے..... ایک، ایک کام کرنے والے سے ملو امیں

اور پھر جب وہ پڑھ کر واپس آیا تو اس نے الگ مکان لے کر بڑی پھوپھی کو پچیس سال بعد اپنی چھت دی..... اس زمانے میں، میں میٹرک کر رہی تھی اور شاید وہ ہی وقت تھا جب میں نے اس کے بارے میں سنا اور سن کر سمجھنا شروع کیا تھا..... بڑی پھوپھی اکثر ملنے آجاتیں اور آکر اس کے قصے سناتی رہتیں..... باجی تو شادی کر کے اپنے پیادیس سدھار چکی تھیں بڑے بھیا ہمیشہ کے مصروف کوئی بہانہ بنا کر اٹھ جاتے..... رہ گئی میں..... اور امی جو بڑی پھوپھی سے بہت انسیت رکھتی تھیں۔ دونوں باتوں میں لگ جاتیں جیسے صدیوں سے ملاقات نہ ہوئی ہو جبکہ میں ٹی وی پر چینل بدلتی رہتی..... جب مجھے کوئی بات سننی ہوتی تو میری تیزی سے چلنے والی ریموٹ پر انگلیوں کی رفتار دھیمی پڑ جاتی..... آواز بھی کم کر دیتی..... جبکہ اس کی بات جب بھی بڑی پھوپھی چھیڑتی تھیں میں ایک ہی چینل پر اٹک جاتی۔

اور پھر اس ایک واقعے کے بعد تو میں ویسے بھی اس کو بھلانا نہیں چاہتی تھی..... نہ ہی بھول سکتی تھی..... وہ ہمارے خاندان کا سب سے لائق بچہ ابھر کر سامنے آیا تھا..... اس نے نہ صرف اپنی والدہ کو بلکہ بابا جانی کو بھی سرخرو کر دیا تھا..... اس کی لائق کے ہر جگہ ڈنگے بچ رہے تھے..... وہ ہر طرح سے مختلف تھا..... اس کی سوچ مثبت تھی..... وہ حق بات بڑے آرام سے کہہ ڈالتا تھا..... وہ باقاعدگی سے بابا جانی کے پاس حاضر ہوتا..... اپنے بزنس کے بارے میں تفصیل سے بتاتا اور بابا جانی اس کی ہر بات پر ہاں میں ہاں ملاتے تھے..... اس کی مصروفیت کبھی اس روٹین میں حرج نہ ڈال سکی اور یہ بات اس کو ہمارے خاندان میں اور بھی معتبر کر چکی تھی۔

انٹرنیٹ کے بعد جب مجھے گھر بیٹھ جانے کو کہا گیا تو میں بلبل گئی..... مجھے تو ابھی آرکائیو پچھڑ میں ڈگری لیننی تھی اور پھر آرکیٹیکٹ بننا تھا۔ خوب صورت عمارتیں بنانی تھیں..... اور بڑے، بڑے پل کی تعمیر میں اپنا حصہ ڈالنا تھا..... میں یونیورسٹی سے باقاعدہ ڈگری لینے کی تیاری کر رہی تھی..... سب سے بڑا مسئلہ امی جان کا تھا مگر اس

میں حیران تھی..... یہ وہی شخص ہے جس کی اعلیٰ تعلیم ملک سے باہر ہوئی..... جہاں اس نے عورتوں کے شانہ بشانہ کام بھی کیا..... کیا یہ وہی شخص ہے جس نے ایک محفل میں تمام مردوں کو یہ کہہ کر چپ کر دیا تھا..... عورت کی بھی معاشرے میں ایک حیثیت ہے اگر اس کو ووٹ دینے کا حق حاصل ہے تو اس کو یہ حق بھی حاصل ہے کہ وہ اپنی مرضی کا پروفیشن چن سکے..... اور اس میں بغیر کسی تامل کے نوکری بھی کر سکے..... یہ کیا بات ہوئی کہ ہم نے عورتوں کو صرف چند ہی پروفیشن کے لیے مخصوص کر دیا ہے..... یونیورسٹی کے ہر تعلیمی شعبے میں عورتوں کی وہی تعداد کیوں نہیں ہوتی جو میڈیکل یا فیشن ڈیزائننگ کے شعبے میں ہوتی ہے اور کچھ نہیں تو کسی اسکول کی ٹیچر بس.....“ اس کی تقریر سن کر میں اسی دن سے اس کو سراہنے لگی تھی۔

وہ بڑی پھوپھی کا بیٹا تھا اور ہمیشہ سے الگ تھلک سا رہتا تھا..... بڑی پھوپھی اپنی جوانی میں بیوہ ہو گئی تھیں۔ جس کے بعد بابا جانی ان کو ہمارے ہاں لے آئے تھے..... سارا، سارا دن بڑی پھوپھی ہر کام میں پیش، پیش رہتیں..... جبکہ وہ جب تک گھر میں رہتا ہر دو منٹ بعد چھوٹے سے چھوٹے کام کے لیے بازار دوڑایا جاتا تھا..... کبھی بڑے بھیا کا سرکریٹ تو کبھی باجی کی کاپی..... کبھی مریج ختم ہو جاتیں تو کبھی کسی کا چھوٹے کھانے کو دل چاہنے لگتا..... کام کرنا اور پھر کتابوں میں گم ہو جانا..... اس نے کبھی باجی کے ساتھ ٹیبل ٹینس نہیں کھیلا نہ کبھی بڑے بھیا کے ساتھ سینما جانے کا شوق دکھایا..... اور میں..... میں تو جیسے اس کو نظر ہی کم آتی تھی..... اور سچ بات ہے کہ میری نظروں میں بھی وہ کم ہی سامتا تھا..... پھر وہ اسکا لرشپ لے کر ملک سے باہر پڑھنے چلا گیا اور پھر اکثر امی جان کہتی سناتی دیتیں کہ وہ ہوتا تو ہم اتنے بے بس نہیں ہوتے ابھی پیسہ دیتے جھٹ سامان حاضر کر دیتا۔

بڑی پھوپھی بس خط کتابت تک پڑھی لکھی تھیں..... دونوں ماں، بیٹے میں خط کتابت ہوتی رہی

## اشتبہ

دو دوستوں کا رشتہ آنکھ اور پلک جیسا ہوتا ہے۔  
اگر پلک کچھ دیر تک نہ جھکے تو آنکھ رو دیتی ہے اور اگر  
آنکھ میں کچھ چلا جائے تو پلک تڑپ اٹھتی ہے۔  
مرسلہ: گلشوم ہاشمی، کراچی

## کابلی

بچوں کو کابلی پر مضمون لکھنے کو دیا گیا۔  
دوسرے دن جب کابلیاں چیک کی گئیں تو  
ایک کابلی پوری خالی تھی اور صفحہ آخر پر درج تھا،  
جناب، یہی کابلی ہے!  
مرسلہ: نغمہ ناز، کراچی

نے کچھ اس طرح بابا جانی کو نقشے میں اتارا کہ وہ مجھے  
اجازت دے بیٹھے..... مجھے بڑی حیرت ہوئی..... اسے  
میرے ارادوں کی خبر کیسے ہوئی مگر جیسے بھی ہوئی خوب  
ہوئی..... میرے نمبر اچھے تھے لہذا داخلہ بڑی آسانی  
سے مل گیا اور میں آرکیٹیکٹ کی تعلیم کے لیے باقاعدہ  
یونیورسٹی جانے لگی..... وہ جب بھی گھر آتا امی جان  
ایک ہی رونا روتیں کہ اللہ جانے یہ کیسی پڑھائی ہے کہ  
اس میں مجھے سارا، سارا دن عجیب و غریب قسم کے نقشے  
تو کبھی الٹی سیدھی لکیریں تو کبھی گتے کے ٹکروں سے  
چھوٹے، چھوٹے گھر بنانے پڑتے ہیں۔

”یہ اس کی تعلیم کا حصہ ہے ممانی جان آپ اتنی  
فکر نہ کیا کریں.....“ وہ ہنس، ہنس کر امی جان کو دلاسا  
دیا کرتا..... ساتھ کے ساتھ میری اس سے دوستی  
ہو گئی..... اب اکثر فون پر باتیں بھی کر لیتے تھے..... وہ  
مجھے بتاتا کہ اس نے کون، کون سے ٹینڈر حاصل  
کر لیے..... کس کو چھوڑ دیا..... اس کو اب کون شنٹ  
کہاں بھیجی ہے..... میں اس کو انہماک سے سنتی  
جانی..... کبھی میں اس سے اپنی پڑھائی کے بارے  
میں بھی بات کرتی تو وہ یہ کہہ کر بات بدل دیتا کہ اسے  
آرکیٹیکچر کے بارے میں کیا معلوم..... گو کے دیکھا  
جائے تو معلوم تو مجھے اس کے بزنس کے بارے  
میں کچھ نہیں تھا مگر میں اپنی ہی کوشش کر کے سنتی تھی اور  
ساتھ، ساتھ سمجھنے کی بھی کوشش کرتی تھی۔

وہ چار سال بہت خوب صورت گزرے..... سب  
کچھ اچھا ہی رہا..... زندگی بہت پرسکون اور مزے  
میں آگے بڑھ رہی تھی..... آخری سمسٹر کا آخری پرچہ تھا  
کہ مجھے میرے ایک استاد نے اپنی ہی کہنی میں بحیثیت  
جونیئر آرکیٹیکٹ کی جاب آفر کر دی..... جس پر میں نے  
خوشی سے سرشار ہو کر اس سے مشورہ کیا..... اس نے  
حسب معمول میری بات ٹال دی کہ ابھی سے خود کو کیوں  
بلکان کیا جائے..... رزلٹ تو آجائے..... گو کہ میرے  
پچھلے ریکارڈ سے واضح تھا کہ میں اچھے نمبروں سے پاس  
ہو جاؤں گی..... میں نے بھی آرام کرنے کا سوچا اور.....

رزلٹ کا انتظار کرنے لگی..... میرا رزلٹ آیا تو میری خوشی  
دوگنی ہو گئی..... میرا ایسا گریڈ تھا کہ مجھے اچھی سے اچھی  
آرگنائزیشن میں بھی جاب مل سکتی تھی..... اور جب  
میں نے بابا جانی سے نوکری کے بارے میں سوال کیا تو  
امی نے صاف انکار کر دیا کہ پڑھائی تک کافی ہے نوکری  
کا تو سوال ہی پیدا نہیں ہوتا۔

ایک بار پھر میں اس کی مدد کی طلبگار ہوئی اور اس  
ایک دن اسی لیے اس کے آفس ملنے نئی تھی..... اسے  
معلوم تھا..... ہم فون پر بھی ایک بار جھگڑ چکے  
تھے..... پھوپھی جان بارات لانے کے لیے تیار بیٹھی  
تھیں..... جبکہ میں کچھ سال سکون سے اپنے پروفیشن  
میں آگے بڑھنے کی دُھن میں تھی..... میں سوچ کر آئی  
تھی کہ اس کو سمجھاؤں گی..... ہم دونوں مل کر کوئی بیج کا  
راستہ نکال لیں گے مگر وہ تو میری بات سرے سے ہی رو  
کر چکا تھا..... یہ بات میرے لیے ناقابل یقین حد  
تک چاچکی تھی کہ اس جیسا سیلف میڈ بندہ بھی عورتوں  
کی نوکری کے خلاف بات کرے گا..... کیا صرف  
ضرورت ہی عورت کو گھر سے نکالتی ہے..... آخر ایسا  
کیوں ہے، ہمارے معاشرے میں عورت کے گھر سے  
باہر نکلنے کو ضرورت ہی کے تحت برداشت کیا جاتا

ماہنامہ پاکیزہ ﴿ 51 ﴾ ستمبر 2016ء

دالوں میں فخر سے بتا سکے کہ اس نے اتنی پڑھی لکھی عورت سے شادی کی ہے..... اور ہاں اس کی بیوی تو اپنی مرضی سے گھر بیٹھ گئی ہے ورنہ اس نے تو کبھی اس پر کوئی روک ٹوک نہیں لگائی۔

☆☆☆

اسٹیج پر..... نکاح کے بعد مجھے لا کر بٹھا دیا گیا تھا..... شرم سے رنگت خود بخود گللابی ہو رہی تھی جبکہ جھکی، جھکی آنکھوں میں کا جل چھ رہا تھا..... ہر ایک دو لہجوں بعد کوئی دوست یا کزن آ کر میرے کان میں چپکے سے میرے حسن کی تعریف کر جاتی تھی۔ جس کو سن کر میں بے اختیار مسکرا جاتی..... کھانے کے بعد ہم دونوں کو ایک ساتھ بٹھا دیا گیا..... اور نکلنے کے لیے کیسرے لپے لوگ جوق در جوق اسٹیج پر آنے کے لیے لائن لگا کر اسٹیج کے ساتھ لگے کھڑے تھے۔

ہر طرف سے ایک ہی صدا آرہی تھی..... ”سائے دیکھیں..... مسکرائیں.....“ ہر کوئی آ کر سلامی کے ساتھ مبارک باد کے چند جملے بھی بول جاتا اور جو قریبی تھے وہ یہ پوچھنا نہ بھولتے کہ ہنی مومن کے لیے جوڑا کہاں، کہاں جائے گا اور کب تک واپسی ہوگی..... سب معلومات کے بعد یہی معذرت کرتے تھے کہ وہ دراصل شادی کی دعوت کرنی ہے اسی لیے پوچھ رہے ہیں۔ میں مسکراتے، مسکراتے تھک گئی۔

ایک ہی طرح کے مذاق سن، سن کر دماغ پک گیا تھا اور ایک ہی بات بار بار دل کو جھنجھلائے دے رہی تھی..... اتنے لوگوں نے میرے شوہر سے اس کی آئندہ زندگی کے پلان کے بارے میں پوچھا تھا۔ اس سے نئی زندگی کو آگے بڑھانے اور پھر کس طرح سیٹل ہونے کا پوچھا تھا..... مگر کسی نے ایک بار بھی..... مجھے اس قابل نہیں سمجھا تھا کہ جھوٹے منہ ہی سوال کر لیتا..... کہ میں شادی کے بعد اپنی پرسنل لائف کے ساتھ، ساتھ اپنی پرسنل لائف کا باقاعدہ آغاز کروں گی یا نہیں.....؟ اس کا تو شاید سوال ہی پیدا نہیں ہوتا۔



ہے..... کیا ہمارا اپنا کوئی شوق کوئی مقصد نہیں ہو سکتا.....؟ وہ مجھے سوچ میں ڈوبادیکھ کر پھر سے گویا ہوا۔

”یار، تم سمجھتی کیوں نہیں ہو..... یہ سب بچوں کی باتیں ہیں..... پھر تم کو نوکری کرنے کی ضرورت ہی کیا ہے..... میں اچھا کماتا ہوں تم کو تمہارے میکے سے زیادہ آرام دوں گا..... اور میں نہیں چاہتا کہ تم نوکری کر کے گھر پر توجہ نہ دو..... میں چاہتا ہوں کہ جب میں تھک کر گھر پر آؤں تو میرا گھر صاف ستھرا مہکتا ملے..... تم مجھے ہنستی مسکراتی ملو..... نوکری کر کے تو تم تھک جایا کرو گی، تم کو کیا معلوم کہ ایسے پروفیشن میں کیسے، کیسے لوگوں سے واسطہ پڑتا ہے..... جب تک کنسٹرکشن چلتی رہتی ہے آرکیٹیکٹ و آرچٹیکٹ، گرمی کی پروا کیے بغیر ساٹ پر دیکھنے جاتا ہے، ایک مزدور جیسا شخص بھی اس کے قریب کھڑا ہو کر ہدایات لیتا ہے..... تم یہ سب کیسے کرو گی..... کبھی سوچا بھی ہے؟ تمہیں پڑھنے کا شوق تھا پورا کر لیا..... نوکری کی ضد چھوڑ دو..... کیا تم ان مزدور ٹائپ لوگوں کے ساتھ ایسی، ایسی جگہوں پر جاؤ گی جہاں پر ابھی بلڈنگ بن رہی ہو مٹی ہو دھول ہو اور تم.....؟“

میں اتنا ہی سن کر ایسا زچ ہو چکی تھی کہ کچھ بھی کہنے کی ہمت نہ ہونے ہوئے جذباتی ہو کر کھڑی ہو گئی تھی۔ میں سمجھ گئی کہ اس کا مقصد صرف میرے حوصلے پست کرنا تھا۔

”میں نے امی سے کہہ دیا ہے، وہ کل تاریخ لینے آرہی ہیں.....“ اس نے مجھے بے دلی سے باہر کی طرف قدم بڑھاتے ہوئے لگاوٹ سے بتایا۔

میں کچھ بھی کہنے کے موڈ میں نہیں تھی..... میں نے آج تک جس کو اپنا آئیڈیل بنایا تھا وہ ایک دھوکا تھا۔ جس کی دو زبان تھیں..... جس کے دو اسٹینڈرڈ تھے..... جو بہت دھڑلے سے عورتوں کے لیے پروفیشن کی ڈیمانڈ تو کرتے ہیں مگر اپنی عورتوں کو گھر سے کسی سجائی جانے والی چیز کی طرح ایک حد میں، ایک احاطے میں رکھتے ہیں..... اس کے لیے میرا پڑھا لکھا ہونا بس یہاں تک تھا کہ وہ اپنے جاننے

# پیمائش محبت لالی سے عید

عذرا فرانسس



ہوٹل کا ڈائننگ ہال لوگوں سے بھرا ہوا تھا سمانہ،  
ماڑ کا ہاتھ تھامے اپنی مخصوص میز کی جانب بڑھ گئی۔ لائٹ  
پرپل رنگ کی میٹھی میں ملبوس سمانہ نے غیر محسوس انداز  
میں ایک مرتبہ اپنا جائزہ لیا، وہ گھر سے خاص تیاری  
سے آئی تھی مگر اس کے باوجود اسے یوں لگ رہا تھا کہ  
اب بھی کوئی کسر باقی ہو۔  
”میں ٹھیک تو لگ رہی ہوں؟“ سمانہ فکر مند لہجے  
میں پوچھنے لگی۔



کروں تو پھر اپنے ارادے سے پیچھے نہیں ہنتی ہوں، مجھے شادی کی کوئی جلدی نہیں ہے۔“

”دیکھو سامانہ تم میری طرف سے اگر کسی عدم تحفظ کا شکار ہو تو یہ ڈر اپنے دل سے نکال دو۔ تم اپنے بل بوتے پر کچھ کرنا چاہتی ہو تو یہ کام تم شادی کے بعد بھی کر سکتی ہو مگر اپنی گھریلو ذمہ داریوں کو نبھاتے ہوئے، اب تو تمہیں کوئی اعتراض نہیں۔“ مائر نے اسے پھر مطمئن کرنے کی کوشش کرتے ہوئے کہا۔

”تمہیں پتا ہے میں اگلے ہفتے می کے پاس کراچی جا رہی ہوں۔“ سامانہ گفتگو کا موضوع بدلتے ہوئے بولی۔

”یہ اچانک تمہارا پروگرام کیسے بن گیا؟“

”بس ایسے ہی بن گیا ہے، تمہیں تو پتا ہے میں جب کہیں جانے کا ارادہ کروں تو ایک لمحہ ضائع نہیں کرتی ویسے بھی نانی چاہ رہی تھیں کہ میں کچھ عرصہ می کے ساتھ گزاروں، می کی بھی خواہش تھی کہ پہلے کی طرح مجھے کچھ وقت ان کے ساتھ گزارنا چاہیے۔ کئی سالوں سے میں ان کے پاس نہیں گئی، وہ ہی مجھ سے ملنے میرے پاس آ جاتی ہیں۔ تم تو جانتے ہی ہو وہ کتنی مصروف رہتی ہیں۔“

”ہاں ان کی مہربانی ہے جو اپنی مصروفیت میں سے تمہارے لیے وقت نکال لیتی ہیں، سال میں دو تین دن تمہارے ساتھ گزار کر کھتی ہیں کہ انہوں نے تمہارے حقوق ادا کر دیے۔“ مائر کے لہجے میں چھپا طنز سامانہ نے صاف محسوس کیا۔

”مائر! تم میری می کی کامیابیوں سے جیلنس ہو رہے ہو، ان کی پرسنالٹی شاندار ہے، وہ عہدہ جدید کی ترقی یافتہ عورتوں کی نمائندہ ہیں۔“

”کیا خیال ہے کسی اچھی جگہ کی آفس کریم کھائی جائے؟“ مائر اٹھتے ہوئے بولا۔

”ارادہ برا نہیں؟ سامانہ نے پرس اٹھایا اور اس کا ہاتھ تھامے باہر کی جانب بڑھ گئی۔

☆☆☆

”بہت زبردست لگ رہی ہو۔“ مائر نے اسے ستائشی نظروں سے دیکھا اتنے میں ویٹر آ گیا تو مائر کھانا آرڈر کرنے لگا تھوڑی دیر بعد میز انواع و اقسام کے کھانوں سے سج گئی۔

”سنا ہے کہ تمہاری می چاہتی ہیں اسی سال ہماری شادی کر دی جائے۔ مائر، میں اتنی جلدی شادی کے حق میں نہیں ہوں ابھی تو میری ایجوکیشن مکمل ہوئی ہے، میں ابھی کچھ کرنا چاہتی ہوں۔“ سامانہ نے کھانا پلیٹ میں نکالتے ہوئے کہا۔

”تو تم بھی اپنی می کے نقش قدم پر چلنا چاہتی ہو، تمہاری می بہترین سوشل ورکر ہو سکتی ہیں مگر کامیاب ماں نہیں۔ جہاں تک میں سمجھتا ہوں تم شادی کے بعد بھی اپنے شوق پورے کر سکتی ہو جواب بھی کر سکتی ہو۔“

”مائر! تم مجھے صرف اتنا یقین دلا دو کہ تم شادی کے بعد بھی مجھے ایسے ہی اہمیت دو گے جیسی اب دیتے ہو شوہر بننے کے بعد مجھ پر اپنا رواداری تسلط نہیں جماؤ گے اور نہ ہی بے جا پابندیاں لگاؤ گے۔ میں تمہارے گھر والوں کو جانتی ہوں، وہ میری می کی طرح عورت کی آزادی کے حامی نہیں ہیں یقیناً وہ چاہیں گے کہ میں ان کے انداز میں ہی زندگی گزاروں۔“ سامانہ کی گفتگو سے مائر کو اندازہ ہو گیا کہ وہ عدم تحفظ کا شکار ہے اس کے احساس عدم تحفظ پر مائر کا دل پکھل گیا۔

”تم اگر اس حوالے سے پریشان ہو کہ میں رواداری مردوں والا سلوک تمہارے ساتھ کروں گا تو تم یہ خیال اپنے دل سے نکال دو۔ معاشرے میں ہم دونوں یکساں طور پر اپنی جگہ پر اہم ہیں فرق ہے تو دائرہ کار کا۔ میں جانتا ہوں کہ بحیثیت شوہر میری کیا ذمے داری ہے، تم میری طرف سے بے فکر ہو جاؤ!“

سامانہ کی تسلی اب بھی نہیں ہوئی تھی تاہم وہ کوئی بات کہے بغیر کھانے میں مصروف ہو گئی۔ کھانے سے فارغ ہو کر سامانہ نے نشوونما سے اپنے لب صاف کیے۔

”مائر! تمہیں مجھ سے شادی کرنی ہے تو کچھ عرصے انتظار کرنا ہوگا، میں کسی کام کو کرنے کا ارادہ

کے درمیان پھر سے محبت اور تعلق کا رشتہ استوار ہوا۔ وہ چند ماہ کی تھی تب اس کی نانی نے اسے اپنے پاس رکھ لیا، وہ اپنے نانا کے گھر میں بڑی ہوئی۔ می، پاپا کا گھر اس کے لیے کسی رشتے دار کے گھر کی طرح رہا تھا جہاں وہ چھٹیوں میں وقت گزارا کرتی تھی۔ نانا خاصے مذہبی شخص تھے نانی ہمہ وقت بڑا سا دوپٹا اوڑھے رکھتی تھیں چھٹیوں میں جب بھی سامانہ گھر آتی اسے اپنے ماں باپ اور بھائیوں کا رہن سہن ان کے طور طریقے سب کچھ مختلف اور پرانے سے لگتے جب تک وہ چھوٹی تھی می، پاپا کا تجزیہ اپنے نانا، نانی سے کرتی تھی۔ می سوشل ورک اور اپنی این جی او میں اتنی مصروف ہوتی کہ انہیں گھر اور بچوں سے کوئی سروکار نہیں ہوتا۔ ان کی صبح گیارہ بجے کے بعد ہوتی تھی۔ بچوں اور پاپا کے ناشتے کی تیاری سے لے کر گھر کے تمام کاموں کی ذمہ داری ملازموں کے سپرد تھی۔ دوسری طرف نانی کا گھر تھا، وہ صبح فجر کے وقت بیدار ہونے کے بعد عبادت میں مشغول رہتیں، سناہ کو اسکول بھیجنے سے پہلے وہ خود ناشتا بنا کر اسے کھلاتیں جیسے، جیسے وہ بڑی ہوتی گئی می سے دور رہنے کے باوجود اس کے دل میں ان کے لیے محبت بڑھتی گئی اسے ہر دم اپنی جی سنوری رہنے والی می بہت اچھی لگتی تھیں۔ سامانہ ایم بی اے کے فائل ایئر میں تھی۔ تب ہی نانی نے اپنی بہن کے پوتے مائر سے اس کا رشتہ طے کر دیا تھا۔ مائر مشرقی اقدار اور روایات کو پسند کرتا تھا اس کے خیالات کو پرکھتے ہوئے سامانہ کو یوں لگ رہا تھا کہ اس کی اور مائر کی ذہنی ہم آہنگی نہیں ہو سکتی۔

☆☆☆

ثمرہ بیگم بیڈ پریشی چھت کو گھورنے میں مصروف تھیں، ان کے ماتھے پر پڑنے والے گہرے بل ان کے سوچ میں ڈوبے ہونے کا پتہ دے رہے تھے، نواد احمد نے فائل اٹھا کر ایک طرف رکھی پھر ان کے چہرے پر نظر ڈالتے ہوئے فکر مندی سے پوچھا۔

”کیا بات ہے اس وقت کیا سوچ رہی ہو؟“

ماہنامہ پاکیزہ 55 ستمبر 2016ء

”کیسی ہو تم؟ لگتا ہے ٹھیک طرح سے کھانی نہیں رہی ہو۔“ ثمرہ بیگم نے سامانہ کو گلے لگاتے ہوئے کہا وہ چند منٹ پہلے ہی گھر پہنچی تھی۔ ثمرہ بیگم نے مصروفیت کے باعث ڈرائیور کو اسے لینے بھیجا تھا۔ اب وہ بغور اس کے چہرے کا جائزہ لے رہی تھیں اس کے چہرے پر تھکاوٹ دیکھ کر انہیں شک ہو رہا تھا کہ وہ ڈھنگ سے کھاتی پیتی بھی ہے کہ نہیں۔

”می میں بالکل ٹھیک ہوں!“

”تم جا کر نہالو، فریش ہو جاؤ گی باقی باتیں ڈائننگ ٹیبل پر ہوں گی۔“ ثمرہ بیگم نے اس کے کندھے دباتے ہوئے کہا۔ اس نے غور سے ایک نظر اپنی حسین می کے چہرے پر ڈالی، لائٹ سے میک اپ اور بلیک رنگ کی ساڑھی اور ہم رنگ سیولیس بلاؤز میں ان کی شخصیت کا حسن قابل دید تھا۔ اچانک اس کے ذہن میں نانی کی برسوں پرانی کئی بات آگئی۔

”خیر ذمہ دار ماں اور گمراہ باپ دونوں ہی بچوں کا مستقبل مٹی میں ملا دیں گے۔“

”کیا سوچتے لگیں؟“ ثمرہ بیگم کے پوچھنے پر وہ گڑبڑا گئی۔

”کچھ نہیں۔“ مختصر جواب دے کر وہ اپنے کمرے کی جانب بڑھ گئی۔

☆☆☆

چوبیس سال پہلے سامانہ کی امی، پاپا ایک ساتھ پڑھتے تھے۔ دونوں کی ذات بات مختلف تھی۔ نانا، نانی کی مخالفت ہونے پر بھی ثمرہ بیگم نے نواد احمد سے لو میرج کی تھی۔ نواد احمد مغربی تہذیب اور ماحول سے متاثر تھے، ان کا سارا خاندان ہی مغربی رنگوں میں رنگا ہوا تھا۔ خاندان سے باہر شادی کر لینے پر ثمرہ بیگم کے والدین کافی عرصہ ان سے ناراض رہے پر سامانہ کی پیدائش کی خبر ملتے ہی ان کے والدین اپنی نواسی کو دیکھنے لاہور سے کراچی پہنچ گئے۔ نواد احمد نے شادی کے چند مہینوں بعد اپنا بزنس کراچی میں شروع کر دیا تھا۔ سامانہ کے سبب ہی ثمرہ بیگم اور ان کے والدین

وہ دونوں باتیں کرنے لگے تھے اور شمرہ بیگم دوسری طرف کھڑی خواتین سے باتوں میں مصروف ہو گئی تھیں۔

وہ بچپن سے لے کر اب تک جب بھی چھٹیاں گزارنے آئی ایک دفعہ ضرور اس کا سز ملک کے ہاں جانا ہوتا تھا چار سال قبل شائق انگلینڈ چلا گیا تھا۔ وہ شائق کے ساتھ بیٹھی گزرے دونوں کی یاد تازہ کر رہی تھی۔

”میں تو سمجھی تھی کہ تم نے انگلینڈ میں شادی کر لی ہوگی۔ مگر تم بتا رہے ہو کہ تم نے ابھی تک شادی نہیں کی۔“

”کیا کروں، مجھے فرصت ہی نہیں ملی ورنہ ضرور کر لیتا۔“ وہ بات کہہ کر ہنسا تھا۔

”یہ فرصت کا لفظ تم نے اچھا استعمال کیا۔“

جو اب اسکا نہ بولی۔

”اچھا، تمہیں اپنے خوابوں کا کوئی شہزادہ ملا؟“

سانہ نے نئی میں سر ہلادیا۔

”میں نے سنا تھا تمہاری انجینئر ہوتی ہے؟“

”ہاں..... مگر میرا منگیتیر میرے خوابوں کا شہزادہ نہیں! وہ کچھ سوچ کر بولی تو شائق کو فوراً ہی ایک نامعلوم کشیدگی کا احساس ہوا جو اس کے سوال کے فوراً بعد کمرے کی فضا میں پھیلی تھی۔ اس کی بات پر اس کی ماما نے بھی مڑ کر دیکھا تھا۔

”میں یہاں ایک ایڈو ریٹا نرنگ انجینی سے وابستہ ہو گیا ہوں، تم میرے ساتھ کام کرنا چاہو گی؟“

شائق نے سانہ کے موڈ کو دیکھتے ہوئے گفتگو کا موضوع بدل دیا۔

”کس قسم کا کام؟“

”تم چاہو تو کمرشل میں ماڈلنگ کر سکتی ہو، اس میں پیسہ بھی ہے اور شہرت بھی۔“

”پیسہ میرا مسئلہ نہیں، بہر حال میں کچھ کام کر کے نام تو ضرور کمانا چاہتی ہوں۔ ویسے مجھے نہیں لگتا کہ میرے گھر والے مجھے ماڈل بننے کی اجازت دیں گے۔“

”گھر والوں سے تمہاری کیا مراد ہے؟ شمرہ آنٹی اور انکل کو تو میں اچھی طرح جانتا ہوں انہیں کوئی

”سانہ کے بارے میں سوچ رہی ہوں، مجھے لگتا ہے کہ وہ ماڑے سے منگنی کر کے خوش نہیں ہے اور پر سے امی شادی میں جلد بازی دکھا رہی ہیں انہیں سانہ کو ابھی کچھ وقت دینا چاہیے۔ وہ اور ماڑا ایک دوسرے کو سمجھ لیں۔“

”سانہ نے کیا تم سے کہا ہے کہ وہ ماڑے سے شادی نہیں کرنا چاہتی؟“ فواد احمد بیوی کو بغور دیکھتے ہوئے بولے۔

”بظاہر تو اس نے مجھ سے کھل کر نہیں کہا مگر مجھے اس کی باتوں سے لگا کہ وہ ابھی شادی نہیں کرنا چاہتی پھر آپ تو جانتے ہیں کہ ماڑا کا تعلق کس طرح کے دقیا نوسی ماحول سے ہے۔“

”یہ بات تو پہلے سوچنے کی تھی پھر بھی سانہ کو اختیار ہے کہ اگر وہ اس رشتے کو ختم کرنا چاہے تو میں اس کا ساتھ دوں گا، مجھے تو ماڑو ویسے بھی کچھ خاص نہیں لگا۔ تمہاری امی نے جلد بازی میں تمام معاملات خود ہی طے کر لیے۔“ فواد احمد کے لہجے میں ناگواری آگئی۔

”ڈونٹ وری اب بھی کچھ نہیں بگڑا میں اولاد کی پسند کو ترجیح دینے والوں میں سے ہوں، آپ آرام کریں میں لائٹ آف کرتی ہوں۔“ فواد احمد فوراً ہی کروٹ بدل کر سونے لیٹ گئے مگر شمرہ بیگم بدستور ذہنی کشمکش کا شکار تھیں، تنگ آ کر انہوں نے سائنڈ ٹیبل پر بڑی شیشی سے نیند کی گولیاں نکال کر کھائیں اور سوئیں۔

اگلے دن وہ سز ملک کے ڈنر میں مدعو تھیں۔

”شائق! یہ ہے ہماری سانہ۔“ شمرہ بیگم نے سز ملک کے بیٹے سے اس کا تعارف کرایا شائق نے نظریں اٹھا کر شمرہ بیگم کو دیکھا ان کی آنکھوں میں احساسِ تفاخر لہریں لے رہا تھا پھر اس نے سانہ کو دیکھا تو مبہوت ہو کر رہ گیا۔ سانہ سے وہ چار پانچ سال پہلے ملا تھا۔ شائق کو وہ پہلے سے زیادہ پرکشش لگی۔

”ہیلو سانہ!“ شائق نے خود کو سنبھالتے ہوئے نہایت شائستگی سے کہا۔ ”تمہیں اتنے سال بعد دیکھ رہا ہوں تم تو کافی اٹریکٹو ہو گئی ہو۔“

”تھینکس۔“ وہ شرمیلے لہجے میں بولی تھی۔

”آپ کو پتا ہے اس طرح کے فیصلے سے تانی کو دکھ ہوگا۔“

”سوئی! تم فکر مت کرو، انہیں تو میری شادی پر بھی اعتراض ہوا تھا۔ تم دیکھو میں اور تمہارے پاپا آئیڈیل زندگی گزار رہے ہیں۔“ ممی کی بات سن کر سامنے کا بے چین ذہن خاصا پرسکون ہو گیا اس نے سیٹ کی پشت سے ٹیک لگالی اور اسے سی کی ٹھنڈک اپنے اندر اتارنے لگی۔

☆☆☆

”ہیلو سامنا! کیسی ہو؟“ سامنا نے موبائل کان سے لگایا دوسری طرف مائر نے گنگناتے ہوئے اس کی خیریت دریافت کی۔

”میں بالکل ٹھیک ہوں، تم اپنی سناؤ کیسے دن گزار رہے ہیں؟“

”بندے کا ہر دن تمہاری یاد میں گزار رہا ہے۔ دو دن سے تم سے بات نہیں ہوئی تھی، میں نے سوچا تمہیں فون کر لوں لگتا ہے کہ تمہیں میری کوئی بات بدمی لگ گئی ہے، آئی ایم ریٹلی ویری سوری!“

”شکر ہے تمہیں اپنے رویے کی تلخی کا احساس جلد ہو جاتا ہے۔ بعض حالات میں تم جب اپنی قدامت پسندی کا مظاہرہ کرتے ہو تو مجھے غصہ آ جاتا ہے۔“

”اچھا چھوڑو! یہ بتاؤ تم کب آرہی ہو؟“

”ابھی تو فی الحال میرا کوئی ارادہ نہیں۔“

”واٹ؟ تو کیا اتنی ساری چھٹیاں تم وہاں گزارو گی۔ میرا خیال ہے تمہیں فوراً وہاں سے روانہ ہو جانا چاہیے ایک ہفتے میں تمہارے خیالات میں اتنی تبدیلی آگئی ہے مزید کچھ دن وہیں گزارے تو کہیں مجھ سے شادی سے انکار نہ کر دو اس لیے میرا مشورہ مانو اور فوراً روانہ ہو جاؤ۔“

”تم اچھا مذاق کر لیتے ہو مگر میں تمہیں بتا دوں اس دفعہ میں بقرعید یہیں پر کروں گی۔“ سامنا اسے اپنے فیصلے سے آگاہ کرتے ہوئے بولی۔

”اس کا مطلب یہ ہوا مجھے اپنے پیرٹس کو لے کر

اعتراض نہیں ہوگا، ہاں تمہارے منگیتر اور باقی رشتے داروں کے متعلق میں کچھ کہہ نہیں سکتا۔ مجھے تمہارا چہرہ فوٹو چینک لگا تھا اس لیے میں نے فوراً آفر کر دینی، مستقبل میں تم اس فیلڈ میں کافی نام کما سکتی ہو میرا تو کام ہی ایسا ہے کہ مجھے تمہارے جیسے خوب صورت چہروں کی تلاش رہتی ہے۔“

”ٹھیک ہے میں جلد ہی تمہیں اپنے فیصلے سے آگاہ کر دوں گی، کیا کسی اور ملک میں جانے کا ارادہ ہے؟“

”نہیں، فی الحال تو مجھے یہ سب پر چند سال گزارنے ہیں چلو باقی لوگوں سے ملتے ہیں۔“ شائق کے کہنے پر وہ اٹھ کھڑی ہوئی۔

ڈنر شروع ہو گیا تھا۔ اب ممی اسے اپنے جاننے والوں سے ملانے لگی تھیں وہ بیزاری سے مل رہی تھی، اسے اس طرح کی تقریبات سے ابھن ہوتی تھی۔ رات گئے جب وہ ممی کے ساتھ گھر روانہ ہوئی تو اس نے انہیں شائق کی آفر کے متعلق بتا دیا۔

”تم خود سمجھا رہو، اپنے فوج کے متعلق فیصلہ کر سکتی ہو مگر میں تمہیں صرف اتنا کہوں گی کہ تم اچھی طرح سوچ لو، تمہاری نانی سخت اعتراض کریں گی، وہ تو یہی کہیں گی کہ شاید میرے کہنے پر تم ایسا کر رہی ہو اور مائر کو بھی تمہیں بتانا ہوگا آخر کو وہ تمہارا ہونے والا شوہر ہے۔“

”ممی ابھی آپ کو کسی سے ذکر کرنے کی ضرورت نہیں، وقت آنے پر لوگوں کو خود پتا چل جائے گا۔“

شمرہ بیگم سر ہلا کر رہ گئیں کچھ دیر کار میں خاموشی رہی اس سکوت کو شمرہ بیگم نے ہی توڑا۔

”مسز ملک کہہ رہی تھیں کہ ان کی بڑی خواہش تھی کہ تم ان کی بہو بنیں مگر شائق نے اس معاملے میں کبھی انہیں اپنی پسند سے آگاہ ہی نہیں کیا، اس لیے وہ خاموش رہیں خیر اب بھی کچھ نہیں بگڑا شائق نے اس قسم کی خواہش کا اظہار کیا ہے تو میرے خیال میں تمہیں مائر سے فوراً اپنا تعلق ختم کر دینا چاہیے۔“ وہ نہایت بے نیازی سے کہہ رہی تھیں جیسے کسی عام سے کام کے لیے کہا ہو۔

میری بات سن لیں کل آپ کو میرے ساتھ شاپنگ اور ڈنر پر چلنا ہوگا اور آپ چپ کیوں ہیں؟“ سمانہ نے جھٹ موبائل آف کر دیا اس کے بعد بھی دوبارہ تیل بجی مگر اس نے نہیں اٹھایا۔

”پاپا نے اس عمر میں بھی پہلے کی طرح خواتین سے دوستی کر رکھی ہے۔“ یہ سوچتے ہوئے غصے کی ایک لہر اس کے دماغ میں ابھری اسے نانی کی پپا کے متعلق کہی ہوئی باتیں یاد آرہی تھیں۔ ”نہیں، پپا اس عمر میں ایسی سرگرمیوں میں ملوث نہیں ہو سکتے جو ان بیٹی کے باپ ہوتے ہوئے وہ ایسی حرکتیں نہیں کر سکتے۔“ سمانہ کے ذہن نے فوراً رد کر دیا یہ کہہ کر اس نے اپنے دل کو تسلی دے ڈالی کہ ہو سکتا ہے کہ راتگ نمبر کال ہو۔ صبح وہ گیارہ بجے ہی شائق کے آفس پہنچ گئی۔ پورا دن اس کا مصروف گزارا۔ اسکرین ٹیسٹ اور فوٹو سیشن میں اسے دن گزرنے کا احساس ہی نہ ہوا ارات نو بجے وہ فارغ ہوئی تو شائق بھی اس کے ساتھ نکلا۔

”سمانہ اگر تم پسند کرو تو ہم دونوں سی ویو چلیں۔“

”ہاں، کیوں نہیں۔“ سمانہ کے چہرے پر مسکراہٹ آگئی دن بھر کام میں مصروف رہنے کے بعد اس کا دل چاہ رہا تھا کہ کسی ایسی جگہ کچھ وقت گزارے کہ دن بھر کی تھکان دور ہو جائے۔ شائق کے ساتھ سمندر کے کنارے چلتے ہوئے اور پھر ڈنر کرنے کے بعد وہ ایک دم فریش ہو گئی۔ شائق اسے اپنے فوجی کے پلان کے متعلق بتا رہا تھا، وہ بڑی دلچسپی سے اس کی باتیں سن رہی تھی۔ اس کے آزادی نسواں کے بارے میں خیالات جان کر سمانہ کو عجیب سرشاری محسوس ہو رہی تھی وہ مائر اور شائق کے خیالات کا موازنہ کر رہی تھی۔

☆☆☆

دل میں پھیلی اداسی کے سبب مائر وقت سے پہلے شام کو آفس سے گھر آ گیا گھر میں پھیلی خاموشی نے اس کی اداسی کو کچھ اور گہرا کر دیا۔ چھوٹا بھائی دائم اپنی پڑھائی میں مصروف تھا، مئی اور اپنی شاپنگ کرنے گئی تھیں۔ موسم گرما زوال پر تھا مگر شام کا وقت ہونے کے

کراچی آنا ہوگا تاریخ رکھنے کے لیے کیونکہ میری مئی عید کے فوراً بعد ہی شادی کا کہہ رہی ہیں۔“ مائر کے لہجے کی شوخی مزید بڑھ گئی۔

”مائر! میں اس بارے میں تمہیں بعد میں بتاؤں گی۔ ابھی میں فیصلہ نہیں کر سکی ہوں کہ اتنی جلدی شادی کروں گی کہ نہیں۔“ سمانہ کے لہجے میں سختی آگئی۔

”سمانہ! تمہیں جو کچھ کرنا ہے شادی کے بعد کر سکتی ہو، میں نے کہا ناں میں تمہارے خوابوں کی تکمیل میں رکاوٹ نہیں بنوں گا، آئی پراس یو!“

”فرض کرو میں شو بیز سے وابستہ ہونا چاہوں تو تم میرا ساتھ دو گے؟“ دوسری طرف خاموشی چھا گئی۔

سمانہ کھلکھلا کر ہنس پڑی۔ ”میں نے تو محض ایک بات کہی تھی مگر تمہاری خاموشی دیکھ کر یوں لگ رہا ہے تمہیں خاصا گہرا شاک پہنچا ہے۔“

”سمانہ پلیز آئیندہ ایسا مذاق مت کرنا، میں تم سے بہت محبت کرتا ہوں اور تمہیں کسی صورت کھونا نہیں چاہتا، میرے گھر والے تمہاری اس قسم کی فیلڈ سے وابستگی پر اعتراض کریں گے..... نتیجے میں ہمارا تعلق ٹوٹ سکتا ہے۔“

”اوکے، مجھے مئی سے ضروری بات کرنی ہے تم سے بعد میں بات ہوگی۔“

”خدا حافظ!“ دوسری طرف سے مائر کی آواز ابھری۔ موبائل آف کر کے سمانہ نے بیڈ پر پھینکا اور اپنے کمرے سے نکل کر لاؤنج میں ٹہلنے لگی۔ مئی اپنے کمرے میں سونے جا چکی تھیں وہ انہیں اپنے کل کے پروگرام کے بارے میں بتانا چاہ رہی تھی اس نے وال کلاک پر نظر ڈالی رات کے ساڑھے بارہ بجے رہے تھے۔ اس وقت اسے پاپا کے موبائل کی رنگ ٹیون سنائی دی پاپا اپنا موبائل ڈائمنگ ٹیبل پر بھول گئے تھے سمانہ نے موبائل آن کر لیا۔

”ہیلو! میں زوبیہ بول رہی ہوں، میں ہوٹل میں آپ کا انتظار کرتی رہی آپ دس منٹ کا کہہ کر گئے تھے ایک گھنٹے سے اوپر ہو گیا تو میں وہاں سے نکل گئی۔

ماہنامہ پاکیزہ 58 ستمبر 2016ء

## پاک سوسائٹی پر موجود مشہور و معروف مصنفین

عُمیرہ احمد	صائمہ اکرام	عُشنا کوثر سردار	اشفاق احمد
نمرہ احمد	سعدیہ عابد	نبیلہ عزیز	نسیم حجازی
فرحت اشتیاق	عفت سحر طاہر	فائزہ افتخار	عنایت اللہ التمش
قُدسیہ بانو	تنزیلہ ریاض	نبیلہ ابراراجہ	ہاشم ندیم
نگہت سیما	فائزہ افتخار	آمنہ ریاض	ممتاز مفتی
نگہت عبد اللہ	سباس گل	عنیزہ سید	مستنصر حسین
رضیہ بٹ	زُخسانہ نگار عدنان	اقراء صغیر احمد	علیم الحق
رفعت سراج	اُمِ مریم	نایاب جیلانی	ایم اے راحت

## پاک سوسائٹی ڈاٹ کام پر موجود ماہانہ ڈائجسٹس

خواتین ڈائجسٹ، شعاع ڈائجسٹ، آنچل ڈائجسٹ، کرن ڈائجسٹ، پاکیزہ ڈائجسٹ،  
حناء ڈائجسٹ، ردا ڈائجسٹ، حجاب ڈائجسٹ، سسپنس ڈائجسٹ، جاسوسی ڈائجسٹ،  
سرگزشت ڈائجسٹ، نئے آفاق، سچی کہانیاں، ڈالڈا کا دسترخوان، مصالحہ میگزین

## پاک سوسائٹی ڈاٹ کام کی شارٹ کٹس

تمام مصنفین کے ناولز، ماہانہ ڈائجسٹ کی لسٹ، کڈز کارنر، عمران سیریز از مظہر کلیم ایم اے، عمران سیریز از ابنِ صفی،

جاسوسی دنیا از ابنِ صفی، ٹورنٹ ڈاؤنلوڈ کا طریقہ، آن لائن ریڈنگ کا طریقہ،

ہمیں وزٹ کرنے کے لئے ہمارا ویب ایڈریس براؤزر میں لکھیں یا گوگل میں پاک سوسائٹی تلاش کریں۔

اپنے دوست احباب اور فیملی کو ہماری ویب سائٹ کا بتا کر پاکستان کی آن لائن لائبریری کا ممبر بنائیں۔

اس خوبصورت ویب سائٹ کو چلانے کے لئے ہر ماہ کثیر سرمایہ درکار ہوتا ہے، اگر آپ مالی مدد کرنا چاہتے ہیں تو ہم سے فیس بک پر رابطہ کریں۔۔۔

## دلنشین زیور

حجاب وہ زیور ہے جو عورت کو پُر وقار بناتا ہے۔ اس کی خوب صورتی و دل کشی اور عزت و تمکنت بڑھاتا ہے۔ اور کیوں نہ بڑھائے جسے دین اسلام نے عورت کے لیے لازم قرار دیا ہو، جسے اپنانے کا حکم ہوا ہو تو اسے اپنا کر عورت کی شان، مان اور انفرادیت میں اضافہ ہونا تو واجب ٹھہرا۔ قرآن کریم میں واضح حکم موجود ہے۔ ”اے نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم! اپنی بیویوں، بیٹیوں اور اہل ایمان کی عورتوں سے کہہ دو کہ اپنے اوپر اپنی چادروں کے پلوں کا لیا کریں۔ یہ زیادہ مناسب طریقہ ہے تاکہ وہ پہچان لی جائیں اور ستائی نہ جائیں اور اللہ تعالیٰ غفور الرحیم ہے۔“ تو فرمانِ ربّی کی پیروی کرنے والی خواتین، دوسروں سے ممیز نہ ہوں؟ ان کی شخصیت اور ردِ پ باقیوں سے جدا نہ ہوں، وہ الگ سے پہچانی نہ جائیں؟ قابلِ فخر اور قابلِ قدر نہ ہوں یہ ممکن ہی نہیں۔ سو ہر باحجاب خاتون کو اپنے اس عمل پر فخر ہونا چاہیے۔ حیا، شرم، نگاہ میں بھی ہو اور عمل سے بھی ظاہر ہو تو بھلا ممکن ہے کہ کسی کو پہلی نگاہ ڈالنے کی جرأت ہو جائے؟ حجاب بظاہر ڈیڑھ دو گز کا ایک کپڑا ہے مگر ایک عورت کے لیے کس قدر بڑا احساسِ تحفظ ہے۔ اس کا اندازہ کوئی باحجاب عورت ہی لگا سکتی ہے۔ وہ کسی نے کیا خوب کہا ہے کہ دنیا میں بہت سی کتابیں ہیں لیکن غلاف صرف قرآن کریم ہی پر چڑھایا جاتا ہے۔ بہت سی عمارات ہیں ڈھانچا صرف خانہ کعبہ کو ہی جاتا ہے۔ متعدد مذاہب کی ماننے والی خواتین موجود ہیں لیکن پردے کا حکم صرف مسلمان خواتین ہی کے لیے ہے تو اپنے اس امتیاز اور انفرادیت پر ہمیشہ فخر کریں، اسے بوجھ نہیں اعزاز سمجھیں۔

مرسلہ: دُرِ نایاب، کراچی

باوجود جس تھا مائران میں بیٹھ گیا اس دوران ادھیڑ عمر ملازمہ چائے کی ٹرائی لے کر آگئی۔

”صاحب! چائے پی لیں۔“ مائرانے سے خالی، خالی نظروں سے دیکھنے لگا جیسے اس کی بات کا مفہوم سمجھنے کی کوشش کر رہا ہو۔ دماغ غیر حاضر تھا آج اس کو اپنے دوست کی زبانی اطلاع ملی تھی کہ سمانہ ماڈلنگ کر رہی ہے اس نے وہ میگزین بھی دکھایا تھا جس میں سمانہ کی تصویریں چھپی تھیں، اپنے دوست شہریار کی زبانی ہی اسے پتا چلا تھا کہ اس کا ٹرشل بھی چل رہا ہے۔ سمانہ نے اس بارے میں اسے بتانے کی ضرورت محسوس نہیں کی تھی۔ یہ سوچ کر اسے گہرا دکھ پہنچا تھا اسی وجہ سے وہ جلدی گھر آ گیا تھا مگر دماغ بدستور الجھا ہوا تھا۔ اس نے چائے کا کپ ہاتھ میں لیا اور چھوٹے، چھوٹے گھونٹ بھرنے لگا۔ چائے پینے کے بعد وہ اپنے کمرے میں آ کر لیٹ گیا۔ اسے سمانہ سے اس معاملے پر بات کرنا ہی اس نے لیئے، لیئے فیصلہ کر لیا کہ وہ کل کی ہی فلائٹ سے کراچی روانہ ہو جائے گا۔

☆☆☆

”یوں اچانک تمہارا کراچی کیسے آنا ہوا؟“ ثمرہ بیگم، مائرانے کے گھٹو میں مصروف تھیں۔

”بس اچانک پروگرام بن گیا، لگتا ہے آپ کو میریوں آنا اچھا نہیں لگا؟“

”ایسی تو کوئی بات نہیں، میں نے سمانہ کو فون کر دیا ہے، وہ آتی ہی ہوگی۔ اصل میں وہ ایک ایڈورٹائزنگ ایجنسی سے وابستہ ہو گئی ہے۔“

”آپ صاف کیوں نہیں کہتیں کہ وہ ماڈلنگ کر رہی ہے۔“ مائران کا لہجہ درشت تھا۔

ہاں تو کیا ہوا، دنیا بہت بدل گئی ہے تم اپنے دقیانوسی خیالات چھوڑو ورنہ مشکل ہے تمہارا سمانہ سے بھاہو سکے۔“ انہیں مائرانے کے بات کرنے کا انداز ناگوار لگا تھا۔

”سمانہ کو ماڈلنگ کرنا ہی تو میری اجازت سے کرتی اس طرح چوری چھپے کرنے کی کیا ضرورت تھی،

کھوئی ہوئی ہو بہت جلد تمہیں اس کے ناپاک انداز ہونے کا اندازہ ہو جائے گا۔

”تم جلتے ہو میری کامیابیوں سے!“ مارے غصے کے سامنے کا چہرہ عجیب سا ہو گیا۔ ”میری ترقی سے جل رہے ہو تم، یہ سب تم سے برداشت نہیں ہو پارہا۔ تم جانتے ہو میں کوئی معمولی لڑکی نہیں ہوں کہ تم سے شادی کر کے محض تمہاری غلامی کروں اور اپنا کیریئر تباہ کر دوں۔“ مائر کو اس کی بات پر شدید غصہ آ گیا۔

”میں تم سے جلوں گا؟ واہ بڑی خوش فہمی ہے تمہیں، تم یہ مت سمجھنا میرے لیے لڑکیوں کی کمی ہے جو تمہارے لیے مر رہی ہوں۔“

”یہ مائر، تم نہیں کہہ رہے بلکہ تمہارے اندر کا احساس کمتری بول رہا ہے، میں کامیاب اور مشہور ہو گئی ہوں تم سے یہ برداشت نہیں ہو رہا۔“

”سامنے! میں تم سے بحث نہیں کرنا چاہتا، یہ بتاؤ تمہیں مجھ سے جڑا رشتہ آگے بھانا ہے یا نہیں؟“ مائر نے دو ٹوک لہجے میں پوچھا۔

”فی الحال تو مجھے ابھی شادی نہیں کرنی اور تین سال تک میرا شادی کا کوئی ارادہ بھی نہیں، تم اس معاملے میں جلد بازی چاہتے ہو تو میری طرف سے انکار سمجھو۔“

”ٹھیک ہے تم ابھی مجھ سے شادی نہیں کرنا چاہتے تو تمہاری کرنی۔۔۔ مجھ سے زیادہ تمہاری نانی کی خواہش تھی کہ اس معاملے کو جلد از جلد نمٹایا جائے مگر یہاں تو تمہارے ارادے ہی بدل گئے ہیں، سو ہمارے بیچ اب کچھ نہیں بچا۔“

مائر ایک دم جانے لگا۔ سامنے کو امید تھی کہ شاید وہ رک جائے مگر اس نے جانے میں ایک لمحہ نہیں لگایا مائر کے جاتے ہی اس کا ذہن الجھن کا شکار ہو گیا یہ سوچ کر کہ اس نے صحیح فیصلہ کیا ہے یا نہیں۔ سامنے سونے سے پہلے فیصلہ کر چکی تھی کہ وہ مائر سے بات کر کے اسے منالے گی۔ اگلی صبح جب وہ اٹھی تو ذہن ہلکا ہو چکا تھا نہا کر فریش ہوتے ہی اس نے ناشتا کیا پھر خاصی دیر

”سامنے ابھی صرف تمہاری مگیت رہے بیوی نہیں جو تم ابھی سے اس پر پابندیاں لگا رہے ہو، میری بیٹی کے بھی کچھ خواب ہیں جو وہ شادی سے پہلے پورے کرنا چاہتی ہے اس سلسلے میں اسے صرف میری اجازت دے کر رہے نہ کہ تمہاری۔“

”ہائے مائر! تم یوں اچانک چلے آئے۔“ ثمرہ بیگم مزید کچھ کہتیں کہ سامنے آ گئی۔

”تم سے ضروری بات کرنا تھی اس لیے آنا پڑا۔“ مائر اسے گہری نظروں سے دیکھ رہا تھا بلیو جینز پر فلڈ ٹاپ پہنے اس کی آنکھوں میں ایسی اجنبیت تھی کہ وہ کہیں سے پہلے والی سامنے نہیں لگ رہی تھی۔

”سوئٹ ہارٹ! تم مائر کو کہتی دو۔ مجھے ضروری مینٹنگ میں جانا ہے۔“ ثمرہ بیگم ایک ادا سے کہتی ہوئی چلی گئیں۔ ڈرائنگ روم میں مائر اور سامنے تھے۔ سامنے اپنا پرس سینٹر ٹیبل پر رکھ کر صوفے پر دھم سے بیٹھ گئی۔ اور سر صوفے کی پشت سے لگا کر گویا اپنی تھکاوٹ دور کرنے لگی۔ اس دوران مائر بولنے کے لیے الفاظ تلاش کر رہا تھا۔ گہرے سکوت کے بعد وہ سامنے پر ایک دم برس پڑا۔

”تمہیں ماڈرننگ چھوڑنا ہوگی۔ بس میں جلد سے جلد تم سے شادی کرنا چاہتا ہوں، تمہاری مصروفیات مزید بڑھیں تو تم تو مجھے گھاس نہیں ڈالو گی۔“ سامنے ایک دم سیدھی ہو کر بیٹھ گئی اس کی آنکھوں میں شدید ناپسندیدگی ابھر آئی۔

”فی الحال میں شادی کا جھنجٹ انورڈ نہیں کر سکتی، مجھے بہت آگے جانا ہے اور میری کامیاب زندگی کی مصروفیات اس چیز کی اجازت نہیں دیتیں کہ میں اپنے کیریئر کو شادی کر کے ختم کر دوں۔“ وہ کئی سے بولی۔

”بند کرو اپنی یہ بکواس! تم کیا ہو اور تمہاری کامیاب زندگی کی مصروفیات کیا ہیں، یہ میں اچھی طرح سے جانتا ہوں ابھی تو تم اس گلیر کی رنگینیوں میں



بات کرنا بیکار ہے۔“ سمانہ یہ کہتے ہوئے تیزی سے ہوٹل سے نکلی اور اپنی کار میں ایڈورٹائزنگ ایجنسی کی طرف روانہ ہوگئی۔ کار ڈرائیو کرتے ہوئے اس کی آنکھوں میں آنسو آگئے خود کو نارمل کرتے ہوئے وہ شائق کے کمرے میں پہنچی۔

”کیا بات ہے آج تمہارا چہرہ فریش نہیں لگ رہا، لگتا ہے رات میں ٹھیک طرح سے سوئی نہیں ہے“

”ہاں یہی بات ہے، ماڑ آیا ہے سخت خفا ہو رہا تھا“ وہ جلد ہی شادی کرنا چاہتا ہے ابھی تو میرے کیریئر کی ابتدا ہے میں کیسے شادی کر لوں۔ ویسے بھی وہ چاہتا ہے کہ میں اس فیلڈ کے بجائے کوئی اور کام کروں مجھے اس کے بیک ورڈ خیالات سے الجھن ہو رہی ہے۔“

”ڈیمنشن کیوں لے رہی ہو تمہارا خوب صورت چہرہ مرجھا کر رہ جائے گا، ماڑ بہت ناقدر شناس شخص ہے جو تمہارے.....“

”سوری شائق!“ سمانہ نے اس کی بات کاٹ دی۔ ”یہ خالصتاً میرا اور ماڑ کا مسئلہ ہے مجھے تم سے ڈسکس نہیں کرنا چاہیے تھا۔“

”تم مجھ سے اپنی ہر پرابلم شیئر کر سکتی ہو، میں تمہارا دوست ہوں میں نے فوج کے متعلق بہت سے خواب دیکھ رکھے ہیں میرے خواب تمہارے بغیر ادھورے ہیں۔ سمانہ، تم میرے لیے کتنی اہم ہوگئی ہو۔۔۔“

یہ میں وقت آنے پر بتاؤں گا جاؤ تم تیار ہو جاؤ کام شروع کرتے ہیں۔“ سمانہ کام میں ایسا مصروف ہوئی کہ ماڑ کا خیال وقتی طور پر اس کے ذہن سے نکل گیا ویسے بھی وہ ماڑ کو اپنی زندگی سے نکالنے کے لیے ذہن کو آمادہ کر رہی تھی۔ رات کو وہ اپنے کام سے فارغ ہوئی تو شائق اس کا منتظر تھا۔

”چلو سمانہ میں تمہیں ڈراپ کر دوں۔“ شائق نے گہری نظروں سے اسے دیکھا۔

”نہیں، میں خود ڈرائیو کر کے آئی ہوں۔“

”چلو پھر ساتھ ہی نکلتے ہیں۔ ڈنر کر کے تم اپنے گھر چلی جانا۔ اصل میں دن بھر اتنا مصروف

تک ڈرائیونگ ٹیبل کے سامنے بیٹھ کر اپنا میک اپ درست کرتی رہی۔ کار میں بیٹھ کر وہ اس ہوٹل کی طرف روانہ ہوگئی جہاں ماڑ کا قیام تھا ماڑ اسے ہوٹل کے ڈائٹنگ ہال میں مل گیا۔ رات سمانہ نے اسے فون کیا تھا تو ماڑ کے دل میں ایک موہوم سی امید تھی کہ شاید وہ اپنے گزشتہ رویے کی معافی مانگنا چاہتی ہے۔

”کہو کیا کہنا چاہتی ہو؟“ ماڑ نے پلیٹ ایک طرف رکھی اور اسے گھور کر دیکھنے لگا۔

”ماڑ تم فضول میں ایک معمولی بات کو ایٹو بنا رہے ہو، میں ایجنٹ ختم نہیں کرنا چاہتی بہتر ہے کہ تم میرے خیالات کے ساتھ کپور و ماڑ کر لو۔ ابھی تمہیں میری شخصیت کے سحر کا اندازہ نہیں مگر فوج میں جب تم میرے حوالے سے پہچانے جاؤ گے تو خود پر فخر محسوس کرو گے۔“ سمانہ پُر غرور لہجے میں بولی۔

”مگر مجھے ایسا فخر نہیں چاہیے مانہ، تم بات کو سمجھو“ میں عورت کے کام کرنے کو بہترین سمجھتا ہوں مگر تم اپنے شوق کی تسکین کے لیے حد سے زیادہ آگے بڑھ رہی ہو۔ تمہاری خود سری تمہیں لے ڈوبے گی۔“ سمانہ کی بھویں تن گئیں۔

”میں یہاں تمہیں منانے آئی یہی میری غلطی تھی، تم اکیسویں صدی کے مرد ہو ہی نہیں، تم اپنی فرسودہ سوچ سے آگے نہیں بڑھ سکتے، مٹی صحیح کہتی ہیں تم خاک ہو میرے آگے، تم نے مجھ کو کیا سمجھ رکھا ہے تم سے ہزار گنا بہتر دسیوں مرد میرے ادنیٰ اشارے کے منتظر ہیں، یقین نہیں تو چلو میرے ساتھ لائن لگی رہتی ہے میرے ارد گرد۔“

”نٹ اپ! بہت ہو گیا تم یہاں سے جا سکتی ہو۔ تم ایک خود پسند لڑکی ہو۔ مجھ سے اس طرح کی باتیں کر کے تم یہی ثابت کرنا چاہتی ہو کہ کئی مرد تمہارے قدر دان ہیں، تمہارے لیے رشتوں کی کوئی کمی نہیں تو یہ تمہاری احمقانہ سوچ کا اثر ہے بیوقوف ہو تم!“

”اوکے، میں جا رہی ہوں اس وقت تم سے کوئی

زہتا ہوں کہ اکثر لہجے نہیں کرتا مگر اب شدید بھوک لگ رہی ہے۔“

”ہاں، کیوں نہیں؟“ سامنہ خواہش کے باوجود انکار نہ کر سکی اور دونوں اپنی، اپنی گاڑیوں میں اپنے پسندیدہ ریستورنٹ کی طرف روانہ ہو گئے۔ گاڑی ڈرائیو کرتے ہوئے اس کا ذہن شائق کے بارے میں سوچ رہا تھا، سامنہ کو وہ خاصا معقول لگتا تھا مگر آفس میں وقت گزارنے پر اسے شائق کے ساتھ کام کرنے والوں کی زبانی معلوم ہوا تھا لڑکیوں کے حوالے سے اس کی شہرت اچھی نہیں تھی تاہم سامنہ کا معاملہ مختلف تھا۔ اس کے ساتھ شائق کا رویہ انتہائی مہذب تھا۔ ریستورنٹ میں قدم رکھتے ہی سامنہ کے تنے ہوئے اعصاب ڈھیلے پڑ گئے اندر کا ماحول بہت پرسکون اور خواب ناک سا تھا۔

”کیسا گزرا آج کا دن، اپنے کام کو انجام دے کیا تم نے؟“ کھانے کے دوران شائق نے پوچھا۔

”ہاں مگر مجھے لگتا ہے کہ میں یہ کام مزید جاری نہیں رکھ سکوں گی۔“

”ارے کیوں، ایسا بالکل نہیں ہوگا، تم مزید کمرشل کرو گی تمہارا چہرہ اور انداز ایسا ہے کہ تم اس فیلڈ میں آگے تک جاؤ گی۔“ شائق کے لہجے کی سختی کو دیکھتے ہوئے سامنہ نے اس سے الجھنا نہیں چاہا۔ وہ کھانا کھاتے ہوئے ڈائننگ ہال میں بیٹھے لوگوں کو دیکھنے لگی اچانک اس کی نظر میں ہال کے کونے میں بیٹھے ہوئے شخص پر پڑیں، ایک لمحے کو اسے یقین نہیں آیا کہ اس کے پاپا ایک نوجوان لڑکی کے ساتھ اس خواب ناک ماحول میں باتوں میں مصروف ہیں، شائق نے بھی انہیں دیکھ لیا تھا۔ ایک معنی خیز مسکراہٹ اس کے لبوں پر پھیل گئی۔ فواد احمد نے بھی ان کی موجودگی کو محسوس کر لیا تھا مگر وہ انجان بن گئے تھے۔

”کیا سوچنے لگیں؟ سب کو اپنی زندگی کو انجام دے کرنے کا حق ہے، تم آرام سے کھانا کھاؤ!“ شائق کے کہنے پر اس نے منہ دوسری طرف کر لیا مگر کھانا اسے اب بالکل اچھا نہیں لگ رہا تھا۔ کھانا کھاتے ہی وہ

ماہنامہ پاکیزہ 62 ستمبر 2016ء

لوگ جانے کے لیے اٹھ گئے۔ گھر پہنچ کر وہ کافی دیر باہر لان ہی میں شہلپتی رہی تھی، می بھی اسے اپنے کمرے سے دیکھ کر باہر ہی آئیں۔

”کیسا گزرا اپنی آج کا دن؟ تمہیں دیکھ کر تو یوں لگ رہا ہے کہ کچھ آپ سیٹ ہو۔“

”اچھا گزرا..... پر مجھے آپ سے کچھ کہنا ہے۔“ وہ سوالیہ نظروں سے اس کی طرف دیکھنے لگیں۔ اور اس نے می کو آج ہوٹل میں پیش آنے والا واقعہ اور چند روز پہلے آنے والی کال کے متعلق بھی بتا دیا۔

”می، پاپا کی اس عمر میں ایسی حرکتیں میری سمجھ سے باہر ہیں، آپ اسے میری دنیا نوی ذہنیت سمجھیں یا کچھ اور مگر میرا ذہن یہ سب قبول نہیں کر رہا۔“

”سامنہ! ریلیکس ہو جاؤ۔“ می کی بھڑائی ہوئی آواز ابھری۔ ”میں تو سچی می تم اپنے کسی مسئلے کے لیے پریشان ہو مگر یہ تو تمہارے پاپا کے بارے میں ہے، چلو اچھا مذاق ہے۔“

”تو آپ یہ سب کچھ پہلے سے جانتی ہیں؟“

”میں نے ان باتوں کے بارے میں کبھی جانتا ضروری نہیں سمجھا، یہ دیکھو کہ وہ تمہارے پاپا ہیں اور ایک باحیثیت آدمی ہیں۔“ سامنہ کچھ نہیں بولی وہ تو می کے چہرے کو بغور دیکھ رہی تھی۔

”تمہیں اپنے پاپا اور میرے پرسنل معاملات میں دخل اندازی نہیں کرنی چاہیے میں نے چوبیس برس تمہارے پاپا کی ان عادتوں کو جانتے بوجھتے ہوئے پرسکون انداز میں گزارے ہیں، میں اس سکون اور خوشی کو برباد کرنے والی کسی بات میں بھی دخل اندازی نہیں کرتی۔ مجھے اپنے شوہر پر اعتماد ہے۔ وہ بھلے سے کتنے بھی افیئر چلاتے رہیں بحیثیت بیوی میری پوزیشن مضبوط ہے۔ بیٹی زندگی سیدھی اور سہل نہیں ہوتی۔ یہ بہت پیچیدہ ہوتی ہے اگر میں بھی تمہاری طرح جذباتی ہوتی تو اس گھر کا سکون اور وقار کب کا مٹی میں مل چکا ہوتا۔ میں پریشان نہیں ہوتی، میں نے جوانی میں والدین کے فیصلے کے خلاف اپنی پسند سے فواد احمد سے

روم میں لے آیا۔ سامنہ نے اپنا ہینڈ بیگ سنٹر ٹیبل پر رکھا اور صوفے پر بیٹھ گئی۔

”آئی گھر پر نہیں ہیں کیا؟“

”نہیں، میں تمہارے لیے کولڈ ڈرنک لاتا ہوں۔“ شائق کمرے سے نکل کر چلا گیا۔ کولڈ ڈرنک لا کر اس نے ٹیبل پر رکھی۔ سامنہ صوفے سے ٹیک لگائے اپنی ٹھکن اتارنے میں مصروف تھی۔ شائق نے گلاس اٹھا کر گھونٹ بھرنے شروع کیے اس کے ذہن میں ان لڑکیوں کی گنتی شروع ہو چکی تھی جنہیں وہ اپنا شکار بنا چکا تھا۔

”تمہارے ڈرائنگ روم کی ڈیکوریشن بڑی زبردست ہے۔“ سامنہ گلاس اٹھاتے ہوئے بولی۔

”ہاں، یہ سب مئی کا ذوق ہے۔ سامنہ مجھے لگتا ہے کہ تم اپنے منگیترے خوش نہیں ہو تب ہی اس کے ذکر سے کتراتے ہو۔ ٹھیک کہہ رہا ہوں ناں میں؟“ شائق نے اسے گھرنے کی کوشش کی۔

”ایسی تو کوئی بات نہیں، ویسے اگر میں کہوں کہ میں اس سے ناخوش ہوں تو؟“

”میرا مشورہ تو یہی ہے کہ اس سے منگنی فوراً ختم کر دو۔“

”تو کیا تم مجھ سے شادی کرو گے؟“ سامنہ کو امید تھی کہ شائق اسے پروپوز کرنے والا ہے۔

”واٹ، میں بھلا تم سے کیوں شادی کرنے لگا، میں جس پروفیشن سے وابستہ ہوں وہاں شادی..... وہ بھی تم جیسی لڑکی سے..... ویسے بھی تم منگنی شدہ ہو..... کچھ اچھا وقت تو تم نے بھی گزارا ہوگا۔ شادی کا رسک لینے کی کیا ضرورت ہے آؤ بیڈ روم میں چلتے ہیں۔“ شائق خباث پر اتر آیا۔

”کیا بکو اس کر رہے ہو تم، ہوش میں تو ہو؟“ سامنہ جوشِ غضب سے کھڑی ہو گئی۔

”ہا ہا ہا.....“ شائق بے ڈھنگے انداز میں ہتھہ لگاتے ہوئے اس کے قریب آ گیا۔ سامنہ نے پوری قوت سے اس کے گال پر تھپڑ جڑ دیا، وہ ایک دم سناٹے

شادی کی۔ نواد احمد نے مجھے ہر بات کی آزادی دی مگر ان کی ایک ہی شرط تھی کہ نہ وہ میرے معاملات میں مداخلت کریں گے اور نہ میں اس قسم کی کوئی حرکت کروں گی۔ بیوی ہونے کے ناتے میں انہیں اس قسم کی حرکت سے روکنے کی کوشش کرتی تو مجھ سے یہ اختیار چھن بھی سکتا تھا اور میں نہیں چاہتی تھی کہ کسی صورت میری شادی ناکام کہلائے۔ میرے سرکل کی زیادہ تر خواتین ایسی ہی ہیں جن کی شادیاں ناکام ہو چکی ہیں۔ اور جن کی کامیاب بھی ہیں تو وہ اپنا ہر کیفیت میں تنہا اور تہی دست ہیں۔ اس موضوع پر مزید بات کرنے کی میں ضرورت نہیں سمجھتی اور نہ ہی میں تمہیں اجازت دوں گی کہ تم اخبار والوں کی طرح اس قسم کی سنسنی خیز خبروں کو تلاش کرو۔“ یہ کہہ کر وہ وہاں سے جا چکی تھیں اور سامنہ بھی ہارے ہوئے انسان کی طرح چلتی ہوئی اپنے کمرے میں آ گئی۔ اس کا ذہن الجھا ہوا تھا۔

”مئی یہ سب برسوں سے جانتے ہوئے بھی اسے پایا کی پرائیویسی خیال کرتی ہیں، پایا کے ساتھ ان کی زندگی صرف ایک سمجھوتا ہے۔“ بستر پر لیٹنے کے بعد وہ اپنے اور مائر کے بارے میں سوچنے لگی مائر کو نظر انداز کر کے اور شائق کی طرف دوستی کا ہاتھ بڑھا کر وہ غلطی تو نہیں کر رہی ہے۔

☆☆☆

”تمہاری تصویروں نے دھوم مچا دی ہے۔ کیا فوٹو جینک چہرہ ہے تمہارا۔“ شائق اس کی تعریفوں کے پل باندھنے میں مصروف تھا۔

”یہ تم نے کار کو کہاں موڑ دیا، میں تو گھر جانا چاہ رہی تھی۔“ سامنہ خاموش بیٹھی اپنی سوچوں میں گم تھی کہ دوسرے راستے پر اسے جانا دیکھ کر اچانک بولی۔

”ہرگز نہیں، تم میرے گھر جا رہی ہو۔ وہاں کچھ دیر بیٹھ کر گپ شپ لگائیں گے پھر میں تمہیں تمہارے گھر چھوڑ آؤں گا۔“ سامنہ کا جی چاہا کہ بہانہ کر کے منع کر دے مگر کچھ کہہ نہیں پائی، آج ڈرائیور اسے آفس ڈراپ کر کے چلا گیا تھا۔ شائق اسے اپنے ڈرائنگ

میں آگیا اس کا دایاں ہاتھ گال پر تھا اور آنکھوں میں بے یقینی کی کیفیت..... سامانہ نے اپنا ہینڈ بیگ تیزی سے اٹھایا اور باہر نکل گئی یہ مشکل ٹیکسی لے کر گھر آ کر اس نے خود کو کمرے میں بند کر لیا اور بستر پر لیٹی آنسو بہاتی رہی۔ شائق کو وہ کیا سمجھتی تھی اس کے خیالات جان کر اسے شدید ذہنی اذیت پہنچی تھی کہ وہ کسی غلط ارادے سے اسے اپنے گھر لے گیا تھا۔ رو کر اس کے دل کا غبار پھٹ چکا تو واش روم جا کر اس نے پانی کے چھینٹے مارے اور چہرے کو تولیے سے رگڑتے ہوئے باہر نکل آئی۔ کچھ دیر وہ یونہی بیٹھی رہی پھر اپنے بیک سے سیل فون نکال کر اس نے مائر کا نمبر ملایا کافی دیر تیل جانے کے بعد اس نے فون اٹھالیا۔

”ہیلو! مائر کیسے ہو تم؟ کافی دنوں سے تم نے فون نہیں کیا۔“

”میں تو ٹھیک ہوں، تمہیں آج فرصت مل گئی جو مجھے فون کر لیا۔“ مائر کے لہجے میں گہرا طنز تھا۔ سامانہ نے اس کے طنز کو نظر انداز کر دیا۔

”یہ بتاؤ تم میری عیدی لے کر کب آرہے ہو؟“  
 ”کیا مطلب بقر عیدی بھی لوگی؟ اب یہ ممکن نہیں، میں نے تم سے منگنی ختم کرنے کا فیصلہ کر لیا ہے۔“ اس کے لہجے میں تلخی درآئی تھی۔  
 ”یہ کون سا مذاق ہے، مجھے تمہارا یہ مذاق بالکل پسند نہیں آیا۔“

”میں کوئی مذاق نہیں کر رہا حقیقت بیان کر رہا ہوں، مجھے تم پر اعتبار نہیں رہا پھر تم سے تعلق جوڑنے کا فائدہ۔ تم نے میرا غرور، میرا اعتماد اور مان توڑ دیا ہے۔ میرے علم میں لائے بغیر تم نے ماڈلنگ شروع کر دی، تم کیا سمجھ رہی تھیں کہ تم کچھ بھی کرتی رہو گی اور مجھے پتا نہیں چلے گا۔ جب تم یہ فیصلہ اکیلے کر سکتی ہو تو آگے زندگی میں بہت سے فیصلے ایسے ہوں گے جن کے لیے تم میری ضرورت محسوس ہی نہیں کرو گی اور میری طبیعت اس بات کی اجازت نہیں دیتی کہ میری ہونے والی بیوی کے دل میں جو آئے وہ کرتی پھرے

اس لیے بہتر یہی ہے کہ مستقبل میں آنے والی مشکلات اور مسائل سے بچنے کے لیے یہ رشتہ ہمیں ختم کر دینا چاہیے۔“ مائر کی بھاری بھرم آواز سامانہ کی سماعت میں گھسی چلی گئی چند سیکنڈ خاموشی رہی پھر مائر نے دوبارہ کہنا شروع کیا۔

”سامانہ! تم نے مجھے بیوقوف سمجھا ہوا ہے، میں تمہیں اپنے وجود کی پوری گہرائی اور سچائی کے ساتھ اپنانا چاہتا تھا مگر لگتا ہے میرا وجود تمہارے لیے کوئی معنی نہیں رکھتا۔“

”مائر! پلیز میری بات تو سنو، میں نے جان لیا کہ میں غلط تھی اور تم بالکل ٹھیک۔“ سامانہ کی آواز بے قابو ہونے لگی۔ ”مجھ سے غلطی ہو گئی مجھے معاف کر دو، آئندہ ایسا کبھی نہیں ہوگا تم مجھ سے جڑنے والا رشتہ ختم مت کرو بس ایک موقع دے دو۔۔۔ صرف ایک موقع میں تمہاری ہر شکایت دور کر دوں گی سن رہے ہونا ہیلو..... مائر وہ رو دی۔

”لگتا ہے تم اپنی نئی مصروفیات کے باعث فرسٹرڈ ہو گئی ہو۔ ابھی تم سو جاؤ صبح جب اٹھو گی تو تمہارے خیالات بدل جائیں گے، میں عید کے بعد انگلینڈ جا رہا ہوں۔ میں نے اپنی می کو بتا دیا ہے کہ میں یہ منگنی ختم کر رہا ہوں، میری می میں تمہاری نانی کو فیس کرنے کی ہمت نہیں اس لیے بہتر ہے کہ تم موقع دیکھ کر انہیں بتا دینا، رہی تمہاری می، پایا کی بات تو انہیں اس رشتے کی کون سی خوشی تھی جو ٹوٹنے کا غم ہوگا۔“

”خدا کے واسطے مائر، میری بات تو سنو۔“ سامانہ گڑ گڑائی۔ ”میں جو کچھ کہہ رہی ہوں یہ فرسٹریشن نہیں ہے، میں اپنے کیے پر شرمندہ ہوں تم مجھے معاف کر دو، مجھے اپنی غلطی کا احساس ہو گیا ہے بس میں پرسوں لاہور آ رہی ہوں، تم مجھے ایک موقع دو۔“

”او کے خدا حافظ!“ مائر نے فون رکھ دیا تھا۔ سامانہ نے موبائل سائڈ بورڈ پر رکھا اور اپنی الماری میں سے کپڑے نکالنے لگی تیار ہو کر وہ سپر مارکیٹ کی طرف نکل گئی وہاں سے اس نے مائر کی پسند کی کئی چیزیں لیں

جی کہانیوں آپ بتیوں جگ بتیوں کب مثال محمود

# سرگزشت

کراچی ماہنامہ

شمارہ ستمبر 2016ء  
کی جھلکیاں

## داستان باری

وہ ادبی دنیا میں ادیب گر کہلایا، ڈاکٹر ساجد امجد  
کے قلم کا شاہکار ایک تحقیقی سوانح

## آسمان چہ رجا

عراق کے جنگ زدہ ماحول سے ابھری  
سلیبی اعوان کی سوچ کے دروا کرنے والی تحریر

## اسو سال کی بچی

انور فرہاد کے قلم سے فلم نگری کی  
ایک انتہائی دلچسپ روداد

## اوقیو

انسان اور سائنس کے درمیان کھیلے گئے مقبول  
خونی کھیل کی منظر کشی علیم شاہد کی زبانی

## شمال سے تورا

اگر یورپ میں سکونت کا ارادہ ہے تو ندیم اقبال کے  
کھٹے میٹھے تجربے کا نچوڑ اس سفر کہانی کو ضرور پڑھیں

## جواب

عورت اگر عقل کا استعمال کرے تو اپنے  
ٹوٹے گھر کو بہ آسانی بچا لیتی ہے، پل پل  
رنگ بدلتی شہانہ سعید کی دلچسپ سچ بیانی

اور بھی بہت کچھ جو آپ پڑھنا  
چاہتے ہیں۔ آپ کو پڑھنا چاہیے

گھر پہنچی تو مئی اس کی منظر تھیں۔

”تم اچانک کہاں چلی گئی تھیں میں نے سیمینار  
سے آتے ہی ملازموں سے پوچھا تو انہوں نے بتایا کہ  
تم بتا کر نہیں گئی ہو، موبائل تم گھر پر چھوڑ گئی تھیں لگتا ہے  
خاصی عجلت میں نکلی تھیں۔“

”جی مئی مجھے مائر کے لیے کچھ شاپنگ کرنی تھی،  
میں نے لاہور جانے کا ارادہ کر لیا ہے پرسوں میں  
یہاں سے جارہی ہوں۔“

”خیریت، اتنی جلدی تم نے وہاں جانے کا  
فیصلہ کر لیا۔ کل تو تمہاری اپنی نانی سے بات ہوئی تھی  
تب تو تم نے ان سے ایسا کوئی ذکر نہیں کیا تھا اچانک  
ایسا کیا ہو گیا شائق کو بتایا تم نے؟“ مئی کے لہجے میں  
تا کواری تھی۔

”نہیں، میں نے اسے بتانے کی ضرورت نہیں  
سمجھی۔ میں نے اس سے مزید کمرشل کا معاہدہ نہیں کیا  
ہے۔ جو میں اس کی پابند ہوں۔ یہاں رہ کر میں یہ  
حقیقت جان گئی ہوں کہ آپ اور پاپا ایک مصنوعی  
زندگی گزار رہے ہیں، میں اس طرح کی زندگی کا حصہ  
نہیں بننا چاہتی۔ بس میں مائر سے جلد ہی شادی کرنا  
چاہتی ہوں۔“

”مائر کب سے تمہارے لیے اہم ہو گیا۔ جب تم  
یہاں پر آئی تھیں تو اس کے بارے میں تذبذب کا شکار  
تھیں، مجھے تو تمہاری ذہنی حالت پر شک ہو رہا ہے تم  
اتنی جلدی اپنے فیصلے تبدیل کرتی ہو۔ یہ فیصلہ بھی تمہارا  
جذباتی ہوگا۔ مجھے تو تمہارا پہلا فیصلہ ٹھیک لگا تھا شادی  
کی اتنی جلدی کیا ہے۔ اگر یہ جلد بازی مائر کی طرف  
سے ہے تو منگنی فوراً ختم کر دو۔“

”مئی بہتر ہوگا کہ آپ اس طرح کی بات نہ  
کریں میں آپ کی طرح کی کمزور اور پھپھیدہ زندگی نہیں  
گزارنا چاہتی.....“ سمانہ نے یہ کہتے ہوئے شاپر  
اٹھائے اور اپنے کمرے میں چلی گئی۔

”میں نے اسے امی کے حوالے کر کے بہت  
بڑی فطلی کی، نوجوان ہوتے ہوئے اس کے خیالات

دل ہر عمر میں جوان رہتا ہے۔ بہتر ہے تم اس موضوع کو یہیں ختم کر دو۔“ جو اد احمد کے لہجے میں ڈھٹائی اور سختی در آئی تھی شمرہ بیگم نے پہلو بدلتے ہوئے اپنی نظریں چرائیں کہیں جو اد احمد کو ان کی آنکھوں میں چھپا گہرا دکھ نظر نہ آجائے۔

☆☆☆

”خیر تو ہے جب سے تم آئی ہو ابھی ہوئی سی ہو کیا پریشان ہو؟“ مہربانو نے تو اسی کی کیفیت کو محسوس کرتے ہوئے پوچھا۔

”نہیں مانی ایسا تو کچھ نہیں۔“ وہ اپنی دلی کیفیت کو چھپاتے ہوئے بولی۔

”ماتر تم سے ملنے نہیں آیا۔ ایسا کرتے ہیں اتوار کو اس کی فیملی کو کھانے پر بلا لیتے ہیں۔ تمہارے نانا کا بھی ماتر سے ملنے کو دل کر رہا تھا۔“

”میں کل ماتر کے آفس جاؤں گی اس سے میری بات ہو جائے تو آپ آئی کو فون کر کے انوائٹ کر لیجئے گا۔“ سانہ اپنے آپ پر قابو پاتے ہوئے بولی۔

دوسرے روز وہ ماتر کے آفس میں بیٹھی تھی۔ ماتر ابھی تک نہیں آیا تھا وہ اس کے روم میں بیٹھی میگزین پڑھنے میں مصروف تھی کہ اچانک دروازہ کھلا۔ کائنات کا تمام حسن گویا کمرے میں سمٹ آیا تھا۔ وہ سانہ کی ہم عمر لڑکی تھی۔ سانہ نے بہت چاہا کہ اسے نہ دیکھے، نظر انداز کر دے مگر وہ اس پر سے نظریں ہٹانے میں ناکام رہی وہ تھی ہی مجسم حسن، اس کے غیر معمولی حسین چہرے پر جوانی، شادابی اور امارت کی چھاپ تھی۔

”ماتر صاحب کہاں ہیں؟“ آنے والی لڑکی نے کمرے کی صفائی کرنے والے غفور بابا سے پوچھا۔

”صاحب! تھوڑی دیر میں آتے ہی ہوں گے!“

”اوکے، یہ کارڈ ان کو دے دینا اور بتا دینا کہ نمبرہ آئی تھی۔“ یہ کہتے ہوئے لڑکی ایڑیوں کے بل گھومی اور واپس چلی گئی۔

”ایسی کتنی لڑکیاں ہیں جو ماتر کی دوست ہیں؟“ اس کے جاتے ہی سانہ، غفور بابا سے مخاطب ہوئی۔

ستر سال کی عمر والی عورتوں کے سے ہیں، اچھا خاصا شائق کے ساتھ سیٹ ہو گئی تھی اچانک سے اس نے یہاں سے جانے کا فیصلہ کر لیا۔ ”شمرہ بیگم، سانہ کے جانے کے بعد سوچ رہی تھیں۔

دو روز بعد سانہ لاہور روانہ ہو گئی تھی۔ رات جب فواد احمد اپنی میٹنگز اور ڈنر کے بعد گھر لوٹے تو شمرہ بیگم نے سانہ کے واپس لاہور جانے کا بتایا اور یہ بھی کہ اچانک پتا نہیں اسے کیا ہو گیا کہ شائق کو چھوڑ کر ماتر سے جلد از جلد شادی کرنے پر تیار ہے۔ وہ بہت پریشان تھیں۔

”اس لڑکی کے مزاج کا کچھ پتا نہیں چل رہا، وہ جلد ہی ماتر سے شادی کرے گی اور پھر کہیں پھرتائے نہیں۔“ شمرہ بیگم کافی الجھن کا شکار تھیں۔

”مجھے نہیں لگتا ایسا کچھ ہوگا سانہ بڑی ہو گئی ہے، ہم اسے اپنے کسی فیصلے پر قائل نہیں کر سکتے۔ جب تک کہ وہ خود نہ چاہے۔“ فواد احمد انہیں تسلی دیتے ہوئے بولے۔

”مجھے تو یوں لگ رہا ہے کہ وہ اپنے آپ کو کچھ زیادہ بڑا سمجھنے لگی ہے، میں نے جانے سے پہلے اسے سمجھانے کی کوشش کی تو مجھے اس کی باتوں سے یوں لگا کہ ہم دونوں نے والدین ہونے کا کوئی حق ہی ادا نہیں کیا۔ میں سوچ رہی ہوں فرہاد اور شیری کو بھی بورڈنگ ہاؤس بھیج کر ہم نے غلطی تو نہیں کی کہیں کل کو وہ بھی مجھے سانہ کی طرح باتیں سنانے بیٹھ جائیں کہ ہم نے ان کی شخصیت کی تعمیر میں کوئی کردار ادا نہیں کیا۔ والدین کے ہوتے ہوئے بھی ان کا دل ویران رہا۔ وہ اپنی چھوٹی، چھوٹی پراہمز کو ہم سے شیر تر نہ کر سکے۔“

”تم خواہ مخواہ اس بیوقوف لڑکی کی باتوں کو لے کر وہی دباؤ کا شکار ہو رہی ہو۔“

”سانہ نے آپ پر بھی اعتراض کیا تھا کہ اس عمر میں.....“ وہ جملہ مکمل نہ کر سکیں۔

”بس کرو اگر میں اپنی کسی کو لیگ کے ساتھ کچھ وقت گزار لیتا ہوں تو کیا برائی ہے ویسے بھی انسان کا

کر نرم پڑ رہا تھا۔

”مائر مجھے معاف کر دو، میں نے تمہیں بہت دکھ پہنچایا۔“

”اٹس اوکے، تمہیں ایسے رویے کی خود ہی سمجھ آگئی یہی بہت ہے۔“ وہ مسکراتے ہوئے کہہ رہا ہے۔

”تھینک یو مائر! اچھا میں اب چلتی ہوں، نانی میرا انتظار کر رہی ہوں گی۔“ وہ مائر سے اجازت لیتی اٹھ کھڑی ہوئی۔

☆☆☆

عید کے دن مائر کے گھر والے مہربانوں کے گھر جمع تھے۔ آج شادی کی تاریخ رکھی جانی تھی۔ مہربانوں نے شمرہ بیگم اور داماد کو بھی بلوایا تھا اور وہ دونوں بیٹی کی خوشیوں میں شریک ہونے دوڑے چلے آئے تھے۔ دو ہفتے کے بعد ان کی شادی کی تاریخ رکھی گئی تھی۔

☆☆☆

”اچھا جناب تو اس بقرعید میں ہماری قربانی بھی ہوگی۔“ مائر، سامنہ سے سرگوشی کر رہا تھا اور وہ اسے پرے دھکیلتے ہوئے کچن میں چلی گئی جہاں بوجی انواع و اقسام کے کھانے تیار کرنے میں مصروف تھیں۔

سامنہ نے ایک نظر اپنی انگلی میں پہنی انگلی پر ڈالی منگنی کی یہ انگلی مائر نے اس کے لیے بڑے شوق سے خریدی تھی جو اس نے اٹھا کر رکھ دی تھی مگر آج ہی اس نے اسے اپنی مخروطی انگلی کی زینت بنا لیا تھا۔

”مائر! تم اور تم سے وابستہ ہر چیز میرے لیے اہم ہے۔“ جاگتی آنکھوں سے آنے والے سنہرے دنوں کا تصور کرتے ہوئے سامنہ بڑبڑائی۔ دل مطمئن تھا کہ اپنی ماما کے نقش قدم پر چلتے ہوئے اس نے کوئی غلط فیصلہ نہیں کیا۔ نانا، نانی کے خوشیوں سے معمور چہروں کو دیکھ کر وہ حقیقی خوشی کے لطف سے آشنا ہوئی تھی، یہ عید اس کی زندگی کی یادگار عید تھی۔

”آپ تو بلاوجہ پریشان ہو رہی ہیں، ایسی کتنی لڑکیاں ہیں جو صاحب کی زندگی میں آئی اور چلی گئیں صاحب وہ مرد ہیں جو کبھی لڑکیوں کے معاملے میں حد سے آگے نہیں بڑھے، وہ جانتے تو ایسی کئی لڑکیوں کو دوستی کے بہانے بیوقوف بنا سکتے تھے مگر انہوں نے ایسا نہیں کیا ان کی تربیت ایسی نہیں۔“

”آپ تو ان کی بات پر پردہ ہی رکھیں گے۔“

سامنہ طنزیہ انداز میں بولی۔

”میرے پردہ رکھنے سے کیا ہوتا ہے، آپ آفس میں اور کسی سے پوچھ لیجیے اگر صاحب کی شہرت بری ہوتی تو یہ بات چھپی نہیں رہتی۔“ اسی وقت کمرے کا دروازہ کھلا اور مائر اندر داخل ہوا اس نے ایک اچھتی سی نظر سامنہ پر ڈالی اور اپنی ریوالونگ چیئر پر جا بیٹھا۔ غفور بابا سلام کرتے ہوئے کمرے سے باہر چلے گئے۔ کمرے میں خاموشی چھا گئی۔ مائر اسے نظر انداز کرتے ہوئے فائل اٹھا کر دیکھنے لگا سامنہ نے کھٹکھار کر اسے متوجہ کیا۔

”مائر میں واپس آگئی ہوں، میں غلط تھی اور تم بالکل ٹھیک، یہ ثابت ہو گیا۔ جن لوگوں کی زندگی سے میں متاثر تھی مجھے پتا چل گیا ان کی زندگی حقیقی خوشیوں سے عاری ہے، مجھے معاف کر دو میں یہاں اپنے وجود کی پوری سچائی کے ساتھ تم سے معافی مانگنے آئی ہوں۔“

”کہیں تم جذبات کی رو میں بہہ کر تو فیصلہ نہیں کر رہی ہو۔ جذبات میں آ کر تم بہت سے دعوے تو کر سکتی ہو اور میں بھی کئی باتوں پر بھروسہ کر سکتا ہوں مگر زندگی صرف ان جذبات کے تحت نہیں گزرتی۔“

”میں تمہاری بات مانوں گی۔“ اس کی بات پر مائر نے اسے حیرت سے دیکھا۔ سامنہ کے چہرے پر شرمندگی اور ندامت صاف عیاں تھی۔

”سامنہ میں تم پر بھروسہ تو کر رہا ہوں مگر آئندہ زندگی میں تمہیں ان وعدوں کو بحسن و خوبی نبھانا بھی ہے۔“ مائر جو اس سے حقیقی ناراضی ظاہر کر رہا تھا مگر اب اسے یہاں دیکھ کر اور اس کے لفظوں کی سچائی جان



ناولٹ

# ڈاٹ کام

پتھر کا پسینہ

مدیحہ شاہد

آخری حصہ

رامین کی خوب صورتی سے خوفزدہ تھیں۔ گھر میں رامین اور شیر کو ملنے والی اہمیت انہیں بہت بری لگتی..... وہ ایک بار تو میسجے جا کر بیٹھ گئیں۔ ان کا خیال تھا کہ یا تو رامین کی شادی کر دی جائے یا اسے کسی ہاسٹل بھیج دیا

وسیم بھائی کی شادی ہو گئی تھی اور ان کی بیگم سنبل بھائی نے رامین کا بیٹنا حرام کر دیا تھا۔ وہ رامین سے حسد کرتیں..... وسیم بھائی کو اپنی بیگم سے بہت محبت تھی، گھر میں آئے دن جھگڑے اور فساد ہوتے رہتے، وہ

ماہنامہ پاکیزہ 68 ستمبر 2016ء



”رائین بیٹا! اب تمہیں اپنا دل مضبوط کرنا ہوگا۔“  
 بہادر بننا ہوگا..... مری میں بہت اچھا بورڈنگ اسکول  
 ہے۔ اور وہ ملک کے بہترین اسکولوں میں شمار ہوتا  
 ہے۔ وہاں بہت ڈسپلن ہے اور ماحول بھی اچھا ہے،  
 ہاں وہ مہنگا کافی ہے مگر بچے کی تعلیم و تربیت سے زیادہ  
 نہیں.....“ پھوپھو اسے تھکے، تھکے سے انداز میں قائل  
 کر رہی تھیں۔

”نہیں پھوپھو میرا دل نہیں مانتا۔“ اس نے سختی سے  
 ان کی بات رد کر دی۔

”تم تو سارا دن جاب پر ہوگی، شیرو کا خیال کون  
 رکھے گا۔ اگر میں مجبور نہ ہوتی تو تم دونوں کو بھی یہاں  
 سے جانے نہ دیتی۔“ وہ رنجیدہ ہو گئیں۔ بڑھا پانا انسان  
 کو کتنا مجبور اور محتاج بنا دیتا ہے۔

”ہمارا اتنا ہی ساتھ لکھا تھا پھوپھو۔“ اس کی  
 آنکھوں میں پانی جمع ہونے لگا۔

”تم اس بات پر غور کرنا..... شیرو کے اسکول کا  
 بھی حرج ہو رہا ہے۔ پہلا قدم مشکل ہوتا ہے مگر پہلے  
 قدم کے بعد مشکلیں ختم ہو جاتی ہیں۔“ انہوں نے اسے  
 آزر دگی سے سمجھایا۔

رائین نے بس ہوں، ہاں کر کے فون بند کر دیا۔  
 اس کا کوئی ایسا ارادہ نہیں تھا۔ ویمن ہاسٹل میں مسائل  
 تھے۔ وہ لوگ بچہ رکھنے پر اعتراض کرتے۔ رائین ایک  
 کولیک کے توسط سے ایک گھر میں بے انگیسٹ کی  
 حیثیت سے رہنے لگی۔ وہ جاب پر شیرو کو ساتھ ہی لے  
 جاتی۔ اسے احساس تھا کہ اس کی پڑھائی کا حرج ہو رہا  
 ہے۔ مگر وہ کیا کرتی، اس کے اسکول کا مسئلہ ابھی حل  
 نہیں ہوا تھا۔

اس کی لینڈ لیڈی کا رویہ اس کے ساتھ بہت اچھا  
 تھا مگر پھر اسے گھر میں کچھ عجیب سا احساس ہونے لگا۔  
 کچھ پراسرار سی سرگرمیاں، وہ پریشان ہو گئی۔  
 وہ اکیلی عورت تھی، چھوٹے بچے کا ساتھ تھا۔  
 کہیں وہ دوبارہ دنیا کی سفاکی کا شکار نہ ہو جائے۔ وہ

جائے۔ وہ تب تک نہیں واپس آئیں گی جب تک  
 رائین یہاں سے نہیں جائے گی۔

پھوپھو اور پھوپھو نے انہیں بہت سمجھایا مگر بھابی نے  
 ان سے بھی بد تمیزی کی..... ویمن بھائی اپنا گھر نہیں  
 خراب کرنا چاہتے تھے۔ وہ اس گھر کے کماؤ پوت تھے۔  
 انہوں نے خود رائین کو گھر سے چلے جانے کے لیے کہہ  
 دیا تو پھوپھو، پھوپھو بھی مجبور ہو گئے۔

رائین نے اس دن بہت کڑے فیصلے کیے مشکل  
 وقت اس کی طرف دوبارہ پلٹ آیا تھا۔

وہ اسلام آباد سے فیصل آباد آگئی۔ اسے وہاں  
 اچھی جاب مل گئی تھی۔ وہ شیرو کو ویمن ہاسٹل میں نہیں  
 رکھ سکتی تھی۔ وہ صبح سے شام تک جاب پر ہوتی تو شیرو کا  
 خیال کون رکھتا، کون اسے اسکول سے لے کر جاتا اور  
 لاتا..... اس کی کمپنی میں تو دو پہر کا لچ فری ہوتا تھا مگر  
 اس کی غیر موجودگی میں شیرو کے کھانے پینے کا انتظام  
 کون کرتا..... اس نے سوچا کہ کرائے پر ایک چھوٹا سا  
 گھر لے، لے مگر اس نے تو صبح سے شام تک نوکری پر  
 رہنا تھا اور حالات کون سے اچھے تھے وہ یہ رسک نہیں  
 لے سکتی تھی۔ اس نے سوچا تھا کہ شیرو تھوڑا بڑا ہو جائے  
 تو وہ کچھ رقم جمع کر کے اور اپنا پلاٹ بیچ کر کسی اچھی جگہ  
 گھر لے، لے گی۔ وہ شیرو کو دنیا والوں کی زہریلی  
 نظروں اور زبان سے دور رکھنا چاہتی تھی۔ جو حادثہ اس  
 کے ساتھ ہوا تھا اس میں بھلا محصوم شیرو کا کیا قصور تھا۔  
 وہ بس یہ جانتی تھی کہ وہ اس بچے کی ماں ہے..... اس کی  
 ذمے داری اٹھانا اسی کا فرض ہے۔ وہ اسے اچھا ماحول  
 دینا چاہتی تھی۔ پھوپھو نے شیرو کو بورڈنگ اسکول  
 میں ڈالنے کا مشورہ دیا۔

وہ پھوپھو سے فون پر بات کر رہی تھی جب انہوں  
 نے اسے پھوپھو کا پیغام دیا۔

”بورڈنگ اسکول..... نہیں پھوپھو، شیرو ابھی بہت  
 چھوٹا ہے، میرے بغیر کیسے رہے گا۔ میں بھی اس کے  
 بغیر نہیں رہ سکتی۔ نہ جانے بورڈنگ اسکول کیسا ہو؟“ وہ  
 لرز کر رہ گئی تھی۔ شیرو سے الگ ہونا اس کے لیے موت

پلاننگ کر رہے ہیں۔“ رائین ان کی باتوں سے خوفزدہ ہو رہی تھی۔

”بہر حال جونی نے آج آنا تھا مگر بارش کی وجہ سے اس کی فلائٹ کینسل ہو گئی۔ اب وہ کل شام تک پہنچ جائے گا۔ تم دونوں کو معلوم ہے ناں کہ تم نے کیا کرنا ہے۔“ میڈم پُر اسرار سے لہجے میں کہہ کر مسکرائیں، رائین دیوار کے ساتھ لگی کھڑی پسینے میں شرابور ہو گئی۔ اسے لگا کہ وہ اگلی سانس بھی نہیں لے سکے گی۔

”جی میڈم..... ہم نے تو آج بھی فل پلاننگ کی تھی مگر جونی صاحب ہی نہیں پہنچے.....“ ساتھ والی لڑکی نے آہستگی سے کہا۔

”میڈم! جونی صاحب رائین کے لیے آرہے ہیں؟“ باب کٹ بالوں والی لڑکی نے پوچھا۔  
 ”نہیں، جونی اس کے بچے کو لے جانے آرہا ہے، رائین کو تو میں رینا کے حوالے کروں گی۔“  
 میڈم نے دھواں اڑاتے ہوئے مکاری بھری کرختگی سے کہا۔

رائین کی ذات پر ایک قیامت بڑی خاموشی کے ساتھ گزر گئی۔ وہ لڑکھڑاتے قدموں سے اپنے کمرے میں آئی جو فیصلہ وہ کبھی نہیں کر سکتی تھی، وہ لہجوں میں ہو گیا تھا۔ بعض فیصلے جو انسان ساری زندگی نہیں کر پاتا، وہ لہجوں میں خود بخود ہی طے پا جاتے ہیں۔ اس نے بے سدھ سوئے شیرو کے ماتھے پر پیار کیا، وہ ساری رات خاموش آنسو بہاتی رہی۔ اسے نیند کے جھٹکے آتے رہے مگر اس نے اپنی قوت ارادی سے خود کو جگائے رکھا۔ آج اگر وہ سو جاتی تو اس کے معصوم بچے کی زندگی تباہ ہو جاتی اور وہ تو اس کے لیے اپنی جان بھی دے سکتی تھی۔ ایک بار ایک سفاک انسان نے بے سہارا سمجھ کر اسے پامال کیا تھا اور آج اس بے حس معاشرے کی ایک اور سفاک عورت اس کے معصوم بچے کو تباہ کرنے پر تلی ہوئی تھی۔ وہ اپنے لیے نہیں لڑ پائی تھی مگر اس نے فیصلہ کر لیا تھا کہ شیرو کے لیے ان سفاک لوگوں سے آخری سانس تک لڑے گی۔ دونوں

خوفزدہ ہو گئی۔ وہ صبح شیرو کو اپنے ساتھ ہی لے جاتی، وہ سارا دن وہاں بور ہوتا، واپس آ کر وہ تھوڑا وقت ہی لینڈ لیڈی کے ساتھ گزارتی، اس کے ساتھ دو لڑکیاں اور بھی تھیں۔ اسے محسوس ہوا کہ رات کا کھانا کھا کر وہ بے سدھ ہو جاتی ہے، صبح فجر کے لیے بھی نہیں اٹھ پاتی۔ اس کے رونگٹے کھڑے ہو گئے۔ کہیں کچھ غلط تھا۔ اس کی چھٹی حس اسے بار، بار خبردار کرتی۔

اگلی شام اس نے اور شیرو نے واپسی پر برگر کھا لیا تھا۔ رات کا کھانا حسب معمول آیا تھا تو اس نے خود کو نارمل ہی رکھا اور برائے نام ہی کھانا کھایا۔ اور سونے کے لیے چلی گئی۔

اس رات اس کا سر بھاری ضرور ہوا مگر اس نے خود کو زبردستی جگائے رکھا۔ باہر دیر تک چہل پہل ہوتی رہی۔ نہ جانے اس کے دل میں کیا آئی کہ وہ دبے پاؤں کمرے سے باہر نکلی۔ لینڈ لیڈی اور دو لڑکیاں ابھی تک لاؤنج میں بیٹھی تھیں۔ دہلی، دہلی سی آوازیں، رات کے سناتے میں صاف آرہی تھیں۔

”اس لڑکی پر نظر تو رکھ رہی ہوتاں.....؟“ لینڈ لیڈی نے سامنے بیٹھی باب کٹ بالوں والی لڑکی سے آہستگی سے کہا۔

”جی میڈم..... ویسے بھی وہ سیدھی ساوی سی لڑکی ہے، بس آفس سے گھر اور گھر سے آفس تک ہی آتی جاتی ہے۔“ لڑکی نے مدہم آواز میں کہا

”لڑکی خوب صورت ہے..... ہمارے وارے نیارے ہو جائیں گے..... نہ جانے یہ بچہ اس کا ہے یا نہیں..... بچے والی کہانی مجھے تو من گھڑت سی لگتی ہے۔“ میڈم نے سگریٹ کا کش لیتے ہوئے دہلی آواز میں کہا۔

”مجھے یقین ہے کہ یہ اسی کا بچہ ہے کیونکہ کوئی ماں ہی اپنے بچے کو اتنا پیار کر سکتی ہے، اس کا اتنا خیال رکھ سکتی ہے۔ شاید اس لڑکی کے ساتھ کوئی ٹریجڈی ہوئی ہے۔“ لڑکی نے اپنا خیال ظاہر کیا۔

”شاید کل کوئی اہم دن جو وہ لوگ اب تک بیٹھے

لڑکیاں کمرے میں آ کر سو گئی تھیں۔ شاید وہ اس کی مگرانی پر مامور تھیں۔

فجر کی اذان میں تھوڑا ہی وقت رہتا تھا۔ اور وہ اکثر اس وقت اٹھ جایا کرتی تھی۔

وہ دبے پاؤں اپنی جگہ سے اٹھی، باہر آ کر اس نے باری، باری سب دروازے چیک کیے، آج سب دروازے لاکڈ تھے۔ اس کا دل ڈوبنے لگا۔ وہ یہ لاک کھول نہیں سکتی تھی ورنہ روزانہ وہ لاک کھول کر ہی آفس جایا کرتی تھی مگر آج لاک سسٹم دوسرا تھا۔ اس کے پاؤں من، من بھر کے ہو گئے۔

اچانک اس کے ذہن میں کوندا لپکا..... وہ دبے پاؤں میٹرھیاں چڑھ کر ٹیرس پر گئی۔ ٹیرس کا دروازہ حسب معمول لاکڈ تھا مگر وہ اندر سے کھل بھی سکتا تھا۔ اس نے خاموشی سے دروازہ کھول لیا۔ اس کے پاس وقت کم تھا۔ کسی کے جاگنے سے پہلے اسے یہاں سے نکلنا تھا۔ اس نے کمرے میں آ کر اپنا پرس کھولا تو اس کا موبائل غائب تھا۔ اس کے ہاتھ کاپٹنے لگے۔ وہ اپنا سارا سامان نہیں لے جا سکتی تھی اس کے اور شیرو کے کپڑے جوتے اور دیگر چیزیں الماری میں رکھی تھیں۔

خطرہ اس کے بہت قریب تھا۔ اس نے الماری میں پڑے بیگ کی جیب سے اپنے ڈاکو منٹس والا لفافہ نکالا، کپڑوں کے درمیان رکھے گئے پیسے نکالے۔ ہینڈ بیگ میں رکھے، اس نے اپنے جوتے بھی ہینڈ بیگ میں ٹھونے۔ اس نے بہت آہستگی سے شیرو کو اٹھایا اور باہر نکل آئی۔ سب لوگ سو رہے تھے۔ وہ خاموشی سے چلتی ٹیرس پر آگئی اور دیوار کے ساتھ، ساتھ چلتی آخری سرے تک پہنچ گئی۔ یہاں سے کسی طرح اسے باہر نکلنا تھا۔ ٹیرس کے آخری سرے کے نیچے لاؤنج کی کھڑکی کا شیڈ تھا۔ فاصلہ زیادہ نہیں تھا۔ وہ لنگ کر کھڑکی کے شیڈ تک پہنچ سکتی تھی، اس نے ہمت کر کے کوشش کی اور ریلنگ کے نیچے والے حصے کو پکڑ کر لٹکتے ہوئے کھڑکی کے شیڈ تک پہنچ گئی اور پھر کھڑکی کے شیڈ سے زمین تک کا فاصلہ بھی زیادہ نہیں تھا۔ شیرو کو اس نے اپنے ساتھ

دوپٹے سے کس کر باندھا ہوا تھا۔ فجر کی اذانیں بلند ہونے لگیں، گیٹ کے قریب چار پائی ڈالے چوکیدار سو رہا تھا۔ گیٹ کی اونچائی زیادہ نہیں تھی، وہ بہ آسانی اسے پار کر سکتی تھی۔ گیٹ کے قریب چوکیدار کی کرسی رکھی تھی۔ اس نے بنا آواز کرسی اٹھا کر گیٹ کے پاس رکھی اور اس پر چڑھ کر اس نے بہ آسانی گیٹ پار کر لیا۔ اسے لگا کوئی غیبی مدد اس کے ساتھ، ساتھ ہے ورنہ اتنا بڑا کام وہ بہ آسانی نہیں کر سکتی تھی۔ وہ تو کسی قسم کا جمناسٹک بھی نہیں جانتی تھی۔ سڑک پر آ کر اس نے بیگ سے اپنے جوتے نکال کر پہنے دوپٹا کھول کر اوڑھا اور شیرو کو اٹھائے اندھا دند بھاگتی چلی گئی۔ اسے معلوم نہیں تھا کہ وہ کہاں جا رہی ہے، خطرہ سائے کی طرح اس کے قریب سے گزر کر چلا گیا تھا۔ اسے آج پتا لگا تھا کہ غیبی مدد کس طرح نظر آئے بغیر انسان کے کام آسان کرتی جاتی ہے۔

اللہ نے اس پر اور اس کے معصوم بچے پر رحم کیا تھا۔ وہ رکشے کے ذریعے بس اسٹینڈ پہنچی اور وہاں سے اسلام آباد کی بس میں بیٹھ گئی۔

اسے شیرو کے یوں بے سدھ سونے پر تشویش ہو رہی تھی۔ وہ سارا راستہ چادر میں منہ چھپائے بے آواز روتی رہی۔ وہ جو اپنی عزت کے یوں پامال ہو جانے کا ہر وقت شکوہ کرتی رہتی تھی آج اس کا وہ شکوہ بھی ختم ہو گیا تھا۔ اللہ نے اس کی مدد کی اور اسے بہت بڑی تباہی سے بچالیا۔ وہ سارا راستہ دعائیں کرتی رہی۔

☆☆☆

شیرو سفر کے دوران اٹھ گیا۔ وہ دل میں دعائیں مانگتی رہی۔ ایک لمبے سفر کے بعد وہ پھوپھو کے گھر پہنچی۔ یہ شکر تھا کہ سنبھل بھابی اپنے میکے گئی ہوئی تھیں۔ پھوپھو اسے اس حالت میں واپس آتا دیکھ کر آبدیدہ ہو گئیں۔ کیا ساری آزمائشوں کے لیے رابین ہی رہ گئی تھی۔ پھوپھو پاگم صم ہو گئے۔ علیزہ اپنے افسوس کو دبائے شیرو کو بہلاتی رہی۔

اور شیرو کو بورڈنگ اسکول میں بھیجنے کا فیصلہ خود

بخود ہو گیا۔ اس رات نے بہت سے مشکل فیصلے کر دیے تھے۔ وہ سب لاؤنج میں دیر تک بیٹھے رہے، گہری سوچوں میں گم، تفکر کی پرچھائیوں میں گھرے ہوئے..... علیزہ نے سارا دن شیرو کو بہلائے رکھا تھا۔ کبھی کھلونوں کے ساتھ، کبھی کارٹون کے ساتھ..... کبھی رنگ برنگی کہانیوں کی کتابوں کے ساتھ..... وہ شیرو کو اس کہانی سے دور رکھنا چاہتی تھی جس کی وجہ سے وہ اچانک وہاں سے یہاں تک آ گیا تھا۔

رامین رو، رو کر تھک چکی تھی۔ اس کی آنکھیں جاڑے کے موسم کی طرح ویران تھیں۔ اسے محسوس ہو رہا تھا کہ وہ اب مزید نہیں جی پائے گی۔

”یہ معاشرہ صرف مضبوط اور امیر لوگوں کے لیے ہے..... میں نے اسی لیے پہلے ہی کہا تھا کہ شیرو کو بورڈنگ اسکول میں داخل کروادو..... وہاں اس کی بہترین پرورش اور تعلیم و تربیت ہوگی۔ وہ کب تک تمہارے ساتھ ایک مسافر کی طرح پھرتا رہے گا..... اسے سفر کی اس گردش کا حصہ نہ بناؤ..... اب تمہیں اپنی زندگی کے متعلق مضبوط ہو کر فیصلے کرنے ہیں۔ اگر تم کسی بھی قدم پر کمزور پڑ گئیں تو اس کا نقصان شیردل کو ہی اٹھانا پڑے گا۔“ پھوپا بے حد سنجیدگی سے کہہ رہے تھے۔ ان کی پیشانی کی لکیریں مزید گہری ہو گئی تھیں۔ رامین خالی، خالی نظروں سے انہیں دیکھے گئی۔

”ہم دو بوڑھے لوگ اب تمہارا سہارا نہیں بن سکتے۔ ہمیں تو خود اپنے بیٹے کے سہارے کی ضرورت ہے، میں کسی کے لیے بھی کچھ نہیں کر سکی..... نہ اپنے بھائی، بھابی کے لیے اور نہ ہی تمہارے اور شیرو کے لیے.....“ پھوپا کی آواز بھرا گئی..... انہیں لگ رہا تھا جیسے ان کا دل پھٹ جائے گا۔

”ٹھیک ہے پھوپا جی..... جیسے آپ کہیں، میں شیرو کو وہاں داخل کروادوں گی۔ میں نے پانچ سال میں کافی رقم جمع کر لی ہے۔ میں اکتسی اس کی فیس جمع کروادوں گی۔“ اس نے ہتھیار ڈال دیے..... ایک

طویل جنگ کے بعد کبھی، کبھی انسان اچانک یونہی ہتھیار ڈال دیا کرتا ہے۔

”میں صبح ہی وہاں فون کروں گا..... دیکھو بیٹا کچھ حقیقتیں بہت بھیانک ہوتی ہیں، ہمارے آنکھیں بند کر لینے سے وہ غائب نہیں ہو جاتیں، اپنی جگہ پر موجود رہتی ہیں..... تم شیردل کی ماں بھی ہو اور باپ بھی..... تمہیں ماں کی جذباتی مامتا کے ساتھ، ساتھ ایک باپ کی عقل اور فہم بھی رکھنی ہے..... زندگی آنسو بہاتے، بہاتے نہیں گزرتی، زندگی میں گرنے کے بعد کھڑا ہونا پڑتا ہے، ہارنے کے بعد نئی کوششیں کرنی پڑتی ہیں، بندگی سے واپس مڑ کر نئے راستے تلاش کرنے ہوتے ہیں..... وقت پر جج اور کڑے فیصلے کرنے پڑتے ہیں۔“ پھوپا نے گمبیر لہجے میں زندگی کا نچوڑا سے بتایا۔ رامین نے سر جھکا لیا۔ اس کی روح میں گہری تسکین اتر آئی تھی۔

”جب شیردل کی چھٹیاں ہوں گی تو تم اسے لے کر یہاں آ جانا۔ میں نے ویم سے اس بارے میں بات کر لی ہے، وہ ان چھٹیوں میں سنبل کے ساتھ اس کے میکے میں ہی رہے گا۔ کچھ کپرو ماٹرنز ہم نے کیا ہے کچھ کپرو ماٹرنز اسے کرتا ہے۔“ پھوپا نے مدہم مگر سنجیدہ لہجے میں کہا۔

ایک فیصلہ ہوا تو باقی سارے فیصلے بھی ہوتے چلے گئے۔ اس نے اپنے دل پر پتھر رکھ لیا اور جب کوئی ماں اپنے دل پر پتھر رکھتی ہے تو سورج اور چاند اٹھانے والا عرش بھی مل جاتا ہے۔

”ہم نے علیزہ کی شادی کے لیے کچھ رقم جمع کی ہوئی ہے، وہ رقم ہم شیرو کی ایڈمیشن فیس کے طور پر جمع کروادیں گے۔“ پھوپا نے اپنے آنسو پونچھتے ہوئے کہا۔

”نہیں پھوپو..... میں نے ان چند سالوں میں کافی پیسے جمع کر لیے ہیں۔“ وہ بے ساختہ بولی۔ وہ کب تک پھوپو کو احسانوں کے لیے مجبور کرتی رہے گی۔

”تم بھی تو میری بیٹی ہونا..... بیٹی بھی تو بیٹی ہی ہوتی ہے مگر فسوس کہ ہمیں رشتوں کا احساس بہت

## یہ شمارہ پاک سوسائٹی ڈاٹ کام نے پیش کیا ہے

### پاک سوسائٹی خاص کیوں ہیں:-

ہائس کو الٹی پی ڈی ایف  
ایڈ فرس لنکس  
ایک کلک سے ڈاؤن لوڈ  
ڈاؤن لوڈ اور آن لائن ریڈنگ ایک پیج پر  
کتاب کی مختلف سائزوں میں اپلو ڈنگ  
ناولز اور عمران سیریز کی مکمل ریجنج

Click on <http://paksociety.com> to Visit Us

<http://fb.com/paksociety>

<http://twitter.com/paksociety1>

<https://plus.google.com/112999726194960503629>

پاک سوسائٹی کو فیس بک پر جوائن کریں

پاک سوسائٹی کو ٹویٹر پر جوائن کریں

پاک سوسائٹی کو گوگل پلس پر جوائن کریں

ہمیں وزٹ کرنے کے لئے ہمارا ویب ایڈریس براؤزر میں لکھیں یا گوگل میں پاک سوسائٹی تلاش کریں۔

اپنے دوست احباب اور فیملی کو ہماری ویب سائٹ کا بتا کر پاکستان کی آن لائن لائبریری کا ممبر بنائیں۔

اس خوبصورت ویب سائٹ کو چلانے کے لئے ہر ماہ کثیر سرمایہ درکار ہوتا ہے، اگر آپ مالی مدد کرنا چاہتے ہیں تو ہم سے فیس

بک پر رابطہ کریں۔۔۔

ہمیں فیس بک پر لائک کریں اور ہر کتاب اپنی وال پر دیکھنے کے لئے امیج پر دی گئی ہدایات پر عمل کریں:-

**Dont miss a singal one of your Favourite Paksociety's Update !**

- i. Open Paksociety Page.
- ii. Click Liked.
- iii. Select Get Notifications.
- iv. Select See First.

All Done

Like Message

Get Notifications  
Add to Interest Lists...

Unlike

IN YOUR NEWS FEED

See First  
See new posts at the top of News Feed

Default  
See posts as usual

Unfollow

دیر سے ہوتا ہے۔“ پھوپھو نے نمناک لہجے میں کہا۔ رامین اٹھ کر ان کے گلے لگ گئی۔

”جب رشتوں میں احساس جاگتا ہے تو رشتے مجبور یوں میں گھر جاتے ہیں۔“ وہ سرد آہ بھر کر بولی۔ رامین نے ایک عمر پتھر کے دیس میں گزاری۔ جہاں لوگوں کے دل اور چہرے پتھر کے تھے۔ اس سفر نے اسے آبلہ پا کر دیا تھا۔ اس نے علیزہ اور پھوپھا کے ساتھ مری جا کر شیرو کو بورڈنگ اسکول میں داخل کروا دیا..... یہ اس کے لیے مشکل ضرور تھا مگر وہ اس مشکل سے بھی گزر گئی۔ اس نے اور علیزہ نے بڑی مشکل سے شیرو کو بورڈنگ اسکول میں رہنے کے لیے منایا تھا۔

”شیرو بیٹا! آپ نے اسکول میں اچھا، اچھا پڑھتا ہے، پتھر کی بات مانتی ہے، کسی کو تنگ نہیں کرتا..... آپ کو وہاں ماما کے بغیر رہنا ہوگا..... میں ہر دیکھ ایٹھ پر آپ سے ملتے آیا کروں گی۔“ اس نے پیار سے اسے سمجھاتے ہوئے کہا تھا، خلاف توقع شیرو رویا اور نہ اس نے کسی قسم کا احتجاج کیا۔

”ماما! میں اس اسکول میں پڑھوں گا اور رہوں گا بھی..... مجھے کڑیا خالہ نے بتا دیا ہے۔ اب میں بڑا ہو گیا ہوں۔“ وہ سمجھداری سے بولا۔ رامین کو اس کی اتنی سمجھداری پر حیرت ہوئی۔

”ہاں بیٹا! میں ہر ہفتے آپ سے ملتے آؤں گی پھر ہم دونوں خوب انجوائے کیا کریں گے..... ٹھیک ہے ناں.....“ اس نے اسے بہلایا۔ شیرو نے کچھ سوچ کر اثبات میں سر ہلادیا۔

”وہاں آپ نے بالکل نہیں رونا..... اور نہ ہی ماما کو یاد کرتا ہے..... میں آپ کو فون بھی کرتی رہوں گی.....“ اس نے اپنے آنسو دل میں ہی اتار لیے۔

”ماما! اگر میں آپ کے ساتھ رہوں گا تو میں اسکول نہیں جاسکوں گا اور پڑھائی بھی نہیں کرسکوں گا.....“ وہ بے ساختگی سے بولا۔

رامین اس کی بات پر ساکت رہ گئی۔ حالات

## شادی میں بھتیجے، بھتیجی کی

کیا خوب صورت دن تھے کتنا خوشی کا سماں تھا..... بڑے بھائی صاحب اور چھوٹے بھائی کے بچوں کی سوسال سے کی گئی منگنی کے بعد سب کو شادی کے دن کا انتظار تھا کہ وہیں اپنی ایم اے کی تعلیم پوری کر لے۔ بعد میں بچیاں نہیں پڑھیں۔ بڑے بھائی صاحب کے بقول آسٹریلیا، نیپالیم، فلپائن، امریکا، وہی سے کنز..... میرے نہیں دولہا، دلہن کے خرت کے لیے ہفتہ بھر پہلے پہنچنا شروع ہو گئے اور شادی کے تین دنوں تک خوب، خوب رونق سیلا، ہلا گلا، کھانا، پینا..... میر تفریح لاہور، اسلام آباد والے بھائیوں کی فیملی ان سب نے اپنی، اپنی سہولت سے اپنے ہاں ٹھہرایا۔ دن میں شاپنگ، رات کو آتش کریم پارٹی غرض جوانوں نے خوب، خوب مزے کیے..... جس میں ہم سینئر لوگ بھی پیچھے نہیں تھے۔ دولہا خود ریاض سے ان کی ہمیں ریاض، آزاد سیر سے آئیں۔ مہندی کی رات خوب، خوب رونق رہی۔ لگتا تھا پرستان ہے۔ یہی الفاظ ویسے مرحوم شوہر نے ہماری شادی پر بھی کہے تھے۔ بارات دن نو بجے پشاور روانہ ہوئی۔ ایک بجے سے تین بجے کھانا، رسمیں اور چار بجے وہیں کو لے کر واپس..... چھوٹا بھائی میرے گلے لگ کر روئے کہ ہماری بیٹی کو آپ لے جا رہی ہیں۔ ہم نے بھی آنسوؤں بھری آنکھوں سے انہیں پُرسا دیا کہ اپنے ہی گھر جا رہی ہے۔ دعوت کا انتظام بے حد شاندار تھا۔ بالخصوص پالک گوشت، سب کباب اور پشاور کا مشہور بھادڑ اس کے علاوہ لوازمات..... پالک گوشت دیکھی میری کمزوری ہے سو چھوٹے بھائی نے میسے سے ہاٹ پائٹ بھر کر میری گاڑی میں ڈرائیور کے پاس رکھوا دیا تھا۔ بھائیوں کی محبت کی میں ہمیشہ سے قائل ہوں۔ ہم بھی اپنا آپ نچھاور کرنے میں کبھی نہیں کرتے۔

اگلے روز عسکری کلب میں ویسے تھا، مہندی کا فنکشن بھی نہیں ہوا تھا۔ غرض پورا خاندان دولہا، دلہن کے چہروں پر مسکرائیں دیکھ کر تو ہر کوئی شاداں و فرحان تھا۔ ہمارے ہاں کا ایک رواج کہ ہم لوگ بالکل جینز کا مطالبہ نہیں کرتے اور پھر بڑے بھائی صاحب نے تاکیدا قسما کہا تھا کہ میرے گھر میں ہر چیز موجود ہے مگر چھوٹے بھائی نے ضد کر کے بیڈروم سیٹ، پردوں، قالین کے ساتھ دلہن کی خواہش پر ان کی ضد سے بنوایا جو ہر لڑکی کی خواہش ہوتی ہے۔

اللہ اس جوڑے کو خوش و خرم رکھے، آمین۔

فریدہ افتخار، اسلام آباد

اس کے ذہن پر برا اثر چھوڑ رہے تھے۔ اس نے اس کی بات کی نفی نہیں کی۔

”ہاں بیٹا! مجھے تو آفس جانا ہوتا ہے ناں..... اور مجھے شام کو چھٹی ہوتی ہے۔ میں آپ کو اسکول چھوڑنے اور لینے نہیں جاسکتی ناں..... اور آپ کی پڑھائی تو بہت ضروری ہے۔“ وہ آہستہ، آہستہ اس کے ذہن کو تیار کر رہی تھی اور وہ اسے یہ نہیں کہہ سکی کہ تنہا اور اکیلی مائیں بہت مصروف رہتی ہیں انہیں دہری ذمے داریاں جو اٹھانی ہوتی ہیں۔

”ہاں ماما..... مجھے پتا ہے، اب تو ہم گڑیا خالہ کے گھر بھی تو نہیں رہ سکتے ناں..... سنبل آنٹی نے ہمیں وہاں سے نکال دیا ہے۔“ وہ معصومیت سے بولا۔  
 راین کے دل کو جیسے کسی نے جکڑ لیا تھا۔ بچوں کا تجزیہ اور مشاہدہ غضب کا ہوتا ہے۔ وہ کچھ بولنے کے قابل ہی نہیں رہتی۔

”ماما! جب میں بڑا ہو جاؤں گا اور بہت سارا پڑھ لوں گا۔ تو میں ایک بڑا سا گھر بناؤں گا پھر ہم دونوں اکٹھے رہیں گے۔“ وہ معصوم بچہ تھا مگر اس کے خواب بہت بڑے تھے..... راین کے چہرے پر ایک اداس سی مسکراہٹ آگئی۔

”ہاں بیٹا، ٹھیک ہے۔“ اس کی پلکوں کا باؤنم ہوگئی۔

”جیسا گھر پاور پف گرلز (power puff girls) والے کارٹون میں ہوتا ہے، میں ویسا ہی گھر بناؤں گا۔“ وہ پرجوش انداز میں بولا۔

راین نے اس کے ماتھے پر پیار کیا۔ اس کی زندگی اس بچے کی آنکھوں میں سانس لیتی تھی۔ وہ اسے اپنی گردنوں کا حصہ نہیں بنانا چاہتی تھی۔ اسے اسکول جانا تھا، پڑھنا تھا، کھیلنا تھا، وہ کیوں اسے اپنے ساتھ، جگہ، جگہ خوار کرتی رہتی اس کا دل اداس ضرور تھا مگر پھر بھی مطمئن تھا۔

اس نے شیرو کو بورڈنگ اسکول میں داخل تو کروا دیا مگر پھر کسی رات سکون سے سونہ پائی۔ وہ پہلے

دالی تو کمری چھوڑ چکی تھی۔ اسے اب لاہور میں بہت اچھی جاب مل گئی تھی۔ تنخواہ بھی اچھی تھی اور اس کا میڈیکل بھی فری تھا۔ پھوپھو کچھ متال تھیں مگر پھوپھو پانے اس کی حوصلہ افزائی کی۔ ان کے خیال میں سے ایک برے تجربے کی وجہ سے خوفزدہ ہو کر نہیں بیٹھ جانا چاہیے تھا اور اسے تو قدم، قدم پر برے لوگ مل سکتے ہیں۔ وہ کب تک لوگوں سے خوفزدہ ہو کر چھپ، چھپ کر زندگی گزارے گی اور یوں وہ لاہور آگئی، وہ زندہ دلوں کے اس شہر میں اپنا دل لگانے کی کوشش کرنے لگی۔

☆☆☆

وہ دو، دو جاہز کرنے لگی۔ تاکہ زندگی کی گاڑی اچھی طرح چل سکے، ہر مہینے وہ ایک مخصوص رقم بچاتی تھی، اسے اپنا گھر جو لینا تھا۔ بے گھری کا دکھ زمانے کی ٹھوکریں کھا کر ہی محسوس ہوتا ہے۔

وہ باقاعدگی سے شیرو سے ملنے جاتی، وہ بھی جیسے اس کا انتظار کرتا رہتا تھا۔ دونوں ماں، بیٹا خوب باتیں کرتے، اچھا وقت گزارتے، وہ شیرو سے بہت سارے وعدے کرتی، اس سے زیادہ خود کو تسلیاں رہتی۔ وہ اس کا معصوم چہرہ دیکھتی تو اسے یقین ہونے لگتا کہ اس کی زندگی میں کبھی بہت اچھا وقت بھی آئے گا۔

وقت گزرتا گیا، شیرو کی سر دیوں کی چھٹیاں ہو گئیں۔ وہ آفس سے چھٹی لے کر پھوپھو کے گھر آگئی۔ وہ سیم بھائی ان دنوں سنبل بھائی کے ساتھ ان کے میکے شفٹ ہو گئے تھے۔

علیہ کو اس کے دکھ طیش دلاتے تھے، علیہ کبھی راین کے ماموں کے گھر نہیں گئی تھی۔ اس نے تیمور کو نہیں دیکھا ہوا تھا۔ وہ اپنے کمپیوٹر کے آگے بیٹھی فیس بک پر بہت سے ”تیمور آفندی“ کھولے بیٹھی تھی۔

راین اس کے قریب ہی کرسی پر بیٹھی تھی۔  
 ”تصویر دیکھ کر پہچانو..... ان میں سے کوئی ایک وہی تیمور آفندی ہوگا۔“ علیہ کی بورڈ پر انگلیاں چلاتے ہوئے بولی۔

راین باری، باری سب پروفائلز کو دیکھتی

”تمہیں یقین نہیں آرہا ناں.....؟“ علیزہ نے اس کی نظروں کو بآسانی پڑھا لیا۔  
”یہ ناممکن ہے گڑیا باجی.....“ وہ بڑی مایوسی سے بولی۔

علیزہ کے چہرے پر ایک پراسرار سی مسکراہٹ آگئی۔

”یہ تو وقت بتائے گا کہ کیا ممکن ہے اور کیا ناممکن.....“ وہ مبہم انداز میں ہنسی، رامین اس مسکراہٹ سے کچھ نہیں سمجھی۔ شیر اس کے پیچھے آکھڑا ہوا تھا۔  
”یہ کس کی تصویر ہے؟“ وہ کمپیوٹر پر نظر آتی تیور کی تصویر دیکھ کر بولا۔

رامین نے چونک کر اپنے، پیچھے دیکھا، سیاہ پینٹ، نیلا سوئٹر اور سفید جرابیں پہنے کھڑا وہ کمپیوٹر کی طرف ہی دیکھ رہا تھا۔ وہ اسے چھ سال کا نہیں بلکہ سولہ سال کا لڑکا لگا۔

”کوئی نہیں..... بس ایسے ہی کسی کی تصویر کھل گئی تھی۔“ علیزہ نے فوراً وہ پروفائل بند کر دی۔ شیر وہ وہاں اپنے باپ کا عکس تھا۔

”مما.....! ہم پارک کب جائیں گے؟“ وہ اب ماں کے ساتھ اپنی باتوں میں مصروف ہو گیا تھا۔  
رامین نے پیار سے اس کے بال سنوارے۔

”تھوڑی دیر تک چلتے ہیں۔“ وہ نرمی سے بولی۔  
”ہاں شیر..... جب تم دودھ کا گلاس ختم کر لو گے تو ہم پارک جائیں گے۔“

”رامین تم بیٹھو، میں ذرا چاند کو فون کر کے آتی ہوں۔“ علیزہ نے کمپیوٹر آف کیا اور عجلت میں کھڑی ہو گئی۔

رامین کو اپنی چیزیں واپس ملنے کا ایک فیصد بھی یقین نہیں تھا۔ وہ ان پر صبر کر چکی تھی۔ وہ سمجھ نہ پائی کہ علیزہ اس بارے میں اتنی پراعتماد کیوں تھی۔

مگر علیزہ اپنے ارادوں میں ثابت قدم تھی۔ اس نے اور چاند نے مل کر ایک پلان بنایا..... نوکریاں کیں، پیسے جمع کیے..... چاند اپنے بھائی کے شوروم

رہی، ایک پروفائل پر نظر پڑتے ہی اس کی نظریں ساکت رہ گئیں۔

”یہ..... یہ والا.....“ اس کی آواز لڑکھڑا گئی۔  
”اوہ..... یہ تیمور آفندی.....!“ علیزہ اچھل پڑی۔  
”یہ تو میرا پرانا کلاس فیلو ہے..... اور یہ تو تمہنی کا بوائے فرینڈ ہے۔“ علیزہ نے بے ساختہ کہا۔

”ہاں، یہی ہے وہ.....“ رامین کی آواز آہستہ ہو گئی۔

”مائی گاڈ.....“ علیزہ حیران ہوئی تھی۔  
”تم فکر نہ کرو رامین..... دیکھنا میں اس کے ساتھ کرتی کیا ہوں۔“ علیزہ نے پراسرار لہجے میں کہا۔  
”آپ کیا کریں گی گڑیا باجی.....!“ وہ حیران ہوئی۔ بھلا علیزہ، تیمور کا کیا کر سکتی تھی۔

”بس تم دیکھنا! میرے ذہن میں ایک پلان ہے مگر اس کے لیے بہت رقم چاہیے..... خیر رقم تو میں جمع کر رہی کروں گی..... اور اس کے لیے مجھے کسی کی مدد بھی چاہیے ہوگی۔“ علیزہ کی آنکھوں میں چمک آگئی۔  
”کس کی مدد.....؟“ رامین ہونقوں کی طرح اسے دیکھنے لگی۔

”چاند کی..... اور کس کی.....“ علیزہ، تیمور کا پروفائل پڑھنے میں مصروف تھی۔

رامین، چاند سے بخوبی واقف تھی۔ چاند، علیزہ کا پرانا ہمسایہ تھا اور چاند کی امی پھوپھی کی تھیں۔ وہ لوگ اکثر آتے جاتے رہتے، علیزہ اور چاند بچپن کے دوست تھے اور یہ دوستی بہت گہری تھی۔

”چاند بھائی کیا کریں گے؟“ اس نے پوچھا۔  
”بس وقت آنے پر تمہیں بھی بتا دیں گے مگر میں تم سے وعدہ کرتی ہوں کہ اس تیمور آفندی کو سبق سکھا کر

رہوں گی، اس سے تمہارا سارا پیسہ اور زیور نکلو کر ہی دم لوں گی۔“ علیزہ نے عزم سے کہا، رامین نے بڑی بے یقینی کے ساتھ اسے دیکھا۔ بھلا یہ کیسے ممکن تھا۔ اس معاملے میں پھوپھو، پھوپا بھی کچھ نہیں کر سکے تھے تو بھلا علیزہ اور چاند کیا کر لیتے۔



میں کام کرتا، انہیں مناسب وقت کا انتظار تھا جب ان کے پاس کچھ رقم بھی جمع ہو جاتی اور چاند کی تعلیم بھی ختم ہو جاتی۔ چاند، علیزہ سے دو برس چھوٹا تھا۔ اس نے تو میٹرک میں ہی چار سال لگا دیے تھے۔

علیزہ کو ہائی فائی کلاس کی لڑکی بننا تھا۔ اسی حساب سے اس نے شاپنگ کی۔ مہنگا میک اپ، مختلف کلرز کے لینس، مغربی لباس، ہائی ہیل والے جوتے، جیولری، اس نے پارلر کے کئی چکر لگائے۔ وہ ایلٹیٹ کلاس کی امیرزادی کے کردار میں ٹرانس فارم ہو گئی تھی۔

احمر عرف چاند چند گھنٹوں کے لیے مرسیڈیز اور بی ایم ڈبلیو رینٹ پر لے آتا۔ انہوں نے آصف کو بھی اپنے ساتھ ملا لیا جو تیمور کو علیزہ کی امارت کے قصے سنانا تھا۔ آصف، حمئی کو پسند کرتا تھا۔ تیمور نے حمئی سے فلرٹ کیا تھا، اس سے شادی نہیں کی، حمئی دل برداشتہ ہو کر اپنی بہن اور بہنوئی کے پاس امریکا چلی گئی۔ آصف اور حمئی میں اب انڈر اسٹینڈنگ ہو گئی تھی۔ آصف، تیمور سے حمئی کا بدلہ لینا چاہتا تھا اس لیے اس نے علیزہ کا ساتھ دیا۔

تیمور کا آئیڈیل ایک بہت امیر کبیر، اعلیٰ خاندان کی خوب صورت اور پڑھی لکھی سی لڑکی تھی۔ ڈل کلاس لڑکیوں سے وہ دوستی تو کر سکتا تھا، شادی نہیں..... علیزہ نے پلان کے مطابق اس سے دوستی کی اور اسے پروپوز بھی کر دیا۔ احمر نے ایک شام کے لیے ایک کوٹھی ہارنگی جو عمو مانی وی ڈراموں کے لیے کرائے پر دی جاتی تھی۔ ان دونوں نے سارا کام بہت ہوشیاری سے کیا..... علیزہ نے بہت ہوشیاری اور حاضر دماغی سے بری کے کپڑوں کے لیے رقم اور زیورات لیے تھے۔

اس پلان کو آرگنائز کرنے میں انہیں تھوڑا عرصہ لگا۔ پیسے جمع کرنے کے علاوہ انہوں نے تیمور کی جاسوسی کی وہ کہاں جاتا ہے، کب جاتا ہے، کب آتا ہے، کیا خیالات رکھتا ہے، علیزہ نے تیمور والا کلب جوائن کیا۔

اصلی منصور بلڈرز والوں کی بیٹی تو امریکا پڑھنے گئی ہوئی تھی..... تیمور نے آصف کی دی گئی معلومات کو ہی بہت جانا۔ مزید کوئی انکوائری نہ کروائی۔ وہ تو کبھی سوچ بھی نہیں سکتا تھا کہ کبھی اس کے ساتھ کوئی اس طرح کا بھی دھوکا کرے گا۔ اب آصف، حمئی کے پاس امریکا جا چکا تھا۔ وہ دونوں وہاں شادی کرنے والے تھے۔

تیمور کو حمئی سے محبت تھی..... اسے اس کے ساتھ وقت گزارنا بھی اچھا لگتا تھا۔ حمئی بہت خوب صورت اور اسٹائلش تھی مگر جب بھی وہ اس سے شادی کرنے کے بارے میں سوچتا تو اسے مایوسی ہوتی..... وہ رامین کا پیسہ ہتھی چکا تھا اور اب اسے عادت پڑ گئی تھی۔ سو کسی امیر کبیر لڑکی کی تلاش تھی۔ جسے وہ دونوں ہاتھوں سے لوٹ سکے اور عیش و عشرت کی زندگی گزار سکے۔

سو حمئی جیسی ڈل کلاس لڑکی اسے شادی کے لیے سوٹ اسٹیل نہیں لگی۔ آصف، حمئی کے ماضی کے بارے میں جانتا تھا۔ اس نے تیمور سے حمئی کا بدلہ لینے کی ٹھان لی۔

علیزہ نے تیمور کو اپنی محبت کے جال میں یوں جکڑا کہ اسے کوئی سدھ بدلہ ہی نہیں رہی..... وہ علیزہ کی آنکھوں کے سحر میں گرفتار ہو گیا۔ اس لیے علیزہ کو زیادہ محنت نہیں کرنی پڑی اور نتیجہ وہی رہا جو انہوں نے چاہا تھا۔

علیزہ نے تیمور سے لی تمام رقم رامین کو لوٹا دی تھی۔ رامین کی امی کے زیورات بھی واپس مل گئے تھے۔ کچھ پتا نہیں چلتا کہ شہہ مات..... کب..... کس کو ہو جائے.....

☆☆☆

تیمور آقندی برباد ہو گیا تھا۔ وہ ذلیل اور رسوا بھی ہوا۔ اور وہ یہ ذلت، رسوائی، نقصان اور غم سہنے پر مجبور تھا۔ وہ دنوں میں بوڑھا ہو گیا تھا۔

اسے خیال آیا کہ نہ وہ زیورات ان کے تھے اور نہ بینک میں پڑا روپیہ ان کا تھا۔ وہ سب کچھ رامین سے

## بارش

کبھی بارش برتی ہے  
تو مجھ کو یاد آتا ہے  
وہ اکثر مجھ سے کہتا تھا  
محبت ایک بارش ہے  
کبھی یہ جو برتی ہے  
مگر پھر بھی نہیں ہوتی کبھی کے واسطے یکساں  
کسی کے واسطے راحت  
کسی کے واسطے زحمت  
میں اکثر سوچتا ہوں اب وہ مجھ سے ٹھیک کہتا تھا  
محبت ایک بارش ہے  
کبھی یہ جو برتی ہے، کبھی مجھ پر بھی برتی تھی  
مگر میرے لیے بارش کبھی نہ بن سکی راحت  
یہ راحت کیوں نہیں بنتی؟  
کبھی میں خود سے پوچھوں تو  
یہ دل دیتا ڈھائی ہے  
کبھی کچھ مکانوں کو بھی بارش راس آئی ہے؟  
از بگینہ ضیا پنکش، کراچی

پروں والی تھلی کی طرح خوفزدہ سی لڑکی..... آج وہ  
بہت کم عمر تیور نہیں تھا۔ آج وہ بہت بڑا ہو کر بہت سی  
باتیں سوچ رہا تھا۔ اس نے رامین کے ساتھ بہت برا  
کیا تھا۔ سواگر آج اس کے اپنے ساتھ برا ہوا تھا تو وہ  
گلہ کیوں کرتا.....

☆☆☆

یہ ایک دکھ بھری کہانی تھی جس نے شہرام کو لرزا  
کر رکھ دیا تھا۔ ایک لڑکی کی جدوجہد کی کہانی جس نے  
تن تنہا اپنے بیٹے کو پروان چڑھایا..... یہ ایک دکھی ماں  
کی کہانی تھی جو راتوں کو چھپ، چھپ کر روتی اور دن  
کو محنت کرتی..... یہ ایک افسردہ بیٹی کی کہانی تھی جس  
کے سامنے اس کے ماں، باپ کے جنازے اٹھائے  
گئے۔ یہ ایک مظلوم عورت کی کہانی تھی جس پر دنیا نے  
بہتان باندھے۔

شہرام نے اس کے دکھوں کو اپنے دل پر محسوس کیا۔

ماہنامہ پاکیزہ 77 ستمبر 2016ء

آج کتنے سالوں بعد اسے رامین کا خیال آرہا  
تھا۔ اسے رامین سے نفرت تھی، وہ زبردستی ان کے گھر  
میں لائی گئی تھی۔ وہ دیو سی، روتی دھوتی، مسکین سی لڑکی  
اسے کبھی اچھی نہیں لگی تھی۔ اسے تو اپنے باپ سے بھی  
نفرت تھی جو ساری زندگی کسی دوسری عورت سے محبت  
کرتے رہے۔ وہ ماں کے آنسو دیکھتا تو اس کی نفرت  
مزید بڑھ جاتی۔ وہ ایک کمزور لہجہ تھا جب اس کا نفس  
اس پر حاوی ہو گیا۔ تمام تر نفرت اور ناپسندیدگی کے  
باوجود وہ بخوبی جانتا تھا کہ رامین کس قدر خوب صورت  
لڑکی ہے۔

اس رات جب اس کی امی گھر پر نہیں تھیں وہ اس  
ارادے سے رامین کے اسٹور میں نہیں گیا تھا۔ وہ تو  
کچھ اور پوچھنے گیا تھا مگر رامین کو بے ترتیبی سے سوتے  
دیکھ کر وہ بھٹک گیا۔ اس پر شیطان غالب آ گیا تھا۔ وہ  
انسان سے درندہ بن گیا۔ وہ نفس کا غلام اور خود غرض  
آدی تھا۔ اس کی نظر میں اس رات کی کوئی اہمیت نہیں  
تھی۔ اس کی ماں رامین پر ظلم کرتی رہی اور وہ ان کا  
ساتھ دیتا رہا۔ رامین کی عزت یا مال کرنے کے بعد اس  
کی دولت نے اسے اندھا کر دیا..... آج وہ سوچ رہا تھا  
کہ کیا ہوتا اگر وہ اس حادثے کے بعد اس سے شادی  
کر لیتا اور اس کے بچے کو اپنا لیتا..... اس کی ذہنی رو  
بھٹک گئی..... رامین اور وہ بچہ..... کہاں ہوں گے۔  
برسوں بعد اسے خیال آرہا تھا۔ اس کا وجود زلزلوں کی  
زد میں آ گیا۔

اس نے رامین کے ساتھ ہر قسم کے تعلق سے  
انکار کر دیا تھا۔ اس پر بہتان لگائے، وہ بے وقوف  
نہیں تھا جو ایک ان چاہی عورت کی اولاد کو پیروں کی  
زنجیر بنا لیتا۔ وہ رامین کو گزرے ہوئے گل کی طرح  
بھول گیا۔

پر آج وہ یادوں کے صحرا میں بھٹک رہا تھا۔ آج  
اسے وہ سبھی ہوئی چڑیا جیسی لڑکی یاد آئی..... وہ لڑکی،  
رامین اسد کسی سخت ہاتھ کی گرفت میں کانپتی، نازک

گزاریں گے۔ میری تقدیر کی خوش قسمتی تو تم سے جڑی ہے۔“ اس کی آنکھوں میں جگنو چمکنے لگے۔ انہی جگنوؤں نے تو شہرام کو محبت کی راہ دکھائی تھی۔

شہرام نے بہت نرمی سے اس کا ہاتھ تھاما۔ اس کی تیسری انگلی میں یا قوت کی وہی رنگ چمک رہی تھی۔  
”تمہارا ساتھ میرے لیے دنیا کی سب سے قیمتی نعمت ہے۔ اگر تم مجھ سے دور چلی جاتیں تو شاید میں جی بھی نہ پاتا۔“ اس کی آواز میں جذبات تھے۔

”میں کیسے تم سے دور جا سکتی تھی، تم نے اپنی قیمتی گاڑی جو میرے نام کر دی تھی۔“ وہ بے ساختہ ہنسی۔  
”زندگی میں محبت سے قیمتی اور کوئی چیز نہیں ہوتی۔ یہ انسان کو بہت کچھ سکھا دیتی ہے۔ برداشت کرنا، قربانی دینا، خاموش رہنا۔ اور انتظار کرنا.....“ وہ مسکرایا۔

”مجھے تم بہت اچھے لگتے تھے مگر میں نے سوچ لیا تھا کہ یہ کبھی تمہیں نہیں بتاؤں گی۔“ وہ جھکی نپکوں کے ساتھ مسکرائی۔

”کیوں..... یہ ظلم کرنے کا کیوں سوچا تھا تم نے..... پتے اس نے بے ساختہ پوچھا۔

”تو اور کیا کرتی.....؟“ وہ بے ساختہ بولی۔  
”مجھے بتا دیتیں.....“ وہ مسکرایا۔  
”نہیں بتا سکتی تھی.....“ اس نے نظریں جھکا لیں۔  
”تم انتظار کر رہی تھیں کہ میں پہلے اظہار محبت کروں..... ہے ناں.....“ وہ شوخی سے بولا۔

”تم نے اتنی دیر کر دی.....“ وہ ہنسی۔  
”چلو دیر آید درست آید..... اگر تم مجھے کوئی اشارہ دے دیتیں تو بہت پہلے ہی اظہار محبت کر دیتا، دیر نہ کرتا۔“ اس نے شرارت سے کہا۔  
”اب کیا یہ بھی میں بتاتی۔“

رامین کے چہرے پر مسکراہٹ ٹھہر گئی۔ دکھوں کے موسم گزر گئے تھے۔ صحرا کی مسافتیں ختم ہو چکی تھیں۔ اب زندگی کو بہار کے موسم نے چھوٹا اور اپنے رنگ میں رنگ لیا۔

پھوپھو اور پھوپا واپس آئے تو شہرام سے مل کر بہت خوش ہوئے۔ انہوں نے اس کے ساتھ تفصیل سے بات کی۔ اس کے خاندان کے بارے میں معلومات لیں۔ وہ انہیں بے حد سلجھا ہوا لڑکا لگا۔ ان کے خیال میں تو یہ ایک معجزہ ہی تھا کہ شہرام جیسا لڑکا اس کی زندگی میں آ گیا تھا۔ احمر نے بھی شہرام کی بہت تعریفیں کیں۔ ان لوگوں نے رات کا کھانا اکتھے کھایا اور پھر پھوپھو، پھوپا ان لوگوں کو باتیں کرتا چھوڑ کر سونے چلے گئے۔

رامین، شیر کو سلانے کے بعد لاؤنج میں آئی تو وہ تینوں وہاں بیٹھے باتوں میں مصروف تھے۔ وہ ایک کونے میں فلور کیشن پر بیٹھ گئی۔

”میں چائے بنا کر لاتی ہوں۔“ علیزہ اٹھ کھڑی ہوئی۔ اس نے احمر کو آنکھ سے کوئی اشارہ کیا۔  
”میں بھی آتا ہوں، اکتھے چائے بنا میں گے۔“ وہ بھی اٹھ کر علیزہ کے پاس آیا۔

”ہاں، تم میری ہیپ کر دیتا۔“ وہ دونوں مسکراتے ہوئے وہاں سے باہر نکل گئے۔ شہرام اپنی جگہ سے اٹھ کر اس کے قریب آ کر بیٹھ گیا۔

”زندگی کتنی بدل گئی ہے۔“ وہ مدھم آواز میں بولی۔  
”رامین میں محبت کا ولی نہیں ہوں مگر تمہیں اجالوں کا تحفہ دینا چاہتا ہوں۔ میں تمہیں یقین دلاتا ہوں کہ زندگی میں کسی دکھ کا سایہ بھی تم پر نہ پڑنے دوں گا۔ جو کچھ ہو گیا اسے بھول جاؤ، ماضی کی سیاہی کو کبھی یاد نہیں کرنا، مکافات عمل انسان کی زندگی کی کسی نہ کسی اسٹیج پر ضرور سامنے آتا ہے۔ بس تم خوش رہو..... میرے اور شیرو کے بارے میں سوچو.....“  
شہرام نے کھڑکی کے باہر بھنگتی چاندنی رات کو دیکھتے ہوئے کہا۔

رامین کے چہرے پر آسودہ سی مسکراہٹ ٹھہر گئی۔ اس نے شہرام کا ہر لفظ قیمتی موتی کی طرح سنبھال لیا۔  
”مجھے تم پر اعتبار ہے شہرام..... میرا مشکل وقت گزر گیا۔ اب ہم ایک اچھی اور پرسکون زندگی

اچھے ہیں، اپنے بچوں کو بناہ تو دیتے ہیں، تم بدتر انسانوں کی وہ قسم ہو جن سے کبھی کسی اچھائی کی امید ہی نہیں کی جاسکتی، رامین اپنی شادی شدہ زندگی میں بہت خوش ہے، اسے اللہ نے بہت اچھا جیون ساگی دیا ہے۔ اس فرشتہ صفت انسان نے رامین اور شیرودونوں کو کھلے دل کے ساتھ اپنایا۔ تمہارے گناہوں نے تمہیں ایسا بد نصیب بنا دیا ہے جو ہر گناہ گار کے لیے عبرت کی مثال ہے تم اب ساری زندگی سزا بھگتو گے۔ سکون کا ایک پل بھی تمہیں نصیب نہیں ہوگا۔“

لفظ تھے یا کانٹے جو تیمور کی روح کو لہو لہان کر رہے تھے۔ اس کا وجود جیسے زخم، زخم ہو گیا۔ یہ کیسا طوفان تھا جو اس کی ذات پر لحوں میں گزر گیا۔ اس نے شدید بے قراری اور غلٹ میں چھوٹا والا لفاظہ کھولا اس کے اعصاب مفلوج ہو گئے تھے۔

لفظانے میں ایک آٹھ سال کے خوب صورت اور صحت مند بچے کی تصویریں تھیں۔ اس کی نگاہیں ساکت ہو گئیں۔ وہ بچہ ہو بہو اس کی فوٹو کاپی تھا۔ اس کا بچپن وہی آنکھیں، وہی ہونٹ، وہی پیشانی، اتنی مشابہت کہ دیکھنے والا پہلی نظر میں ہی باپ، بیٹے کا رشتہ پہچان لے۔ تیمور کا دل آنسو بن گیا..... آہ! وہ زندگی کے کس مقام پر کھڑا تھا۔ وہ بے قراری سے ایک کے بعد دوسری تصویر دیکھ رہا تھا۔ ایک تصویر میں وہ بچہ رامین کے ساتھ کھڑا مسکرا رہا تھا۔ اسکول یونیفارم پہنے وہ کتنا ذہین بچہ لگ رہا تھا۔ اور رامین کتنی بدل گئی تھی اس کے چہرے پر پہلے والا ہونق پن نہیں تھا۔ وہ پہلے سے بھی کہیں زیادہ خوب صورت اور پُرکشش لگ رہی تھی۔ وقت لوگوں کو کتنا بدل دیتا ہے۔

تیمور کے دل میں اذیت ہی اذیت تھی۔ اس کی آنکھوں میں پانی جمع ہونے لگا۔

ایک تصویر میں شیردل کے ساتھ رامین اور ایک اونچا لمبا وجیہہ مرد کھڑا تھا۔ تینوں مسکرا رہے تھے اور بے حد خوش لگ رہے تھے۔

وہ کس قدر بد نصیب باپ تھا۔ آٹھ سال بعد

کچھ دنوں بعد تیمور کو ڈاک سے علیزہ کی طرف سے بھیجا گیا ایک لفاظہ موصول ہوا۔ اس نے اسے دیوانوں کی طرح کھولا..... اس میڈیم سائز لفاظے میں ایک خط اور ایک اور چھوٹا سا لفاظہ بند تھا۔

اس نے بے قراری سے خط کھولا۔ اس کی کانپتی نظریں خط کے ایک، ایک لفظ کو بغور پڑھ رہی تھی۔

”کس نام سے مخاطب کروں تمہیں.....!“

چور، دھوکے باز، فراڈ، بے غیرت یا پھر شیطان..... تم ایک شیطان ہی تو ہو..... اور اس بات کا تم اقرار کرو گے جب اپنے ماضی پر نظر دوڑاؤ گے تم نے جو کچھ رامین کے ساتھ کیا، اس پر تو انسانیت بھی خود شرمندہ ہو جائے اور حیا بھی مارے شرم کے نظریں جھکائے..... تم جیسے لوگ اس زمین کا وہ بوجھ ہیں جن سے شیطان کا کاروبار چلتا ہے۔ میں نے تمہیں ایک چھوٹا سا سبق سکھایا ہے جو شاید تم جیسے مردہ ضمیر انسان کو جھنجھوڑ دے۔ اسے انتقام کچھ لویا انصاف کچھ لو، آئندہ کسی اور لڑکی کی زندگی برباد کرنے سے پہلے یہ ضرور سوچ لینا کہ کمزور لوگ ہمیشہ کمزور نہیں رہتے اور تمہارے ہاتھ سے لگی ہوئی برائی ایک دن تمہاری طرف پلٹ کر ضرور آئے گی۔“

خط اس کے ہاتھ میں لرز رہا تھا۔ علیزہ کے لکھے ایک، ایک لفظ سے نفرت چپک رہی تھی۔ ہر لفظ کے ہاتھ میں سنگ تھا جو اس کی روح پر برس رہا تھا۔

”آہ علیزہ منصور! تم نے مجھ سے کیسا انتقام لیا۔ میرے دل کو پارہ، پارہ کر گئیں۔“ وہ کرب سے پانی کا خط پڑھنے لگا۔

”مجھے تلاش کرنے کی کبھی کوشش نہ کرنا۔ میں تم سے شدید نفرت کرتی ہوں۔ میں دشمن کو معاف کرنے پر نہیں بلکہ اسے اس کی اوقات یاد دلانے پر یقین رکھتی ہوں۔ اس لفاظے میں تمہارے بیٹے شیردل کی تصویریں ہیں، وہ بیٹا جسے تم نے کبھی تسلیم ہی نہیں کیا..... تمہارا اور رامین کا بیٹا..... تم سے تو جانور

بیٹے کی تصویر دیکھ رہا تھا۔ وہ بار بار شیر و کی تصویریں دیکھ رہا تھا۔ وہ اپنی کیفیات سمجھنے سے قاصر تھا۔

اسے کیا ہو رہا تھا۔ اتنے برس تو اسے کبھی رامین اور اس بچے کا خیال نہیں آیا تو اب کیوں..... اب کیوں وہ ریت کا آدمی بن گیا تھا جو آسانی سے ڈھے گیا۔ اس کی آنکھوں سے چند آنسو نکلے اور شیر و کی تصویر پر چمکنے لگے۔ اسے اب سمجھ آئی کہ پچھتاوا سالوں میں پنپتا ہے۔ وہ کتنا برا انسان تھا اس نے اپنے باپ کی اچھائیاں کیوں نہ اپنائیں۔ اسے کوئی خضر کیوں نہ ملا، جو اسے سیدھا راستہ دکھا دیتا۔

یہ وہ بچہ تھا جس سے اس نے جان چھڑانے کے لیے رامین پر بہتان باندھا تھا، جھوٹ بولے تھے اور یہ آدمی..... انسان تھا یا فرشتہ جس نے اتنی خوشی سے رامین اور شیر و کو اپنایا تھا۔ اور یہ خوشی اس کے چہرے سے چھٹک رہی تھی۔ ہاں جب زمین پر اس جیسے شیطان ہو سکتے ہیں تو پھر فرشتے کیوں نہیں ہو سکتے..... وہ بارِ ندامت سے جھک گیا۔ آج وہ رو رہا تھا۔ ایک وقت آتا ہے جب شیطان بھی روتے ہیں، جب زندگی کی جمع تفریق میں صرف خسارہ ہی خسارہ نکلتا ہے۔

☆☆☆

باہر موسلا دھار بارش ہو رہی تھی۔ امی اور آپا حیرت سے سامنے بیٹھے روتے ہوئے تیمور کو دیکھ رہی تھیں۔ اس کی گود میں ایک سفید لٹافہ پڑا تھا۔ اس کا چہرہ کسی تباہ حال بستی کی طرح اجڑا ہوا تھا۔ اس کے آنسو بارش کی طرح برس رہے تھے۔

”ارے رامین نے شادی کر لی تو کرے، ہمیں اس سے کیا..... اتنے برسوں بعد وہ منحوس کہاں سے یاد آگئی۔ مشکل سے اسے گھر سے نکالا تھا۔ جیسی ماں ویسی بیٹی.....“ امی نے ہاتھ ہلا کر غصے سے کہا۔ انہیں تیمور کے آنسو غصہ دلا رہے تھے۔ ان دنوں وہ اپ سیٹ بھی تو بہت تھا۔ آپا اسے بے حد ہمدردی سے دیکھ رہی تھیں۔ انہیں علم تھا کہ وہ ان دنوں بدترین ڈپریشن سے گزر رہا ہے۔ اس لیے وہ اس کے رونے کو اس کی ذہنی

ماہنامہ پاکیزہ 84 ستمبر 2016ء

حالت سے تعبیر دے رہی تھیں۔

تیمور نے بڑی خاموشی سے گود میں بڑے لفافے میں سے شیر و کی تصویریں نکال کر آپا کو تھمائیں۔ آپا حیرت سے تصویریں دیکھنے لگیں۔

”ارے یہ تو تیمور کے بچپن کی تصویریں لگ رہی ہیں۔ مگر نئے انداز میں edit کی گئی ہیں۔“ انہوں نے بے ساختہ کہا اور وہ تصویر امی کو تھمائی۔ تیمور نے اذیت سے آنکھیں بند کر لیں۔

”دکھاؤ.....“ امی نے عینک درست کرتے ہوئے کہا۔ ”ہاں، تیمور کے بچپن کی ہی لگ رہی ہیں..... بیک گراؤنڈ بدلا گیا ہے بس.....“ امی اچنبھے سے بولیں۔

”یہ شیر و کی تصویریں ہیں۔“ وہ بھرائی ہوئی آواز میں بولا۔ اس کی آنکھ آنسوؤں کی جھیل بن گئی تھی۔

”کون شیر و.....؟“ امی نے حیرت سے پوچھا۔ تیمور کا یہ شدید ڈپریشن انہیں ہولارہا تھا۔

”رامین کا بیٹا..... جو آٹھ سال پہلے پیدا ہوا تھا۔“ تیمور کی آواز جیسے کسی کھائی سے آرہی تھی۔ اس کے دل پر اماؤں کی سیاہ رات افسردگی بن کر پھیل گئی۔

امی کو کرنٹ لگا۔ تصویر ان کے ہاتھ سے چھوٹ گئی۔ آپا نے شاک کے عالم میں تصویر اٹھائی۔ شیر و دل نے ایک، ایک نقش تیمور کا چرایا تھا۔ آپا تو کچھ بولنے کے قابل نہ رہیں۔

”رامین کے بیٹے سے ہمارا کیا تعلق.....؟ نہ جانے کس کی اولاد ہے۔“ امی نے دل کے خدشوں کو دباتے ہوئے خود کو تسلی دیتے ہوئے کہا..... اگر یہ رامین کا بیٹا تھا تو تیمور سے اتنی مشابہت کیوں رکھتا تھا۔ وہ ہر طرح کے امکانات کو نظر انداز کر دینا چاہتی تھیں۔ آپا، دم بخود تصویر دیکھ رہی تھیں۔ یہ قدرت کے کام تھے ورنہ شیر و دل، رامین جیسا بھی تو ہو سکتا تھا۔ قدرت کئی طریقوں سے عورت کی سچائی کی گواہی دیتی ہے۔

”امی! ایک رات میری زندگی میں ایسی آئی تھی جب میں..... میں نفس کا غلام بن گیا تھا۔ میں نے

آپ نے مجھے رامین سے نفرت کے اتنے انجیکشن لگائے کہ میرے خون میں نفرت کا زہر دوڑنے لگا۔ اس نفرت نے مجھے انسانیت کی سطح سے بھی نیچے گرا دیا۔“ اس کی آنکھوں سے آنسو گر رہے تھے۔ اس کا دل راکھ ہو چکا تھا۔ اس کے چہرے پر شبہ بھر جیسی تاریکی تھی۔ امی سن بیٹھی تھیں۔

”یہ تم کیا کہہ رہے ہو تیمور؟ تم نے اتنا بڑا جج اب تک کیوں چھپا کر رکھا۔ ہمارے ساتھ جو بھی ہو رہا ہے، یہ رامین کی بددعاؤں کا نتیجہ ہے، تم پہلے بتا دیتے تو ہم رامین سے تمہاری شادی کر دیتے۔“ آپا نے افسردگی ملی خفگی سے اسے لتاڑا۔

”اس وقت میں بہت نا سمجھ تھا۔ میں پاگل نہیں تھا جو اتنی کم عمری میں ایک بچے کی ذمے داری اپنے سر لے لیتا۔ جوانی کے طوفان میں انسان سے بہت سی لغزشیں سرزد ہو جاتی ہیں، مجھ سے بھی ایک غلطی ہو گئی تھی۔ اب کیا اسے اپنے گلے کا طوق ہی

رامین کے ساتھ جبراً تعلق قائم کیا تھا۔ وہ ایک کمزور لہجہ تھا جب میں خود پر قابو نہیں رکھ سکا..... یہ مرد کی فطرت ہے، وہ اکیلی عورت کو دیکھ کر بارود بن جاتا ہے..... میں بعد میں اپنی اس لغزش پر بہت پچھتایا۔“ اس نے تھکے، تھکے لہجے میں شرمندگی سے اعتراف کیا۔ امی کو زور دار جھٹکا لگا۔ وہ پھرائی ہوئی آنکھوں سے اسے دیکھنے لگیں..... آپا نے اپنا سر تھام لیا۔

”نہیں، ایسا نہیں ہو سکتا، تم جھوٹ بول رہے ہو، تم نے تو کہا تھا کہ تم نے کبھی اس کی طرف نظر اٹھا کر بھی نہیں دیکھا۔ اتنے سال تم یہی کہتے رہے، اب کیا تمہارا دماغ چل گیا ہے؟“ امی ہڈیانی انداز میں بولیں۔ انہیں یہ اعتراف سن کر گہرا اشاک لگا تھا۔ انہیں تیمور پر شدید غصہ آیا۔ وہ کیسی بہکی، بہکی باتیں کر رہا تھا۔ کیا وہ پاگل ہو گیا تھا۔

”میں مگر گیا تھا۔ رامین اور بچے کی ذمے داری نہیں اٹھانا چاہتا تھا۔ میرا دماغ آپ کے زیر اثر تھا۔“

نسوانی حسن میں اضافہ (بلوسم یونانی کریم) کل نہیں آج خوبصورت اور جازب نظر آئیں



# بلوسم بریسٹ ڈولپنگ اینڈ ٹاسٹنگ کریم (ہربل)

چھوٹی بریسٹ میں اضافہ کرنے کی نشوونما کو مکمل کرتی ہے  
بریسٹ کی نرمی کو دور کر کے سختی لاتی ہے۔ بریسٹ کو سڈول اور خوبصورت بناتی ہے۔  
مزید 30 سال سے آزمودہ

چہرے کے قاضل  
بالوں کو ہمیشہ کیلئے  
ختم کرتی ہے۔

## گلیسی

- خوبصورت اور بھری مارکت صدر کراچی
- صدر میں نکلے نکلے لکھن میں مارکت صدر کراچی
- مسلم نزل مشورہ ایٹ مارکت ٹیکر کراچی
- ایٹ مارکت ایٹ مارکت ٹیکر کراچی
- دقاس میں نکلے نکلے آصف سکور 22 کراچی
- قری ایٹ نزل مشورہ بند چنگ، بیٹھ مارکت کراچی
- نیو ملی دکان کوٹریہ پورہ کراچی

- خالد دکانہ صرف ازما بھٹ آباد
- قری بیٹھولی دکانہ پکھری بازار کراچی
- سلیم ہزاری گورنمنٹ ہسپتال کراچی
- جی ایٹیم نزل مشورہ ہسپتال کراچی
- یوٹی ہسپتال مشورہ ہری کشن روڈ کراچی
- ہسپتال دکانہ 20 صدر آئن پورہ صدر کراچی
- کلاسک ایٹیم پورہ کراچی

**اپنی PIC روانہ کریں**  
watsap: 0311-5800057  
Email: bdhdeva@yahoo.com  
skype: devapak  
کراچی ہوم ایڈریس 0322-2916250  
چٹری ڈیلری 0300-2500026

اپنا ایڈریس SMS کر کے لٹریچر مفت منگوائیں  
051-5502903-5533528  
021-32720328 ریاض محمد 69 نیو عالمگیر مارکت شاہ عالم لاہور۔ فون 042-7666264  
پورے پاکستان میں گھر پر منگوانے کے لیے اور بریسٹ میں کمی یا اضافہ کے بارے میں مفت طبی مشورے کے لیے حکیم صاحب سے تمام امراض کے مشورے کی سہولت بریسٹ ڈولپنگ آر کے بارے میں معلومات اس نمبر پر حاصل کریں۔ Website: www.devaherbal.com  
Cell: 0333-5203553

”گنیں؟“ آپ نے انہیں ملامت بھری نظروں سے دیکھ کر شکوہ کیا..... امی کچھ بولنے کے قابل نہیں رہیں۔  
 ”علیزہ نے مجھ سے انتقام لیا۔ وہ میرے اور رامین کے بارے میں سب جانتی ہے، شاید رامین کی کوئی دوست ہو..... اس نے میرے ساتھ کھیل کھیلا مگر میں کیوں شکایت کروں..... میں نے بھی تو کبھی کسی کی زندگی کے ساتھ کھیل کھیلا تھا۔“ تیمور کی آواز میں صدیوں کی ٹھکن تھی۔

”تو سارے فساد کی جڑ رامین ہی ہے نا.....!“ اسی نے علیزہ کو بھیجا ہوگا۔ تم لوگ اس لڑکی کی طرف داری کر رہے ہو جس نے ہمیں اتنا بڑا دھوکا دیا۔“ امی نے کلس کر کہا۔

”وہ ہم سے بدلہ لینے میں حق بجانب تھی۔“ آپا نے مدہم آواز میں حقیقت پسندی سے کہا۔

”میں اسے ڈھونڈوں گا..... ہر حال میں، ہر قیمت پر.....“ تیمور کے انداز سے دیوانگی چمک رہی تھی۔

”علیزہ کو؟“ آپا نے اس کی آنکھوں کی دشت کو سرا سیمگی سے دیکھا۔

”نہیں..... رامین کو.....“ اس نے ٹھٹھرتی ہوئی آواز میں کہا۔

”آخر یہ رامین ہماری جان کب چھوڑے گی۔“ امی کو آج بھی اس سے بے انتہا نفرت تھی۔

تیمور اٹھ کر کمرے سے چلا گیا۔ وہ ٹوٹ چکا تھا، ریزہ، ریزہ ہو گیا تھا۔ اس کی رگوں میں غم کا وہ زہر دوڑنے لگا جس کا کوئی تریاق نہیں تھا۔

☆☆☆

علیزہ بھی سنوری ڈریسنگ ٹیبل کے آگے بیٹھی میک اپ کو آخری ٹچ دے رہی تھی جب احمر کمرے میں داخل ہوا۔ اس نے آئینے میں احمر کے عکس کو دیکھا۔

”میرے لیے گجرے نہیں لائے؟“ اس نے بلش آن لگاتے ہوئے بے ساختہ اسے دیکھ کر پوچھا۔

”لایا ہوں.....“ اس نے اپنی جیب میں سے گجرے نکالے۔ ”دیکھو کتنا تابعدار شوہر ہوں۔“ وہ

بنالیتا..... میں نے ہمیشہ اسے رامین کا ہی بچہ سمجھا، میں سوچتا تھا کہ اسے رامین نے پیدا کیا ہے تو وہ خود ہی پالے..... بعض دفعہ انسان کتنا خود غرض، حریص اور لالچی ہو جاتا ہے۔ کتنا گرجاتا ہے۔“

آج اس نے سب اعتراف کر لیے مگر دل کا بوجھ ہلکا ہونے کے بجائے بڑھ گیا۔ وہ آج اپنے دل کا غبار نکال دینا چاہتا تھا۔ امی تو اسے سرزنش کرنا بھی بھول گئی تھیں۔

”امی، آپ کی یہ نفرت بے بنیاد تھی اگر ابو، رامین کی امی سے محبت کرتے تھے تو اس میں رامین کا کیا قصور تھا..... اور یہ کیسی نفرت تھی جو صرف رامین سے تھی، اس کی چیزوں سے نہیں..... آپ نے اس کا سارا پیسہ..... گاڑی، زیور، جبرا ہتھیا لیے۔“ آپا کا لہجہ چیخ گیا۔ انہوں نے امی کو ملامتی انداز میں دیکھا۔

”ارے تم تو چپ ہی کرو، جو کچھ ہوا تمہارے سامنے ہی تو ہوا۔ اس وقت تو تمہاری زبان نہیں کھلی۔ سب مل بیٹھ کر کھاتے رہے، اب کیوں رامین کا درواٹھ

رہا ہے۔“ امی نے آپا کو ڈانٹا۔

”اس وقت میں نا سمجھ تھی۔ یہ نہیں جانتی تھی کہ جب ہم کسی کو دکھ دیتے ہیں تو ایک وقت آتا ہے جب قدرت وہ دکھ واپس ہمیں لوٹا دیتی ہے۔“ آپا نے

رنجیدگی سے کہا۔ وہ شوہر کی بے وفائی جیسے بڑے دکھ سے گزر چکی تھیں۔

”ارے آج میری اولاد میرے ہی خلاف عدالت لگا کر بیٹھی ہے۔ اگر رامین کا پیسہ ہم نہ کھاتے تو

اس کی پھوپھی سب کچھ ہتھیا لیتی۔ تم دونوں اپنے باپ پر گئے ہونا..... تمہارا باپ بھی ساری زندگی مجھے جلاتا

اور کلساتا رہا اور اب تم دونوں میرا بڑھاپا خوار کرنے کے درے ہو۔“ اُن کی آواز چیخ گئی۔

”اگر ہم غلطی کر رہے تھے تو آپ نے ہمیں اس وقت کیوں نہیں روکا۔ آپ نے کیوں ہمیں گناہ پر گناہ

کرنے دیا۔ ماں تو اولاد کو صحیح راستے کا نشان بتاتی ہے۔ آپ ہمیں ظلم اور گناہوں کے رستے پر کیوں لے

”سو فیصد درست کہا پروفسر صاحب.....“ اس نے شرارت سے اسے چھیڑتے ہوئے کہا۔  
”شادی کیا ہوئی..... میں تو چاند سے پروفسر بن گیا۔“ وہ خوش دلی سے مسکرایا۔

”میں بھی تو گڑیا سے بیگم صاحبہ بن گئی ہوں نا.....“ اس نے برجستہ کہا۔

”اچھا بیگم صاحبہ! اس ویک اینڈ پر شہرام اور رامین کے گھر دعوت ہے۔“ احمر نے اسے بتایا۔

”ہاں، مجھے بھی شیرو بہت یاد آ رہا ہے۔“ وہ مسکرائی۔

”انشاء اللہ..... اگلے سال ہمارا اپنا شیرو آ جائے گا۔“ اس کی آنکھیں لودینے لگیں۔

علیزہ کے چہرے پر شرمیلیں مسکراہٹ آگئی۔ وہ نیبل پر پڑے اپنے جسمکے پہننے لگی۔

احمر نے بہت دلچسپی اور محبت سے اس کے صبح چہرے پر پھیلے رنگوں کو دیکھا۔

زندگی بہت خوب صورت ہو گئی تھی۔

☆☆☆

رامین نے دیوار پر کیلنڈر لگاتے ہوئے مہینوں کی تاریخوں پر نظر ڈالی..... وہ بے ساختہ ہی دنوں کا حساب کرنے لگی۔ آج اس کی شادی کو بارہ دن ہو گئے تھے۔ اس کے چہرے پر بے ساختہ مسکراہٹ آگئی۔

وہ پٹی اور کچن میں جانے لگی۔ شیرو کے اسکول سے آنے میں ابھی وقت تھا۔ کچن میں جا کر اس نے

ملازمہ کو کچھ ہدایات دیں۔ دوپہر کا کھانا تقریباً تیار ہی تھا۔ آج رامین اس گھر کی مالکن تھی وہ جو ہمیشہ سے ایک

گھر کا خواب دیکھتی تھی۔ آج وہ اس خواب کی تعبیر دیکھ رہی تھی۔ کچن سے نکل کر وہ اپنی ساس کے کمرے میں

گئی۔ وہ سو رہی تھیں۔ اس نے ان کے اوپر چادر ٹھیک کی اور ان کی سائڈ نیبل پر دو ایلیاں ترتیب سے رکھیں۔

اس نے شہرام کی گاڑی کا ہارن سنا تو وہ تیزی سے اس کے استقبال کے لیے لاؤنج کے بیرونی دروازے پر

آئی۔ چوکیدار گیٹ کھول چکا تھا۔ گاڑی سے اترتے ماہنامہ پاکیزہ 87 ستمبر 2016ء

دلنشین انداز میں مسکراتا ہوا اس کے قریب آیا۔

”اب پہنا بھی دو۔“ اس نے لاڈ سے کلائی آگے کرتے ہوئے کہا۔

”تمہاری امی کا فون آیا تھا۔“ وہ گجرے پہناتے ہوئے بولا۔

”میری ان سے بات ہو گئی تھی، تم بتاؤ تمہیں کیا کہہ رہی تھیں؟“ وہ اپنی کلائیوں پر نظریں جمائے ہوئے پوچھنے لگی۔

”شکر ادا کر رہی تھیں کہ علیزہ کی شادی ہو گئی۔ ورنہ تو ان کی رات کی نیندیں اڑی ہوئی تھیں۔“ وہ

شرارت سے بولا۔

”لیٹ شادی کے ذمے دار سراسر تم ہی ہو، تم نے سیٹ ہونے ہی میں اتنی دیر کر دی..... تو میں کیا کر سکتی تھی۔“ اس نے مصنوعی حنفی سے کہا۔

”ہاں، اب تم بیوی بن گئی ہو..... سارے الزام اب مجھ پر ہی ڈالو گی..... بیویوں کا اور کام ہی کیا ہوتا ہے۔“ وہ آنکھوں میں شوخی لیے اسے دیکھ رہا تھا۔

”اور ویسے بھی تمہارے تو بڑے، بڑے عزائم تھے، رامین کو اس کا حق دلانا، تیور آفندی سے بدلہ لینا، اسے سبق سکھانا، تمہارا اینڈ نچر ختم ہوا تب ہی ہماری

شادی ہوئی۔“ وہ اس کے قریب ہی قالین پر پڑے فلور کیشن پر بیٹھ گیا۔

”میں دو سال تم سے بڑی ہوں، اس لیے تم پر رعب جما سکتی ہوں۔“ اس نے مسکراتے ہوئے

بات بدلی۔

”مگر مرتبے میں تو میں ہی بڑا ہوں نا..... مگر مجھے تم پر رعب جمانے کا کوئی شوق نہیں.....“ وہ برجستگی سے بولا۔

”تمہاری یہی عادت اچھی ہے، کہ مجھے سمجھتے ہو۔“ اس نے بالوں میں برش کرتے ہوئے کہا۔

”کامیاب اور خوشگوار شادی شدہ زندگی کے لیے ضروری ہے کہ میاں، بیوی ایک دوسرے کو سمجھیں.....“ اس نے مدبرانہ انداز میں کہا۔

WWW.PAKSOCIETY.COM ONLINE LIBRARY FOR PAKISTAN

PAKSOCIETY1 f PAKSOCIETY



”سچ کہہ رہا ہوں۔“ وہ اس کی آنکھوں میں دیکھ کر مسکرایا۔

”اب مجھے بھی آپ کی تعریف کرنی چاہیے۔“ اس کی سادگی اس کی فطرت کا حصہ تھی۔

”تمہاری مسکراہٹ ہی میری تعریف ہے۔“ اس نے اس کا ہاتھ تھامتے ہوئے محبت سے کہا۔

”مجھے لفظوں میں بھی تو آپ کی تعریف کرنی چاہیے ناں.....؟“ وہ مسکرائی۔

”میری طرف سے بے شک تم میری تعریف میں کتاب لکھ دو۔“ وہ ہنسا۔

”کتاب لکھنے میں تو وقت لگے گا..... میں ایک جملہ ہی کہہ دیتی ہوں۔“ وہ ذرا سارکی۔

”کہ آپ بہت، بہت زیادہ اچھے انسان ہیں۔“ وہ جملہ ختم کرتے ہوئے عقیدت سے مسکرائی۔

”بہت، بہت شکریہ، اس بیش قیمت تعریف کا۔“ اس نے اسے اپنے بازو کے گھیرے میں لے لیا۔

”آج میں شیر کو اسکول سے لینے آپ کے ساتھ جاؤں گی۔“ اس نے محبت بھرے مان کے ساتھ کہا۔ اکثر وہ خود ہی شیر کو لے آتا تھا۔

”ٹھیک ہے، کوئی اور حکم بیگم صاحبہ.....“ وہ تابعداری سے سرخم کرتے ہوئے بولا۔

رائین کے چہرے پر ایک آسودہ اور سرشاری مسکراہٹ چمکی۔

تھوڑی دیر بعد وہ دونوں شیر کو اسکول سے لے آئے۔ ہنستا کھلکھلاتا شیر دل اب زندگی سے بہت خوش تھا۔ اب وہ ایک مکمل فیملی لائف جی رہا تھا۔

گاڑی گیٹ پار کر کے پورچ میں داخل ہوئی۔ شہرام نے شیر کو اٹھایا۔ رائین نے اس کا اسکول بیگ اور واٹر بائٹل پکڑی اور وہ تینوں مسکراتے ہوئے اندر کی طرف چل دیے۔

یہ ایک خوش باش فیملی کا بے حد خوب صورت منظر تھا۔ جس میں محبت کے کبھی رنگ جھلملا رہے تھے۔

(ختم شد)

ہوئے وہ اسے دیکھتے ہی مسکرایا۔ اس نے آگے بڑھ کر اس کے بازو پر پڑا نوڈ ہوا کوٹ لے لیا اور وہ دونوں ساتھ، ساتھ چلتے ہوئے اندر آگئے۔

”اچھی بیویوں والی ساری عادتیں ہیں تم میں بیگم.....!“ اس نے خوش دلی سے اسے اپنے بازوؤں کے گھیرے میں لے لیا۔

”وہ اس لیے کہ آپ میں بھی اچھے شوہروں والی ساری خوبیاں ہیں۔“ وہ بے ساختہ بولی۔

شہرام بے اختیار ہنسا۔

”جب سے ہماری شادی ہوئی ہے، تم کتنی حاضر جواب ہو گئی ہو، پہلے تو تم سے ڈھنگ سے کوئی بات بھی نہیں کی جاتی تھی۔“ وہ شوخی سے بولا۔

”شادی کے بعد سے میں حاضر جواب ہی نہیں، خوش مزاج بھی ہو گئی ہوں۔“ وہ شرارت سے بولی۔

شہرام نے بڑی توجہ کے ساتھ اس کی بات سنی وہ دونوں اب کمرے میں آگئے تھے۔

”کھانا لگا دوں؟ آپ لٹچ بریک میں آئے ہیں..... پھر واپس آفس جانا ہوگا۔“ اس نے شہرام کا کوٹ ہینگر پر لگاتے ہوئے کہا۔

”شیر کو لے آؤں پھر اکٹھے ہی کھانا کھائیں گے۔“ وہ نرمی سے بولا۔ رائین کو ایک سچی خوشی محسوس ہوئی، اس نے کوٹ ہینگ کر کے الماری میں لٹکا دیا۔

”میرے پاس آ کر بیٹھو! میں تمہیں دیکھنا چاہتا ہوں۔“ وہ بیڈ پر بیٹھتے ہوئے بولا۔

”ایسی بھی میں کوئی حور پری نہیں ہوں.....“ وہ الماری بند کر کے شہرام کے قریب آئی۔

”میرے لیے تو حوروں سے بڑھ کر ہو۔“ اس نے اسے محبت بھری نظروں سے دیکھتے ہوئے کہا۔

ہلکا میک اپ کیے، ہلکی جیولری پہنے وہ بہت خوب صورت لگ رہی تھی۔ سلور ٹیگنوں سے سجا کاسی رنگ کا سوٹ اس پر بہت سچ رہا تھا۔

”سچ کہہ رہے ہیں یا ڈائلاگ بول رہے ہیں۔“ وہ اس کے پاس بیٹھ گئی۔

ماہنامہ پاکیزہ 88 ستمبر 2016ء

WWW.PAKSOCIETY.COM ONLINE LIBRARY FOR PAKISTAN

PAKSOCIETY1 f PAKSOCIETY



## حسن الخالقین

تکلیف اعظمی

مہندی کے فنکشن کی تقریب سے واپسی پر وہ  
اتنی خاموش تھیں جیسے کسی نے اُن کی ساری محنت پر تیل  
چھڑک کر آگ لگادی ہو اور اس آگ میں ان کے  
سارے ارمان، ولولے، آرزوئیں جل کر راکھ ہو گئی  
ہوں۔ وہ تقریب میں جاتے ہوئے جتنی خوشی اور  
مُرجوش تھیں اتنی ہی واپسی پر خاموش اور افسردہ..... ان  
کی اس خاموشی اور افسردگی کو ہر فرد محسوس کر رہا تھا۔ ان  
کی بہنیں، بھائیوں، جیٹھانی، دیورانی ہر ایک نے

اپنے، اپنے طور پر کھوجنے کی کوشش کی لیکن کسی کو بھی کامیابی حاصل نہیں ہوئی۔

وہ کسی کو کیا بتائیں، کیسا غضب ہو گیا تھا۔ کتنے سالوں سے وہ اپنے اکلوتے، لائق فائق، خوب صورت بیٹے کے لیے لڑکیاں تلاش کر رہی تھیں۔ کیسی، کیسی حسین لڑکیاں ایک معمولی نقص پر انہوں نے مسترد کر دی تھیں بلکہ اب تو خاندان والوں نے یہ کہنا شروع کر دیا تھا کہ ان کے معیار کے مطابق سجاد کے لیے اس روئے زمین پر لڑکی ملنا ناممکن ہے اس کے لیے تو انہیں جنت کا ایک چکر لگانا پڑے گا شاید وہاں انہیں اپنی مرضی کی حور مل سکے۔

اور جب سب لوگ اور خود سجاد بھی اپنی شادی سے مایوس ہو چکا تھا تو انہیں ماہم نظر آئی۔ ہو بہو ان کے معیار کے مطابق، خوب صورت، پڑھی لکھی، باحیاء، پرودہ دار، سلیقہ مند، مہذب اور سب سے بڑھ کر اس کے باپ کا عمدہ..... ان کی تنخواہ اور ڈینٹس میں عالی شان بنگلا..... کہتی تو وہ بھی سب سے یہی تھیں کہ انہیں صرف اچھی لڑکی چاہیے، لڑکی چاہے مڈل کلاس گھرانے کی ہی ہو اس سے کوئی فرق نہیں پڑتا بس گھرانہ شریف اور معزز ہو..... زیادہ مالدار گھرانوں سے رشتہ نہیں جوڑنا۔ یہ سب وہ محفلوں میں بیٹھ کر سب کے سامنے کہتی تھیں لیکن لڑکی تلاش کرنے کے لیے بڑے، بڑے بنگلوں کا ہی رخ کرتیں..... ورنہ کیا خاندان میں پڑھی لکھی اور خوب صورت لڑکیاں موجود نہیں تھیں۔ خود ان کی بھانجیاں، بھتیجیاں خاصی خوب صورت تھیں اور ان کے شوہر کی دو بھانجیاں تو بالکل سجاد کے جوڑ کی تھیں لیکن خاندان کی لڑکیوں کو تو انہوں نے یہ کہہ کر مسترد کر دیا تھا کہ سجاد خاندان میں شادی ہی نہیں کرنا چاہتا۔ وجہ صرف یہ تھی کہ وہ سب گھرانے متوسط طبقے سے تعلق رکھتے تھے اور ظاہر ہے ایسی ہی جگہوں پر رہتے تھے۔ کسی کا دو سو گز کا گھر تھا، کسی کا تین کمروں کا فلیٹ تھا۔ کوئی پورشن والے گھر میں جا بسا تھا۔ جبکہ وہ خاندان میں سب سے خوشحال تھیں۔ ان کا ایک پوٹا ایریا میں

ماہنامہ پاکیزہ 90 ستمبر 2016ء

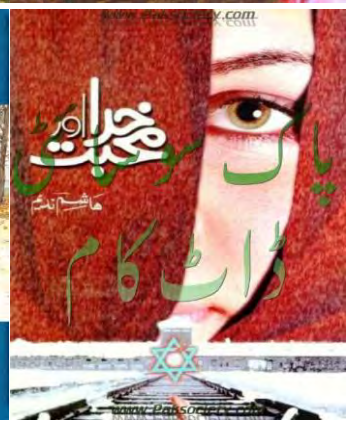
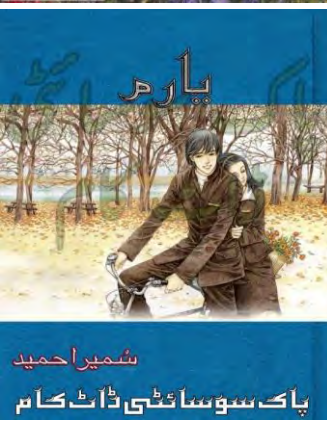
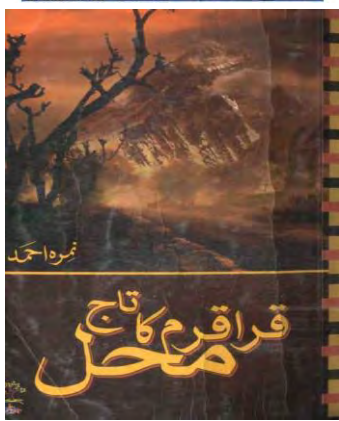
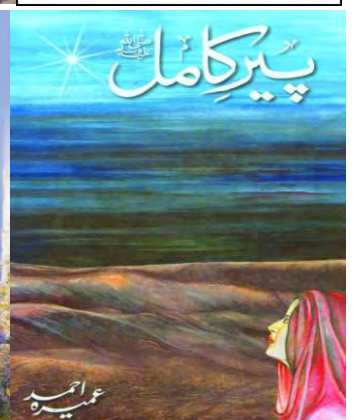
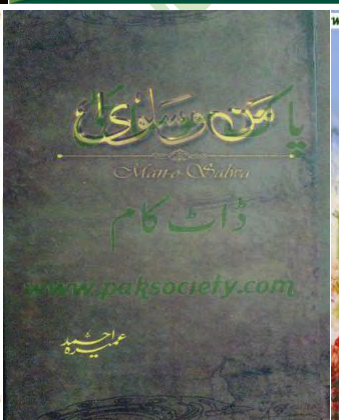
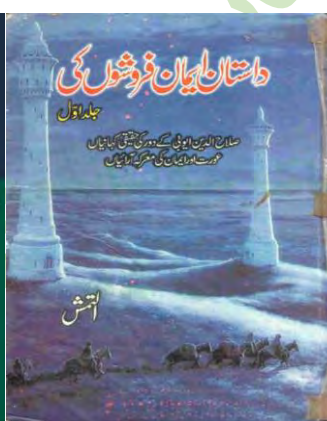
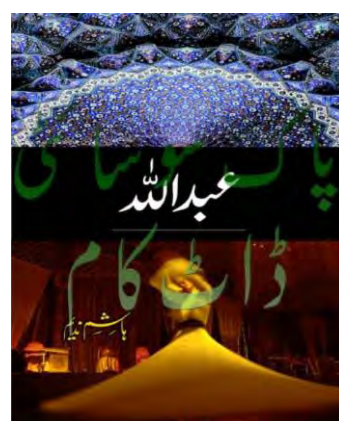
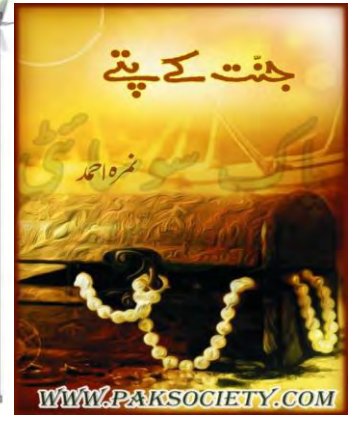
چار سو گز کا بہت خوب صورت سا بنگلا تھا۔ اور ان کی خواہش تھی کہ سجاد کی سسرال ان سے زیادہ بہتر ہو۔ ان سے زیادہ مالدار ہو، ان سے زیادہ اسٹیٹس والی ہو لیکن یہ خواہش دل ہی دل میں پنپ رہی تھی۔ زبان سے تو سادگی، انکساری، عاجزی کے پھول جھڑ رہے تھے۔

انہوں نے ماہم کو اپنے بھانجے کی شادی میں دیکھا تھا۔ شادی ایک فائیو اسٹار ہوٹل میں ہوئی جہاں لگ رہا تھا کہ ایک فیشن پریڈ چل رہی ہے، لڑکیاں... اسٹائل کے نام پر عجیب و غریب لباس پہن کر نمونے بنی ہوئی تھیں۔ شہر کی ساری کریم جمع تھی، ہر لڑکی اور ہر خاتون اپنے آپ کو ایلٹیٹ کلاس کا ظاہر کرنے کی تگ و دو میں ہلکان ہو رہی تھی، زیادہ لڑکیاں انگریزی ہی میں باتیں کر رہی تھیں۔ ان کی مجبوری یہ تھی کہ ان کو اردو بولنا ہی نہیں سکھائی گئی تھی۔ اسکول، کالج، گھر ہر جگہ وہ انگریزی ہی بولتی تھیں۔ اس لیے انہیں اردو میں بات کرنا بہت مشکل لگتا، ہر طرف سے ہاؤ، اوسم، ریل، ایکچو کلی جیسے الفاظ گونج رہے تھے جو لڑکی جتنے فراٹے سے انگریزی بولتی اس کی ماں کا سر فخر سے اتار ہی بلند ہو جاتا، زیادہ تر لڑکیاں، لڑکوں کے ساتھ ہی گروپ بنا کر باتوں میں مصروف تھیں..... سیلفیاں لی جا رہی تھیں، ہر ایک ہاتھ میں جدید ترین سیل فون تھا اور ایسے ماحول میں ان کی نظر اپنے سامنے والی نیبل پر بیٹھی ایک فیملی پر پڑی جہاں ایک بیس بائیس سال کی بہت خوب صورت لڑکی فان کلر کی کا مڈل کلاس اور اسی کا ماہم رنگ اسکارف پہنے سب سے منفرد سب سے سادہ اور سب سے زیادہ دلکش نظر آرہی تھی۔ انہوں نے برابر میں بیٹھے اپنے بیٹے سجاد کو ٹھوکا دیا۔

”سامنے جو لڑکی فان کلر کا اسکارف پہنے ہے، وہ کیسی ہے؟“

”مما پلیز آپ اس طرح ہر جگہ لڑکیوں کو نہ دیکھا کریں، بہت برا لگتا ہے۔“ سجاد بہت نیک فطرت لڑکا تھا، اسے اس طرح ماں کا لڑکیوں کو دیکھنا اور ان پر تبصرہ کرنا بالکل پسند نہیں تھا۔

پاک سوسائٹی ڈاٹ کام پر موجود آل ٹائم بیسٹ سیلرز:-



”آپ کو لڑکی کیسی لگی؟“ انہوں نے بہن سے تائید چاہی۔

”بہت خوب صورت ہے جیسی تم چاہتی ہو ویسی ہی ہے۔“ انہوں نے کھل کر تعریف کی۔

”لڑکی کہیں انجینئر تو نہیں ہے؟“ انہیں سب سے زیادہ یہی فکر تھی کیونکہ لڑکی خوب صورت بھی تھی اور والد بھی لگ رہی تھی اور آج کل سب سے زیادہ ڈیمانڈ انہی دو چیزوں کی ہوتی ہے۔

”یہ میں حماد سے معلوم کر لوں گی۔“ آپا نے اپنے بیٹے کا نام لیا جو اسٹیج پر دو لکھا بنا بیٹھا تھا۔

”آپ شادی کے ہنگاموں سے فارغ ہو جائیں تو بتا دیجیے گا پھر ہم جلد ہی کوئی اچھی تاریخ دیکھ کر ان کے گھر جانے کا پروگرام بنالیں گے۔“ ان کا بس نہیں چل رہا تھا کہ ایسی حماد کو اسٹیج سے بلا لیں اور فوراً ہی ماہم کے گھر روانہ ہو جائیں۔

”ہاں، ہاں تم بالکل فکر نہیں کرو، میں کل ہی حماد سے بات کر لوں گی۔“ آپا اپنی بہن کی بے قراری سمجھ رہی تھیں۔

تھوڑی دیر بعد کھانا سرو ہو گیا، وہ کھانا کھا رہی تھیں اور اس کا بغور جائزہ لے رہی تھیں۔ وہ بہت perfectionist ہر چیز بے عیب اور بے نقص پسند کرتی تھیں اور ہر کام بھی بہت اعلیٰ اور بہترین کرنے کی کوشش کرتیں۔ نہ کسی چیز میں نقص اُن سے برداشت ہوتا اور نہ کسی کام میں غلطی برداشت کر سکتی تھیں۔ ان کی طبیعت میں اتنی نفاست تھی کہ گھر میں کہیں کوئی داغ، دھبا نظر آجائے تو وہ بے چین ہو جاتیں۔

کھانے کے دوران سارا وقت اسی کو دیکھتی رہیں، وہ کھانا کس طرح نکال رہی ہے، کس طرح کھا رہی ہے، کس طرح کولڈ ڈرنک پی رہی ہے، کس طرح اٹھ رہی ہے، کس طرح بیٹھ رہی ہے، کس طرح مسکراتی ہے، کس طرح بات کرتی ہے، اتنی دیر میں انہوں نے ہر، ہر پہلو سے اسے جانچ اور پرکھ لیا تھا۔

”مجھے تو لڑکی بہت اچھی لگ رہی ہے، اگر تمہیں بھی اچھی لگ رہی ہے تو اس کے بارے میں معلومات کرو؟“ انہوں نے سجاد کی بات کو سنی ان سنی کرتے ہوئے اپنا مشن جاری رکھا۔

”آپ کو پسند آگئی ہے میرے لیے یہی کافی ہے۔“ اس نے کن آنکھوں سے اسے دیکھ کر ساری ذمے داری ماں کے کاندھوں پر ڈال دی۔

”مجھے تو ساری محفل میں اس سے زیادہ خوب صورت لڑکی کوئی نظر ہی نہیں آ رہی۔“ انہوں نے پھر ساری محفل پر طائرانہ نظر دوڑائی اور حقیقت بھی یہی تھی کہ ساری محفل میں وہی سب سے زیادہ حسین لگ رہی تھی۔

”میرا خیال ہے یہ لوگ لڑکی والوں کی طرف سے ہیں۔“ انہوں نے خیال ظاہر کیا۔

”ظاہر ہے ہمارے خاندان کی ہوتی تو کیا اب تک ماں، باپ نے لا کر میں رکھا ہوا تھا۔“ ان کے شوہر زاہد صاحب نے تبصرہ کیا۔

”آپا ہی سے معلوم کرنا پڑے گا۔“ انہیں آپا سے بات کرتے ہوئے جھجک ہو رہی تھی، وہ ان کی بتائی ہوئی کئی لڑکیاں مسترد کر چکی تھیں۔

”تو کر لیجیے بلکہ ابھی کر لیجیے..... ٹیک کام میں دیر کیسی.....؟“ زاہد صاحب بھی اب اُن کی تلاش سے عاجز آ چکے تھے اور چاہتے تھے کہ جلد از جلد ان کے بیٹے کے سر پر بھی سہرا بندھ جائے۔ اب تو اس کی عمر کے سارے لڑکوں کی شادیاں ہو چکی تھیں اور اکثر تو بچوں کے باپ بھی بن چکے تھے۔

انہوں نے بھی شوہر کے حکم کی تعمیل میں ایک لمحے کی دیر نہیں کی اور فوراً ہی آپا کے پاس پہنچ گئیں اور لڑکی کو دور سے دکھا کر اپنا مدعا بیان کیا تو پتا چلا وہ آپا کے بیٹے کے دوست کی بہن ہے۔ پہلے وہ لوگ اسلام آباد میں رہتے تھے چند ماہ پہلے ہی لڑکی کے باپ کی پوسٹنگ کراچی میں ہوئی ہے۔

”لوگ تو اچھے لگ رہے ہیں، ویسے میں ان لوگوں کو آج پہلی دفعہ ہی دیکھ رہی ہوں۔“

انہیں جو لڑکی اچھی لگی وہ طلاق یافتہ نکلی..... اس کا شوہر شادی کے قابل ہی نہیں تھا۔ اس نے شادی کے چھ ماہ بعد ہی بیوی کو مار پیٹ کر گھر سے نکال دیا تھا۔

سجاد نے سی اے کیا تھا اور ایک انٹرنیشنل فرم میں بہت ہینڈسمیلری پر جاب کر رہا تھا۔ اس کی تنخواہ تین، چار لاکھ کے لگ بھگ تھی۔ وہ ان کا اکلوتا اور.... بے حد فرمانبردار بیٹا تھا۔ وہ اس کی جاب ہوتے ہی اس کے لیے لڑکیاں تلاش کر رہی تھیں اور اب تو انہیں یہ بھی یاد نہ رہا کہ انہوں نے اس کے لیے کتنی بے شمار لڑکیاں دیکھی لی تھیں بلکہ کبھی کبھار تو ایسا بھی ہوا کہ کسی نے انہیں کوئی لڑکی دکھائی تو وہ لڑکی ان کی دیکھی ہوئی اور مسترد کی ہوئی نکلی۔

☆☆☆

صبح اٹھتے ہی ان کا دل چاہ رہا تھا کہ وہ سب سے پہلے آپا کو فون کریں پھر یہ سوچ کر انہوں نے دل پر پتھر رکھ لیا کہ ویسے سے وہ لوگ دو ڈھائی بجے آئے ہوں گے پھر ویسے کے دوسرے دن تو آئے ہوئے مہمانوں کے جانے کا سلسلہ شروع ہو جاتا ہے۔ اور آپا کی تو ساری سسرال ہی لاہور میں تھی۔ وہ سب لاہور سے شادی کے لیے آئے ہوئے تھے اور ویسے کے بعد ہی سب نے جانا تھا۔

وہ بار، بار فون کرنے کا ارادہ کرتیں پھر بے شمار باتیں سوچ کر اپنے کو اس ارادے سے باز رکھتیں یہاں تک کہ صبح سے دوپہر ہو گئی۔ اتوار کا دن تھا، سجاد چھٹی کے دن بہت دیر سے سو کر اٹھتا تھا۔ زائد بھی فجر کی نماز پڑھ کر دوبارہ سو چکے تھے۔ صرف وہی تھیں جنہیں نہ نیند آرہی تھی اور نہ فرار آ رہا تھا۔ خدا، خدا کر کے دوپہر کو آپا نے خود ہی فون کر لیا۔ آپا کا نمبر دیکھتے ہی اُن کے جسم میں تے سرے سے توانائی آ گئی۔

”یقیناً اچھی خبر ہوگی جیسی آپا نے خود فون کیا ہے.....“ یہ سوچتے ہوئے انہوں نے فون اٹھایا۔

”ہاں شاز یہ مبارک ہو اس لڑکی کی ابھی کہیں ایجنٹ نہیں ہوئی ہے اور حماد ان لوگوں کی بہت تعریف

اور انہیں اس میں کوئی خامی نظر نہیں آئی بلکہ جب وہ اپنی ماں کی کسی بات پر دھیسے سے مسکرائی تو وہ اس کی مسکراہٹ پر جیسے فدا ہو گئیں۔

”مسکراتے ہوئے کتنی پیاری لگ رہی ہے۔“ انہوں نے دل ہی دل میں اس کی مسکراہٹ کو سراہا۔

”ابھی اتنے ہلکے میک اپ میں اتنی خوب صورت لگ رہی ہے تو دلہن بن کر کتنی حسین لگے گی۔“ وہ چشم تصور سے اسے سجاد کے برابر بیٹھا دیکھ رہی تھیں اور خواتین کی تعریفیں سمیٹ رہی تھیں۔

”خدا نے تمہاری خواہش پوری کر دی، دلہن تو چاند کا ٹکڑا ہے۔“

”چاند کا نہیں چودھویں کے چاند کا۔“

”کہاں سے تلاش کی؟“

”آج کل تو ایسی حسین لڑکیاں نظر ہی نہیں آتیں؟“

”اللہ نصیب اچھا کرے۔“

”ماشاء اللہ چاند سورج کی جوڑی ہے۔“

”نظر اتار دو، خدا نظر بد سے بچائے۔“

شادی سے واپسی پر بھی وہ سارا وقت اسی کے تصور میں کھوئی رہیں، انہیں خوشی کے مارے ساری رات نیند نہیں آئی۔ حالانکہ ابھی دل کو بے شمار خدشات لاحق تھے۔ سب سے بڑی بات یہ تھی کہ بیٹے اور شوہر کو بھی ماہم اور گھر والے بہت پسند آئے تھے۔ وہ ساری رات دعائیں مانگتی رہیں کہ ابھی ماہم کی کہیں بات طے نہ ہوئی ہو کیونکہ ایک آدھ دفعہ ایسا بھی ہوا تھا کہ انہیں کوئی لڑکی پسند آگئی تو پتا چلا کہ اس کی منگنی ہو گئی ہے اور

ایک دفعہ تو حد ہی ہو گئی۔ انہیں ایک شادی میں جو لڑکی اچھی لگی وہ شادی شدہ اور ایک بچے کی ماں نکلی۔ انہیں حیرانی ہوئی وہ اتنی سادہ تھی کہ کہیں سے شادی شدہ نہیں لگ رہی تھی۔ یہ تو بعد میں پتا چلا کہ اس کے شوہر کا

شادی کے ایک سال بعد ہی انتقال ہو گیا تھا۔ اس کا بیٹا بھی شوہر کے انتقال کے دو ماہ بعد پیدا ہوا تھا۔

اس طرح ایک اور اسی طرح کا اتفاق ہوا کہ

اس طرح ایک اور اسی طرح کا اتفاق ہوا کہ

زیادہ عالی شان تھا ہر چیز جگر، جگر کر رہی تھیں۔ گھر کے ہر گوشے سے مکینوں کے سلیقے اور نفاست کا اظہار ہو رہا تھا۔ ایسے صاف سحرے جھلملاتے ماحول میں ماہم اور زیادہ دلکش لگ رہی تھی۔ چائے پر بھی زیادہ تر لوازمات گھر کے بنے ہوئے تھے۔ آپا بھی ان کا گھریا، گھر والوں کے مہذب طور طریقے اور سلیقہ مندی دیکھ کر حد درجہ مرعوب ہو رہی تھیں۔

انہوں نے اسی وقت آپا سے مشورہ کر کے رشتہ دے دیا۔

”ہمیں بھی آپ کی بیٹی بہت پسند آئی ہے، آپ میرے بیٹے کے بارے میں اچھی طرح معلومات کر لیجیے پھر جتنی جلدی ہو سکے ہمیں جواب دے دیجیے گا۔“ وہ رشتے کی بات کرتے ہوئے آج پہلی مرتبہ نروس ہو رہی تھیں۔

”سجاد میرا بھانجا ہے لیکن مجھے اپنے بچوں سے بڑھ کر پیارا ہے، میں اس کی جتنی تعریف کروں کم ہے، مجھے یقین ہے کہ آپ اس کے بارے میں جس سے بھی دریافت کریں گی وہ آپ سے اس کی تعریف ہی کرے گا۔“ آپا نے بات آگے بڑھائی۔

”جی، آپ لوگوں کا شکریہ..... آپ نے ہماری بیٹی کو پسند کیا۔ آپ لوگ ہمارے گھر تشریف لائے، ہماری عزت افزائی کی۔ آپ لوگ بھی ہمیں بہت اچھے لگے ہیں، آپ جانتی ہیں لڑکی کی شادی کرنا بہت مشکل مرحلہ ہوتا ہے پھر میری بیٹی بہت نیک اور معصوم ہے۔ اس میں ذرا بھی تیزی اور چالاکا نہیں..... ہمیں اس کے لیے بہت سوچ سمجھ کر فیصلہ کرنا ہوگا۔ آپ ہمیں تھوڑا سا وقت دیجیے..... اگر آپ کا بیٹا ہمارے معیار کے مطابق ہو تو ہم آپ کو بلاؤں نہیں کریں گے۔“ ماہم کی والدہ نے انتہائی شائستگی کے ساتھ ان کے سوال کا جواب دیا۔

”انشاء اللہ آپ کو میرے بیٹے کے بارے میں کہیں سے کوئی برائی نہیں سننے کو ملے گی۔“ انہوں نے قدرے فخر سے کہا۔

کر رہا ہے کہ بہت اچھے اور سلیبے ہوئے لوگ ہیں۔“ آپا بھی ان کی بے قراری کو سمجھتی تھیں انہوں نے رکی سلام دعا کے فوراً بعد ہی اصلی بات بیان کر دی۔

”شکر خدا کا..... میں تو ساری رات یہی دعا میں مانگتی رہی کہ اس لڑکی کی کہیں مگنی نہ ہوئی ہو۔“ ان کی آواز خوشی سے کانپنے لگی۔

”میں نے حماد سے کہہ دیا ہے کہ کل جمعہ ہے، ہم لوگوں کو کل ہی ان کے گھر لے جائے۔“ آپا بھی ان ہی کی بہن تھیں انہیں بھی سجاد کی شادی کی بہت فکر تھی، ان کا بیٹا حماد، سجاد سے تین سال چھوٹا تھا اور اب اس کی بھی شادی ہو گئی تھی۔

”یہ آپ نے بہت اچھا کیا..... میں خود بھی یہی سوچ رہی تھی۔“ انہوں نے بہن کی بات کی تائید کی۔

”میں حماد سے کہہ کر ان لوگوں کو فون کر دوں گی، تم اپنی تیاری کر لو لیکن ابھی کسی سے ذکر نہیں کرنا۔“

”ہاں بالکل میں بھی آپ سے یہی کہنے والی تھی۔ اور آپ کو تو پتا ہے خاندان والے کیسی، کیسی باتیں کر رہے ہیں پھر جن، جن گھروں میں لڑکیاں بیٹھی ہیں سب ہی کی نظریں سجاد پر ہیں۔ خاص طور پر ناہید آپا نے کتنی دفعہ لوگوں سے کہلوا یا ہے۔“ انہوں نے اپنی بڑی تند کا ذکر کیا۔ جن کی بڑی بیٹی سجاد کے جوڑ کی تھی اور ان کے شوہر کو پسند بھی بہت تھی۔

”اچھا خیر، اب اس بات کا تذکرہ کیا کرنا..... ظاہر ہے جس کی بیٹیاں ہوتی ہیں اسے اپنے بھائی، بہنوں سے ہی امید ہوتی ہے، میں تم سے بعد میں بات کروں گی۔ ابھی میرے جیٹھ اور جیٹھانی رخصت ہونے والے ہیں ان کو خدا حافظ کہہ دوں۔“ آپا نے عجلت میں فون بند کر دیا۔

فون رکھتے ہی انہوں نے سب سے پہلے گھر میں یہ خوش خبری سنائی پھر اگلے دن کا پروگرام طے کرنے لگیں۔

☆☆☆

جمعہ کا دن ان کے لیے مبارک ثابت ہوا اور وہ ماہم کے گھر پہنچیں تو وہ گھر ان کے خواب و خیال سے

”یقیناً..... مجھے آپ لوگوں کو دیکھ کر ہی اندازہ ہو رہا ہے کہ آپ نے اپنے بیٹے کی بہت اچھی تربیت کی ہوگی۔“ ماہم کی والدہ کے اس جملے پر ان کا دل باغ، باغ ہو گیا۔ انہیں لگا ان کو سجاد بہت پسند آیا ہے، وہ سجاد کو اپنے ساتھ ہی لے گئی تھیں اور..... سجاد بہت خوب صورت اور ہینڈسوم تھا۔

وہ وہاں سے انھیں تو خوشی کے مارے وہ اپنے آپ کو زمین پر نہیں بلکہ آسمانوں میں اڑتا ہوا محسوس کر رہی تھیں اور پھر ان کی توقع کے مطابق چند دنوں بعد ہی ماہم کے گھر والوں نے رشتہ منظور کر لیا۔ رشتہ منظور ہوتے ہی تاریخیں طے ہو گئیں۔ عید کے تیسرے دن مہندی اور پانچویں دن بارات کی تاریخ مقرر ہوئی۔

☆☆☆

رمضان کا پورا مہینہ اللہ تعالیٰ کی عبادت کے بجائے شادی کی تیاریاں کرتے گزرا۔ ان کے بس میں ہوتا تو شاید وہ کیٹ ونسلٹ کے ڈیزائنز سے ویڈنگ ڈریس ڈیزائن کروا تیں، صبح سے شام تک وہ آپا کو ساتھ لیے بازاروں کے چکر کاٹا کرتیں۔ بری کے بچپن جوڑے بھی انہوں نے نامی گرامی بوتیک سے تیار کروائے تھے اور پھر بارات اور ویسے کے جوڑے کے لیے انہوں نے جتنی تک دو دو کی تھی اور جتنی مشقت اٹھائی تھی اگر اتنی محنت اور مشقت کا رسواں حصہ بھی رمضان میں عبادتوں میں صرف کرتیں تو یقیناً ان کو اس دنیا میں ایسے، ایسے لباس اور پوشاکیں نصیب ہوتیں جن کے ایک تار کی قیمت بھی یہاں کے لاکھوں کے لباس سے ہزاروں گنا زیادہ ہوتی۔

کیسا خسارہ ہے؟ اور انسان کس، کس طرح اس خسارے پر خوش اور مطمئن ہے؟ اسے احساس ہی نہیں کہ وہ ہر فنکار ہونے والی شے پر باقی رہنے والی چیزوں کو کتنی خوشی سے قربان کر دیتا ہے اور کتنے بڑے نقصان کا سودا کر رہا ہوتا ہے۔

بارات کا لہنگا تین لاکھ اور ویسے کا ساڑھے تین لاکھ کا تیار ہوا تھا۔ اور ایسا حسین کہ نظر نہیں ٹک رہی

تھی۔ زیور ان کا اپنا ہی تھا لیکن وہ اس سے مطمئن نہیں تھیں اور اس کے علاوہ بہت بھاری اور نئے ڈیزائن کا زیور بنوایا جسے دیکھ کر نظریں خیرہ ہونے لگتی تھیں۔ بارات اور ویسے دونوں کے لیے فائو اسٹار ہوٹلز کا انتخاب کیا گیا تھا۔ مہمانوں کی تعداد چھ سو سے زائد تھی۔ مہندی کی تقریب ماہم کے گھر والوں نے ایک بے حد مہنگے پیکنگ میں رکھی تھی۔

عید کی رات کو وہ ماہم کا جوڑا لے کر گئی تھیں۔ اس میں بھی ان کے ہمراہ ان کی آپا، آپا کی بہو، ان کی اپنی دونوں بھابھیاں اور ان کی بہو بیٹیاں، ان کی نند اور ان کی دونوں بیٹیاں، جیٹھانی اور ان کی دونوں بہویں غرض یہ کہ صرف عید کا جوڑا لے جانے کے لیے ان کے ساتھ پندرہ خواتین اور پانچ مرد تھے اور جوڑے کا صرف نام تھا جوڑے کے ساتھ سونے کا سیٹ، ایک ٹوکرا پھلوں کا، پانچ کلومشائی، سویاں، میوے، لڑکی کی ساری کزنز کی چوڑیاں ماہم کی والدہ کے لیے سونے کے ٹاپس، ماہم کے بھائی کے لیے براؤنڈ شلوار قمیص، ماہم کی دادی کے لیے بہت مہنگا جوڑا..... سونے کی انگوٹھی، ماہم کے باپ کے لیے گھڑی اور یہ سب اہتمام دیکھ کر خاندان والے منہ پر تعریفیں تو کر رہے تھے پر دبے، دبے الفاظ میں اعتراض بھی کر رہے تھے۔

”عیدی میں تو اتنا نہیں لے جایا جاتا.....“ جیٹھانی نے جھک کر ان کی بھابی کے کان میں سرگوشی کی کہ دشمن کا دشمن دوست ہوتا ہے۔

”بس کیا بتائیں..... اللہ دے رہا ہے تو دونوں ہاتھ سے لٹایا جا رہا ہے۔“ وہ کیوں پیچھے رہیں۔

”بھابی نے تو کچھ زیادہ ہی شو بازی کا مظاہرہ کیا ہے۔“ ان کی نند جو بیچاری ایک معمولی سرکاری آفیسر کی بیوی تھیں یہ سب شان و شوکت دیکھ کر دل ہی دل میں کڑھ رہی تھیں۔

”ان ہی باتوں کی وجہ سے تو لوگوں کے دلوں میں جلن اور حسد پیدا ہوتا ہے۔“ ان کی بڑی بھابی نے ان کی نند کا جملہ سن لیا تھا اور اب ان کی ہاں میں ہاں ملا



## کہتا میٹھا

☆ ریلوے کے خسارے کو کم کرنے کے لیے لوگوں کو دور دراز علاقوں میں شادی کرنے پر مجبور کیا جائے تاکہ لوگوں کو سسرال جانے کے لیے ریل کا سفر کرنا پڑے۔  
☆ امتحانات کا معیار سخت کیا جائے تاکہ زیادہ سے زیادہ طلبہ فیل ہو سکیں اور ٹیچروں کے ٹوشن کا کاروبار چمک سکے۔

☆ نئی وپرانی گاڑیاں زیادہ سے زیادہ درآمد کی جائیں تاکہ پولیس کی آمدنی میں اضافہ ہو سکے۔  
☆ انجینئروں کو روزگار مہیا کرنے کے لیے شدید پارشوں کی دعائیں کی جائیں تاکہ پلوں، سڑکوں اور انہروں وغیرہ کی مرمت شروع ہو سکے۔

مرسلہ: اہم صابر علی، کراچی

زبان پر یہی جملہ تھا۔

مہندی لے جانے والی لڑکیوں کے لیے جو تھیم تیار کی گئی وہ بھی سب سے مختلف اور منفرد تھی۔ فراک اور چوڑی دار پا جائے اسٹیل گرے اور دوپٹے مختلف کلر کے بے حد شوخ رنگوں کے تھے۔ ایسا لگ رہا تھا ہر طرف قوس قزح چھائی ہوئی ہے، بیوٹیشن کو گھر پر بلایا گیا تھا اور لڑکیاں تو لڑکیاں ادھیڑ عمر کی خواتین نے بھی دل لگا کر اپنی ڈیمنگ پیٹنگ کروائی تھی اور زیادہ تر خواتین سترگی دہائی کی ہیروئنوں کی یاد تازہ کر رہی تھیں۔ کوئی بھی اپنے آپ کو شیم آرا اور زیبا سے کم سمجھنے پر تیار نہیں تھیں۔ وہ خود پورے کیل کانتوں سے لیس تھیں۔ ان کا گرے گرین پورٹیفون کا سوٹ جس پر رنگوں کا کام بنا تھا۔ جگر، جگر رکھا تھا اس جوڑے کی مناسبت سے انہوں نے بہت نازک سا ڈامنڈ کا سیٹ پہنا تھا۔ بالوں کو کرل کر کے کھلا چھوڑ دیا تھا اور جب میک اپ کے بعد زاہد صاحب نے انہیں دیکھا تو ایک لمحے کے لیے سشدر رہ گئے۔

”یہ آپ ہی..... ہیں..... میری بیوی جو گزشتہ بیس برس سے میرے ساتھ رہ رہی ہیں۔“

کران کے جلتے دل پر ٹھنڈے پھائے رکھ رہی تھیں۔  
”یہی تو اسراف ہے اگر اللہ نے آپ کو دیا ہے تو اسے اللہ تعالیٰ کی راہ میں خرچ کریں۔ یہ نہیں کہ دنیا کو دکھانے کے لیے خدا اور رسول کے احکامات بھول جائیں۔“ ان کی جھیٹھانی کی بہونے بھی تبصرہ کیا۔ جس نے حال ہی میں دینی تعلیم کا مدرسہ جوائن کیا تھا۔ اور ہر جگہ ہر کسی کو درس دینے کی کوشش کرتی تھی۔ یہ اور بات ہے کہ کوئی اس کی بات کو سنجیدگی سے سنتا ہی نہیں تھا۔ وہ بھی موقع دیکھے بغیر تبلیغ کا فریضہ انجام دینا شروع کر دیتی تھی۔

وہ سب اتنا سامان لے کر ماہم کے گھر پہنچے تو ان لوگوں نے ان سے زیادہ شاندار طریقے سے ان سب کا استقبال کیا۔ آنے والی ساری خواتین کو چوڑیاں مٹھائی کے ڈبے اور مردوں کو بہترین قسم کے پرفوم دیے گئے۔

عید کے اگلے دن ہی سے ان کے گھر میں گانے بجانے کا آغاز ہو گیا تھا۔ سارا دن یا تو ڈیک پر گانے بجتے رہتے یا لڑکیاں ڈھولک بجاتی رہتیں۔ جس رات کو مہندی کا فنکشن تھا اس دن صبح سے گھر میں خوشگوار چہل پہل کا آغاز ہو چکا تھا۔ وہ گھبرائی، گھبرائی بھر رہی تھیں کسی چیز کی کمی نہ رہ جائے، کوئی خامی نہ رہ جائے۔ ہر چیز مکمل ہو، ہر چیز بے عیب ہو۔ مہندی لے جانے کے لیے پھلوں کے ٹوکڑے شہر کی سب سے مہنگی دکان سے آرڈر پر بنوائے گئے تھے۔ سنہرے تاروں سے بنے ہوئے ٹوکڑوں میں جگہ، جگہ مختلف رنگوں کے موتی لگائے گئے۔ مٹھائی کے ڈبوں کے لیے نیٹ کے کور لیے تھے جن پر سنہری ستاروں اور موتیوں کا کام کروایا گیا۔ مہندی سجانے کے لیے اسپیشلسٹ کی خدمات طلب کی گئیں جنہوں نے کئی گھنٹوں کی محنت کے بعد مہندی کے لوازمات کو اس طرح سجایا کہ جس نے بھی دیکھا تعریف کیے بنانا نہ رہ سکا۔

”واقعی ہم نے آج تک اس قدر خوب صورت انداز سے سچی ہوئی مہندی نہیں دیکھی.....“ سب کی

”کیوں، کیا بہت اچھی لگ رہی ہوں.....؟“  
یوں تو سب ہی نے دل کھول کر تعریف کی تھی لیکن وہ  
ان کی زبان سے تصدیق چاہ رہی تھیں کہ شوہر کی  
تعریف کا نشہ ہی اور ہوتا ہے۔

”ایسی، ویسی، مجھے لگ رہا ہے اماں حوا کے  
زمانے کی کوئی حور جنت سے اتر کر زمین پر آگئی.....“  
وہ شوخی سے مسکرائے۔

”کیا مطلب.....؟“ انہوں نے آنکھیں دکھائیں۔  
”جھوٹ بولنے میں کوئی مضائقہ نہیں..... خوب  
صورتی میں کوئی کلام نہیں لیکن عمر کا خیال تو کرنا پڑتا ہے۔“  
”ویسے آپ بھی کم اچھے نہیں لگ رہے، خاموش  
فلموں کے دور کے ہیرو کی جھلک نظر آرہی ہے۔“  
انہوں نے برجستہ کہا تو ان کے اس جملے پر انہوں نے  
بھرپور ہتھیار لگایا۔

”بدلہ اتارنا تھا تو باوا آدم کے زمانے کا ذکر کرنا  
تھانا..... آپ نے مجھے بہت ہی کم عمر بنا دیا..... اپنے  
حساب سے۔“ وہ ذاتی سیاہ تھری پیس سوٹ میں بے حد  
... کم عمر اور فریش نظر آرہے تھے۔

”اللہ نظر بد سے بچائے۔“ انہوں نے دسویں  
مرتبہ آیت الکرسی پڑھ کر سب پر پھونکی۔

وہ دونوں بے حد خوش تھے۔ اتنے خوش کہ لگ رہا  
تھا۔۔۔ ان کے گھر میں ہر طرف خوشیوں کی پریاں ایک  
دوسرے کا ہاتھ تھامے رقص کر رہی ہیں۔ وہ سب ہنستے  
مسکراتے ہال کی طرف روانہ ہوئے۔ ماہم کے گھر  
والوں نے کوئی کسر نہیں اٹھا رکھی تھی۔ جس شان و شوکت  
سے وہ مہندی لے کر آئی تھیں اس سے کہیں زیادہ  
عالیشان طریقے سے ان لوگوں کا استقبال کیا گیا۔

انچ پر جانے والے راستے میں سرخ قالین بچھا  
تھا۔ جس کے دونوں طرف پیتل کے گملوں میں ہر رنگ  
کے پھول بہا رکھا رہے تھے ہر، ہر پنگھڑی پر ہم رنگ  
لاٹین لگی تھیں۔

سب کچھ ان کی خواہشات کے مطابق تھا۔  
مہندی کی رسم کا آغاز ہوا انہوں نے سب سے پہلے

ماہم کے دائیں بازو پر امام خاسن باندھا۔ پھر اس کے  
گلے میں پھولوں کا ہار ڈالا۔ کانوں میں پھولوں کا زیور  
پہناتے، پہناتے ان کی طبیعت بگڑ گئی۔ ان کی نظروں  
کے سامنے سارے منظر دھندلا گئے، وہ مٹھائی کھلا کر  
بڑی مشکل سے انچ سے نیچے اتریں۔

وہ پسینے، پسینے ہو رہی تھیں۔ ان کی حالت دیکھ کر  
سب ان کے گرد جمع ہو گئے۔

”میری طبیعت ٹھیک نہیں ہے، گھبراہٹ ہو رہی  
ہے شاید بلڈ پریشر ہائی ہو گیا ہے۔“ انہوں نے دونوں  
ہاتھوں سے سر تھام لیا۔

سب پریشان تھے کوئی پانی لے کر آ گیا، کسی نے  
شربت کا گلاس پیش کیا۔ کسی نے ڈاکٹر کو بلانے کا  
مشورہ دیا۔ انہوں نے سب کو بہلا دیا کہ وہ ٹھیک ہیں  
بس وقتی گھبراہٹ تھی۔ فنکشن کے بعد وہ گھر آئیں تو  
سیدھی اپنے کمرے میں جا کر سر درد کا بہانہ بنا کر لیٹ  
گئیں۔ کسی نے بھی انہیں ڈسٹرب کرنا مناسب  
نہیں سمجھا۔ لیکن تھوڑی دیر بعد زاہد صاحب کمرے  
میں داخل ہوئے اور شوہر کو دیکھ کر وہ ضبط نہ کر سکیں اور  
پھوٹ، پھوٹ کر رونے لگیں۔

”کیا، وا.....؟ کیا طبیعت زیادہ خراب ہو رہی  
ہے۔“ وہ بے حد گھبرا گئے۔

”میری بہو..... میری بہو.....؟“

”کیا، وا آپ کی بہو کو؟“ زاہد صاحب نے  
حیرانی سے انہیں دیکھا۔ انہوں نے روتے ہوئے بڑی  
مشکل سے انہیں حقیقت سے آگاہ کیا۔

”یہ تو ہمارے ساتھ دھوکا ہوا ہے۔“ ساری بات  
سن کر زاہد صاحب کا چہرہ تاریک ہو گیا۔

”اب کیا ہوگا؟“

”ظاہر ہے انکار کرنا پڑے گا..... شکر ہے ابھی

نکاح نہیں ہوا تھا۔“

”لیکن سب سے کیا کہیں گے، لوگوں کو کیا

جواب دیں گے؟“

”یہی بتائیں گے کہ ہمیں دھوکا دیا گیا ہے.....“

ہر اسماں ہو کر بولیں۔

”مجھے لوگوں کی فکر نہیں ہے، مجھے اس کی فکر ہے جو احسن الخالقین ہے، جس کی ہر تخلیق بے عیب اور... بے نقص ہوتی ہے، جس چیز کو ہم کسی انسان کا عیب یا نقص سمجھتے ہیں ہو سکتا ہے وہی اس خالق کی تخلیق کا ایک انداز ہو، یہ تو مصور ہی جانتا ہے کہ اس نے تصویر میں کہاں، کہاں کون سے رنگ استعمال کرنے ہیں کیونکہ اس نے ہر انسان کو بہترین انداز پر خلق کیا ہے۔“ وہ ساری بات کہہ کر ایک لمحے کے لیے رکا، ان کی صورت دیکھی جس کی ساری رونق اور تازگی ادا سی اور پڑ مردگی میں تبدیل ہو چکی تھی۔

”مجھے معلوم ہے آپ کو دکھ ہو رہا ہے لیکن اس دنیا کے آنے والے بڑے دکھ سے بچنے کے لیے یہ چھوٹا دکھ برداشت کر لینا بہتر ہے۔ اب آپ اپنا موڈ ٹھیک کر لیجیے اور شادی میں خوشی، خوشی حصہ لیجیے۔ ماہم ہی اس گھر میں دلہن بن کر آئے گی اور آج کے بعد اس گھر میں اس موضوع پر کوئی بات نہیں ہوگی۔“ سجاد کا لہجہ چٹانوں جیسی سختی لیے ہوئے تھا... وہ یہ کہہ کر کمرے سے باہر نکل گیا اور وہ کرسی کی پشت سے سر ٹکا کر سسکیاں بھرنے لگیں۔

”حوصلہ رکھو، سجاد ٹھیک کہتا ہے، شکر کرو ہمارا بیٹا اتنا سمجھدار ہے۔“ زاہد صاحب نے ان کے کاندھے پر ہاتھ رکھ کر انہیں تسلی دی۔

”سجاد تو ٹھیک کہتا ہے اور ہمارا بیٹا تو سمجھدار ہے لیکن دنیا والے تو سمجھدار نہیں ہیں۔ یہ کیسے سمجھیں گے۔ انہیں کون سمجھائے گا، لوگ ہم پر نہیں گے، ہمارا مذاق اڑائیں گے کہ اتنی تلاش کے بعد جوڑ کی ڈھونڈی، وہ، وہ.....“ آگے ان سے بولا ہی نہیں گیا۔

وہ جب ماہم کو کان میں پھولوں کا زیور پہنارہی تھیں تو ان کی نظر کان کے پیچھے سفید دھبوں پر پڑی جو کان کے پیچھے اور ساری گردن پر پھیلے ہوئے تھے۔ ماہم کو برص کی بیماری تھی۔



زاہد صاحب نے سخت لہجے میں کہا۔

”لیکن؟“ وہ عجیب گو گو کی کیفیت میں تھیں۔  
”لیکن ویکن کچھ نہیں..... آپ ابھی ماہم کے گھر والوں سے بات کریں اور صاف، صاف انکار کر دیجیے۔“

”آپ سے مشورہ کر لوں؟“ انہیں اس طرح بات کرنے کی ہمت نہیں ہو رہی تھی۔

”کسی سے مشورہ کرنے کی ضرورت نہیں، میں نمبر ملارہا ہوں آپ میرے سامنے بات کریں۔“ انہوں نے نمبر ملا کر فون ان کے ہاتھ میں تھما دیا۔

”نہیں مہم، آپ ماہم کی والدہ سے ایسی کوئی بات نہیں کریں گی۔“ سجاد جو ان کی طبیعت پوچھنے ان کے بیڈروم کی طرف آ رہا تھا ان دونوں کی گفتگو سن کر رک گیا اور ساری بات سن کر کمرے میں داخل ہوا اور ان کے ہاتھ سے فون لے کر آف کر دیا۔

”تم کیا چاہتے ہو.....؟“ ان دونوں نے سجاد کی طرف دیکھا۔

”میں ماہم سے شادی کرنا چاہتا ہوں.....“ سجاد نے مضبوط لہجے میں کہا۔

”بیٹا وہ دھوکے باز لوگ ہیں، انہوں نے ہمارے ساتھ دھوکا کیا ہے۔“

”انہوں نے دھوکا نہیں دیا، رشتہ طے ہونے سے پہلے ماہم نے مجھے فون کر کے سب کچھ بتا دیا تھا۔“

”تو تم نے ہمیں کیوں نہیں بتایا؟“ دکھ کے مارے ان کی آواز سہنے لگی۔

”اگر آپ کو معلوم ہو جاتا تو آپ اسے قبول کرتیں؟“ سجاد نے ان سے سوال کیا۔

”ہرگز نہیں..... کسی صورت بھی نہیں۔“  
”کیوں.....؟“

”تم نہیں جانتے کیا.....؟“ زاہد صاحب آگے بڑھے۔  
”میں سب جانتا ہوں اسی لیے تو کہہ رہا ہوں کہ اب آپ بھی اسے قبول کر لیں۔“

”یہ کیسے ممکن ہے؟ لوگ، کیا کہیں گے۔“ وہ

# ..... یہ کہاں بچیں کہ دل ہے

## رفتہ سراج

بنی اسرائیل کا سونے کا بچھڑا آج ڈالر، پونڈ، یورو، درہم و دینار کی شکل اختیار کر چکا ہے۔  
 دل جذبات کا استعارہ ہے مگر اب وہ دل کہاں ...  
 سونے کے بچھڑے میں دل بھی سونے کا ہے ...  
 دل کو روایا جاتا ہے، جگر کو بیٹھا جاتا ہے ...  
 کبھی ناقدروں کے حوالے کر دیا جاتا ہے، بار بار ٹوٹ جاتی ہیں۔  
 الزام تراشیوں کا ایک طوفان بد تمیزی برپا ہو جاتا ہے۔  
 دل سے دل کو راہ بھی ہوتی ہے ...  
 آج کا انسان یہ راہ سٹیلائٹ کے ذریعے search کرنے کی کوشش کرتا ہے۔  
 دل اور سونے کا بچھڑا ...  
 عبادات، معاملات ...  
 جنتِ کم گشتہ کے بے دخل باسیوں کی ازلی کہانی ...

رگ سنگ سے ٹپکتا وہ لہو کہ پھر نہ تھمتا  
 جسے غم سمجھ رہے ہو یہ اگر شرار ہوتا  
 غم اگرچہ جاں گسل ہے پہ کہاں بچیں کہ دل ہے  
 غم عشق گر نہ ہوتا، غم روزگار ہوتا  
 ہوئے مر کے ہم جو رسوا ہوئے کیوں نہ غرقِ دریا  
 نہ کبھی جنازہ اٹھتا نہ کہیں مزار ہوتا

### قطعے

”چرچل نے کہا کہ ہم سمندروں میں جنگ کریں گے، ہم اپنی بڑھتی ہوئی طاقت کے ساتھ فضا میں جنگ کریں گے، ہم ہر قیمت پر اپنے جزیرے کی حفاظت کریں گے۔ ہم کبھی اطاعت قبول نہیں کریں گے۔ آف، مائی ڈیئر سن..... چرچل کی تقریر سننے کے بعد پانچ ماہوں میں کتنے دنوں بعد گہری نیند سوئی۔ میں اس وقت صرف بارہ سال کی لڑکی تھی..... یہ 1940ء کی بات ہے رات کو جرمنی جب بم گراتا تو لگتا یہ ہماری اس دنیا میں آخری رات ہے مگر میری آخری رات کیسے ہو سکتی تھی..... مجھے تو ایک عظیم دکھ کے ساتھ ایک طویل زندگی ملنا تھی۔“ لیڈی صوفیہ یہ کہہ کر پھوٹ، پھوٹ کر رونے لگیں۔

پرنس نے رنگوں سے نئے رنگ تخلیق کرتے ہوئے ایک لمحے کے لیے اپنا ہاتھ روکا اور اپنی بوڑھی پردادی کی



طرف بڑی افسردہ نظروں سے دیکھا۔

”گرینڈ مام..... جب تک آپ ماضی کے دائرے میں گھومتی رہیں گی۔ یہ دکھ کبھی پرانا نہیں ہوگا..... لگتا ہے کیرو لین آپ کی میڈیسن کا خیال نہیں رکھتی۔ میں آج چیک کرتا ہوں۔“

”نشٹ اپ..... ہزار مرتبہ کہا ہے، اپنے دادا جیسی باتیں مت کیا کرو..... میری کم عمری میں شادی کبھی نہیں ہوتی اگر ہٹلر ہم پر جنگ مسلط نہ کرتا۔“

”گرینڈ مام اس نے خودکشی کی تھی اسے اچھی موت نہیں ملی۔ یہ بھی تو ایک گڈ نیوز تھی۔“ پرنس نے ایک گہری نگاہ لیڈی صوفیہ کے معنوم چہرے پر دوڑائی۔

”تمہارے دادا کی ڈیٹھ کے بعد میری لیے کوئی نیوز گڈ نہیں تھی۔ میں نے تمہیں بتایا تھا شاید تم بھول گئے ہو، میرا معصوم اور پیارا شوہر جنگ میں حصہ لینا نہیں چاہتا تھا۔ اس نے چپکے، چپکے ہریانہ جانے کا بندوبست کر لیا تھا۔ میرے سر نے اسے زبردستی بھیج دیا..... اس لیے کہ وہ وائسرائے کا ٹھینک فل تھا..... جس کی وجہ سے وہ لارڈ بنا تھا..... وہ ایک غریب آدمی تھا، اس کے پاس صرف گیارہ بکریاں تھیں۔“ لیڈی صوفیہ نے اپنے آنسو ٹھوپیر میں جذب کرتے ہوئے کہا۔

”میں کچھ نہیں بھولا..... مجھے سب یاد ہے سوٹ مام.....“ پرنس نے ہزاروں مرتبہ کی سنی باتوں میں دلچسپی لینے کے بجائے کیونوس پر رنگ بکھیرتے ہوئے کہا۔ لیڈی صوفیہ ساڑھی سنبھال کر اپنی جگہ سے اٹھ کھڑی ہوئیں اور چند قدم پر نصب دیوار گیر آئینے کے سامنے جا کھڑی ہوئیں۔ اس وقت وہ زرد و سیاہ پھولوں کے استخراج کی خوب صورت ساڑھی میں بلبوس تھیں۔ بال بال نکل روئی کے کالوں کی طرح سفید اور ماڈرن انداز میں ترشے ہوئے تھے۔ کانوں میں نیلم کے ٹاپس، گلے میں نازک سی چین میں پرویا ہوا نیلم کالا کٹ جو سائز کے لحاظ سے ٹیس قیراط سے کم کا دکھائی نہ دیتا تھا۔ ہونٹوں پر لائٹ پنک لپ اسٹک، آنکھوں کے گرد لائٹ لیکریس، آنکھوں کے اندر کا جل کی گہری تہ، مسکارا..... وہ اپنا جائزہ لے رہی تھیں۔ پرنس نے ہونٹوں سے سگار نکال کر ایش ٹرے میں راکھ جھاڑتے ہوئے اپنی پردادی کی طرف دیکھا اور مسکرا دیا۔

”آپ بہت شاندار نظر آ رہی ہیں۔“

”اوہ ٹھینک یو.....! میں یہی دیکھ رہی تھی کہ بہت سارا رونے کے بعد میری شکل کیسی لگ رہی ہے۔“ صوفیہ نے پوتے کی تعریف سے خوشی اور سکون محسوس کرتے ہوئے کہا۔

”تمہارے دوست اصنہان کی مدد رکھو مجھ سے کہہ رہی تھی کہ آپ پرنس کی شادی کیوں نہیں کرتیں؟“ اسی وقت لاؤنج میں فون کی گھنٹی کی آواز گونجنے لگی تھی۔ جسے سن کر لیڈی صوفیہ بری طرح چونک پڑیں۔

”آئی تھنک مجسٹریٹ کا فون ہے..... شاید چور نے اعتراف جرم کر لیا ہے۔“ وہ اب تیزی سے لاؤنج کی طرف بڑھ رہی تھیں۔

”چور.....؟“ پرنس نے بری طرح چونک کر پوچھا تھا۔

”ایک منٹ، میں ذرا کال ریسیو کر لوں۔“ وہ ستم پشتم باہر جاتے ہوئے کہہ رہی تھیں..... پرنس فکر مند ہو کر سگار ہونٹوں میں دبانا بھول گیا تھا۔

☆☆☆

زارا ٹائٹ گاؤں پہننے، بال بکھرائے منہ پر ہاتھ رکھ کر جمائیاں روکتی پکن کی طرف جارہی تھی۔ رات اچانک اس کے روم کے انٹرکام نے کام کرنا بند کر دیا تھا..... وہ چائے کے ایک کپ کی طلب میں بے اختیار کمرے سے نکل پڑی تھی۔



اسی وقت اس کی نظر ساحل پر پڑی جو دو تین فائلیں سینے سے لگائے لاؤنج میں داخل ہوا تھا۔ زارا نے حیران ہو کر وال کلاک پر نظر ڈالی دن کے گیارہ بج رہے تھے۔ ساحل کی نظر بھی زارا پر پڑ چکی تھی..... ایک لمحے کے لیے اس نے اپنے حلیے پر نگاہ کی۔

”السلام علیکم مس زارا..... ہاؤ آر یو.....؟“ اس کی طرف سے بڑا جوشیلا سا سلام آیا تھا۔  
”دھینکس، فائن..... کیا سلسلہ ہے آپ آفس کے بجائے گھر میں کیوں نظر آ رہے ہیں؟“ اس نے اپنی حیرت چھپاتے ہوئے بڑے عام سے انداز میں پوچھا۔

”میم نے طلب کیا..... حاضر ہو گیا..... ہم تو حکم کے غلام ہیں۔“ ساحل نے بڑی ادا سے اپنے سینے پر ہاتھ رکھ کر اور تھوڑا سر کو جھکا کر جواب دیا۔

”ہیں، اماں آج آفس نہیں گئیں..... میں تو رات بہت لیٹ سوئی تھی مجھے تو کچھ پتا ہی نہیں.....“ زارا ایک دم فکر مند نظر آنے لگی۔

”میم کی طبیعت ٹھیک نہیں، آج کی تمام شیڈول میٹنگز بھی کینسل ہو گئی ہیں۔“ ساحل نے فائلیں ٹیبل پر رکھتے ہوئے بتایا۔

”اوہ..... گاڈ..... اماں کی طبیعت ٹھیک نہیں..... اور مجھے پتا ہی نہیں.....“ وہ بکن میں جانے کے بجائے تاجور کے بیڈروم کی طرف دوڑ گئی۔

ساحل صوفے پر بیٹھ کر گھر پر طائرانہ نظر دوڑانے لگا..... ایسا پر شکوہ لاؤنج کہ لوگوں کو اپنے ڈرائنگ روم میں کیا ذخاں لگنے لگیں..... وہ کئی مرتبہ اس گھر میں آیا تھا مگر لاؤنج ہی سے اپنا کام پنپٹا کر واپس ہو گیا تھا..... تاجور نے آج تک اسے اپنا ڈرائنگ روم دکھانے یا وہاں بیٹھانے کی کوشش نہیں کی تھی مگر وہ لاؤنج کی آرائش سے ڈرائنگ روم کی سجاوٹ کا اندازہ لگا سکتا تھا۔ ہر شے سے امارت اور نفاست چلتی تھی۔

وہ جب اس گھر میں آتا تو اسے اپنی بیروزگاری کے دن یاد آجاتے جب وہ صبح انٹرویو کے لیے نکلنے سے پہلے اپنی جمع پونجی گنتا تھا۔ کرایہ نکالنے کے بعد اسے بہت دیر تک سوچنا ہوتا تھا کہ کھانے پینے پر یہ پیسے کتنے دن خرچ کیے جاسکتے ہیں۔ اگر اب بھی جاب نہ ملی تو انہی پیسوں میں سے کرایہ بھی نکالنا ہوگا۔ زندگی چند بوسیدہ ٹوٹوں کے گرد گھومتی دکھائی دیتی تھی اور یہاں دیوار کے ساتھ لگا تین فٹ اونچا گلدان ہی اپنی قیمت بتا رہا ہوتا.....

”اتنے پیسوں میں تو ایک بیروزگار مہینہ بھر دال یا سبزی، روٹی پیٹ بھر کر کھا سکتا ہے۔“ ابھی وہ یہی سوچ رہا تھا پھر اس نے ایک سرد آہ سینے سے آزاد کی اور اس طرف دیکھنے لگا جس طرف زارا دوڑتی چلی گئی تھی۔ ایک حسین و جمیل کنواری، دولت مند لڑکی جو ہمیشہ سے اس کا آئیڈل تھی۔

☆☆☆

”اماں آپ زینب سے کہہ کر مجھے اٹھا دیتیں..... آپ کو تو ٹھیک ٹھاک ٹمپر پچر ہے۔“ زارا نے تاجور کا ہاتھ تھام کر چومتے ہوئے بے قراری سے کہا۔

”میری جان، ٹمپر پچر ہی تو ہے، اتر جائے گا۔ کیوں اتنا پریشان ہو رہی ہو؟“ تاجور نے اس کی محبت کے بے ساختہ اظہار پر کمزور و خفیف لہجے میں مگر مسکراتے ہوئے کہا۔

”کیوں اتنا پریشان ہو رہی ہو؟ ذرا سا ٹمپر پچر ہی تو ہے۔ شاید گلے کے انفیکشن کی وجہ سے ہو گیا ہے۔ پچھلے دو دن میں بہت زیادہ کولڈ ڈرنکس پی لی۔ لیکن تمہیں بتایا کس نے کہ مجھے ٹمپر پچر ہے اور میں گھر میں ہوں۔“ بولتے بولتے چونک کر تاجور نے زارا کی طرف دیکھا تھا جو نائٹ گاؤن میں ملبوس تھی جس سے پتا چلتا تھا کہ وہ اپنے بیڈ روم سے بھاگتی ہوئی آرہی ہے۔

”آپ نے شاید ساحل کو گھر بلا پایا ہے، وہ لاؤنج میں بیٹھا ہے، میں کچن کی طرف جا رہی تھی تو اس پر نظر پڑی۔ اسی نے بتایا کہ آپ کی طبیعت ٹھیک نہیں ہے اور آج آپ آفس نہیں لگیں۔“ زارا نے بڑی پروا کی کے انداز میں جواب دیا۔

تاجور نے غائر نظروں سے زارا کے سراپے پر نظر دوڑائی اور بڑی سنجیدگی سے گویا ہوئیں۔

”تمہیں اس حلیے میں ساحل یا کسی بھی ایکس وائی زیڈ کے سامنے نہیں جانا چاہیے۔ تم تو باقاعدہ اس سے بات چیت کر کے آرہی ہو..... آئندہ خیال رکھنا۔“

”او کے اماں، بس میں اسے صبح، صبح گھر میں دیکھ کر حیران ہو گئی تھی۔“ زارا نے بڑے بے تکے پن سے وضاحت کرنے کی کوشش کی۔

”تمہاری صبح ہے، دنیا کا تو آدھا دن گزر چکا..... خیر تم فریش ہو کر ناشتا کرو، میں میڈیسن لے چکی ہوں۔ ساحل سے گھنٹا ڈیڑھ گھنٹا میٹنگ کر کے پھر شام تک ریسٹ کروں گی۔ ٹمپر پچر ڈاؤن ہو گیا تو ٹھیک ورنہ تمہیں ساتھ لے کر ڈاکٹر کو دکھانے چلی جاؤں گی۔“ تاجور نے اس کے فکر مند چہرے پر نظر ڈال کر اب بہت رسائیت و پیار بھرے لہجے میں کہا تھا۔

”کچن میں جا رہی ہو تو زینب سے کہنا، دو کپ چائے اور کچھ اسٹیکس لاؤنج میں لے آئے۔“ یہ کہہ کر وہ



☆☆☆

سفینہ اپنا ڈریس پریس کر رہی تھی۔ ماہین اور دوسری لڑکیاں بھی اپنے، اپنے کپڑے لیے کامن ایریا میں موجود تھیں۔

”سنو یہ اتنے مشکل کپڑے لائٹری سے پریس کروالیا کرو.....“ ماہین نے بڑی بیزاری سے سفینہ کی طرف دیکھو جو پورا زور لگا کر ٹکنیں مٹانے کی کوشش کر رہی تھی۔

”لائٹری چارجز بہت ہو گئے ہیں، اتنے پیسے بچا کر رات کو پزا ڈیل آرڈر کی جاسکتی ہے۔“ سفینہ نے برجستہ انداز میں جواب دیا۔

”اتنے بڑے بزنس مین کی بیٹی اس طرح سوچتی ہے پھر ہم تو بہت فضول خرچ ہیں۔“ ایک لڑکی جو جو نیروز میں سے تھی حیرت سے دیدے پھیلا کر بولی۔

”پیسہ ہونے کا مطلب یہ نہیں کہ پھینکا جائے..... کبھی کسی غریب کو دو سو کی خیرات دے کر دیکھو..... ایک کلو میٹر تک دے دیتا جاتا ہے۔“ سفینہ نے اسی طرح زور آزمائی کرتے ہوئے جواب دینے کی مہلت نکالی۔

”پتا نہیں تمہیں کہاں ملتے ہیں ایسے دے دینے والے غریب..... یہاں تو دو سو روپے لے کر کہتے ہیں کوئی گل نہیں..... فیر آجان گے..... انسان کو لوں ہر ویلے چلر تو نہیں ہوندا اے۔ (کوئی بات نہیں پھر آجائیں گے انسان کے پاس ہر وقت تو کھلے پیسے نہیں ہوتے)“ ایک اور اسٹوڈنٹ جو سفینہ اور ماہین کی کلاس فیلو تھی مزاحیہ انداز میں بولی تو کھڑی ہوئی اور لڑکیاں کھنکھلا کر ہنسیں۔

سفینہ شرٹ اٹھا کر غور سے جائزہ لینے لگی۔ ماہین جلدی سے آگے بڑھی اور اپنی شرٹ اسٹری اسٹینڈ پر پھیلا کر بولی۔

”تم شیخ زید جا کر Radiology میں اس کا ایکسرے کراؤ..... اتنی دیر میں ذرا میں اپنے کپڑے پریس کر لوں۔“

”یہ تم لوگ میرے سر پر سوار کیوں ہو گئی ہو۔ دوسری ٹیبل پر چلی جاؤ۔“ سفینہ ابھی مطمئن نہیں تھی اور ماہین نے قبضہ جمالیا تھا۔

”باقی دونوں آئرن خراب پڑی ہیں، ٹھیک سے گرم ہی نہیں ہو رہی۔ اور پھر تمہاری شرٹ اچھی خاصی پریس ہو گئی ہے، اب جان چوڑو اس کی۔“ ماہین نے بڑی تیزی سے آئرن پھیرتے ہوئے کہا۔

”شادی کے بعد میاں نے پینٹ پریس کرنے کے لیے دے دی تو اس دن دو وقت کا کھانا باہر ہی ہوگا..... پینٹ کی ڈبل کریز پر میاں، بیوی کی اکثر لڑائی ہو جاتی ہے۔“ ماہین نے شریر نظروں سے سفینہ کی طرف دیکھا جو برے، برے منہ بنا کر ماہین کو گھور رہی تھی۔

”بڑا ایکسپینس ہے بھی..... مگر تمہارا میاں تو آسٹریلیا میں رہتا ہے۔“ ایک اور اسٹوڈنٹ نے ماہین کو چھیڑا۔

”اوہ گاڈوہ ابھی صرف فیانسی ہے میرا..... ہز بینڈ ہوتا تو میں یہاں ڈریس پریس کر رہی ہوتی؟“ ماہین نے ہاتھ روک کر کہنے والی کو گھورا۔

”سن ہاتھ لے رہی ہوتی اور کیا.....“ ایک کلاس فیلو روز میری نے جلدی سے گرہ لگائی۔

”اتنی کالی کلوٹی اس سے برداشت نہیں ہوگی، ہم ایشین چار دن سن ہاتھ لے لیں تو ہماری اماں ہمیں پچھاننے سے انکار کر دیں۔“ ماہین نے شریر انداز میں کہا۔

”سفینہ جا کر چیخ کر لوٹاں..... پیر یڈ شروع ہونے میں آدھا گھنٹا بھی نہیں ہے۔“

”ابھی صبح سے پریس نہیں ہوئی۔“ سفینہ، ماہین کے حرکت کرتے ہاتھوں کو دیکھ کر اندازہ لگا رہی تھی۔ ایک اور استری اسٹینڈ پر اس سے زیادہ رش لگا ہوا تھا..... مجبوراً وہ ماہین کے ٹلنے کی منتظر تھی۔

☆☆☆

ساحل واپس جا چکا تھا۔ تاجور اپنے بیڈروم میں تھیں۔ چائے کے خالی کپس اور بیچے ہوئے اسٹیکس کی پلٹیں لاؤنج کی ٹیبل پر یونہی دھری تھیں۔ زارا ناشتا کرنے ڈائننگ کی طرف جا رہی تھی معاً اس کی نگاہ ٹیبل پر رکھے کچھ پیپرز پر پڑی..... یہ سوچ کر کہ تاجور بھول کر نہ چلی گئی ہوں آگے بڑھی اور پیپرز اٹھا کر دیکھنے لگی۔ دو پیپرز پر تو ڈرافٹ بنا کر کاٹ دیے گئے تھے۔ ایک پیپر پر ساحل کی شکستہ سی اردو رائٹنگ میں کچھ اشعار لکھے ہوئے تھے۔

تیرے آنے سے پہلے  
تیرے جانے کے بعد  
موتیا پہننے سے پہلے  
کا جل پھیلنے کے بعد  
سویرا پھوٹنے سے پہلے  
شام ہونے کے بعد  
مسکرانے سے پہلے  
سمندر رونے کے بعد  
بادباں کھلنے سے پہلے  
بھنور پڑنے کے بعد  
زندگی کے دو ہی راستے  
تجھ سے پہلے اور تیرے بعد

(امیر الدین ساحل)

زارا نے ایک مرتبہ نہیں کئی بار یہ اشعار پڑھے، سادہ سے، آسانی سے سمجھ آ جانے والے..... اس نے زور سے اپنی پیشانی پر ہاتھ مارا..... اور کاغذ پھاڑ کر ڈسٹ بن میں پھینکنے کا سوچنے لگی ابھی کاغذ کے دو ہی ٹکڑے کیے تھے کہ ایک دم رک گئی۔

”انتا فیشن ایبل لڑکا..... شاعر تو کہیں سے بھی نہیں لگتا..... پتا نہیں کس بیچارے کی شاعری پر ہاتھ صاف کر کے اپنا نام لگاتا ہے۔“ اس نے تینوں پیپرز تہہ کر کے فون سیٹ کے نیچے دبا دیے۔ ”اماں کہتی ہیں کہ اس کی انگلش بہت اچھی ہے، انگریزوں سے زیادہ اچھی..... ایسی روانی سے بولتا ہے جیسے پانی پی رہا ہو وہ بھی ایک سانس میں اور جناب شاعری اردو میں فرماتے ہیں..... میرا مطلب ہے چراتے ہیں۔“ وہ مذاق اڑانے والے انداز میں مسکراتی ہوئی اب ڈائننگ کی طرف جا رہی تھی۔ جہاں نوب اس کی تمام من پسند چیزیں قرینے سے سجا چکی تھی۔

☆☆☆

”کبھی کبھی تو تم مجھے محمود غزنوی کے پہلے حملے سے بھی پہلے کی کوئی بھکی ہوئی آتما لگتی ہو۔“ ماہین اپنے بیڈ پر اوندھی لیٹی ہوئی تھی اور دونوں ہاتھ لٹکے ہوئے تھے جیسے زمین پر پڑی کوئی چیز اٹھانے کی کوشش کر رہی ہو۔ ٹھوڑی بکے پرنگی ہوئی تھی۔ آنکھیں سفینہ پرنگی ہوئی تھیں جو کافی دیر سے کھڑکی سے باہر جھانک رہی تھی۔

ماہنامہ پاکیزہ ﴿ 104 ﴾ ستمبر 2016ء

”ہیلینو ج پلیز..... میں مسلمان ہوں..... تم بھنگی ہوئی روح بھی کہہ سکتی تھیں..... اگر اتنی ہی مجبوری تھی۔“  
سفینہ نے کھڑکی سے ہٹتے ہوئے جواب دیا اور قریب آ کر ماہین کے بال بکھیر دیے۔

”اور دیکھا کرو..... انڈین موویز..... کچھ دنوں میں انکل کو پتہ چلی اور آئی کو ماتا جی کہنا شروع کر دو گی۔ ویسے ہندی میں فیائی کو کیا کہتے ہیں.....؟ اب دیکھو ناں فی الحال فہد کو پتی تو نہیں کہہ سکتی ناں۔“

”ارے ہاں..... پ سے مجھے ایک دم پرنس یاد آ گیا..... لگتا ہے تم اس وقت اسی کو یاد کر رہی تھیں.....“ ماہین نے بہت وثوق سے کہا..... ”کیونکہ جب سے میری اور تمہاری دوستی شروع ہوئی ہے، تم نے کبھی کسی کو اتنی دیر ڈکس نہیں کیا.....“ ماہین ایک دم سیدھی ہوئی اور پھر اٹھ بیٹھی۔

”وہ بہت امیزنگ ہے، اسے تو بہت سے لوگ ڈکس کرتے ہوں گے..... میں نے ایسا کچھ خاص نہیں کہا کہ تم ہاتھ دھو کر میرے پیچھے پڑ جاؤ.....“ سفینہ، ماہین کے بیڈ پر اس کے قریب بیٹھتے ہوئے بولی۔ ہونٹوں پر وہی، دہلی سی مسکراہٹ تھی۔

”یار کچھ کریں۔“ ماہین نے تکیہ اٹھا کر گود میں رکھ لیا اور کہنیاں نکا کر کر، مگر سفینہ کی طرف دیکھنے لگی۔ سفینہ نے بے اختیار نظر چرائی تھی اور یہ لمحہ ماہین کی گرفت سے باہر نہ جاسکا..... اس نے سفینہ کا ہاتھ پکڑ کر اپنے کال سے لگایا۔

”تم بہت سیدھی سادی سی ہو سفینہ..... جو سوچتی ہو تمہارے چہرے پر آ جاتا ہے۔“ ماہین کے انداز میں اپنائیت و محبت کا واضح تاثر تھا۔  
سفینہ نے چونک کر اس کی طرف دیکھا۔

”سیدھی سادی ہونے کا مطلب یہ نہیں کہ اسٹوڈنٹ بھی ہوں..... تمہیں یونہی ”مسکے“ لگانے کی عادت ہو گئی ہے۔ میں اولیوں کی ٹین اٹیج اسٹوڈنٹ نہیں ہوں۔“

”کچھ بھی کہو، تم نے اسے نوٹس کیا ہے، تم امپریسڈ ہو اس سے۔ اس کے بارے میں سوچتی ہو..... میں نکا لگاتی ہوں تو تم ڈیٹ کے لیے تیار ہو جاتی ہو۔“ ماہین اچھی طرح جانتی تھی کہ سفینہ کی زندگی میں آج تک کوئی ایسا شخص داخل نہیں ہوا..... جس نے اس کے دل کے تاروں کو جھینڈنے کی کوشش کی ہو یا سفینہ کو اچھا لگا ہو..... لیکن اس نے ماہین سے پرنس کے ٹاپک پر کئی مرتبہ خود سے بات کی تو یہ سب کچھ ماہین کے لیے بہت چونکا دینے والا تھا۔

”مجھ سے کیا چھپانا..... سچی، سچی بتاؤ، کیا تم اس کو سوچتی نہیں ہو..... تمہاری لگ بہت چیخ ہو گئی ہے..... تم ہر وقت مسکراتی نظر آتی ہو..... تم اتنا سارا سچی نہیں مسکرائیں، ہے ناں..... مجھے یہ دیکھ کر بہت اچھا لگ رہا ہے اور ہاں۔“

”ماہین for God sake!“ سفینہ نے اسے جملہ پورا نہیں کرنے دیا..... درمیان میں ٹوک دیا۔ ”آخر تم نے مجھے سمجھا کیا ہے۔ میں چھوٹی سی سچی ہوں.....؟ جو پریوں کی کہانیاں سن کر خود کو بھی پری تصور کرنے لگتی ہے۔ ہاں میں نے اس کا نوٹس ضرور کیا..... پتا ہے کس وجہ سے؟“ اب اس نے ماہین کا ہاتھ اپنے ہاتھ میں لے کر ذرا ساد بایا..... دوستی کی گرم جوشی اور مضبوطی کا یقین دلانے کی لاشعوری کوشش کے سوا اور کچھ نہ تھا۔

”یہ بھی کوئی بتانے والی بات ہے..... well off ہے manly look ہے۔ بہت اینڈ سم..... اسمیننگ.....“  
”یہ بات نہیں..... ان میں سے ایک بھی وہ وجہ نہیں جو میں بتا سکتی ہوں۔“ سفینہ نے بڑے برجستہ انداز میں کہہ کر پھر مداخلت کی، ماہین کا جملہ ادھورا رہ گیا۔

”ہائے، سچی..... اب تو جلدی سے بتا دو..... اتنا تجسس میری برداشت سے باہر ہے۔“ ماہین نے اٹھ کر

سفینہ کو اپنے بازو کے شکنجے میں جکڑ کر جیسے تڑپ کر کہا۔

”تم نے اس شور و غل میں چند منٹوں کی ملاقات میں شاید یہ بات نوٹ نہیں کی، اس کی آنکھوں میں ایک خاص چمک ہے، معصومیت ہے، مکاری نہیں..... اس چہرے سے کچھ اونچے مرد کی آنکھوں میں بالکل بچوں جیسی معصومیت ہے۔ وہ اندر سے بہت خوش ہے۔ زندگی کا ایک، ایک پل انجوائے کر رہا ہے۔“ سفینہ اپنے مشاہدات سنجیدگی سے شیئر کر رہی تھی۔ ماہین کا منہ حیرت سے کھلے کا کھلا رہ گیا تھا۔

☆☆☆

پرنس سورج کی پہلی آہٹ سے پہلے نماز اور مراقبہ کر کے فارغ ہو چکا تھا۔ بہت ہی نفیس چٹا سفید تہہ بند، اتنے قیمتی ریشے سے تیار کردہ جیسے اس نے اصلی ریشم لپیٹا ہوا ہوا یا جھاگ میں بٹھ گیا ہو۔ صحت مند بازوؤں کی مچھلیاں پھڑک رہی تھیں۔ ہونٹوں پر گھنی مونچھوں کے سائے تھے جو ہمیشہ سنوری ہوتی تھیں۔ آنکھوں میں سورج کی پہلی کرن کو عاشقانہ سلام کرنے کا وہ تاثر تھا کہ جو دیکھے، جینے کی ترنما میں اور سب کچھ بھول جائے..... یا مر ہی جائے۔

دیکھا گیا ہے مصور یا فنون لطیفہ سے تعلق رکھنے والوں کی زندگی میں بڑی بے ترتیبی ہوتی ہے۔ بے خواب آنکھیں، منتشر زلفیں یا کاکلیں..... بے ربط زندگی کی ترجمانی کر رہی ہوتی ہیں۔ مگر پرنس کی اعلیٰ درجے کی جمال پرستی خود اس کی اپنی ذات سے پوری قوت کے ساتھ مظاہرہ کرنے کی تڑپ رکھتی تھی۔ وہ برش چلاتے، چلاتے اچانک برش رکھ کر سیلون چلا جاتا..... چلتی دیر سیلون میں ہمیر کنگ یا مونچھوں کی تراش خراش کا عمل جاری رہتا۔ اتنی دیر میں اس پر انوکھے اور الوہی رنگ اتر کر اس کی روح کو شاد کر دیتے..... اس کا اپنا سیلون تھا۔ وہاں کے سارے ملازمین صرف پرنس شہسپہر علی خان زادہ کو سروس مہیا کرتے تھے۔ کبھی خیال کسی گروہ میں الجھتا تو وہ دیر تک مسواک کرتا رہتا۔ یہاں تک کہ گروہ چل جاتی..... اور وہ برش اٹھا کر حقیقی عمل آگے بڑھاتا۔ اس کے اسٹوڈیو میں چہار سو قد آدم اعلیٰ کوالٹی کے آئینے نصب تھے جو اسے خود سے بے نیاز ہونے ہی نہیں دیتے تھے۔

لیڈی صوفیہ خان زادہ اپنے بیڈروم کی بالکنی میں بیٹھی تسبیح پڑھتے ہوئے اپنے پیارے بلکہ عزیز از جان... پڑپوتے کو پیار بھری نظروں سے دیکھ رہی تھیں۔ غار ہو رہی تھیں۔

”ہم ہمیشہ سے انٹرنیشنل کیونزوم کے خلاف ہونے والے معاہدات کو فیور کرتے رہے ہیں۔ دل مان کر ہی نہیں دیتا..... کہ خدا کے بغیر اس عظیم الشان کائنات کا تصور بھی بھلا کیا جاسکتا ہے۔ میں اس دل سے اپنے شوہر کی اس یاد کو نکال کر پھینک دینے میں کامیاب نہیں ہو سکی۔ اُف وہ..... رات دو بجے..... یونیفارم میں کتنا شاندار دکھائی دے رہا تھا۔ مگر وہ یونیفارم تو اس کا کفن تھا..... ہماری آخری ملاقات تھی.....“ لیڈی صوفیہ اب بلک، بلک کر رہی تھیں۔

”آخر کار..... تاج برطانیہ کو جنگ میں کودنا پڑا..... اور ایشین.....؟ غازی نہ شہید..... میں اپنے سر کو معاف کر ہی نہیں سکتی..... اور ایف ڈی روز ویلٹ کو بھی نہیں.....“ تسبیح کے دانے گر رہے تھے..... آنسو بہ رہے تھے۔

”روز ویلٹ کی وجہ سے جنگ طویل ہوئی..... جاپان کی ضد کی وجہ سے آج دنیا ایٹم بم سے بھر گئی ہے..... جنگ رک جاتی تو وہ گھر آ جاتا.....“ لیڈی صوفیہ زار و قطار رو رہی تھیں۔ پرنس اپنے بیڈروم میں جا چکا تھا۔ ساؤتھ افریقہ کی وفادار کیرو لین اپنے ہیلپرز کے ساتھ ناشتے کی میز آراستہ کرنے میں مصروف ہو چکی تھی۔ دو بندوں کو پانچ نوکرناشتا کرنے میں مدد دیتے تھے۔

☆☆☆

لگا تارتین چھٹیاں آگئیں..... سفینہ، ماہین تو جیسے رسی تڑا کر گھر کی طرف بھاگیں۔ بقول شخصے ہاتھی نکل گیا تھا دم رہ گئی تھی..... جوں، جوں قائل قریب آ رہا تھا دونوں کو وقت گزارنا مشکل ہو رہا تھا۔ یہ صورت حال سب کے ساتھ نہیں تھی۔ دوسرے اسٹوڈنٹس کی تو اور دیگر ایکٹوٹیز بھی تھیں ان ڈور بھی اور آؤٹ ڈور بھی مگر سفینہ اور ماہین کے ساتھ معاملہ بالکل برعکس تھا..... دونوں کو گھر جانے کا بہانہ ملتا تو کبھی ہاتھ سے جانے نہ دیتی تھیں۔

ماہین بہت تملون مزاج تھی..... بور بھی جلدی ہوتی تھی... موڈ میں بھی تغیرات جلدی، جلدی آتے رہتے تھے..... پل میں خوش، پل میں اداس، رونے اور حیران ہونے کے لیے تو بس اشارے کی منتظر رہتی۔

سفینہ، ماہین کی بے ساختگی اور بناوٹ سے پاک طرز زندگی کی وجہ سے اس کی طرف متوجہ ہوئی تھی..... فطرت شناس و فنکارانہ مزاج پر ہر خالص شے اثر انداز ہوتی ہے۔ سچائی اس کائنات کا کمال آرٹ ہے اور خالص پن تمام رنگوں کی تخلیق کا مرکز..... وہ باطنی طور پر وقت سے بہت پہلے میچور یا شاید با شعور ہو چکی تھی..... اشیا کی حقیقت میں اترا اس کے لیے کوئی مشکل کام نہیں رہا تھا۔

ماہین اس کی ہم عمر تھی بلکہ اس کی برتھ ڈے سفینہ کی برتھ ڈے سے دو ماہ پہلے ہوتی تھی۔ وہ اپنے کزن سے انکیڈ ہو چکی تھی اور بہت خوش تھی..... اسے سفینہ کی احتیاط، وقار اور نپلی ملی بات کرنے کا انداز اپنی طرف کھینچتا چلا گیا..... دو متضاد فطرت کی حامل دوستیں ایک دوسرے کے ساتھ بہت خوش تھیں..... حالانکہ دوستی میں ایک اصول یا کلیہ وضع کر لیا گیا ہے اور وہ ہے، ہم مزاج و ہم مذاق ہونا..... جبکہ حقیقت یہ ہے کہ تضاد سے کشش کا قانون وضع ہوتا ہے۔

ماہین، سفینہ کے ساتھ خود کو بہت کم فرٹ اسمبل ٹیل کرتی اور برملا کہتی کہ تمہارے ہوتے ہوئے مجھے بڑی حماقتوں کا خطرہ نہیں ہوتا..... کیونکہ تم مجھے بہت اچھی طرح سنبھالتی ہو۔ سفینہ صحیح کرتی تھی کہ بڑی حماقتیں نہیں..... مزید حماقتیں.....

”کراچی جانے والی پرواز 306 pk ایک گھنٹے کی تاخیر سے روانہ ہوگی۔ مسافروں سے درخواست ہے۔“  
ماہین اپنا سیل چارج کرنے کے لیے آگے بڑھ رہی تھی۔ سر پر زور سے ہاتھ مار کر دوبارہ سفینہ کے برابر میں ڈھے گئی۔

”یار کیا مصیبت ہے، کیسے گزرے گا یہ ایک گھنٹا..... وہ جو سامنے واسکوڈی گا ما کا ”remake“ بیٹھا ہے مجھے دانٹوں کے بجائے آنکھوں سے کھار ہا ہے۔“ سفینہ نے ماہین کی نگاہوں کا تعاقب کیا..... وہ تو کوئی فارز تھا۔ غار سے نکل کر سیدھا علامہ اقبال انٹرنیشنل ائر پورٹ کے لاؤنج میں چلا آیا تھا۔ بڑی بد وضع تراش کا گاؤن جو اس کے تانبے جیسی رنگت کے ساتھ غضب ڈھا رہا تھا۔ کچھ جیسی شرتی گول، گول آنکھیں پاکستانیوں کی حالت زار پر حیرت سے ابلی پڑتی تھیں۔ ماہین کو مغالطہ تھا کہ شاید اسے ”ٹارگٹ“ کیا جا رہا ہے۔ حالانکہ وہ بیچارہ تو سب کو ایک آنکھ سے دیکھ رہا تھا۔ فلائٹس لیٹ ہونے کی وجہ سے لاؤنج بھی کچھ کھچ بھرا ہوا تھا۔ آپشن ہی نہیں تھا کہ اس سیٹ سے اٹھ کر اس سیٹ پر جا بیٹھیں۔

”ظاہر ہے کچھ بھی نہیں ہو سکتا ہے جو سر پر پڑی ہے وہ برداشت کرنا ہوگی۔“ سفینہ نے اپنی کوفت کا وزن ہلکا کرنے کی کوشش کی۔

”آف خدایا..... اس زمانے میں تو دادی، نانیز (نانیاں) بھی ایسی اردو نہیں بولتیں وہ بھی اتنے مشکل اور برے وقت میں۔“ ماہین بوریٹ کا اظہار کرتی بالآخر سیل چارج کرنے کے لیے بورڈ کی طرف چلی گئی۔

اور اسی وقت سفینہ بری طرح چونکی..... پہلے تو اسے اپنی آنکھوں پر یقین ہی نہیں آیا مگر آخر کار اسے یقین کرنا پڑا..... اس کے سامنے پرنس شہپر خانزادہ اپنے سیکرٹری کے ساتھ جلوہ آ رہا تھا..... وہی ہوش ربا شان استغنا ہونٹوں

پر مہر اخلاق و دوستانہ سی مسکراہٹ جو واضح نہیں ہوتی تھی۔ بس آنکھوں سے جھلکتی تھی..... یوں گویا خالق خدا کے درمیان نہ ہو کسی جھرنے یا آبشار کے پاس بیٹھا ہو اور ایک حسین خیال کے پرند کے پر باندھ رہا ہو..... جسے کینوس پر بکھیرتے ہوئے سرمستی و سرور کی اس منزل کو چھوٹا تھا..... جو ہر تخلیق کی تکمیل کے بعد شریہ بچے کی طرح انگلی چھڑا کر بھاگ جاتی تھی..... کسی اور نئی تخلیق کی گرمی شوق و جستجو دے کر.....

وہ تو ایک ادھیڑ بن میں لگ گئی کہ اسے اٹھ کر ہیلو ہائے کرنا چاہیے یا نہیں..... یا انور کرنا زیادہ مناسب ہے..... اپنی حد تک تو وہ ان خود ساختہ پابندیوں کو خود پر لاگو کر سکتی تھی مگر ماہین کی گارنٹی نہیں دی جاسکتی تھی۔ وہ تو پرنس کو دیکھ کر اتنی خوش اخلاق ہو سکتی تھی کہ آدمی پی ہوئی کو لڈ ڈرنک بھی بڑی خوش اخلاقی سے پرنس کو پیش کر سکتی تھی..... جذبات میں آ کر..... اپنے نطعی فطری بے ساختہ انداز میں.....

ابھی تک ماہین کی نظر پرنس پر نہیں پڑی تھی..... پرنس آگے بڑھتے، بڑھتے رک گیا تھا۔ ماہین سیل فون میں پلک لگا کر واپس سفینہ کی طرف پلٹی تھی کہ پرنس کی نظر اس پر پڑ گئی۔ وہ جہاں تھا اس نے وہیں سے ماہین کو ہاتھ اٹھا کر دیکھا۔

ماہین کی آنکھوں میں حیرت و خوشی کی ملی جلی کیفیت تھی..... وہ سفینہ کو اشارہ کرتے ہوئے پرنس سے کہہ رہی تھی "how are you Mr painter?"

"oh good god you can say, son of Mr Adam" پرنس نے براہ راست ماہین کی آنکھوں میں جھانک کر بڑی شگفتگی سے کہا تھا۔ پھر مزید وضاحت کے ضمن میں گویا ہوا۔

"my name is so beautiful, kindly call me by my name" "اوہ..... شاید میں نے آپ کو پینٹر کہا تو آپ نے ماسٹڈ کیا..... سو، سوری....." ایک لمحے کے لیے ماہین اپنا اعتماد کھو بیٹھی۔

"not at all" میں نے بالکل بھی ماسٹڈ نہیں کیا..... "but I love my name" پرنس نے بڑی متانت کے ساتھ جواب دیا تھا۔

سفینہ بھی اپنی جگہ سے اٹھ کر کشاں، کشاں چلی آئی تھی، حیرت و خوشی کے تاثرات چہرے پر واضح تھے۔ "السلام علیکم....." اس نے قریب آ کر سلام کیا تو پرنس نے گردن موڑ کر اس کی طرف دیکھا۔ "وعلیکم السلام..... کیسی ہیں آپ.....؟ مس سفینہ..... میں آپ کا نام ٹھیک لے رہا ہوں نا.....؟" "اوہ ٹھیکس، آپ نے میرا نام یاد رکھا..... مجھے واقعی بہت خوشی ہوئی۔" سفینہ نے اپنی حیرت کو چھپانے کی کوشش کرتے ہوئے بڑی بے ساختگی سے کہا۔

"بہت خوب صورت نام ہے آپ کا..... اس نام کے ساتھ خیالات کا دریا بہنے لگتا ہے۔ جی چاہتا ہے برش اٹھا کر رنگوں سے کھیلیں....." پرنس نے بڑے اعتماد مگر پُر وقار انداز میں بھر پور نظر سفینہ کے چہرے پر دوڑائی اور اپنے سیکرٹری کی طرف ہاتھ بڑھایا۔ جس نے ایک سیکنڈ میں سفید براق رومال پرنس کو تھما دیا۔ پرنس نے بڑے اسٹائل سے اپنا چہرہ صاف کیا اور رومال واپس سیکرٹری کو دے دیا جس نے بڑی پھرتی سے رومال یوں سنبھالا جیسے تمبرک وصول کر رہا ہو۔

"چلیے..... بیٹھ کر بات کرتے ہیں..... میری فلائٹ میں ابھی ٹائم ہے۔" پرنس نے باری، باری دونوں کی طرف دیکھنے کے بعد نشست کی تلاش میں نظر دوڑائی۔

"ہماری فلائٹ میں تو بہت ہی ٹائم ہے، ول چاہو رہا ہے واپس باشل چلے جائیں۔" ماہین نے منہ بنا کر کہا

اور اس طرف چل پڑی جہاں سے اٹھ کر آئی تھی۔ سفینہ نے ہاتھ کے اشارے سے پرنس کو خالی نشست کی طرف متوجہ کیا۔

”جلدی سے بیٹھ جائیں بس یہی دو سیٹس خالی نظر آرہی ہیں۔ لگتا ہے آدھا شہراڑنے کے لیے تیار ہے..... آج تو بہت رش ہے۔“ اس نے نہ چاہتے ہوئے بھی پرنس کی طرف دیکھا۔

”اپنا جی بھی یہی تو چاہتا ہے کہ اڑان بھریں اور جانم بر جا کر رہیں..... یہ بھی کوئی رہنے کی جگہ ہے۔“ خوش قامت و خوش ادا پرنس نے پہلو میں چلتی سفینہ کی طرف دیکھ کر مسکرا کر کہا..... جو ماہین کی طرف دیکھ رہی تھی۔ پرنس کے لہجے میں کسی چھپی ہوئی قیامت کی آہٹیں تھیں..... سفینہ کا دل بڑے زور سے دھڑکا..... یہ آواز دلچسپ قطعاً ناقابل فراموش تھا کسی بھی دوشیزہ کے اعصابی نظام میں مدوجزر پیدا کرنے کے لیے بہت موثر تھا..... دوشیزگی کے اپنے تقاضے ہوتے ہیں..... اس موسم میں لہجے نرم ہوا کی طرح دل کی سر زمین پر اترتے ہیں۔ پرنس نے بڑے مہذبانہ انداز میں سفینہ کو پہلے بیٹھنے کے لیے کہا جو دوشیزگی کی پیشانی پر چمکتے ہوئے سینے کے قطرے دل کے دامن سے پونچھ رہی تھی۔

وہ جلدی سے بیٹھ گئی..... اب منظر یوں تھا کہ وہ ماہین کے پہلو میں بیٹھ گئی تھی اور پرنس اس کے پہلو میں..... پرنس کا سیکرٹری پرنس کے برابر میں بیٹھ چکا تھا۔

”آپ لاہور کب آئے تھے؟ کوئی ایگزیکشن تھی غالباً؟“ ماہین نے سفینہ کی دیوار کو پھلانگ کر پرنس کی طرف جھانکنے کی کوشش کرتے ہوئے سوال کیا۔

”ایگزیکشن تو کولبو میں تھی۔ کولبو سے لاہور آئے یہاں ایک ڈاکو میٹری کے سلسلے میں میٹنگ تھی..... اب آپ کے ساتھ خوشگوار سفر کرتے ہوئے واپس کراچی.....“

”یہ سفر تو جلس ہمارے وجہ سے خوشگوار ہو گیا..... کولبو جاتے ہوئے تو آپ کو بہت بوریٹ ہوئی ہوگی۔“ ماہین کھلکھلا کر پرنس پڑی۔ سفینہ طرح دے کر دوسری طرف دیکھنے لگی۔

”ارے وہ تو سب عشق کی طرح اذیت ناک ہو گیا تھا۔ کراچی سے ڈائریکٹ فلائٹ ہی نہیں ملی تھی۔ اسلام آباد سے فلائٹ لی تھی۔“ پرنس کا انداز بھی ماہین ہی کی طرح برجستہ و بے ساختہ تھا..... اسے سفینہ پن کی طرف چہرہ رہی تھی..... وہ پرنس کی طرف اس طرح متوجہ نہیں تھی جس طرح کہ ہونا چاہیے تھا۔ جس کا وہ عادی تھا۔

”اوہ سوری..... میں نے آپ سے تو پوچھا ہی نہیں..... اسموکنگ سے آپ اری ٹیٹ تو نہیں ہوتیں.....؟“

”اگر آپ نہ کریں تو اچھا ہی ہے..... ویسے بھی تو اسموکنگ کا پورڈ سامنے ہی ہے۔“ سفینہ تکلف میں پھنس گئی مگر ماہین نے بڑی صاف گوئی سے کہہ دیا تھا۔ سفینہ، ماہین کی بے ساختگی پر شرمندہ سی ہو گئی۔

”نہیں، نہیں..... آپ اپنا شوق ضرور پورا کریں..... ہم کہیں اور بیٹھ جاتے ہیں.....“ تاجور کی مہذب بیٹی وقت و حالات سے زیادہ اخلاقیات کو اہمیت دیتی تھی..... اور کسی کی خوشی کے لیے بہت کچھ برداشت کرنے کا پیدا اسی جذبہ بھی رکھتی تھی۔

ماہین نے زور سے اس کا پاؤں اپنے پاؤں سے دبا دیا تھا..... وہ واقعی اسموکنگ سخت ناپسند کرتی تھی۔

”کمال ہی کر دیا آپ نے..... اتنی آسانی سے کرسی چھوڑنے پر رضامند ہو گئیں، یہ تو اس سر زمین کی ریت ہی نہیں۔“ پرنس نے شگفتگی سے کہتے ہوئے سگار واپس اپنے سیکرٹری کو تھما دیا۔

ویسے بھی اب لاؤنج ہو یا فلائٹ سختی سے اسموکنگ کی ممانعت ہوتی ہے مگر کچھ خود سر پیتے بھی دکھائی دیتے ہیں اور دوسرے مسافر تک بھی ہوتے نظر آتے ہیں۔

”تھینک یو.....“ ماہین نے خوش ہو کر شکر یہ ادا کیا۔

"my pleasure" پرنس نے بھی بڑی تہذیب سے جواب دیا تھا۔  
 "if you don't mind" ایک سوال کروں آپ سے..... ایک سیکنڈ کے لیے مجھے پریس رپورٹر سمجھ کر  
 برداشت کر لیجیے..... "ماہین کو عجیب سی گدگدی ہوئی اور زبان پھر پھڑکنے لگی۔  
 "oh sure" پرنس نے ماہین کو سوال پوچھنے کا حوصلہ دیا۔ مگر ساتھ ہی کہہ دیا۔  
 "you are so smart and good companion at times, don't call  
 your self reporter" پرنس کے انداز میں اب تجسس تھا۔

"very kind of you ... listen my innocent question"  
 "جی کہیے؟"

"آپ کھانا تو اپنے ہاتھ سے ہی کھاتے ہیں ناں.....؟" ماہین نے شکر یہ ادا کیا اور پھر بڑی سادگی سے سوال  
 پوچھ بیٹھی۔ سفینہ تو ماہین کا سوال سن کر شرمندہ سے زیادہ حواس باختہ نظر آنے لگی۔  
 پرنس بے ساختگی سے مسکرا دیا تھا..... سفینہ نے آنکھ بچا کر ماہین کا ہاتھ زور سے دبا دیا..... مگر وہ بھی بہت  
 ڈھیٹ بنی بیٹھی تھی۔

"آپ نے اس روز پارٹی میں مجھے کھانا کھاتے ہوئے دیکھا تھا..... میری گرینڈ مام میرے ساتھ  
 نہیں تھیں..... وہ مجھ سے اتنا پیار کرتی ہیں کہ اپنے ہاتھ سے مجھے کھانا کھلا سکتی ہیں..... مگر اس کے باوجود کھانا میں  
 اپنے ہاتھ سے ہی کھاتا ہوں۔" سفینہ جو بڑی شرمندہ، شرمندہ سی سر جھکائے بیٹھی تھی۔ گرینڈ مام کے نام پر ایک دم  
 چونک پڑی..... مام کے بجائے گرینڈ مام کا ذکر ہو رہا تھا..... پرنس نے ماہین کے بے تکے سوال کا جواب بڑی آن  
 بان اور ظرافت کی آمیزش کے ساتھ دیا تھا۔ دوسری ملاقات میں ایسا سوال جس میں تسخر کا احتمال ہو سفینہ کے  
 نزدیک تو بہت آکورڈی بات تھی۔

مگر پرنس نے گرینڈ مام کا ذکر جس چاہت سے کیا تھا اس نے سفینہ اور ماہین دونوں کو مزید تجسس کر دیا تھا۔  
 "آپ کے پیرنٹس.....؟" سوال اب بھی ماہین کی طرف سے ہی آیا تھا..... مگر پرنس نے فوراً ہی مداخلت کر  
 کے سوال ادھورارہنے دیا۔

"پیرنٹس نہیں ہیں؟" اس کے جواب پر سفینہ نے لاشعوری انداز میں پرنس کی طرف دیکھا۔  
 "اوہ سو سوری..... اس لیے آپ گرینڈ مام کا نام لے رہے تھے۔ ہوں..... ظاہر ہے اب تو وہی آپ کی سب  
 کچھ ہیں۔" ماہین نے بڑے دانشورانہ انداز میں کہا۔

"آپ انٹرویو کر رہی ہیں تو ایک بات کلیئر کر دیتا ہوں..... گرینڈ مام دراصل میرے فادر کی گرینڈ مام ہیں.....  
 سیکنڈ ورلڈ وار کی آئی وٹنس....." پرنس سامنے لگے ایل بی ڈی پرنٹوز کے ٹکڑے پڑھتے ہوئے بہت دل آویز انداز  
 میں مسکرا رہا تھا۔ ماہین اور سفینہ کی حالت غیر ہونے لگی..... اتنی حیرانی سمیٹنا مذاق تو نہیں ہوتا..... پرواز pk  
 308 پشاور جانے کے لیے تیار تھی۔ اردو وانگریزی میں اناؤنسمنٹ ہو رہی تھی۔ انتظار میں اونگھتے جھومتے مسافر  
 جلدی، جلدی ہینڈ کیری اٹھا کر بورڈنگ کارڈ اور CNIC سنبھالتے ایک طرف جاتے ہوئے دکھائی  
 دیے..... عجیب سی ہلچل ماحول میں برپا ہو گئی تھی۔

"واؤ" سفینہ اور ماہین کے لیے یہ ایک اور دلچسپ خبر تھی۔ سیکنڈ ورلڈ وار میں ایٹم بم کا استعمال پہلی بار ہوا  
 تھا..... یہ تو ہر پڑھا لکھا انسان جانتا تھا۔ اس حوالے سے سیکنڈ ورلڈ وار ذہن سے محو ہو ہی نہیں سکتی۔  
 "اوہ..... پھر تو آپ کو انہوں نے بہت کچھ بتایا ہوگا۔ اور آپ....."



## یہ کہاں بچیں کہ دل ہے

”روز بتاتی ہیں.....“ پرنس نے ماہین کی بات بہت شائستگی سے قطع کی تھی۔ شاید وہ اتنا میچور تھا کہ اصراف کے ضمن میں استعمال ہونے الفاظ بھی اس کی طبع نازک پر بارگزر تے تھے۔

سفینہ کی کم گوئی اور متانت کی وجہ سے پرنس نے اس کا خصوصی نوٹس لیا تھا ورنہ اس اتج گروپ کی لڑکیوں کو اس نے فیشن، مووی، ٹورز کی باتوں میں الجھا ہوا ہی دیکھا تھا..... یا پھر حیرت کا اظہار کرنے کا بے پایاں شوق آنکھوں میں پایا تھا۔ وہ پودا کہ جس کی پرداخت لیڈی صوفیہ کے ہاتھوں نے کی تھی ایک گھنے سرسبز تناور درخت کی شکل اختیار کر چکا تھا..... وہ ہنر جو اس کے خمیر کی نمی تھا..... گہرے اور مسلسل مراقبے کی مشق نے اسے ایسی جلا بخشی تھی کہ ہر خیال مضبوط، مستحکم، نمایاں اور مرتب ہوتا تھا..... ابہام اور توہمات سے پاک زندگی جو اسے پھول کی طرح ہلکی لگتی تھی..... دور تک پیار، ہر شے کا تعلق کائنات کے کسی نہ کسی رنگ سے جوڑنے کے بعد وہ محسوس کرتا تھا کہ خاموشی میں سب کچھ ہوتا ہے۔ الفاظ کا پہناوا خیال کو خالص نہیں رہنے دیتا..... کیونکہ ہر خیال کو لفظ میں نہیں پرویا جاسکتا..... نہ ہر خیال کسی مخصوص رنگ کے ذریعے آشکار ہونے کی گنجائش رکھتا ہے۔ دیکھا جائے تو لفظ شکوک ابھارتے ہیں، گمان پیدا کرتے ہیں۔ دل آزاری کا سامان کرتے ہیں..... جنگ کی بنیاد بنتے ہیں، وضاحتوں کا شور اٹھاتے ہیں۔ خاموشی..... کس قدر عظیم حسن ہے، یکتا، روشن، الوہی، حسن باکمال اگر خاموشی گہری ہو کر سناٹے میں ڈھل جائے تو روح قادر الکلام ہو جاتی ہے۔ سب کچھ کہہ سن سکتی ہے۔

جس نے خاموشی اور سناٹے کی اس منزل کو چھو لیا تو پھر یہ دنیا اس کے سامنے محض باز-بچہ اطفال یا لہو و لعب ہی تو ہوتی ہے۔

ماہین کی بے ساختگی اور سفینہ کی خاموشی دونوں ہی فطرت کے سچے رنگ تھے۔ وہ اسفل انسان کی طرح جنس مخالف کی قربت سے حظ نہیں اٹھا رہا تھا..... بلکہ فطرت کو انجوائے کر رہا تھا۔

معاہہ مستعد ہو کر نئی اناؤں سمٹ سننے لگا..... پرواز 303 pk کراچی روانگی کے لیے تیار تھی۔ مسافروں سے گیٹ نمبر 17 بچنے کی استدعا کی جا رہی تھی۔

”تھینک گاڈ.....“ سفینہ کے منہ سے بے ساختگی میں نکل گیا۔ پرنس نے اپنی مخصوص دبی، دبی مسکراہٹ کے ساتھ سفینہ کی طرف دیکھا۔

”گلتا ہے بہت بور کیا ہے آپ کو..... آپ نے اللہ کا شکر ادا کیا مگر ثواب تو پھر بھی ہمیں ہی ملانا..... نہ آپ کو بور کرتے نہ آپ سے شکر ادا کرتیں۔“

پرنس کا سیکرٹری ہینڈ کیمری اٹھا رہا تھا، پرنس نے نشست چھوڑتے ہوئے سفینہ سے کہا تھا..... وہ شرمندہ سی ہو گئی..... ماہین اپنا موبائل اٹھانے بھاگی۔

”ارے نہیں..... میں تو سوچ رہی تھی کہ کہیں مزید انتظار میں نہ بیٹھا دیں..... گھنٹا گزر گیا پتا ہی نہیں چلا.....“ سفینہ نے جلدی سے صفائی پیش کی۔

”اب آپ میرا شکر یہ ادا کریں..... گھنٹا پل میں گزر گیا.....“ پرنس نے آگے کی طرف قدم اٹھاتے ہوئے پھر بڑی دلچسپی سے سفینہ کی طرف دیکھا تھا۔

”اب دیکھتے ہیں..... سیٹ کہاں ملتی ہے، ایک منٹ اپنا بورڈنگ کارڈ دکھائیں؟“ پرنس نے کہا..... اب دونوں ہم قدم ہو کر آگے بڑھ رہے تھے۔ ماہین بھی موبائل بیگ میں رکھتے ہوئے ان سے آگے۔

”ہم اکاٹومی کلاس کے پنجر ہیں مسٹر پرنس..... اور آپ فرسٹ کلاس کے.....“ سفینہ نے بورڈنگ کارڈ دکھانے کے بجائے صورت حال واضح کر دی۔

”اوہ..... نو پرا بلیم..... کراچی پہنچ کر سوچتے ہیں کہ اب اگلی ملاقات کہاں ہونی چاہیے۔“  
 سفینہ کو پرنس کا جملہ جانے کیوں بڑا عجیب سا لگا..... اسے کچھ سمجھ نہیں آئی۔  
 ”آپ فکر نہ کریں..... ہم آپ کا اسٹوڈیو اور گرینڈ مام دیکھنے کسی بھی وقت آپ کے گھر پہنچ جائیں گے۔“  
 ماہین نے تو ایک لمحے میں مسئلہ ہی حل کر دیا۔  
 ”آپ گرینڈ مام کو صرف دیکھیں گی، ملیں گی نہیں.....“ پرنس نے شوخی سے سوال کیا..... سفینہ نے ماہین کا ہاتھ پکڑ کر دبا یا جیسے کہہ رہی ہو بس اب مزید حماقتیں بند کرو۔  
 لاؤنج سے گیٹ نمبر 17 کا فاصلہ اچھا خاصا تھا۔ مگر پھر یہ ہوا کہ وہ رش میں ایک دوسرے سے گم ہو ہی گئے۔  
 کچھ لوگ تیز، تیز درمیان میں حائل ہو گئے تھے۔

☆☆☆

”دیکھنے میں تو لگتا ہے اس کے خاندان میں لاسٹ دس سینچریز سے کوئی شاعر پیدا نہیں ہوا..... اماں نے تو ایک خطرناک بندہ اپائنٹ کر لیا ہے۔“ سفینہ اور زارا دونوں ایک ہی بیڈ پر لوٹیں لگا رہی تھیں، یہ معمول کی بات تھی جب بھی سفینہ گھر آتی تو زارا اس سے ڈھیروں باتیں کرتی، کچھ اطلاعات، کچھ خوش خبریاں اور کچھ فضول سے واقعات جن سے سفینہ کا دور، دور تک کوئی تعلق نہیں بناتا تھا۔  
 ”خطرناک؟ کیا مطلب.....؟“ سفینہ واقعی نہیں سمجھی۔  
 ”جو بندہ دوسروں کی شاعری چرا کر اپنی شو کرتا ہے، وہ آفس میں بھی بڑی گڑ بڑ کر سکتا ہے۔“ زارا نے...  
 بے پروائی سے جواب دیا اور چیونٹم ریپر سے نکالنے لگی۔

”یہ تو تم کہہ رہی ہو، ہو سکتا ہے وہ واقعی خود ہی poet ہو..... تم تو آئیڈیا لگا رہی ہو، کنفرنڈ تو نہیں ہے نا.....“ سفینہ کا مزاج ہی ایسا تھا کہ وہ فوراً کے فوراً کبھی منفی سوچ کو خود پر حاوی نہیں ہونے دیتی تھی۔  
 ”ارے ذرا اس کے اسٹائل دیکھو..... شاعر تو کہیں سے بھی نہیں لگتا.....“

”وصی شاہ اور سعد اللہ شاہ بھی تو اپنی لگ سے ٹھیکل شاعر نہیں لگتے۔ مگر لڑکیاں دیوانی ہیں..... بہت بڑھتی ہیں انہیں.....“ سفینہ نے نکتہ اٹھایا۔ اس کے حساب سے ویسے بھی اس وقت زارا بیکار نسیم کی باتیں کر رہی تھی۔ آفس کے ایمپلائز اس کا کنٹریں کبھی نہیں ہو سکتے تھے۔

”وہ ایک ملازم ہے تم کیوں اس کا نوٹس لے رہی ہو۔ چھوڑو اسے یا اس نے ایسا کچھ پوز کیا ہے۔“ اب سفینہ نے غور سے زارا کا چہرہ دیکھا۔ اسے یوں بھی زارا کے لاپرواہی پن سے کچھ سرزد ہو جانے کا خطرہ ہی رہتا تھا۔  
 ”میں کیوں اس کا نوٹس لوں گی.....؟ میں تو ایز آجوک تمہیں سنا رہی تھی..... اگر وہ کسی کی شاعری چراتا بھی ہے تو کمال کا سلیکشن کرتا ہے..... لاؤنج میں فون کے نیچے اس کا ایک مسگ پیر رکھا ہوا ہے، پڑھ لیتا۔“ زارا نے چیونٹم چباتے ہوئے ایل سی ڈی آن کیا اور چیمبل ٹیون کرنے لگی۔

”its none of my business“ اب تم مجھے سونے دو..... میں اس لیے گھر آئی ہوں تاکہ خوب جی بھر کر ریٹ کروں.....“ سفینہ نے ریوٹ اس کے ہاتھ سے لے کرٹی وی آف کر دیا۔  
 ”ہاسٹل میں بہت چمھر ہیں جو سونے نہیں دیتے؟“ زارا نے منہ بنایا، اس کا تو دور، دور تک سونے کا موڈ نہیں تھا۔

”یہی سمجھ لو..... اپنے بیڈ روم میں جا کر مووی دیکھو..... باقی باتیں صبح کرتے ہیں فلاٹ ایک گھنٹا لیٹ تھی..... بیٹھے، بیٹھے کرا کر گئی.....“ سفینہ نے زارا کی طرف سے پشت کر لی گویا سونے کا حتمی اعلان کر دیا۔

”ماہین تمہارے ساتھ تھی بور ہونے کا تو سوال ہی پیدا نہیں ہوتا..... ہاں اگر اکیلی ہو تیں تو بات سمجھ میں آنے والی تھی..... لگتا ہے آج ماہین کے منہ میں فیڈ رومی ہوئی تھی۔“ زارا اٹھتے ہوئے کہہ رہی تھی۔

زارا کے جملے سے سفینہ کے ذہن میں ایک جھماکا سا ہوا..... پرنس اپنی تمام تر آن بان کے ساتھ اس کے سامنے آکھڑا ہوا۔

”ایک گھنٹا پل میں گزر گیا.....“ پرنس کا جملہ بازگشت کی طرح اس کی سماعت سے ٹکرایا۔

”وہ ایک بات تو تمہیں بتانا ہی بھول گئی۔“ جانے کیوں سفینہ کا دل چاہا کہ وہ پرنس کا ذکر خیر اس سے کرے۔

”جلدی سے بتاؤ.....“ زارا کو تو گویا بہانہ چاہیے تھا جلدی سے دوبارہ گھنٹوں کے ٹیل بیڈ پر بیٹھ گئی۔

”نہیں، نہیں..... کچھ نہیں..... وہ تو ابھی، ابھی میرے ذہن سے ہی نکل گیا کہ تمہیں کیا بتانے لگی تھی۔“ سفینہ نے جانے کیوں خود کو روک لیا..... زارا نے بڑی حیرت سے بہن کی طرف دیکھا تھا۔

”یہ کیا بات ہوئی؟ تمہارے اسٹائل سے تو لگا تھا کوئی انٹرسٹنگ بات شیئر کرنے جا رہی ہو اور ایک دم سے تمہارے ذہن سے بھی نکل گئی۔ کمال ہی ہو گیا یہ تو..... خیر ذرا دیر سوچو یاد آ جائے گا۔“ زارا کو یقین نہیں آ رہی تھی اس لیے اب وہ مزید آرام سے پھیل کر بیٹھ گئی۔

”ارے جب یاد آ جائے گی تو بتا دوں گی..... ابھی ذہن پر بوجھ ڈالنے کا موڈ نہیں..... پہلے ہی بہت تھکی ہوئی ہوں۔“ سفینہ نے چٹ لیٹ کر آنکھوں پر بازو رکھ کر گویا محفل برخواست ہونے کا حتمی اعلان کر دیا۔

”بور کر دیا..... بڑی امیزنگ بات ہے کوئی بندہ حرے کی بات سیکٹ میں بھول جائے۔“ زارا بور ہو کر بیڈ سے اترتے ہوئے بولی۔ جواب میں سفینہ خاموش رہی کیونکہ کچھ بولنے کا مطلب یہ تھا کہ زارا کچھ دیر اور رکی رہے۔ جبکہ وہ اس وقت تہائی جا رہی تھی۔

زارا کمرے سے نکل گئی تو سفینہ اپنی جگہ سے اٹھی اور تیز روشنی بند کر کے سوئچ بورڈ میں پلگ ہوئی ننھی سی گڑیا روشن کر دی جس کی روشنی اتنی مدہم تھی کہ بس اندھیرے کا تاثر معدوم ہو رہا تھا پھر اس نے دروازہ لاکھ کیا اور وہ پل سے بیڈ کے بجائے چیئر پر بیٹھ گئی..... اس کی آنکھوں میں غیند یا تھکن کا تاثر بالکل بھی نہیں تھا۔

وہ یکسو ہو کر ننھی سی روشن گڑیا کی طرف دیکھنے لگی جو بہت ہی پُرکشش مائٹ بلب تھا۔ پرنس کمرے میں چلنے پھرنے لگا..... آنکھیں بند کیں تو دل سے آہنیں آنے لگیں۔ ”وہ اتنا شاندار ہے جو اس سے ملتا ہوگا اسے ضرور سوچتا ہوگا..... میں یقیناً بہت سے لوگوں میں شامل ہوگئی ہوں جو اسے ملنے کے بعد اس کے بارے میں سوچتے ضرور ہیں..... وہ کیا سوچتا ہوگا؟ اس طرح کے کریزی تخلیق کار نارمل نہیں ہوتے..... اس کا عشق پیننگ ہے..... وہ تو جتنی دیر چاگتا ہوگا زپر ٹیکمیل یا نئی تخلیق کے رنگوں میں ہی کھیلتا ہوگا..... مگر ہر جیتے جاگتے انسان کی ایک پرسنل لائف بھی تو ہونی ہے..... اس کی بھی ہوگی مگر اس نے تو صرف گریڈ نام کے علاوہ کسی کی بات ہی نہیں کی..... شادی شدہ ہے یا غیر شادی شدہ..... divorsy ہے یا کسی سے عشق چل رہا ہے.....؟ وغیرہ، وغیرہ..... چہرے سے بہت مطمئن اور خوش دکھائی دیتا ہے..... یقیناً خوشیوں کے بہانے موجود ہیں..... مگر میں کیوں اس کے بارے میں اتنا سوچ رہی ہوں..... شاید اس لیے کہ وہ بہت مختلف ہے۔ کیا مختلف ہونا اتنی اہم بات ہے کہ انسان اپنے کام چھوڑ کر اس کے خیالات میں گم ہو جائے؟“ سفینہ نے اپنا سر یوں جھٹکا جیسے سر پر بیٹھا پرندہ اڑ رہی ہو..... اس نے خود کو بڑا بے بس محسوس کیا..... کہ آخر اس کا ذہن اس کے کنٹرول میں کیوں نہیں آ رہا..... اس نے خود کو نارمل کرنے کے لیے گہری، گہری سانسیں لیں..... مگر ایک تصویر تھی جو کسی پتھر پر کشیدہ ہو گئی تھی۔

☆☆☆

”یا تو ہم زندہ رہیں گے یا وہ..... ہٹلر ایک باگل، ایک جنونی تھا..... اس قسم کا نعرہ کوئی باگل ہی لگا سکتا ہے۔“ لیڈی صوفیہ انگریزی کا تازہ اخبار ہاتھوں میں لیے لاؤنج کے اس گوشے میں آرام کرسی پر ممکن تھیں جہاں مکمل شیشے کی دیوار تھی اور مشرق سے ابھرتے ہوئے سورج کی روشنی براہ راست اس دیوار سے لاؤنج کو روشن کرتی تھی۔ باہر کی طرف سرخ مکلوں میں لگے ہوئے پھولوں کی مسکراہٹیں بھی اندر در آتی تھیں جو پوری شیشے کی دیوار کے ساتھ ایک قطار میں لگے ہوئے تھے۔

شام ڈھلتے ہی گلابی پردے کھینچ جاتے تھے اور سورج طلوع ہونے سے پہلے ہٹا دیے جاتے تھے۔ یہ ایک پُرشکوہ لاؤنج تھا جہاں بیٹھنے والا زندگی کا لطف محسوس کرتا تھا..... اندر کی طرف نادر اور بیش قیمت ڈیکوریشن پیسز اور باہر کی طرف پورے لان کا منظر..... یہ لاؤنج اتنا بڑا تھا کہ اپنے اندر تین سو نفوس آسانی سے سمو سکتا تھا۔ شیشے کی دیوار کی پینکشن دو سو گز تک جاتی تھی۔ یہ لاؤنج اپنے مکینوں کی شان و شوکت کا مکمل اور بھرپور ترجمان تھا۔

پرنس چند لمحے قبل ہی اپنے صبح کے مخصوص سفید جھاگ، جھاگ لبادے میں لاؤنج میں داخل ہوا تھا۔ یعنی سفید تہبند اور سفید نفیس لان کے ڈھیلے ڈھالے کرتے میں اور لیڈی صوفیہ اس پر نظر پڑتے ہی پھر اپنے ماسی میں پہنچ گئی تھیں۔

”اس میں کیا شک ہے مام..... جسے زندگی سے پیار ہوتا ہے وہ چاہتا ہے جو موجود ہیں وہ بھی اسی کی طرح زندہ رہیں..... تاکہ زندگی کا بھرپور لطف اٹھایا جائے۔ آج میں آپ کو اپنے مراقبے میں دیکھا گیا ایک واقعہ سنا ہوں۔ میں اس منظر میں اتنا کھوچکا تھا کہ کچھ دیر کے لیے میرا رابطہ اس دنیا سے ختم ہو گیا تھا۔“

”میں تمہیں ایک بات بتا رہی ہوں پہلے وہ سن لو.....“ لیڈی صوفیہ اپنی بات مکمل کیے بغیر کچھ اور سن ہی نہیں سکتی تھیں۔

”مراقبے میں آگے کے مناظر دکھاتا ہے اور گرینڈ مام پیچھے کے..... any how آپ کچھ بتا رہی تھیں؟“ پرنس مسکراتے ہوئے لیڈی صوفیہ کے قریب ہی بیٹھ گیا۔

”ہاں..... ہٹلر کیونزم کی شدید مخالفت کرتا تھا مگر خدا پرستی تو اس میں بھی نہیں تھی..... جانتے ہو کیوں.....؟“ انہوں نے اخبار بہت قرینے سے تہ کرتے ہوئے اس سے سوال کیا۔

”کیوں.....؟“ پرنس کو کہنا پڑا اور نہ بات رک جاتی۔

”وہ خود کو خدا کہلوانا چاہتا تھا..... اس نے جرمن قوم کو اس گھمنڈ میں مبتلا کیا کہ جرمن دنیا کی سب سے بہترین قوم ہے۔“ لیڈی صوفیہ کی آنکھوں میں غیظ و غضب اترنے لگا..... جیسے ہٹلر سامنے کھڑا ہو اور وہ اسے کچا چبانے کے لیے آگے بڑھ رہی ہوں۔

”ہاں تو پھر دیکھ لیجیے اس کا اللہ نے کیا حشر کیا..... خود کشی کر کے حرام موت ہی مرا.....“ پرنس نے صوفیہ کو مزید غضبناکی سے بچانے کے لیے جلدی سے گراہ لگائی۔

”مگر کچھ لوگوں کو تو جیتے جی مار دیا ناں..... پرنس..... مائی ڈییر سن..... رومانس ادھورا رہے تو انسان ادھورا رہتا ہے..... خواب دیکھنے کی آزادی ہونی چاہیے..... میرے خواب کسی نے ایسے کوچ کر پھینک دیے جیسے کسی بچے نے ہاتھ میں پکڑے چوزے کی گردن دبوچ کر رواں، رواں بکھیر دیا ہو۔“ لیڈی صوفیہ کی آنکھوں سے ٹپ، ٹپ آنسو گرنے لگے۔

”تم بالکل میرے شوہر کے ہم شکل ہو..... ایسا ہوتا ہے، کوئی پوتا بالکل اپنے دادا کی شکل لے کر دنیا میں آتا ہے..... تمہاری بیوی کی قسمت میرے جیسی نہیں ہونا چاہیے۔“ لیڈی صوفیہ نے اپنے آنسو پونچھے۔

”.....“ پرنس ہنس دیا..... ”مام بیوی کے لیے تو میرے پاس وقت ہی نہیں ہے۔“

## پاک سوسائٹی پر موجود مشہور و معروف مصنفین

عُمیرہ احمد	صائمہ اکرام	عُشنا کوثر سردار	اشفاق احمد
نمرہ احمد	سعدیہ عابد	نبیلہ عزیز	نسیم حجازی
فرحت اشتیاق	عفت سحر طاہر	فائزہ افتخار	عنایت اللہ التمش
قُدسیہ بانو	تنزیلہ ریاض	نبیلہ ابراراجہ	ہاشم ندیم
نگہت سیما	فائزہ افتخار	آمنہ ریاض	ممتاز مفتی
نگہت عبد اللہ	سباس گل	عنیزہ سید	مستنصر حسین
رضیہ بٹ	زُخسانہ نگار عدنان	اقراء صغیر احمد	علیم الحق
رفعت سراج	اُمِ مریم	نایاب جیلانی	ایم اے راحت

## پاک سوسائٹی ڈاٹ کام پر موجود ماہانہ ڈائجسٹس

خواتین ڈائجسٹ، شعاع ڈائجسٹ، آنچل ڈائجسٹ، کرن ڈائجسٹ، پاکیزہ ڈائجسٹ،  
حناء ڈائجسٹ، ردا ڈائجسٹ، حجاب ڈائجسٹ، سپنس ڈائجسٹ، جاسوسی ڈائجسٹ،  
سرگزشت ڈائجسٹ، نئے آفاق، سچی کہانیاں، ڈالڈا کا دسترخوان، مصالحہ میگزین

## پاک سوسائٹی ڈاٹ کام کی شارٹ کٹس

تمام مصنفین کے ناولز، ماہانہ ڈائجسٹ کی لسٹ، کڈز کارنر، عمران سیریز از مظہر کلیم ایم اے، عمران سیریز از ابنِ صفی،

جاسوسی دنیا از ابنِ صفی، ٹورنٹ ڈاؤنلوڈ کا طریقہ، آن لائن ریڈنگ کا طریقہ،

ہمیں وزٹ کرنے کے لئے ہمارا ویب ایڈریس براؤزر میں لکھیں یا گوگل میں پاک سوسائٹی تلاش کریں۔

اپنے دوست احباب اور فیملی کو ہماری ویب سائٹ کا بتا کر پاکستان کی آن لائن لائبریری کا ممبر بنائیں۔

اس خوبصورت ویب سائٹ کو چلانے کے لئے ہر ماہ کثیر سرمایہ درکار ہوتا ہے، اگر آپ مالی مدد کرنا چاہتے ہیں تو ہم سے فیس بک پر رابطہ کریں۔۔۔

”مت کرو ایسی باتیں..... میرے سر نے جو ظلم مجھ پر کیا وہ تمہاری بیوی کے ساتھ نہیں ہوگا..... برنس انڈین آرمی سے وفاداری کر کے اس نے اپنے خاندان سے بے وفائی کی، اپنا اکلوتا بیٹا پرانی جنگ میں جموٹک دیا۔ میں نے اسے کہا ہم بھاگ کر ساؤتھ افریقہ چلے جاتے ہیں، میرے سر نے جانے کیسے سن لیا..... میں آج بھی حیران ہوں..... اس نے مجھے بہانے سے دہرہ دون بھیج دیا۔ کہنے لگا تمہاری ماں بلاتی رہتی ہے..... وہ سمجھتی ہے ہم تمہیں ملنے سے روکتے ہیں۔ کچھ دن اس کے پاس رہو وہ خوش ہو جائے گی۔ میری عمر بہت کم تھی مجھے سمجھ نہیں آئی کہ اسے اچانک میری ماں کا احساس کیوں ہونے لگا.....“ بولتے، بولتے ان کی آواز بھرا گئی۔

”پھر آپ دہرہ دون چلی گئیں.....؟“ برنس نے یوں ظاہر کیا جیسے وہ سو فیصد دلچسپی سے دادی کی باتیں سن رہا ہے جو وہ پہلے بھی تین سو بہتر مرتبہ سن چکا ہے۔

”ہائے..... مائی بیڈلک..... وہ مجھے ہتھیروں پر پورٹ تک سی آف کرنے آیا..... بہت شاندار دکھائی دے رہا تھا..... مجھے نہیں معلوم تھا اسے آخری مرتبہ دیکھ رہی ہوں۔“ لیڈی صوفیہ آنسو پینے کی کوشش میں چند ٹاپیے خاموش ہو رہیں۔

”آپ بہت خوب صورت یادوں کے ساتھ آگے ہوئے..... ہر شادی آئیڈیل نہیں ہوتی may be آگے چل کر آپ لوگوں میں اختلافات ہو جاتے، شادی بوجھ بن جاتی، کچھ بھی ہو سکتا تھا۔“ برنس آج کے مراقبے کی حسین کیفیت سے ابھی تک باہر نہیں آسکا تھا مگر اپنے خاندان کی آخری نشانی کا ہر صورت دل رکھنے کے لیے مستعد تھا۔

”نہیں، نہیں، ہم ایک دوسرے سے عشق کرتے تھے۔“ لیڈی صوفیہ زور سے چلائیں۔

”تو پھر عشق میں کسک تو ملتی ہے مام..... مائی گریٹ مام.....“ برنس مسکرایا۔

”اگر یہ ایک روٹین کی میرج ہوتی تو شاید یہ حادثہ نہ ہوتا اور گریٹ پاپا واپس آ جاتے یہ سارا کام خراب تو عشق نے ہی کیا ہے۔“ برنس کے ہونٹوں پر لطیف مسکراہٹ کھیل رہی تھی۔

”اب تم سے بات کرنا فضول ہے..... آخر کیوں نہیں کہتے کہ مام آپ پر واقعی ظلم ہوا ہے۔“ لیڈی صوفیہ برہم ہو کر اٹھ کھڑی ہوئیں۔

”مگر میں نے یہ بھی تو کبھی نہیں کہا کہ آپ پر ظلم نہیں ہوا۔“ برنس نے انتہائی بوڑھے اعصاب کو سنبھالنے کی کوشش بڑی تڑکاوٹ کے ساتھ کی۔

”ہاں، تم تو میری جان ہو..... تمہیں تو اللہ نے ظلم کا نتیجہ دکھانے کے لیے زندگی بخشی..... میں اپنے اور تمہارے درمیان کسی تیسرے انسان کو برداشت کر ہی نہیں سکتی..... بلکہ کبھی نہیں.....“ وہ بڑبڑاتی ہوئی ایک طرف چل پڑیں۔

”پھر بھی آپ اکثر میری شادی کی بات کرتی ہیں.....“ برنس ہستے ہوئے اٹھ کھڑا ہوا۔

”ہاں..... شادی تو تمہاری ضرور کروں گی..... ورنہ تمہارا آرٹ ادھورا رہے گا..... شادی انسان کو مکمل کرتی ہے مگر اس لڑکی سے.....“ بولتے، بولتے وہ رک گئیں۔ برنس نے دادی کی طرف دیکھا، آنکھوں میں سوال نہیں تھا..... کیونکہ جو سوال وہ کرتا اس کا جواب تو اسے پہلے ہی معلوم تھا۔

لیڈی صوفیہ چند لمحے سوچ میں گم سر ہلاتی رہیں پھر آگے بڑھ گئیں۔ برنس مخالف سمت بڑھا اور شیشے کی دیوار کے پار دیکھنے لگا..... آج صبح کی ہلکی، ہلکی آہٹوں کے بیچ اس نے بند آنکھوں سے ایک اتنا حسین باغ دیکھا جس میں درختوں پر بیٹھے ہوئے پرندوں کے پروں پر سنہری کشیدہ کاری تھی، وہ اب اس نظارے کو حافظے میں محفوظ کر رہا تھا..... کسی الوہی کیفیت میں ڈوب کر ماورائی سی تخلیق کیوں پر بکھیرنے کے لیے۔

☆☆☆

ساحل، سڑک کنارے اپنی بائیک کو لٹا لٹا کر ریزرو پٹرول انجن تک لانے کے جتن کر رہا تھا یوں جیسے کسی ڈوبنے والے کو آکسیجن دے کر بچانے کی کوشش کی جاتی ہے..... زارا اپنی چھوٹی سی لکڑی کارزن سے آگے لے گئی تھی مگر بیک مرر میں نظر آنے والے ساحل کو اس نے پہچان لیا تھا۔ جتنی اسپید سے آگے گئی تھی اسی اسپید سے اس نے ریورس گیر لگا کر... گاڑی بیک کی تھی اور ساحل کے قریب آ کر بیک لگایا تھا۔ پسینہ، پسینہ ہوتے ہوئے ساحل نے بڑی کوفت سے گاڑی کی طرف دیکھا تھا۔ اور زارا پر نظر پڑتے ہی بائیک چھوڑ کر سیدھا کھڑا ہو گیا۔

”یہ صرف بے ہوش ہوئی ہے زندہ تو ہے ناں؟“ وہ کار سے اتر کر ساحل کے قریب آ گئی۔

”ہاں، کبھی کبھی اس کو مرگی کا دورہ پڑتا ہے..... ویسے ٹھیک ٹھاک ہے۔“ ساحل کا موڈ زارا کو دیکھتے ہی خوشگوار ہو گیا تھا۔ ڈارک پرپل جدید تراش کے لباس میں اپنے تراشیدہ بالوں کو ہوا کے جھونکوں سے بچانے کی کوشش کرتے ہوئے وہ چیونٹم چباتے ہوئے بائیک کی طرف دیکھ رہی تھی۔

”اگر اس مریض کو اسپتال لے جانا پڑا تو کیا کرو گے.....؟“ زارا نے ساحل کی طرف دیکھا جس کی سیاہ پھنورا آنکھوں میں بڑے اجالے تھے اور بڑی دلچسپی سے زارا کو دیکھ رہا تھا..... زارا کا سوال سن کر اس نے اپنی زمین پر پڑی بائیک پر نظر ڈالی۔

”تو ابھی کوئی لوڈر روک کر اسے اسپتال لے جائیں گے۔“ اس نے پھر زارا کو سر سے پاؤں تک دیکھا اور کن آنکھوں سے اس کی چم چم کرتی نئی کار پر بھی نگاہ کی۔

”اگر آپ بائیک کے بغیر ہوتے تو میں آپ کو ضرور ڈراپ کر دیتی..... ویسے ایک مشورہ دوں if you dont mind اس نے جلدی سے چیونٹم کا بلون پھلا کر بھی چھوڑ دیا۔

”جی..... حکم کیجیے.....“ ساحل نے خاکساری سے مفتوح بنانے کی کوشش کی۔

”آپ اسے تول کر سیل کر دیجیے..... آئی ایم شیور آپ کو بہت ہینڈم سیلری ملتی ہے..... نئی لے لیجیے..... اوکے..... بائے..... سوری میں آپ کی کوئی ہیلپ نہیں کر سکتی.....“ یہ کہہ کر زارا نے ہاتھ ہلایا اور اپنی گاڑی کی طرف چل پڑی..... بڑی شان بے نیازی سے ڈور کھولا، ڈرائیونگ سیٹ سنبھالتے ہی چابی گھمائی اور ساحل کی طرف دیکھ کر پھر ہاتھ ہلایا اور زن سے گاڑی لے اڑی..... ساحل نے دور تک نظروں سے گاڑی کا پیچھا کیا۔

”نئی بائیک..... نئی..... اور وہ بھی بائیک..... مرسیڈیز کیوں نہیں..... خواب ہی دیکھنا ہے تو نئی بائیک کے کیوں دیکھیں.....؟ مرسیڈیز کے کیوں نہیں.....“ اس نے زور سے ایک لات بائیک کو رسید کی..... اور پیسوں میں ہاتھ پھنسا کر کسی لوڈر سوزوکی کا انتظار کرنے لگا۔

”آدمی سیلری تو لون اتارنے میں ہی چلی جاتی ہے..... گھر کے خرچے، آپا کے گھر کے خرچے، کمپنی سے لون لے کر نئی بائیک خریدنے کے بجائے پرائز بانڈز خریدنے جاتیں..... یا کسی مالدار لڑکی کو اپنے عشق میں مبتلا کرنا چاہیے.....“ ساحل کے ہونٹوں پر معنی خیز مسکراہٹ کھیل رہی تھی۔

”چو کے، پھکے سے ہی دولت آئے گی ورنہ مسٹر امیر الدین ساحل نام کے ہی امیر رہو گے۔“ اس نے پھر زمین پر بیٹھ کر بائیک کو یوں ہلانا جلانا شروع کیا گویا واقعی کسی مرگی کے مریض کو ہوش میں لانے کی کوشش کر رہا ہو۔

(جاری ہے)

# رسالوں کا رنگ

زمین سرہیو



مرہم کے کرتی تھی۔ نہ جانے کیا ہونے والا تھا۔ اسے  
رخصت ہوئے محض چند گھنٹے ہی ہوئے تھے پر بڑی بوڑھیوں  
کی فکریں تو ان کی آدمی صحت کھا جاتی ہیں۔  
وہ دونوں خاموش تھیں جب غانیہ اندر آئی اور سر

دادو داداس، اداس سی نانو کے پاس آ بیٹھیں۔ نانوں نے  
لینا ہاتھ ان کے ہاتھ پر رکھ لیا پر وہ خود بھی اداس، اداس سی  
تھیں۔ آج غانیہ کی رخصتی تھی اور سب بے حد اداس تھے  
اور کچھ فکر مند بھی۔ غانیہ کو کچھ بھی بنانا نہیں آتا تھا اور کام بھی

ماہنامہ پاکیزہ ﴿ 117 ﴾ ستمبر 2016ء



چپ، چپ ہی رہتیں۔ اب غانیہ کبھی پڑھائی کبھی فیس بک پر مصروف ہوتی یا بیٹھی باتیں کرتی رہتی۔

☆☆☆

”کیا پھر سے؟“ غانیہ کی جھنجھالی آواز کچن سے آتی۔

”کیا ہوا؟“ دادو گھورتیں۔

”یہ اتنے برتن۔“ اس کی دہائیاں دیکھنے کے قابل ہوتیں۔

”کیا مطلب اتنے برتن! غانیہ بیچاری نے اتنے دھوئے ہیں اب تمہاری باری ہے۔“ اطمینان سے جواب آتا۔

”کون سے.....“ غانیہ اچنبھے سے دیکھتی۔

”پانچ پلیٹیں سات گلاس تین چمچ دو

ہانڈیاں.....!“ پیچھے سے غانیہ کی آواز آتی۔

”تو..... تو میں نے بھی تو صبح تین پلیٹیں دس گلاس

آٹھ چمچ اور چار ٹرے دھوئی تھیں۔“ غانیہ سکتی اور پھر

دھوئے گئے برتن سے دیگر کام گنوائے جاتے دونوں

طرف سے اور بھر پور گولہ باری ہوتی تو بالآخر دادو کو ٹوکنا

پڑتا۔

”چپ کر جاؤ دونوں، تمیز ہی نہیں، ہر وقت کا چیخنا

چلانا کہتی بھی ہوں لڑکیوں کو زیادہ چیخنا نہیں چاہیے پر کوئی

اثر نہیں۔ ذرا سی بات پر چیخ، چیخ شروع۔ سالن روٹی

تمہاری نانی بتاتی ہے باقی کام میں کرتی ہوں پھر بھی

اتنے سے کام کے لیے چونچیں لڑاتے ہوئے شرم نہیں

آتی۔ جاؤ غانیہ جا کے برتن دھوؤ اور غانیہ تم چھت سے

سوکھے کپڑے اتار کر لاؤ جاؤ دونوں اب.....! نہ جانے

کس پر چلی گئی ہیں نہ ہم ایسے تھے نہ ان کی ماں ایسی

تھی.....! اللہ جانے اگلے گھر جا کر کیا کارنامے کریں

گی.....“ دونوں کے منہ بنا کر جانے کے بعد بھی دادو

بڑبڑاتی رہتیں اور ان کی تان اگلے گھر پر جا کر ٹوٹی۔

☆☆☆

”دے دونوں۔“ انداز بچی ہوتا۔

”نہیں بالکل نہیں۔“ غانیہ کی بے نیازی عروج پر

ہوتی وہ تو گویا سارے حساب اسی وقت چکانے کے موڈ

نانو اور پاؤں دادو کی گود میں رکھ دیے۔ غانیہ اور غانیہ دونوں خبر ڈال بہنیں تھیں، ان دونوں میں اکثر بات، بات پر لڑائی ہوتی تھی خاص کر غانیہ کے رسالے پڑھنے پر جتنا

غانیہ تنگ ہوتی تھی تو غانیہ اسے مزید تنگ کرتی۔ دادو

ہول کر جبکہ نانو مسکرا کر رہ جاتیں ان کی حرکتوں پر۔

دونوں لڑکیاں ہی کام چور، ست اور نکمیاں تھیں۔ ان کی

نانو اور دادو نے بارہا غانیہ کو کام سکھانے کی کوشش کی پر وہ

منہ بنا کر احسان کر کے کام کرتی اور پھر دھم سے بیڈ پر...

پھر وہ اور رسالے ہوتے یا وہ اور نیند ہوتی۔ تینوں اپنی،

اپنی..... سوچوں میں گم تھے۔

☆☆☆

غانیہ کی شادی کو چار دن ہوئے نہیں کہ کوئی اس کی

سرال سے دو کارٹن دے گیا، کھولا تو اس میں غانیہ کے

خزانے (رسالے) تھے۔ تینوں حیران و پریشان

ہوئیں۔ دو مہینے بعد غانیہ بغیر اطلاع کے آئی۔ تینوں

پریشان تھیں پر وہ نارٹل تھی اس پر ذرا غور کیا تو وہ کچھ سنجیدہ

بھی لگی۔

”تین دن کے لیے آئی ہوں۔“ خیر سے اس نے ان

تین دنوں میں رسالوں کو خوب پڑھا اور خوب عیاشی کی۔

نانو اور دادو کرید کرید کر اور غانیہ چھیڑ کر سوال کرتی اور وہ

صرف تسلیاں دینی مسکرا دیتی۔ وہ آئی اور چلی بھی گئی

اپنے اثرات چھوڑ کر اور سب کو اس کے..... غانیہ کو

اپنی ع، غ کی جوڑی یاد آنے لگی جہاں جاتی وہ دونوں

ع، غ کی جوڑی سے جانی جاتیں خاص کر یونیورسٹی میں

پر اب وہ اکیلی رہ گئی تھی نہ جانے کیوں یہ بہنیں دور ہو کر

دل کے مزید قریب ہو جاتی ہیں.....!

☆☆☆

اس گھر میں ایک تخت تھا جو لاؤنج میں بچھا رہتا

جہاں کبھی دادو تو کبھی نانو اکثر بیٹھتیں اور چھالیا پان جیسے

لوازمات کھاتی پائی جاتیں اگر جو کبھی غانیہ یا غانیہ تخت پر

بیٹھ کر چھالیا کرتیں تو دادو کا جو کبھی کسی کو نے سے تو کبھی

کسی کو نے سے اڑ کر آ کر ان کے لگتا پھر دادو بذات خود

آ کر عزت افزائی الگ کرتیں۔ نانو تو بیچاری سی تھیں اکثر

### میں اور وہ

سب کو بھا جائے ایسا لغم ہوں  
 بیٹھے پانی کا میں تو چشمہ ہوں  
 بھولا بسرا پرانا قصہ ہوں  
 اس کہانی کا میں بھی حصہ ہوں  
 ہر سو خوشبو ہے روشنی، تارے  
 میں تو آباد ایک جزیرہ ہوں  
 اپنی تعریف کیا کروں خود سے  
 بس محبت کا بہتا دریا ہوں  
 ہاتھوں، ہاتھوں میں مجھ کو رکھتے ہیں  
 گھر کا میں وہ قیمتی اثاثہ ہوں  
 تو ہی کہتا تھا بار بار مجھے  
 میں تری شاعری کا حصہ ہوں  
 بس شگفتہ کو سمکتا رہتا ہے  
 وہ یہ کہتا ہے، تجھ کو بڑھاتا ہوں  
 شاعرہ: شگفتہ شفیق، کراچی

### غزل

ہم تیری یاد میں یوں روتے ہیں  
 فصل اک آنسوؤں کی بوتے ہیں  
 تو ہمیں کس لیے منائے گا  
 ہم بھلا کون تیرے ہوتے ہیں  
 غم جاناں غم زمانہ کو  
 اپنے اندر ہی ہم سموتے ہیں  
 جان سکتی نہیں جسے دنیا  
 ایسے کچھ حادثے بھی ہوتے ہیں  
 پھول اپنی گرفت میں کب تھے  
 ہار اشکوں کے ہم پروتے ہیں  
 روز یک آرزو پچھلتی ہے  
 روز ہم بے قرار ہوتے ہیں  
 اپنے دامن کے داغ تمثیلہ  
 ہم تو اشکوں کے ساتھ دھوتے ہیں

شاعرہ: تمثیلہ لطیف، لاہور

میں ہوتی۔

”نہیں دے رہیں تو میں خود ہی لے لوں  
 گی۔“ غانیہ اتنی دیر کی منتوں کے بعد غصے سے کہتی۔  
 ”لے کے دکھاؤ پھر انجام دیکھنا۔“ غانیہ اطمینان  
 سے کہتی۔

”کیا کرو گی.....؟“ غانیہ ابرو اچکا کر کہتی۔  
 ”تم بھی دیکھنا میں کیا کرتی ہوں۔“ انداز  
 چیلنجنگ ہوتا۔

”آخری دفعہ پوچھ رہی ہوں مجھے یونیورسٹی کے  
 لیے کپڑے دے رہی ہو یا نہیں.....؟“ غانیہ جھنجلا جاتی۔  
 ”نہیں.....“

”کوئی بات نہیں..... میں خود لے لوں گی اور  
 تمہیں پتا بھی نہیں چلے گا۔“ غانیہ دھمکا کر جاتی۔  
 ”نتائج کی ذمے دار تم خود ہو گی۔“ غانیہ ڈراتی اور  
 غانیہ سچ سچ ڈر جاتی ورنہ سچ تو یہی تھا کہ جب وہ کپڑے  
 پہن لیتی تو غانیہ نے زیادہ سے زیادہ خود سے تین منٹ  
 چھوٹی غانیہ پر غصہ ہی کرنا تھا اور کیا.....! اسی طرح کی ہی  
 ان کی باتیں تھیں۔

☆☆☆

وہ چاروں رات کو کبھی مووی یا ڈراما دیکھ رہی  
 ہوتیں۔ جب وہ ختم ہو جاتا تو اپنے کمرے میں جاتی  
 دادو کہتیں۔

”ذرا تیل کی ماش تو کر دو بچیوں، پاؤں روکنے  
 اور کمر درے سے ہو رہے ہیں۔“ تو عین اسی وقت بچیوں  
 کو کام یاد آ جاتے۔ غانیہ کو برتن دھونے یاد آ جاتے جو  
 دھونے تو تھے برجس کافی الفور اس کا کوئی ارادہ نہیں ہوتا  
 اور غانیہ کو کوئی ٹیسٹ یاد آ جاتا۔ دونوں چپکے سے کھسک  
 جاتیں تو نانو مسکرا دیتیں جبکہ دادو بیخ پا ہو جاتیں۔

”ست، کامل، نافرمان نہ جانے کس پر چلی گئی  
 ہیں۔ اے رضیہ نہ تمہاری بیٹی ایسی تھی نہ تم..... یہ ان کا تو  
 دماغ خراب ہے.....! آگے جا کر ہم بوڑھیوں کا ہی نام  
 روشن کریں گی.....!“ دادو غصہ کرتی اپنی چھوٹی بہن کو  
 مخاطب کرتیں۔

اور میں نے وہی کیا جو میری کہانیوں، میرے رسالوں کے کرداروں نے کیا یعنی صبر میرے حالات تمہاری سوچ سے بھی زیادہ مشکل تھے پر رسالوں میں ہی بڑی بوڑھیوں نے کہا کہ اچھی لڑکیاں اپنی سسرال کی باتیں ادھر سے ادھر نہیں کرتیں وہ راز رکھنا جانتی ہیں اور ویسے بھی پریشان ہونے اور کون سے بد دعائیں دینے سے ہوتا بھی کیا۔ تم بھی ایسا کرنا، میری طرح بھری سسرال میں جا رہی ہو اور یہ بات یاد رکھنا کہ اگر میاں، بیوی ایک دوسرے کا لباس ہوتے ہیں تو لڑکی کا سسرال اس کا زیور اگر خود لڑکی اس لباس میں پیوند لگائے اور زیور کے ٹوٹنے یا کسی نشان کی نشان دہی کروائے اور شوہر اور سسرال کی خامیوں کا سب کو بتائے تو پھر وہ اس لباس کو کتنا بھی سجا لے پیوند کو چھپالے اور زیور کو پالش کروا کر تیار ہوالے بے شک سب کچھ ٹھیک ہو جائے اور لڑکی یقین دہانی کرداتی رہے، اُن کی تعریف کرتی رہے پھر بھی لوگ ان پیوندوں اور نشانوں کو کبھی نہیں بھولتے۔“ عانیہ نے بات ختم کر کے ایسے سانس لی جیسے سر سے کوئی بوجھ اتر گیا ہو جبکہ عانیہ کنگ سی بیٹھی رہ گئی اور کنگ تو دروازے کے باہر سب سنتی دادو اور نانوی بھی رہ گئی تھیں۔ وہ تو آج دونوں سے باتیں کرنے آئی تھیں جیسے عانیہ کی بار آئی تھیں پر انہیں ان سوالوں کے جواب مل گئے جو عانیہ کی شادی کرنے کے بعد سے حاصل کردادو کو بے چین رکھتے تھے۔

مجھے مل گیا جواب میرے سوالوں کا دوستو  
زندگی مشکل سہی پر صبر کے ساتھ آساں ہے

☆☆☆

رسالوں کا رنگ خوب رنگ لایا اب دادو کتابوں (رسالوں) کو شوق سے پڑھتی ہیں اور افسوس کرتیں کاش وہ پہلے پڑھ لیتیں کیا خوب صورت باتیں تھیں اس میں دل کو موہ لینے والی۔ نانو تو خیر شروع سے ہی پڑھتی آرہی تھیں!.....!

میری سوچ کا عکس ہیں رسالوں کی کہانیاں  
پڑھتی ہوں، سوچتی ہوں اور مسکرا دیتی ہوں



☆☆☆

وہاں جہاں چہکار تھی کچھ مستی کچھ کھٹی بیٹھی یادیں بھی تھیں۔ رع، رغ کی، دادو، نانو کی۔ کبھی ڈانٹ تو کبھی پیار کبھی لڑائی تو کبھی یاری سب پہ بھاری اب وہاں خاموشی اور یاسیت نے اپنے پر پھیلا دیے تھے۔

جب بیٹیاں پیا دیں چلی جاتی ہیں  
تو بہت زیادہ اور بھی یاد آتی ہیں

☆☆☆

آج عانیہ کی مایوں کی رسم تھی عانیہ بھی خوش، خوش اور پیش، پیش تھی۔ نہ صرف باتوں اور شغل میں بلکہ کاموں میں بھی..... خاص کر اپنی سسرال والوں کے جبکہ نانو، دادو ٹوکتی رہ جاتیں کہ اس حالت میں اتنا کام مت کرو۔ ساری تقریب میں کبھی دادو تو کبھی نانو روئی روئی سی پائی جاتیں اور بہانہ یہی کہ کاش ان دونوں بچیوں کے ماں باپ زندہ ہوتے جو یکے بعد دیگرے مختلف حادثات میں عدم کوچ کر گئے۔ یہی جذباتی مظاہرہ عانیہ کی شادی پر بھی ہوا تھا اور اب بھی سب سمجھا، سمجھا کر رہ گئے پر اثر ندار۔

☆☆☆

مایوں ختم ہوا تو عانیہ نے عانیہ کا ہاتھ پکڑ کر بیڈ پر بٹھا دیا وہ اس وقت اپنے مشترکہ کمرے میں موجود تھیں۔

”عانیہ مجھے تم سے کچھ کہنا ہے۔ بہت اہم بات ہے میں بولوں گی تم بس سنتا۔“ عانیہ نے اپنے شکر ہوتے لبوں پر زبان پھیری عانیہ حیران ہوئی کہ عانیہ اجازت کب سے لینے لگی۔

”جب میری شادی ہوئی تو میں چپ، چپ رہتی تھی اور کم، کم آتی تھی ناں!.....! تو سسرال میں مجھے خاصے مسائل درپیش تھے خیر پوری بات نہیں بتا سکتی پر تم یہ سمجھتی ہونا کہ یہ رسالے فضول ہوتے ہیں کسی کام کے نہیں تو تمہیں بتانا تھا انہی کی بدولت میں اپنی سسرال میں سردائی (گزارہ) کر سکی۔ ایک رائٹر نے کہا تھا۔“ دل میں ایک قبر کھودنی پڑتی ہے ہر سچ بات، یاد، اختلاف اپنی ہر ہاں اس قبر میں دفنائے جاؤ اور دل کو صاف رکھو یہی بہترین اور پرسکون زندگی گزارنے کا اولین اصول ہے۔“

## دیر کی سبھی

نظیر علی

”بہو صاحبہ! اب کمرے سے باہر تشریف لے  
آؤ۔“ وردہ کی ساس کی پاٹ دار آواز کمرے میں گونجی  
تو اس کی بچی سوتے میں یک دم ڈر گئی..... اس نے فوراً  
اس کے سینے پر ہاتھ رکھا اور اسے ہولے، ہولے تھکنے  
لگی۔ اس کی بیٹی لائبرہ کی طبیعت پچھلے دو دنوں سے  
خراب تھی۔ وہ دانت نکال رہی تھی، اس لیے کافی دنوں  
سے چڑچڑی ہو رہی تھی مگر دو روز سے مسلسل بخار،  
الٹیوں اور موٹن نے اسے بالکل ہی ٹڈی حال کر دیا تھا۔



بھر روتی رہی ہے، اس کے ساتھ جاگنے کی وجہ سے میری طبیعت بھی کچھ ست سی ہو رہی ہے۔“ وہ سب کو ناشتا دے چکی تھی سو خود بھی کرسی کھینچ کر بیٹھ گئی۔

”مجھے تو آج کل کی ماؤں کے نخرے سمجھ نہیں آتے، ذرا بچہ بیمار ہوا اور یہ خود بھی ساتھ ہی ڈھے گئیں۔ مجھے یقین ہے کہ آج میرا صابر بغیر ناشتے کے گیا ہوگا۔“ اس کی ساس کا لہجہ گہرا نظر لیے ہوئے تھا۔

اس کا دل چاہا کہہ دے کہ آپ کا بیٹا اتنا صابر نہیں ہے کہ میری تکلیف کا احساس کر کے بغیر ناشتا کیے چلا جائے۔ مگر دل کی بات اندر ہی دبا کر وہ صرف اتنا ہی بولی۔

”نہیں..... میں نے انہیں ناشتا بنا دیا تھا۔“ وہ وضاحت دے کر اپنے ناشتے کی طرف متوجہ ہو گئی۔

”فریحہ! آج ناشتا تم بنا لیتیں۔“ اس کے دیور نے بہن کو مخاطب کیا۔ جواب میں بہن تو خاموش رہی مگر ماں نے بیٹے کو کڑے تیوروں سے گھورا۔

”بھابی! آپ ناشتا کر کے سو جائیں، برتن وغیرہ فریحہ اٹھالے گی۔“ اس کی بات پر سدا کی کام چور فریحہ نے پہلو بدلا۔

”اور دوپہر کے کھانے کی فکر کرنے کی ضرورت نہیں ہے، وہ شمس بازار سے بھجوادوں گا..... آپ اپنا اور لائبریری کا خیال رکھیں۔“ وردہ نے اسے تشکر آمیز نظروں سے دیکھا..... اس کا دیور حفیظ اس کے لیے ہمیشہ بھائیوں سے بڑھ کر ثابت ہوا تھا۔ وہ واقعی تھوڑی دیر کے لیے پرسکون ہو کر سونا چاہ رہی تھی۔ سب نے ناشتا ختم کیا تو وہ بھی اٹھ کھڑی ہوئی۔

”چلیں بھابی، آپ اپنے کمرے میں جائیں۔“ حفیظ اسے کمرے میں بھیج کر ہی اٹھا تھا۔ اس کے سامنے تو ماں، بہن کچھ نہیں بول پاتی تھیں۔ کمرے میں آ کر وہ دوبارہ لائبریری کے برابر لیٹ گئی اور تھوڑی دیر میں گہری نیند میں چلی گئی۔ بچی بھی پرسکون ہو کر سوتی رہی۔ دوپہر دو بجے کے قریب لائبریری کے رونے کی آواز سے اس کی آنکھ کھلی۔ اس نے اس کو فریٹس کر کے اسے

سو پچی کے ساتھ ساری رات وہ جاگتی رہی۔ رات بھر اسے کندھے سے لگائے کمرے میں ادھر ادھر شہلتی رہی۔ صبح بھی وہ گود سے اترنے کو کسی طور تیار نہیں تھی..... وردہ نے اسے اٹھائے، اٹھائے ہی اپنے شوہر، صابر (جو صرف نام کا صابر تھا) کے لیے ناشتا تیار کیا اور اسے لیے دوبارہ کمرے میں آگئی۔ بچی ساری رات روتی رہی لیکن گھروالوں میں سے کسی نے اس کے کمرے میں جھانک کر بھی نہیں دیکھا۔ ویسے صابر کے سامنے اس کی ساس اور نند، لائبریری سے بہت پیار جتاتی تھیں۔ کمرے میں واپس آ کر اس نے بچی کو دودھ پلا کر دوا دی اور اس کا سر ہلکے، ہلکے سہلانے لگی۔ اس طرح اسے سکون ملا تو وہ سو گئی۔ اسے بیڈ پر لٹا کر وہ خود بھی اس کے ساتھ ہی لیٹ گئی۔ وہ ساری رات کی تھکی ہوئی تھی۔ جلد ہی اس کی آنکھ لگ گئی۔ صابر آفس کے لیے صبح آٹھ بجے گھر سے نکلتا تھا۔ وہ پہلے اس کا ناشتا تیار کرتی پھر لائبریری کو نہلا دھلا کر دودھ پلاتی تو وہ مطمئن ہو کر کھیلنے لگتی۔ پھر وہ اپنے سر، ساس، دیور اور نند کے لیے ناشتا بناتی جو دس بجے کے قریب ناشتا کرتے تھے۔ اس کے دیور کا الیکٹرانکس کا چھوٹا سا ذاتی شوروم تھا جو وہ گیارہ بجے کے قریب کھولتا تھا۔ باقی افراد نے تو خیر ویسے بھی گھر ہی رہنا ہوتا تھا سو یہ سب آرام سے قدرے لیٹ ناشتا کرتے۔ اب بھی وہ سب لوگ ناشتے کا ہی انتظار کر رہے تھے پر اس کی ساس اور نند سے اتنا نہ ہوا کہ وہ اس کی بے آرامی کا خیال کر کے آج خود ناشتا بنا لیتیں۔ وہ تو اسے اٹھنے کا حکم صادر کر کے جا چکی تھیں۔

وہ دھیرے سے اٹھی۔ اسے لائبریری کے جاگ جانے کا ڈر تھا سو اس نے اپنا ٹکیہ اس کے ساتھ لگا دیا۔ وردہ کے سر میں شدید درد تھا مگر کیا، کیا جاتا کہ اسے ہر حال میں سارا کام نمٹانا تھا۔

”وردہ تمہاری طبیعت ٹھیک ہے؟“ اس کے سر نے اس سے ناشتے کی ٹرے پکڑی۔

”جی ابو! میری طبیعت تو ٹھیک ہے۔ لائبریری رات

تو اسے ڈاکٹر کے پاس ہی لے جائیں۔“ اس نے طنز کیا تو وردہ ٹھنڈی سانس بھر کر رہ گئی۔ تو اس کے دو تین گھنٹے سونے کی رپورٹ نمک مرچ لگا کر اور بڑھا چڑھا کر اس تک پہنچائی جا چکی تھی۔

”ڈاکٹر سات بجے بیٹھتا ہے اور مجھے آٹھ بجے کا وقت ملا ہے اس لیے اس وقت جانا مجبوری ہے ورنہ میں آپ کو یہ زحمت کبھی نہ دیتی۔“ اب وہ اس کی اکثر باتوں کا اسی طرح ٹھنڈا سا جواب دیتی تھی۔ یہ بھی شکر تھا کہ وردہ کے ساتھ اس کا رویہ جیسا بھی تھا مگر اپنی بیٹی کے لیے تو وہ جان بھی دینے کو تیار رہتا۔ بس دوسرے کی بیٹی کو..... جو بد قسمتی سے اس کی بیوی تھی شاید انسانیت کے دائرے سے خارج سمجھتا تھا۔ جسے نہ تو کوئی بات تکلیف پہنچاتی تھی نہ ہی کسی زیادتی پر آواز اٹھانے کا حق حاصل تھا۔ سوا ب بھی وہ وردہ کو باتیں سنانے کے بعد جانے کے لیے اٹھ کھڑا ہوا۔

☆☆☆

”میں دو، تین دنوں کے لیے امی کی طرف جانا چاہتی ہوں۔“ وردہ نے بچی کو صابر کی گود میں بٹھا دیا۔ ”کیوں.....؟“ صابر کا سوال وردہ کی توقع کے عین مطابق تھا۔

”ویسے ہی بہت دن ہو گئے ان کی طرف چکر نہیں لگا۔“ وہ صوفے پر بیٹھ کر لائپہ کے کپڑے نہ کرنے لگی۔

”امی سے پوچھ لو.....“ وہ لائپہ کے ساتھ کھینے میں مصروف تھا۔ وہ جی بھر کر بد مزہ ہوئی۔ ان سے پوچھنے کا مطلب تھا ان کی جلی کٹی سننا اور پھر احسان جتاتے ہوئے۔ ”بی بی تمہاری مرضی ہے ہم نے کون سا تم پر پہرے بٹھائے ہیں۔“ کہہ کر جانے کی اجازت دینا، ایسی تذلیل بھری اجازت کے بعد وہ کس دل سے جانے کو تیار ہوتی تھی وہی جانتی تھی۔

وردہ کو بہت ارمان تھا کہ کبھی تو صابر خود اسے کہیں جانے کی اجازت دے بلکہ وہ خود اپنی امی سے کہے کہ میں وردہ کو اس کی امی کی طرف لے کر جا رہا

فیڈر دیا اور منہ ہاتھ دھو کر بال سمیٹے۔ اتنی دیر میں لائپہ فیڈر ختم کر چکی تھی۔ وہ اسے اٹھا کر کمرے سے باہر چلی آئی جانتی تھی کہ باہر بہت سے کام اس کی توجہ کے منتظر ہوں گے۔

حسب توقع بچن میں گندے برتنوں کا ڈھیر لگا ہوا تھا..... اس کی ساس اور فریج بی وی پر کوئی واہیات سا غیر ملکی ڈراما دیکھنے میں مصروف تھیں۔ دونوں کے منہ سوچے ہوئے تھے۔

”فریج! لائپہ کو تھوڑی دیر کے لیے پکڑ لو، میں برتن دھولوں.....“ وردہ، تند کے قریب گئی۔

”میں ڈراما دیکھ رہی ہوں، یہ تنگ کرے گی۔“ موڈ نہ ہوتا تو وہ لائپہ کی طرف دیکھتی تک نہیں تھی۔ اس کی ساس نے بھی اس پر ترچھی نظر ڈالی اور سر جھٹک کر دوبارہ ڈراما دیکھنے لگیں۔ وردہ کو غصہ تو بہت آیا مگر وہ بی گئی اور ایسا کرنا اس کی مجبوری تھی۔ اگر وہ پلٹ کر جواب دیتی تو شام کو صابر کے اتنے کان بھرے جاتے کہ چھوٹی سی بات کا بنگلہ بن جاتا اور آخر میں بغیر کسی تصور کے اسے معافی مانگتا پڑتی۔ اس لیے وہ خاموشی کو عافیت جانتے ہوئے پلٹ گئی کہ خاموشی انسان کو بہت سی مشکلات سے بچا لیتی ہے۔

وہ ایک ہاتھ سے نے بی چیئر گھسیٹ کر لے آئی اور لائپہ کو اس پر بٹھا کر گڑیا پکڑا دی۔ وہ اس سے کھینے گی تو اس نے جلدی، ہلدی برتن دھوئے، خیر گزری کہ وہ سارے برتن دھلنے تک آرام سے کھینتی رہی۔ وردہ کا کھانے کو دل نہیں چاہ رہا تھا سو اس نے اپنے لیے چائے کا ایک کپ بنایا اور لائپہ کو ساتھ لیے دوبارہ کمرے میں آگئی۔

☆☆☆

”صابر! چلیں لائپہ کو ڈاکٹر کے پاس لے کر جانا ہے، آٹھ بجے کا ٹائم ہے، سوا سات ہو رہے ہیں۔ ابھی نکلیں گے تو وقت پر پہنچیں گے۔“ اس نے بچی کو تیار کر کے بٹھایا۔

صابر نے ابرو اچکا کر اسے دیکھا۔

”آج سارا دن سونے کے علاوہ اور کچھ نہیں کیا

ہوں۔ مگر ایسا ہونا ناممکن تھا۔

کی غلطی کا احساس دلانے کی جرات رکھتا تھا۔  
”آپ دیکھ رہے ہیں یہ کتنی بد تمیزی کر رہا ہے۔“ اس کی ساس نے اپنے شوہر سے کہا۔ وہ حسب معمول خاموش رہے۔ شاید ان کی بے موقع خاموشیوں نے ہی حالات کو اس سچ تک پہنچایا تھا۔

”ارے! میں ہی بری ہوں جو کسی سے برداشت نہیں ہوتی۔“ وہ کھانا ادھورا چھوڑ کر اپنے کمرے میں چلی گئیں۔ جو اب میں صابر نے اسے یوں گھورا جیسے کہہ رہا ہو کہ اب تمہیں چین آ گیا۔ وہ خاموشی سے اٹھ گئی کہ مبادا اس کے منہ سے کوئی سخت بات نکل جائے۔ اگر جولا سہ کادم نہ ہوتا تو وہ سب کچھ چھوڑ چھاڑ کب کی جا چکی ہوتی۔

وردہ شادی سے پہلے اپنی سہیلیوں سے برملا کہا کرتی تھی کہ میاں، بیوی کے درمیان محبت ہونہ ہو، ایک دوسرے کے لیے عزت ضرور ہونی چاہیے کہ جہاں عزت ہو وہاں محبت بھی ہو ہی جاتی ہے۔ عزت نہ ہو تو نام نہاد محبت بھی منہ چھپا کر بھاگ جاتی ہے لیکن اس کی قسمت کہ ان دونوں میاں، بیوی میں عزت یا محبت تو دور کی بات لحاظ کارشتہ ہی نہیں تھا کہ صابر جب چاہتا اسے سب کے سامنے بری طرح لٹا کر رکھ دیتا..... اب بھی کمرے میں آ کر اس نے خوب بے عزتی کی تھی۔ وہ لائبریری کو سلا کر مگن میں بچھے تخت پر لیٹ کر روشن چاند کو تکتے لگی۔ یک دم اس کی آنکھوں سے پانی بہنے لگا۔

☆☆☆

اگلے دن اس نے ڈرتے، ڈرتے پوچھا۔  
”امی! ناشتا کر لیں۔“ سب ناشتا کر چکے تھے لیکن اس کی ساس کمرے سے باہر نہیں آئی تھیں۔ وہ نہ چاہتے ہوئے بھی ان کا ناشتا بنا کر کمرے میں لے آئی۔ ورنہ اس کا دل ان کے پاس جانے کو بالکل نہیں چاہ رہا تھا۔

”جاؤ، لے جاؤ اپنا ناشتا، بڑی آئیں میری فکر کرنے والی، یہ میرا گھر ہے، ابھی اپنے بیٹے کو اشارہ کروں تو ایک منٹ میں تمہیں اس گھر سے نکال باہر

”امی! میں دو تین دنوں کے لیے اپنی امی کے گھر چلی جاؤں؟“ اس نے رات کے کھانے کے دوران سب کی موجودگی میں بات کی۔

”امی سے کیوں پوچھ رہی ہیں؟ صابر بھائی سے اجازت لیں ناں.....“ اس کے دیور نے فوراً اسے ٹوکا۔  
”امی بڑی ہیں اس لیے.....“ مگر اس نے اس کی بات مکمل نہ ہونے دی۔

”اچھی بات ہے کہ آپ ان کی عزت کرتی ہیں لیکن یہ بھی کوئی بات نہیں ہوتی، وہ ہر دفعہ آپ کو منع کر دیتی ہیں اور آپ رک جاتی ہیں۔ آپ کو اپنے میاں سے اجازت لینی چاہیے اور امی اور ابو کو صرف اطلاع دینی چاہیے کہ آپ جا رہی ہیں۔“ وردہ کو کئی دفعہ دہرایا جانے والا ڈراما از بر تھا۔ اس لیے اس نے آج سب کی موجودگی میں بات کی تھی۔ ان دو ڈھائی سالوں میں وہ اتنا تو جان ہی گئی تھی کہ اسے اپنی بات کیسے منوانی ہے۔ بہت سی باتوں میں جہاں اسے شوہر کی سپورٹ ہونی چاہیے گی وہاں اسے اپنے دیور کی سپورٹ حاصل تھی۔ اسے اس کی بیوی پر ابھی سے رشک آتا تھا کہ جو اپنی بھائی کے معاملے میں اتنا حساس تھا وہ بیوی کے معاملے میں جو بھی کرے کم ہی ہوگا۔ اس کی منگنی اپنی چچا زاد سے ہو چکی تھی جس میں صرف حفیظ اور ابو کی رضا شامل تھی۔ اس کی ساس اپنے بیٹے کی ضد سے مجبور ہو کر راضی تھیں۔

”تو پوچھ کر کون سا احسان کرتی ہے مجھ پر..... نہ پوچھے مجھ سے۔ میں تو جیسے اس پر ظلم کے پہاڑ توڑتی ہوں ناں.....“ وہ غصے میں بولنا شروع ہو گئیں اور جب وہ بولنا شروع ہو جاتی تھیں تو پھر سوچنا بند کر دیتی تھیں۔ بات الفاظ کی نہیں لہجے کی ہوتی ہے اور ان کا لہجہ ہمیشہ وردہ کی ہستی کو بے مول کر دیتا تھا۔

”امی، پلیز! آپ کی انہی باتوں کی وجہ سے گھر کا ماحول خراب ہوتا ہے۔“ حفیظ نے ماں کو ٹوک دیا۔ اس پورے گھر میں صرف ایک وہی تھا جو اپنی ماں کو ان

بہت زبان چلاتی ہے اور ان کا ذرا ادب، ذرا عزت نہیں کرتی۔“ صابر نے چائے وغیرہ پی کر امی سے شکایت کی۔ وردہ اپنا بھرم یوں تار، تار ہونے پر کٹ کر رہ گئی کہ وہ اس سلسلے میں اپنے والدین سے بھی کم ہی بات کرتی تھی۔ اگر وہ ان باتوں کو زیادہ اچھالتی تو جو کچھ ڈھکے چھپے انداز میں ہو رہا تھا وہ سب کے سامنے آجاتا اور یہ وردہ کو کسی صورت منظور نہیں تھا۔

”بیٹا! تالی دونوں ہاتھوں سے بجاتی ہے، اس کا قصور ہے تو پھر کچھ نہ کچھ تمہارے گھر والوں کا بھی ہوگا۔ رہی بات عزت کی تو کوئی بھی کسی کو زبردستی اپنی عزت کرنے پر مجبور نہیں کر سکتا۔ اگر کوئی یہ چاہتا ہے کہ اس کی ”عزت“ اور ”ادب“ کیا جائے تو اسے چاہیے کہ وہ دوسروں کے ساتھ اپنے رویوں پر نظر ثانی کرے..... کیونکہ آپ جو کچھ دوسرے کی طرف پھینکیں گے وہی آپ کی طرف پلٹ کر آئے گا۔“ امی نے بہت گہری اور صاف باتیں کیں۔

”اوہ..... اب سمجھا کہ یہ سب آپ ہی کی شہ پر ہو رہا ہے۔“ وہ بد لحاظ ہوا۔

”بیٹا! پاؤں تلے دبی ہو تو چوٹی بھی کاٹ لیتی ہے۔ میری بیٹی تو پھر انسان ہے۔“ آج امی بھی اسے کھری، کھری سنا رہی تھیں۔

”تو آپ اسے نہیں سمجھائیں گی۔“ وہ غصے سے پوچھنے لگا۔

ایسا نہیں تھا کہ وردہ کی امی اپنی بیٹیوں کی بے جا حمایت کرتی تھیں۔ وردہ کے علاوہ بھی ان کی تین بیٹیاں شادی شدہ تھیں اور وہ اپنی بیٹیوں کو ہمیشہ صبر و تحمل کا درس دیتی تھیں۔ ان کی دو بیٹی اور وردہ سے چھوٹی بہن اپنے گھروں میں خوش تھیں۔ ان کے سسرال والوں کا رویہ ان کے ساتھ بہت اچھا تھا۔ باقی چھوٹی موٹی باتیں تو ہر گھر میں ہوتی جاتی ہیں۔ بس ایک وردہ ہی تھی جو جتنی حساس تھی اتنے ہی ناقدروں کے پلے بندھ گئی تھی۔

”سنجالیے اپنی بیٹی کو..... میں اپنی بیٹی کو لے کر

کرے گا۔ سمجھیں تم.....؟“ ان کا انداز بہت ہی توہین آمیز تھا۔ تب اس کے ایک آگ سی لگ گئی۔

”ضرور بلکہ جلدی کہیں۔ میں بھی اس جہنم میں رہتے، رہتے تھک گئی ہوں۔“ وہ پہلی مرتبہ انتہائی سختی سے بولی۔ اس کے ہاتھوں کی گرفت ضبط کی طٹائیوں پر ڈھیلی پڑ گئی تھی۔ اس نے ٹرے وہیں پٹی اور مڑ کر باہر نکل گئی۔ اس کے اندر تندور دہک رہا تھا جس میں اس کی اپنی ہی ذات، جل، جل کر مٹ رہی تھی۔ اب اس تپش کا تھوڑا سا حصہ اس نے اپنی ساس کی طرف منتقل کیا تھا جو اس کے اس طرز عمل پر منہ کھولے حتیٰ دق تھیں۔ اگر وردہ کی ساس ہر موقع پر ”منہ“ کھولنے کے بجائے دماغ کھول کر سوچنے کی عادی ہوتیں تو صورت حال بہت مختلف ہوتی۔ شام تک وہ اپنا اور لائیبہ کا سامان پیک کر چکی تھی۔

”آپ مجھے چھوڑ آئیں گے یا میں ٹیکسی سے چلی جاؤں۔“ اگلی صبح اس نے صابر سے کہا۔ آج پہلی دفعہ وہ اپنی ساس کی ناراضی کی پروا کیے بغیر جا رہی تھی۔ صابر نے اس کے حتیٰ انداز پر اسے دیکھا..... اس کا چہرہ ستا ہوا تھا۔ ہمارے رویتے ہی ہیں جو کسی کو ہمارے قریب کر دیتے ہیں اور رویتے ہی دوسرے کو ہم سے دور کر دیتے ہیں۔ صابر کا غلط رویہ وردہ کو دھیرے، دھیرے دور لے جا رہا تھا مگر وہ اس حقیقت سے بے خبر آنکھیں موندے اپنی ڈکر پر چلا جا رہا تھا۔

”کل امی سے زبان کیوں چلائی تم نے؟“ وہ اس کی بات کا جواب دینے کے بجائے اس سے جواب طلبی کر رہا تھا۔ مگر وہ خاموش رہی کہ جواب دینے کا کوئی فائدہ نہیں تھا۔ مگر آج اس کی آنکھیں بھیگ گئی تھیں۔ لہذا صابر مزید باز پرس کرنے کے بجائے کمرے سے نکل گیا۔ جو اس بات کا اشارہ تھا کہ وہ اسے چھوڑ دے گا۔ وہ اس کی خاموشی پر حیران ہوئی۔ وہ لائیبہ کو اٹھا کر دوسرے ہاتھ میں بیگ پکڑے اس کے پیچھے نکل گئی۔

☆☆☆

”آپ اپنی بیٹی کو سمجھائیں، یہ میری ماں سے



والوں کو سمجھ کر یہ علاج تجویز کیا تھا۔ وردہ سسکنے لگی تو انہوں نے اسے اپنے ساتھ لگا کر اسے تسلی دی۔ اپنی بیٹی کی تقدیر کے اس دکھ پر ان کی اپنی آنکھیں بھی نم تھیں۔ بیٹیوں کی قسمیں اگر ماں، باپ خود اپنے ہاتھوں سے لکھتے تو کبھی کسی کی بیٹی دکھی نہ ہوتی۔

صابر، لائبہ کو اٹھا کر باہر نکل آیا تھا۔ اسے اپنی ساس کی باتوں کے باوجود یہ یقین تھا کہ وردہ ضرور آئے گی اور اس کے ساتھ جائے گی۔ لہذا وہ لائبہ کو بائیک پر بٹھا کر وہیں کھڑا رہا۔ اسے وہاں کھڑے کافی دیر ہو گئی مگر وہ نہ آئی۔ اب اسے اپنی ساس کی باتوں میں صداقت محسوس ہوئی تھی ورنہ وہ تو ان کی باتوں کو محض دھمکی سمجھ رہا تھا۔ اب دوبارہ اندر جانا اس کی انا کے خلاف تھا۔ وہ بھول گیا تھا کہ اپنے گرو گھمنڈ اور انا کی چار دیواری اٹھانے والا انسان خسارے کا سودا کرتا ہے صرف خسارے کا۔ مزید دس منٹ انتظار کرنے کے بعد اس نے بائیک کو لگ لگائی اور لائبہ کو لے کر چلا گیا یہ سوچے بغیر کہ وہ اتنی چھوٹی سی بچی کو کس طرح سنبھالے گا۔

”دیکھا کتنی دیر بعد گیا ہے، اسے یقین تھا کہ تم ضرور آؤ گی۔“ بائیک اشارٹ ہونے کی آواز سن کر امی نے کہا۔ اور وہ بدحواس سی سنتی رہی۔

☆☆☆

”سلطانہ! تم نے یہ کیا بے وقوفی کی ہے؟ بیٹیوں کو اس طرح گھر میں نہیں بٹھایا جاتا۔ اتنی سمجھدار ہو کر تم نے یہ کیا حرکت کی ہے؟“ شام کو جب وردہ کے ابو اور دونوں بھائیوں کو سارے معاملے کی خبر ہوئی تو اس کے ابو نے بیوی کی خبر لی۔

”میں نے کوئی بے وقوفی نہیں کی۔ آپ کیا جانتے نہیں کہ ہماری بیٹی دو ڈھائی سال سے کتنی تکلیف میں ہے۔ آج تک ان لوگوں نے اسے گھر کے فرد کی حیثیت نہیں دی۔ ساس، سر اور باقی گھر والوں کو تو چلیں جانے دیں مگر شوہر کا رویہ تو اس کے ساتھ اچھا ہونا چاہیے نا.....“ وہ بات مکمل کر کے خاموش ہوئیں گویا انہوں نے جو کچھ کیا بالکل ٹھیک کیا تھا۔

جار ہا ہوں۔“ وردہ کی امی کی خاموشی پر صابر غصے سے تلملا اٹھا۔ اس نے لائبہ کو اٹھالیا تو وردہ تڑپ کر آگے بڑھی مگر امی نے اٹھ کر اس کی کلائی پکڑ لی اور صابر سے کہا۔

”مجھے معلوم تھا اب تم یہی حربہ آزماؤ گے۔“ وہ تین بار پہلے بھی یہی حربہ آزما چکا تھا۔ ابھی چھ ماہ پہلے وہ یہی حربہ آزما کر وردہ کو اس کی بہن کے مایوں کے فنکشن سے اٹھا کر لے گیا تھا۔ امی نے جس طرح لوگوں کو مطمئن کیا تھا وہی جانتی تھیں۔

”کیا مطلب؟“ صابر نے مڑ کر کہا۔

”یہی کہ اب تم لائبہ کو اٹھا کر چلتے بنو گے لیکن آج میری بیٹی تمہارے پیچھے نہیں آئے گی۔“ امی نے وردہ کے بازو پر اپنی گرفت مزید سخت کر لی کہ کہیں وہ اپنا بازو جھٹکے سے چھڑانے لے۔

”تو مجھے بھی کوئی شوق نہیں ہے اسے ساتھ لے جانے کا۔ اسے اپنے پاس رکھیں۔ چار دن میں عقل ٹھکانے آ جائے گی۔“ وہ غصے سے کہتے ہوئے باہر نکل گیا۔

”امی! پلیز مجھے چھوڑ دیں، جانے دیں مجھے۔“ وہ اپنی کلائی چھڑانے لگی۔

”وردہ آج تم میری بات مان کر رک جاؤ۔ میں دعویٰ سے کہتی ہوں کہ چار دن بچی کو سنبھالنا پڑے گا تو تمہاری قدر آ جائے گی اور اگر آج تم پھر اس کے پیچھے چلی گئیں تو پھر ساری عمر اسی طرح تمہیں بیک میل کرنا رہے گا۔“ انہوں نے اسے کندھوں سے پکڑ کر صوفے پر بٹھا دیا اور وہ ماں کے گلے سے لگ کر سسک اٹھی۔

”امی! آپ ان لوگوں کو نہیں جانتیں، وہ میری بچی کو مجھ سے چھین لیں گے اور پھر میری بیٹی کو بھی رول، رول کر پالیں گے۔“ بے بسی کے احساس سے اس کے رونے میں شدت آ گئی تھی۔

”جیسی ان لوگوں کی فطرت ہے نا..... ان میں سے کوئی بھی اسے نہیں سنبھالے گا بلکہ اسے بوجھ سمجھیں گے۔ تم صبر سے یہاں رہو اور صابر کو چند دن بچی کو سنبھالنے دو۔ تم دیکھنا وہ تمہیں ہاتھ جوڑ کر واپس نہ لے جائے تو کہنا۔“ انہوں نے داماد اور اس کے گھر

”تم لوگ وہاں کیا ہاتھ لگانے گئے تھے؟“ وہ سمجھیں کہ وردہ بھی واپس آگئی ہے۔  
”نہیں، میں لائیب کو اپنے ساتھ لے آیا ہوں اور وردہ اب وہیں رہے گی۔“ اس نے بیٹی کو دادی کی گود میں دے دیا۔

”کیا مطلب.....؟ یہ اپنی ماں کے بغیر کیسے رہے گی؟“ انہوں نے پریشانی سے پوچھا۔ صابر کی بات انہیں جو کچھ سمجھا رہی تھی وہ ہرگز اس کو سمجھنا نہیں چاہ رہی تھیں۔

”آپ لوگ سنھالیں گی اسے، وردہ چار دن ماں، باپ کے گھر رہے گی تو ساری بدتمیزی دھری کی دھری رہ جائے گی۔ پھر آپ کے ساتھ روز، روز زبان چلانے کی جرات نہیں کرے گی۔“ اس نے ماں کے ساتھ بیٹھ کر ان کے کندھے پر بازو پھیلا لیا۔

”اب وہ جیسی بھی ہے تمہیں اسے چھوڑ کر نہیں آنا چاہیے تھا۔ میری بھلا کوئی عمر ہے کہ میں یوں بچوں کے پیچھے بھاگ سکوں۔“ وہ تو صاف ستھری لائیب کو بھی چند گھڑی سے زیادہ برداشت نہیں کرتی تھیں۔ کجا یہ کہ اب اس کی صفائی ستھرائی سے لے کر اسے سارا دن سنبھالنا۔ ماں کی بات سن کر وہ بیٹی کو اٹھا کر اپنے کمرے میں چلا گیا۔ وہ ماں کو یہ نہ بتا سکا کہ وہ وردہ کو خود چھوڑ کر نہیں آیا بلکہ اس کی ماں نے اسے روک لیا ہے۔

”دیکھو ذرا اس لڑکے کا دماغ..... اسے وہاں چھوڑ آیا ہے، اب سارا گھر بھی ہم ماں، بیٹی کو سنبھالنا پڑے گا اور..... اور اس کی بیٹی کے لاڈ بھی اٹھانا پڑیں گے۔“ وہ اپنی بیٹی سے مخاطب تھیں اور ایسا کہتے ہوئے وہ بالکل بھول گئیں کہ لائیب کو بہو اپنے جینز میں نہیں لائی تھی بلکہ وہ ان کے لاڈلے بیٹے کی اولاد ہے مگر اس وقت وہ صرف وردہ کی ساس بن کر سوچ رہی تھیں، صابر کی ماں بن کر نہیں.....

”امی! مجھ سے کوئی امید نہیں رکھیے گا۔ میں کسی کام میں آپ کا ہاتھ نہیں بٹاؤں گی۔ آپ اچھی طرح جانتی ہیں کہ نہ تو مجھ سے ہانڈی چولھا ہوتا ہے اور نہ ہی

”تو تمہیں کیا لگتا ہے کہ تمہارے اس فعل سے ان کا رویہ ٹھیک ہو جائے گا؟ بیٹیوں کو برداشت کا سبق دینا چاہیے۔ برداشت ایسے ہی نہیں آجاتی، اس کو پالنا پڑتا ہے اور تم اپنی بیٹی کو برداشت کا گلا گھونٹ کر مار دینے کا سبق پڑھا رہی ہو۔“ انہوں نے بیوی کے اس فعل کی ہرگز طرف داری نہیں کی تھی بلکہ اپنی ناپسندیدگی کا اظہار کیا تھا۔

”آپ اچھی طرح جانتے ہیں کہ میں بیاتا بیٹیوں کی بے جا حمایت کرنے والی ماؤں میں سے نہیں ہوں۔ مگر یہ روز، روز کے تماشے بھی اب مجھ سے برداشت نہیں ہوتے۔ وردہ کو کتنی تکلیف ہوتی ہوگی۔ میں نے یہ کام سوچ سمجھ کر کیا ہے اور مجھے یقین ہے کہ آئندہ ایسی نوبت نہیں آئے گی۔“ سلطانہ بیگم کا لہجہ بہت مضبوط تھا۔

”دیکھ لینا کہیں تمہارا یہ یقین اسے لے نہ ڈوبے۔“ ابو نے اس معاملے میں ان کی بالکل حمایت نہیں کی تھی۔

”منصور صاحب اللہ پر بھروسہ رکھیں..... آپ کو یاد ہے ناں کہ جب لائیب دو ماہ کی تھی تب بھی صابر نے یہ حرکت کی تھی۔ پھر ثنا کی مایوں والے روز بھی وہ یہی تماشا کر کے وردہ کو اٹھا کر لے گیا تھا۔ اب تک ہم ان باتوں سے چشم پوشی کرتے آئے ہیں مگر یہ لوگ اس طرح ٹھیک نہیں ہوں گے۔ اگر چار دن بھی ان لوگوں نے لائیب کو سنبھال لیا تو میرا نام بدل دیجیے گا۔ بیٹی کی خاطر ہی سہی وہ خود وردہ کو خود لینے آئے گا اور آئندہ ایسی حرکت کرنے سے باز رہے گا۔“ سدا کی دور اندیش سلطانہ بیگم کا یہ قدم ان کے میاں کو ایک آنکھ نہیں بھایا تھا۔

☆☆☆

صابر، لائیب کو لے کر گھر پہنچا تو اس کی امی اور بہن حسب معمول ٹی وی دیکھنے میں مشغول تھیں۔ اس کی امی نے اسے ایک نظر دیکھا اور پھر ٹی وی دیکھنے میں مشغول ہو گئیں۔

نہیں پی رہی تھی۔ کیونکہ وردہ اسے دن میں صرف دو بار اور رات کو ایک فیڈر دیتی تھی باقی وقت وہ اسے خود فیڈ کرواتی تھی۔ لہذا اب وہ اپنی ماں کو ڈھونڈ رہی تھی۔

”امی پلیز آپ اسے تھوڑی دیر کے لیے پکڑ لیں۔“ وہ ماں کے کمرے میں چلا آیا۔ انہوں نے باڈل ناخواستہ اسے پکڑ لیا۔ لائے رو، رو کر تھک گئی تو خود ہی سو گئی اور ان سب نے اللہ کا شکر ادا کیا۔

☆☆☆

رات کو وردہ کی امی کمرے میں آئیں تو وہ گھٹنوں کے گرد بازو لپیٹ کر بیٹھی ہوئی تھی۔ ان کا بس چلتا تو وہ اپنی بیٹی پر صدقے ہو جاتیں، مرجاتیں مگر اس کا دکھ سمیٹ لیتیں۔

”وردہ!“ انہوں نے بے بسی کے احساس سے مغلوب ہو کر اسے پکارا۔

”جی امی.....“ ان کی پکار پر اس نے سر اٹھایا۔

”بیٹا! آکر کھانا کھا لو۔ ہم سب تمہارا انتظار کر رہے ہیں۔“ انہوں نے اس کے پاس بیٹھ کر محبت سے کہا۔

”امی! آپ سب کھانا کھالیں، مجھے بھوک نہیں ہے۔“ اس نے ان کا ہاتھ تھام کر چہرے پر زبردستی کی مسکراہٹ لانے کی کوشش کی مگر ناکام رہی۔

”تھوڑا سا کھا لو، اگر تم باہر نہیں آنا چاہ رہیں تو میں یہیں لا کر دیتی ہوں۔“

”امی مجھے واقعی بھوک نہیں ہے۔“

”اچھا میں تمہارے لیے دودھ لاتی ہوں، سونے سے پہلے پی لینا۔“ وہ اٹھ گئیں۔ وردہ نے دھیرے سے سر ہلا دیا۔ بیٹی کی جدائی میں اس کا کھانا پینا برائے نام ہی رہ گیا تھا۔

وردہ عشا کی نماز پڑھ کر لیٹ گئی۔ مگر نیند اس کی آنکھوں سے کوسوں دور تھی۔ ساری رات وہ ہنسی کے بارے میں سوچ، سوچ کر پریشان ہوتی رہی کہ وہ اس کے بغیر کیسے رہے گی۔ اس کے بغیر کیسے سوائے گی۔ وہ اپنا خالی پہلو دیکھ کر روتی رہی۔ جب لیٹ کر چین نہ آتا

مجھ سے بچوں کی ریں، ریں برداشت ہوتی ہے۔“ اس نے ماں کو کورا جواب دیا۔

”پہلے تو بڑا اسے اٹھائے، اٹھائے پھرتی تھیں۔“ اس کی بات پر انہیں غصہ آ گیا۔

”ہاں تو صاف سحرے بچے کو اٹھا کر چند گھنٹیاں اس کے ساتھ کھیلتا اور بات ہے اور سارا دن اسے سنبھالنا اور اس کی ساری ذمے داریاں اٹھانا اور بات ہے۔“ فریحہ نے ہار ماننا تو سیکھا ہی نہیں تھا۔ وہ بدتمیزی سے بات کھل کر کے وہاں سے اٹھ کر چلی گئی۔

کمرے میں جا کر لائے سو گئی تھی۔ دو تین گھنٹے سونے کے بعد وہ اٹھ گئی۔ اسے بھوک لگی رہی تھی، وہ رونے لگی۔ صابر اسے اٹھا کر باہر لایا۔

”فریحہ! اس کا دودھ بناؤ.....“ وہ برا سامنہ بنا کر کچن میں چلی گئی اور انہی قدموں پر واپس پلٹ آئی۔

”بھائی! اس کا فیڈر کہاں ہے؟“ اس نے نروٹھے پن سے پوچھا۔

”اوہ..... اس کا بیگ تو میں لایا ہی نہیں..... اچھا تم کپ میں دودھ لے آؤ پھر میں بازار سے نیا فیڈر لے آؤں گا۔“ کسی طرح اس نے دودھ پیا۔ پیٹ بھر گیا تو وہ نہ صرف خاموش ہو گئی بلکہ کھینے لگی۔

شام تک لائے کو وردہ کہیں نظر نہیں آئی تو وہ ماما، ماما، ماما کر کے ڈھونڈنے لگی۔ وہ اپنے باپ کی گود میں بے چین ہو رہی تھی۔ وردہ اسے بے شک سارا دن اپنے پاس نہیں رکھتی تھی مگر پھر بھی لائے کو وہ کام کرتے، چلتے پھرتے نظر آتی تھی اور کچھ نہ سہی تو اس کی آواز تو سنائی دیتی رہتی تھی۔ پچھلے پانچ، چھ گھنٹوں میں وہ اسے نظر نہ آئی تو وہ بسورنے لگی۔

”جاؤ اب اسے باہر لے جاؤ، رونا شروع کر دے گی تو کون سنبھالے گا۔“ صابر کی ماں کا لہجہ بہت کھردرا تھا۔ اس نے ماں کے بیزار انداز کو حیرت سے دیکھا۔ اس وقت تو لائے بہلانے سے چپ کر گئی مگر رات کو اس نے رو، رو کر آسمان سر پر اٹھالیا۔ صابر اسے بہلا بہلا کر تھک گیا۔ اب وہ فیڈر سے دودھ بھی

## یہ شمارہ پاک سوسائٹی ڈاٹ کام نے پیش کیا ہے

### پاک سوسائٹی خاص کیوں ہیں:-

ہائس کو الٹی پی ڈی ایف      ایڈفرس لنکس  
ایک کلک سے ڈاؤنلوڈ      ڈاؤنلوڈ اور آن لائن ریڈنگ ایک پیج پر  
کتاب کی مختلف سائزوں میں اپلوڈنگ      ناولز اور عمران سیریز کی مکمل ریبنج

Click on <http://paksociety.com> to Visit Us

<http://fb.com/paksociety>

پاک سوسائٹی کو فیس بک پر جوائن کریں

<http://twitter.com/paksociety1>

پاک سوسائٹی کو ٹویٹر پر جوائن کریں

<https://plus.google.com/112999726194960503629>

پاک سوسائٹی کو گوگل پلس پر جوائن کریں

ہمیں وزٹ کرنے کے لئے ہمارا ویب ایڈریس براؤزر میں لکھیں یا گوگل میں پاک سوسائٹی تلاش کریں۔

اپنے دوست احباب اور فیملی کو ہماری ویب سائٹ کا بتا کر پاکستان کی آن لائن لائبریری کا ممبر بنائیں۔

اس خوبصورت ویب سائٹ کو چلانے کے لئے ہر ماہ کثیر سرمایہ درکار ہوتا ہے، اگر آپ مالی مدد کرنا چاہتے ہیں تو ہم سے فیس

بک پر رابطہ کریں۔۔۔

ہمیں فیس بک پر لائک کریں اور ہر کتاب اپنی وال پر دیکھنے کے لئے امیج پر دی گئی ہدایات پر عمل کریں:-

**Dont miss a singal one of your Favourite Paksociety's Update !**

- i. Open Paksociety Page.
- ii. Click Liked.
- iii. Select Get Notifications.
- iv. Select See First.

All Done



میں بیان کیا جا رہا تھا۔ قدر کرنے والی ہوتیں تو اپنی اتنی اچھی اور سکھز بہو کو کلیجے سے لگا کر رکھتیں مگر انہوں نے تو خدا واسطے کا بھر باندھ کر اس کا جینا دو بھر کر دیا تھا۔ ابھی وہ ناشتا بنانے کے بارے میں سوچ ہی رہی تھی کہ لائبرے اٹھ گئی۔ انہوں نے فریجہ کو بہت آوازیں دیں مگر وہ بس سے مس نہیں ہوئی۔ سوتے ہوئے کو جگا یا جاسکتا ہے مگر جاگتے ہوئے کو کون جگائے۔ سونا چار انہوں نے خود ہی اس کا پیپر بدلا اور اس کا منہ ہاتھ دھلا کر اسے فیڈر دے دیا۔ وہ آرام سے فیڈر پینے لگی۔

”ماما! ماما۔“ دودھ ختم ہو تو لائبرے نے ماما کی گردان شروع کر دی۔ تھوڑی دیر بعد وہ بسور نے لگی اور جب کسی نے توجہ نہیں کی تو وہ زور، زور سے رونے لگی۔

”کیا تکلیف ہے تمہیں؟“ انہوں نے لائبرے کو جھنجھوڑ کر اٹھایا اور ایک ہاتھ سے فریجہ کے اوپر سے کبل کھینچ کر پرے پھینک دیا۔

”مہارانی! اب اسے تو پکڑ لو تا کہ میں تمہارے ٹھونسنے کا بندوبست کروں۔“ ان کا لہجہ پٹور سے بھرا ہوا تھا۔ فریجہ کو اٹھتے ہی بنی۔ اس نے جھپٹ کر لائبرے کو اپنی گود میں لیا تو اس کے رونے میں اور شدت آگئی۔

☆☆☆

”بھابی کہاں ہیں؟“ حفیظ نے ناشتا کرتے ہوئے پوچھا۔ وہ رات کو لیٹ آیا تھا اس لیے سارے واقعے سے لاعلم تھا۔

”تمہارا بھائی اسے اس کی ماں کے گھر چھوڑ آیا ہے اور لائبرے کو اپنے ساتھ لے آیا ہے۔“ اس کی بات کے جواب میں ماں نے خاموشی اختیار کر لی تو اس کے ابونے لب کھولے۔

”کیا مطلب.....؟“ حفیظ نے نا سمجھی سے پوچھا۔

”مطلب اپنی ماں سے پوچھو جسے گھر کا سکون برا لگتا ہے۔“ وہ اپنے میاں کی اس بات پر تڑپ اٹھیں۔

”ہاں سارا قصور میرا ہی ہے۔ میں نے اس میسنی سے کہا تھا کہ جا کر اپنی ماں کے گھر بیٹھ جائے۔“ امی نے چیخ کر میاں کی بات کا جواب دیا۔

تو وہ اٹھ کر بیٹھ جاتی پھر بھی بے چینی ختم نہ ہوتی تو وہ اٹھ کر کمرے میں ٹھنکنے لگتی۔

☆☆☆

صبح صابر کی آنکھ لیٹ کھلی۔ وہ جلدی، جلدی آفس جانے کی تیاری کرنے لگا۔ اتنے میں لائبرے کسمانے لگی اسے شاید بھوک لگ رہی تھی۔ اس نے اسے تھکا تو وہ دوبارہ سو گئی۔ اس نے اطمینان سے اپنی تیاری مکمل کی اور لائبرے کو دھیرے سے اٹھا کر کمرے سے باہر نکل آیا۔ سارا گھر سائیں، سائیں کر رہا تھا۔ سب گھر والے سو رہے تھے۔ وہ غیر ارادی طور پر بچن کے سامنے پہنچ کر رک گیا۔ اسے کچھ کمی سی محسوس ہوئی۔

آج ایک فرد کے نہ ہونے سے منظر جیسے نامکمل سا تھا کہ وروہ اس سے پہلے اٹھ کر ناشتا تیار کرتی تھی اور اس کے ہوتے ہوئے وہ کبھی ناشتے کے بغیر دفتر نہیں گیا تھا۔ مگر آج اس کو ناشتا بنا کر دینے والی موجود نہیں تھی اور کسی کو کوئی فکر نہیں تھی۔ سوا سے بھوکے ہی جانا تھا۔

صابر، لائبرے کو کندھے سے لگائے ماں کے کمرے کے دروازے پر دستک دینے لگا۔ دو چار دفعہ دستک دینے کے بعد اس کی امی نے دروازہ کھولا۔ وہ جمائیوں پر جمائیاں لے رہی تھیں۔

”امی! میں آفس جا رہا ہوں، آپ لائبرے کو اپنے ساتھ سلا لیں۔“ اس نے آگے بڑھ کر بچی کو اپنی ماں کے بستر پر لٹا دیا کہ وہ اس وقت اسے اٹھانے کے موڈ میں نہیں تھیں۔

”فریجہ اٹھے تو اس سے کہیے گا کہ اسے نہلا دھلا کر ناشتا کروادے۔“ وہ ہدایت دے کر مڑا تو اسے اپنی ماں کے چہرے پر دنیا جہاں کی بیزاری نظر آئی۔ وہ ان پر ایک نظر ڈال کر کمرے سے باہر نکل گیا۔

”کیا مصیبت ہے؟ آج ناشتا بھی مجھے ہی بنانا پڑے گا۔ چنڈال نے اتنے سالوں میں سب کی عادتیں ہی بگاڑ دیں ہیں۔“ وہ اپنے بستر پر بیٹھ کر دل ہی دل میں وروہ کو کوسنے لگیں۔ کم ظرفی سی کم ظرفی تھی کہ دوسرے کی اچھائی کو بھی برائی کے پیرائے

اس طرح چیخ کر شاید وہ سچ کو دبانا چاہ رہی تھیں مگر سچ بھی کبھی دبا ہے وہ تو ابھر ابھر کر نظر آتا ہے۔ بالکل صاف اور واضح..... اپنے پورے وجود کے ساتھ، اپنے آپ کو منوانے والے انداز میں، اب کوئی جان بوجھ کر نظر چرائے تو الگ بات ہے۔

”بیگم! اپنا جملہ درست کرو وہ خود نہیں گئی، تمہارا لاڈلا اسے چھوڑ کر آیا ہے۔“ ابو کو بہت غصہ تھا۔

”امی، میں آپ کو بتا رہا ہوں کہ آپ لوگ یہ سب ٹھیک نہیں کر رہے۔ آپ لوگوں نے محصوم بچی کو اس کی ماں سے دور کر دیا۔ آپ بھائی سے کہیں کہ وہ بھابی کو لے کر آئیں۔“ حفیظ نے بات مکمل کر کے ہونٹ بھیج لیے۔

”وہ میرا کہنا کہاں مانتا ہے بھلا؟“ انہوں نے بری الذمہ ہونے کی کوشش کی۔

”بات بگاڑتے وقت تو آپ کی سب باتیں مانتا ہے تو بات سنوارنے میں کیوں نہیں مانتا گا۔“ حفیظ کا ہر لحاظ بالائے طاق رکھ دیا۔ اسے یہ صورت حال بہت تاؤ دلا رہی تھی۔

”تم تو میرے منہ نہ ہی لگا کرو..... ابھی سے یہ حالات ہیں، اپنی آجائے گی تو تم مجھ بڑھیا کو گھر سے نکال باہر کرو گے۔“ وہ غصے سے لال پیلی ہو گئیں اور سامنے رکھی پلیٹ کو دور پھینکا..... حفیظ تاسف سے سر ہلکا کرنا شتا کرنے لگا۔

”امی، یہ لیس پکڑیں اسے، مجھ سے نہیں سنجالی جارہی۔“ فریحہ رو دینے کے قریب تھی اور لائیبہ مسلسل رو رہی تھی۔ دادی نے پوتی کو دیکھ کر برا سامنہ بنایا مگر اسے پکڑنے کو ہاتھ نہ بڑھائے۔ حفیظ نے ان کے... رد عمل کو بہت غور سے دیکھا تھا۔

”لاؤ ادھر دو، میں اسے بھابی کے پاس چھوڑ کر آتا ہوں۔“ حفیظ نے اٹھ کر بیچی کو اپنی گود میں لے لیا۔ اس کے لاڈ پیارے سے پچکارنے پر بھی اس کا رونا کم نہیں ہوا۔

”صابر نے کہا ہے کہ یہ اب ادھر ہی رہے گی۔“

ماہنامہ پاکیزہ ﴿ 130 ﴾ ستمبر 2016ء

اس کی امی نے کمزور سا احتجاج کیا۔ حالانکہ دل سے وہ بھی یہی چاہ رہی تھی کہ حفیظ، لائیبہ کو اس کی ماں کے پاس چھوڑ آئے تاکہ اس مفت ٹینشن سے تو نجات ملے۔

تقریباً گیارہ ساڑھے گیارہ کا وقت تھا۔ وہ تیار ہو کر لائیبہ کو لے کر باہر نکل رہا تھا۔ جب صابر آفس سے چھٹی لے کر آ گیا۔ دونوں کا ٹاکرا لاؤنج کے دروازے کے پاس ہوا تھا۔

”اسے کہاں لے کر جا رہے ہو؟“

”میں اسے اس کی ماں کے پاس چھوڑنے جا رہا ہوں۔“ بھائی کی بات پر صابر کے چہرے پر غصے کے تاثرات نمودار ہوئے۔ وہ غصے سے تن فن کرتا اس کے سامنے جا کھڑا ہوا۔

”تم کون ہوتے ہو میری بیٹی کے بارے میں کوئی فیصلہ کرنے والے؟ لاؤ ادھر دو اسے میں خود سنبھالوں گا۔“ اس نے لائیبہ کو اس کی گود سے جھپٹ لیا۔ وہ پھر سے رونا شروع ہو گئی۔

”ٹھیک کہا آپ نے، سنبھالنا تو آپ کو خود ہی ہے کیونکہ اس گھر میں کسی کو اس سے محبت تو دور اتنی ہمدردی بھی نہیں ہے کہ اسے اچھے طریقے سے سنبھال لے۔ بلکہ سب اسے بوجھ سمجھ رہے ہیں۔ بہتر ہے کہ آپ بھابی کو واپس لے آئیں یا لائیبہ کو ان کے پاس چھوڑ آئیں۔ اگر یہ اسی طرح روتی رہی تو بیمار ہو جائے گی۔“ حفیظ اچھا خاصا تپ چکا تھا۔

”کوئی خیال رکھے یا نہ رکھے مگر میں اپنی بیٹی کو خود سنبھال سکتا ہوں۔“ اس نے بیچی کے آنسو صاف کیے۔

”مگر کیسے.....؟ آپ ہر روز تو آفس سے چھٹی نہیں کر سکتے۔“ حفیظ اپنی باتوں کا کوئی اثر ہوتے نہ دیکھ کر جا چکا تھا۔

رونے سے لائیبہ کی حالت بہت خراب ہو رہی تھی۔ ابھی تک وہ کل والے کپڑے ہی پہنے ہوئے تھی۔ بال بکھرے ہوئے تھے۔ اس کے دل کو کچھ ہوا۔ وہ اسے کمرے میں لے آیا۔ اس کا ہاتھ منہ دھلایا اور جیسے تیسے اس کے کپڑے تبدیل کیے کہ آج سے پہلے یہ سب

حال چال پوچھا۔ ہر بار فون کرنے پر اسے اس کے رونے کی آواز سنائی دی تھی۔ پریشانی میں جیسے تیسے اپنا کام مکمل کیا اور شام کو آفس سے ذرا جلدی اٹھ گیا۔

صابر گھر پہنچا تو اسے شدید غصے نے آن گھیرا۔ لائبرے گندے سندے چلیے میں ٹی، وی لاؤنج کے فرش پر لیٹی رو رہی تھی اور فریجہ پاس بیٹھی آرام سے ٹی وی دیکھ رہی تھی۔ اسے اتنا خیال نہیں آیا کہ وہ بچی کو چپ کر والے۔ رو، رو کر اس کا گلا بیٹھ چکا تھا۔ وہ اپنا بیگ صوفے پر پھینک کر اس کی طرف لڑکا۔ اس کو سیدھا کیا۔ وہ نڈھال سی ہو رہی تھی اور مسلسل سسک رہی تھی۔ صابر کا کلیجہ منہ کو آنے لگا۔

”فریجہ! تمہیں نظر نہیں آ رہا لائبرے کتنا رو رہی ہے۔ کم از کم اسے اپنی گود میں تو بٹھا لو.....“ وہ دہاڑا مگر فریجہ کے کان پر جوں تک نہیں رہتی۔ اس کی آواز سن کر اس کی امی کمرے سے باہر آئیں۔

”ارے کیا شور مچا رہے ہو؟ صبح سے اسے سنبھال، سنبھال کر ہم دونوں تھک گئے۔ بھئی سیدھی سی بات ہے کہ یا تو اپنی بیوی کو واپس لے آؤ یا اسے اس کے پاس چھوڑ آؤ۔ ہم سے یہ ذتے داری نہیں اٹھائی جاتی۔ اور تم سے کس نے کہا تھا کہ بے وقوفوں کی طرح اسے وہیں چھوڑ آؤ..... اب کون سا، سارا دن بچی کے لاڈ اٹھائے۔“ اس کی ماں نے غیریت کی انتہا کر دی تھی۔

”السلام علیکم.....“ حقیقت کی منگیتر آسید غیر متوقع طور پر چلی آئی تھی۔ وہ ان کے گھر کم ہی آتی تھی۔ منگنی کے بعد تو اس نے آنا جانا تقریباً ختم ہی کر دیا تھا۔ کسی نے اس کے سلام کا جواب دینے کی زحمت نہیں کی تھی۔ فریجہ اور اس کی ماں نے تو باقاعدہ ناک پھلا کر اپنی ناپسندیدگی ظاہر کی تھی۔ وہ بھی سب کو نظر انداز کر کے صابر سے مخاطب ہوئی۔

”صابر بھائی! لائبرے کو مجھے دیں۔ میں اس کے کپڑے بدلوا دیتی ہوں۔“ صابر اپنی ماں کی باتوں پر سن ہوتے ہوئے ذہن کے ساتھ کھڑا تھا۔ آسید، لائبرے

کرنے کی نوبت ہی نہیں آئی تھی۔ پھر وہ اسے بہلا پھسلا کر سیریلیک کھلانے لگا۔ اس کا پیٹ بھر گیا تو موڈ بھی کچھ بہتر ہو گیا۔ وہ اسے کھلونے دے کر باہر نکل آیا۔ اس نے خود صبح سے کچھ نہیں کھایا تھا۔ اسے آفس سے آئے ہوئے تقریباً آدھا گھنٹا ہونے کو آیا تھا مگر کسی نے اسے چائے کا ایک کپ تک نہیں پوچھا تھا۔ چائے کی شدید طلب ہو رہی تھی۔ اس نے کچن میں آ کر اپنے لیے ایک کپ چائے بنا لی اور دوبارہ کمرے میں چلا گیا۔

☆☆☆

لائبرے کو اس کی ماں سے جدا ہوئے آج چوتھا دن تھا۔ وہ اپنی ماں کو اتنا مس کر رہی تھی کہ شام تک اس کو بخار نے آلیا اور رات تک موشنز اور الٹیوں نے گھیر لیا۔ وہ پہلے ہی پوری طرح صحت مند نہیں ہو پائی تھی کہ کھانے پینے میں بے احتیاطی سے دوبارہ یہ سلسلہ شروع ہو گیا۔ رات بھر الٹیاں اور موشنز کرنے کی وجہ سے بچی بالکل نچڑ کر رہ گئی۔ تکلیف کی وجہ سے وہ ساری رات روئی رہی۔ رات کو فریجہ تو آرام سے جا کر سو گئی تھی مگر اس کی امی کو چارو ناچار صابر کے ساتھ مل کر لائبرے کی تیمارداری کرنا پڑی تھی۔

فجر کی اذان ہوئی تو وہ نماز پڑھنے کا بہانہ کر کے اپنے کمرے میں آ کر سو گئیں۔ صابر کا سرد رو سے پھٹا جا رہا تھا۔ اسے بے اختیار وردہ یاد آئی کہ جب بھی لائبرے بیمار ہوتی تو وہ اسے کندھے سے لگائے ساری، ساری رات ٹہلتی رہتی..... صبح گھر کا سارا کام بھی کرتی اور لائبرے کو بھی بہلائے رکھتی۔ سب سے بڑی بات کہ بچی کتنی ہی بیمار کیوں نہ ہو وہ اسے بہت صاف ستھرا رکھتی تھی۔

”یہ میں کیا اسے ہی سوچے جا رہا ہوں۔ اس جیسی نافرمان عورتوں کی اولاد کا یہی حشر ہوتا ہے۔“ وردہ کا خیال ضدی بچے کی طرح اس کے ساتھ لپٹ، لپٹ جا رہا تھا۔ وہ دل ہی دل میں کڑھتے ہوئے لیٹ گیا۔

صابر نے صبح لائبرے کو ڈاکٹر کو دکھایا، دو اینٹیاں لے کر اسے گھر چھوڑا اور خود آفس چلا گیا۔

دن میں دو تین بار فون کر کے اس نے بچی کا

سوالیہ نظروں سے دیکھا۔ جواب میں وہ خاموش رہا۔  
کہنے کو تو بہت کچھ تھا مگر کہنے کی ہمت نہیں تھی۔

”ماں کے حقوق اپنی جگہ اہم ہیں مگر آپ نے یہ  
کبھی سوچا کہ جسے آپ نے اللہ اور رسول کو گواہ بنا کر  
اپنی ذمے داری بنایا ہے اس کے حقوق کی ادائیگی بھی  
ضروری ہے۔ بھائی! میں نہیں کہتا کہ آپ امی کا ادب  
کرنا چھوڑ دیں۔ میں تو یہ چاہتا ہوں کہ آپ بھابی کا  
بھی خیال رکھیں۔ دونوں کے حقوق کی ادائیگی میں اتنا  
توازن ضرور رکھیں کہ کسی ایک کے حقوق کی ادائیگی  
سے دوسرے کی حق تلی نہ ہو۔“ وہ کسی بڑے کی طرح  
اسے سمجھا رہا تھا۔

”مرد کو عورت کا نگران بنایا گیا ہے تو اس کا یہ  
مطلب ہرگز نہیں ہے کہ وہ عورت کی تذلیل کرے اور  
اسے دکھ پہنچائے بلکہ اس کا مطلب یہ ہے کہ وہ عورت  
کے لیے چھپر چھاؤں بن جائے۔ ہر مشکل اور مصیبت  
کو اس تک پہنچنے سے روکے۔ اس کی پناہ گاہ بن جائے  
جہاں عورت خود کو محفوظ ترین خیال کرے تاکہ ایسا جلاو  
بن جائے جسے دور سے دیکھ کر ہی بیچاری عورت تھر تھر کاپنے  
لگے۔ بھابی اگر ہر دفعہ ناراضی دور کرنے میں پہل کرتی  
رہی ہیں تو اس کا یہ مطلب ہرگز نہیں ہے ہمیشہ وہ غلطی پر  
ہوتی تھیں بلکہ اس کا مطلب یہ ہے کہ انہیں اپنی انا سے  
زیادہ آپ کے ساتھ اپنا رشتہ عزیز ہے۔ بھائی! کہتے  
ہیں کہ ایک اچھی اور نیک سیرت عورت فقیر کے گھر  
میں بھی ہو تو اسے بادشاہ بنا دیتی ہے۔ آپ بھابی جیسی  
اچھی اور نیک عادات والی عورت کی قدر کرنے کے  
بجائے ان کو دھتکار کر سراسر اپنا نقصان کر رہے ہیں۔“  
صابر سر جھکائے چھوٹے بھائی کی باتیں سن رہا تھا۔  
”پلیز آپ اچھی طرح سوچ لیں کہ آپ کیا کرنا  
چاہتے ہیں مگر میرا تو پُرِ خلو من مشورہ یہاں ہے کہ آپ  
لائبہ کو یہاں سے لے کر سیدھے بھابی کے پاس جائیں  
اور ان کو گھر لے آئیں۔ آپ خود بھی انہیں ان کا جائز  
مقام دیں اور گھر والوں سے بھی دلوائیں۔“ حفیظ کی  
باتوں کے جواب میں صابر بالکل خاموش رہا تو وہ

کولے کر کمرے میں چلی گئی۔ صابر لاؤنج میں صوفے  
پر بیٹھ گیا اور اس کی امی اور بہن اپنے کمرے میں جا  
گھسیں۔ آسیہ کو دیکھ کر ان دونوں کا موڈ بہت ہی خراب  
ہو چکا تھا۔

☆☆☆

وہ لائبہ کو صاف ستھرا کر کے کپڑے بدلو کر باہر  
آئی۔ اتنے میں حفیظ بھی پہنچ گیا۔  
”چلیں بھائی! آسیہ کو میں نے فون کر کے ادھر  
بھیجا تھا کہ وہ ذرا لائبہ کی دیکھ بھال کر لے مگر اس نے  
مجھے فون کر کے بتایا کہ لائبہ کو تو ڈاکٹر کے پاس لے کر  
جانا ہوگا۔“ صابر چپ چاپ بھائی کے ساتھ گاڑی  
میں بیٹھ گیا۔ آسیہ لائبہ کو لیے پچھلی سیٹ پر بیٹھ گئی۔  
صابر کی امی اور بہن نے ساتھ جانا تو کجا کمرے سے  
باہر آ کر یہ تک پوچھنے کی زحمت نہ کی کہ وہ لائبہ کو لے کر  
کہاں جا رہے ہیں۔

”الیوں اور موشنر کی وجہ سے بچی میں پانی کی  
بہت کمی ہو گئی ہے۔ مجھے لگتا ہے کہ بچی نے کافی  
دنوں سے کھانا پینا بھی چھوڑ رکھا ہے۔ اس لیے اس کی  
حالت اتنی خراب ہو رہی ہے۔ اسے ڈرپ لگانا پڑے  
گی۔ آپ لوگ یہیں رکھیں۔ میں کچھ دوائیاں بھی لکھ  
دیتا ہوں جو ہر چار گھنٹے بعد دیتے رہے گا۔ اور اس کی  
بہت کیر کیجیے گا اور خاص طور پر پانی کی بہت احتیاط  
کریں۔ اور ہاں اول تو فیڈ نہ دیں اور اگر دیں تو  
بوائے کریں۔“ ڈاکٹر بات ختم کر کے اٹھ کھڑا ہوا۔

ڈرپ لگوانے کے دوران بھی لائبہ روتی رہی۔  
آسیہ ہی اسے سنبھال رہی تھی۔ وہ دونوں بھائی وارڈ  
سے باہر چلے آئے۔ حفیظ نے اپنے پریشان سے بھائی  
کو ایک نظر دیکھا۔

”بھائی.....!“ حفیظ نے بے ساختہ پکارا۔

”ہوں.....“ اس کا سر جھکا ہوا تھا۔

”آپ کو کبھی یہ احساس نہیں ہوا کہ آپ پہلے  
بھابی کے ساتھ زیادتی کرتے رہے ہیں اور اب آپ  
بچی کے ساتھ ظلم کر رہے ہیں؟“ حفیظ نے اس کی طرف



سائس لے کر خود کو ڈھیلا چھوڑ دیا۔

کچھ لمحے بہت فیصلہ کن ہوتے ہیں۔ یہ لمحے وہ فیصلے بھی کروادیتے ہیں جو سالوں سے کسی کی ایک نظرِ کرم کے منتظر ہوتے ہیں۔ آگہی کے ان لمحوں نے صابر سے وہ فیصلہ کروایا تھا کہ جو وہ اپنی جھوٹی انا کے زعم میں شاید ساری زندگی نہ کر سکتا۔ یہ فیصلہ مشکل ضرور تھا مگر اس نے صابر کے اندر ایک اطمینان اور سکون سا بھر دیا تھا۔ اب اسے صرف لائیبہ کی ڈرپ ختم ہونے کا انتظار تھا۔

☆☆☆

”امی آپ دیکھ رہی ہیں ناں آج پانچ دن گزر گئے ہیں اور کسی نے پلٹ کر خبر تک نہیں لی۔ وہ بہت بے حس ہیں، نہ جانے میری بیٹی کس حال میں ہوگی۔ صبح سے میرا دل ہول رہا ہے۔ اس کی طبیعت دوبارہ خراب نہ ہوگئی ہو۔ پہلے ہی وہ پوری طرح ٹھیک نہیں ہوئی تھی۔“ وردہ باں گئی گود میں سر رکھے اپنی بیٹی کو یاد کیے روئے جا رہی تھی۔

”میں آپ کو بتا رہی ہوں رات کو عارف آئے گا تو میں اس کے ساتھ گھر چلی جاؤں گی۔ اب میرے ساتھ جو بھی ہو وہ میری قسمت مگر اب میں اپنی بیٹی سے دور نہیں رہ سکتی۔“ وہ فیصلہ کن انداز میں بات عمل کر کے اٹھ کر بیٹھ گئی تھی۔

”ٹھیک ہے۔ اللہ بہتر کرے گا۔“ انہوں نے اپنی بیٹی کی مرجھائی ہوئی صورت دیکھ کر اسے تسلی دی۔

”یا اللہ! میری بیٹی کا بھرم رکھنا۔ پروردگار! اس کی زندگی میں آسانیاں پیدا کر دے۔“ انہوں نے وردہ کا سر اپنے سینے سے لگا کر دل کی گہرائیوں سے دعا کی۔

☆☆☆

مغرب کا وقت ہو رہا تھا۔ وردہ چھت پر تھی۔ اس کے ابو حسب عادت ٹی وی پر کوئی نیوز چینل لگائے گم تھے۔ ایسے میں انہیں اپنے ارد گرد کی کچھ خبر نہیں رہتی تھی۔ وردہ کی امی ان کی اس عادت سے سخت نالاں تھیں۔

”ایک تو کیا مجال ہے کہ تیل کی آواز سن کر کوئی گیٹ تک جانے کی زحمت ہی کر لے۔“ وہ بڑبڑاتے

ٹھنڈی سائس بھر کر اٹھ بیٹھا۔

”اچھا بھائی! میں یہ دوائیں لے کر آتا ہوں۔“

حفیظ چلا گیا۔

صابر وہاں سے اٹھ کر ویننگ روم میں جا بیٹھا اور اپنا محاسبہ کرنے لگا۔ پچھلے تین سالوں پر نظر دوڑائی تو اسے اپنی خطاؤں کی ایک لمبی فہرست نظر آئی۔ پچھلے پانچ دنوں میں صابر نے ایک وقت بھی گھر میں کھانا نہیں کھایا تھا اور کسی نے پوچھا تک نہیں تھا کہ اس نے کھانا کھایا بھی ہے یا نہیں..... بلکہ آتے جاتے اسے سنایا جا رہا تھا کہ لائیبہ کو سنبھالنے کے چکر میں گھر کا کوئی کام ڈھنگ سے نہیں ہو پارہا تھا۔ حالانکہ اس نے متعدد بار وردہ کو بیٹی کو اٹھائے اسے کھانا بناتے اور دیگر کام نمٹاتے ہوئے دیکھا تھا۔ وہ لائیبہ کو سنبھالنے کے ساتھ، ساتھ ان سب کی ضرورتوں کا خیال بھی رکھتی.... تھی اور صابر کو تو کبھی کوئی شکایت کا موقع نہیں دیا تھا۔ اس کے کپڑے دھلے ہوئے اور استری شدہ اپنی جگہ پر موجود ہوتے تھے، کھانا، ناشتا سب وقت پر تیار ملتا اور اسے کبھی کسی چیز یا کام کے لیے وردہ کو یاد دہانی کروانا نہیں پڑتی تھی پھر بھی وہ اس کی قدر نہ کر سکا تھا۔ بلکہ اس پر ظلم کی انتہا کرتے ہوئے اسے اس کی بیٹی سے جدا کر دیا۔

پچھتاوے کا احساس حد سے سوا تھا۔ صابر کے ضمیر نے وردہ کے معاملے میں کئی بار اسے سرزنش کرنے کی کوشش کی تھی مگر اس نے ہر دفعہ اس کی آواز کو دبا کر فخر محسوس کیا تھا مگر آج اس کے ضمیر نے خصوصی عدالت لگائی تھی جس سے فرار ممکن نہیں تھا۔

”عورت تو اپنے شوہر کے نصف ایمان کی وارث قرار دی گئی ہے مجھ جیسے کم ظرف مرد اپنے نصف ایمان کی محافظ کو اپنی ٹھوکروں کی زد میں رکھ کر اکڑتے ہیں۔ تف ہے صابر! تم جیسے مردوں پر جو بیوی کو پاؤں کی جوتی کے برابر بھی اہمیت نہیں دیتے۔“ صابر کا دل مزید احساسِ جرم کا شکار ہو کر خود کو کوسنے لگا۔ خود احتسابی کا یہ عمل اتنا کڑا تھا کہ صابر کو اپنی شکل حقیقت کے آئینے میں بہت بھیانک دکھ رہی تھی۔ اس نے گہری

ہوئے انہیں۔ گیٹ پر ہونے والی مسلسل تپیل کی آواز سن کر سلطانہ بیگم نے گیٹ کھولا تو دروازے پر موجود شخصیت کو دیکھ کر ٹھنک گئیں۔

”السلام علیکم!“ صابر نے شرمندہ سے انداز میں سلام کیا۔ وہ اس کی اچانک آمد پر اتنی حیران تھیں کہ اس کے سلام کا جواب تک نہ دے سکیں اور دروازے میں راستہ روک کے کھڑی رہیں۔

”آنٹی! اندر نہیں آنے دیں گی۔“ صابر نے سوئی ہوئی لائبریری کے کندھے سے لگا رکھا تھا۔ حفیظ اسے یہاں ڈراپ کر کے آئیہ کے ساتھ گھومنے چلا گیا تھا۔ واپسی پر اس نے ان دونوں کو پک کر ناکا تھا۔

”آؤ!“ وردہ کی امی نے راستہ دیا اور خود گیٹ بند کر کے اس کے پیچھے چلی آئیں۔ صابر برآمدے میں پہنچ کر رک گیا۔ اس نے مڑ کر وردہ کی امی کی طرف دیکھا جو برآمدے کی طرف آرہی تھیں۔

”آنٹی! میں بہت شرمندہ ہوں، پلیز مجھے معاف کر دیں۔“ وہ کھڑے، کھڑے بولا۔ اس کا انداز شرمندگی سے بھرپور تھا۔

”بیٹا مجھے خوشی ہے کہ تمہیں اپنی غلطی کا احساس ہو گیا ہے۔“ وہ آہستہ سے بولیں۔

”لاؤ! لائبریری مجھے دو، میں اسے کمرے میں سلا دیتی ہوں۔“ وردہ کی امی نے لائبریری کو اپنی گود میں لے لیا۔

صابر، وردہ کی تلاش میں ادھر ادھر نظریں دوڑا رہا تھا۔ نہ جانے کیوں وردہ کی امی سے ڈائریکٹ اس کے بارے میں پوچھنے سے جھجک رہا تھا۔ وردہ کی امی کمرے کی طرف جاتے، جاتے رکیں اور اس کی ادھر ادھر دوڑتی نظروں کا مفہوم سمجھ کر بولیں۔

”صابر! وردہ چھت پر ہے۔“ وہ جلدی سے بیڑھیاں چڑھنے لگا تھا۔

”کون آیا ہے؟“ وردہ کے ابو نے صابر کی آواز سنی تو فوراً باہر آئے۔

”صابر آیا ہے۔ معافی مانگ رہا ہے۔ پلیز اب آپ بھی کوئی پچھلی بات مت دہرائیے گا۔“ انہوں نے

ماہنامہ پاکیزہ ﴿ 134 ﴾ ستمبر 2016ء

اپنے شوہر سے کہا۔

”میں کیا بات کروں گا، میں تو تمہاری اس.... بے وقوفی پر بہت پریشان تھا۔ چلو اللہ نے کرم کیا اور صابر کو اپنی غلطی کا احساس ہو گیا اور وہ آ گیا ہے، نہ آتا تو سوچو کیسا تماشا بن جاتا ہم لوگوں کا۔“ وردہ کے ابو اللہ کے شکر گزار ہو رہے تھے اور وہ، لائبریری کو لیے کمرے میں چلی گئیں جو آوازوں سے ڈسٹرب ہو کر کسمانے لگی تھیں۔

☆☆☆

وردہ چھت پر بچھے تخت پر بیٹھی تھی۔ شام کے سائے گہرے ہو رہے تھے۔ وہ اپنے گھروں کو لوٹتے پرندوں کو حسرت سے دیکھ رہی تھی جب کوئی بہت آہستگی سے اس کے ساتھ آکر بیٹھا تھا۔ اس نے گردن موڑ کر دیکھا تو مارے حیرت کے اپنی جگہ سے کھڑی ہو گئی۔ صابر نے اس کی کلائی پکڑ کر اسے دوبارہ بٹھا دیا۔ چند لمحوں خاموشی سے گزر گئے۔

”وردہ! مجھے سمجھ نہیں آرہی کہ میں تم سے اپنی کس، کس خطا کی معافی مانگوں کہ ان کی فہرست بہت طویل ہے۔ مگر پلیز مجھے اپنے رویوں کی تلافی کرنے کا ایک موقع ضرور دینا۔ اب وہ اس سے اپنی کی گئی زیادتیوں پر معافی مانگ رہا تھا۔

”وردہ تم اسے شاید میری خود غرضی کہہ لو مگر میں اپنی بیٹی کو یوں رُلتے ہوئے مزید نہیں دیکھ سکتا۔ اتنے دنوں میں مجھے تمہاری اصل قدر معلوم ہو گئی ہے۔ لائبریری تو لائبریری..... میں بھی تمہارے بغیر رُل جاؤں گا۔ وردہ پلیز، تم میرے ساتھ گھر واپس چلو۔ میں وعدہ کرتا ہوں کہ تمہیں تمہارا ہر حق دلاؤں گا۔“ اس وقت وردہ کے سامنے بالکل ایک نیا صابر موجود تھا۔ نہ جانے پچھلے پانچ دنوں کی اذیت یاد آئی تھی یا اس کی خطائیں کہ وہ یک دم پھوٹ، پھوٹ کر رو دی..... مگر ان آنسوؤں میں خوش امید بھی تھی۔ وہ دونوں مسکراتے ہوئے اب بیڑھیاں اتر رہے تھے اور امی، ابو کے چہروں پر اطمینان جھلک رہا تھا۔



تھیں۔ اور اس مشہور ڈیزائنر کے آؤٹ لیٹ پر آ کے مجھے یوں لگ رہا تھا کہ رنگوں کی ایک دھنک ہے جو میرے آس پاس بکھری ہوئی ہے۔ میرے لیے فیصلہ کرنا مشکل تھا کہ میں بقرعید کے لیے کون سا لباس

آج تو میری خوشی کی انتہا نہیں تھی کہ فواد نے میرے خواب کو قاتلی پورا کر ہی دیا۔ اور آج میں وہیں تھیں جہاں سے نداء، مایا، شائستہ اور جانے کون، کون سی مشہور ہستیاں اپنے لباس تیار کرواتی

ڈیزائنر سوچ

طیبہ عنصہ معزل



بھائی کے بعد ہم تینوں بہنیں جو اماں بنا دیتی تھیں ہم آرام سے وہ پہن لیتے تھے۔

شادی کے بعد بھی کئی سال آرام سے گزرے..... گھر میں ہر طرح کی آسائش موجود تھی، میں بڑے آرام سے گھر کا خرچ چلاتی تھی۔ صرف عید، تہوار پر ہی نہیں ویسے بھی فواد اور بچوں کے کپڑے آرام سے بنا لیتی۔ اپنے تو جہیز اور بری کے ہی بے شمار کپڑے تھے اور فواد بھی اکثر فرمائش کر کے کوئی نہ کوئی چیز دلوادیتے۔ اور دونوں عیدوں پر ہم اہتمام سے کپڑے بھی پہنتے اور قربانی کا فریضہ بھی آسانی سے انجام دے لیتے۔

فساد تو تب شروع ہوا جب عیدین موسم گرما میں آنا شروع ہوئیں۔

بڑے بھیا انگلینڈ گئے تو اماں کے گھر کے حالات بھی بہت اچھے ہو گئے۔ حالات جہاں سنبھلے وہاں بھائی بیگم کے رنگ ڈھنگ بھی بدل گئے۔ اور اس بار یہ پہلی عید الفطر تھی جب میں اماں کے گھر سے عید والے دن شام کو ہی بے دلی سے گھر لوٹ آئی۔

میں جو بڑی خوشی، خوشی شیفون کا دھنک رنگ ایمر ایڈری والا سوٹ پہن کر پہلا دن ہمیشہ کی طرح اماں کی طرف گزارنے آئی تھی۔ بھائی کی نظروں میں استہزا تو مجھے جاتے ہی محسوس ہو گیا تھا۔ مستزاد یہ کہ جب بھائی مجھے ملنے کو گلے لگیں تو ان کے جملوں نے جلتی پر تیل کا کام کیا۔

”ارے مونا! اتنی گرمی میں اب کون پہنتا ہے یہ شیفون کا سوٹ..... اب تو لان کے سوٹ ہی ہیں جو پہنے جاسکتے ہیں۔“

”ہاں بھائی، مجھے بھی گرمی محسوس ہو رہی ہے، میں نے احتیاطاً لان کا سوٹ بھی بنایا ہے۔“ میں نے تسلی دی ان کو یا شاید اپنے آپ کو.....

”اچھا کون سی ڈیزائنر لان ہے، فلاں کی یا فلاں کی۔ کس ڈیزائنر کا ڈیزائن ہے۔ میرا تو تم نے دیکھانا سوٹ، یہ میں نے فلاں ڈیزائنر کا لیا ہے۔“

منتخب کروں..... کبھی نفیس سے شیفون ڈیزائن پر دل اٹکتا تو کبھی گرمی کا خیال لان کے خوب صورت پرنس کو لینے پر اکساتا میں بہت دیر سے ادھر ادھر گھوم کر ڈریسز پر لگے ہوئے ٹیگ الٹ پلٹ کر دیکھ رہی تھی۔ سلیز گرلز کی ناگوار نظروں سے ہوتی ہوئی میری نظر اپنے آس پاس گئی تو مجھے لگا کہ میں واحد گاہک تھی جو اس طرح کی حرکتیں کر رہی تھی۔ آس پاس ساری خواتین تو صرف لباس کو دیکھتی تھیں اور دھڑا دھڑ خریدے جا رہی تھیں۔

میں نے کچھ خفیف ہو کر سلیز گرل کو ایک لباس منتخب کر کے پیک کرنے کا کہہ دیا۔ یہ اور بات کہ او ایٹنگی والے کاؤنٹر پر لان کے سوٹ کے بیس ہزار ادا کرتے ہوئے میرے ہاتھوں میں لرزش صاف محسوس ہو رہی تھی اور کچھ کھودینے کا احساس ماتھے پہ پینہ لے آیا تھا۔ لیکن جو نہی ڈیزائنر ڈریس میرے ہاتھ میں آیا سرشاری نے لرزش، ندامت ہر چیز کو کہیں پیچھے دھکیل دیا۔

پچھلے کتنے ہی عرصے سے گویا میں تہیہ کیے بیٹھی تھی کہ میں اس بار اپنی خواہش پوری کر کے رہوں گی۔

لیکن آخر پوری کرتی تو کیسے..... پورا سال بچوں کی فیس، یوٹیلٹی بلز، مکان کا کرایہ..... اور دیگر اخراجات کے بعد اگر بہ مشکل میں کچھ بچا پاتی تھی تو وہ صرف اور صرف قربانی کے جانور یا پھر بھی صرف کسی جانور کی قربانی میں حصہ ڈالنے کے پیسے ہوتے تھے۔

فواد اگرچہ ایک گورنمنٹ ادارے میں اچھی پوسٹ پر تھے لیکن اگر ایک انتہائی ایماندار آدمی جتنی بھی اچھی پوسٹ پر ہو اخراجات اور مہنگائی کے طوفان سے نبرد آزما ہوتے پتا بھی نہیں چلتا ہے کہ مہینے کے آخر میں جیب خالی کیسے ہو جاتی ہے۔

شادی سے پہلے ذتے داری کا احساس نہ تھا..... اماں گھر کیسے چلاتی تھیں، اس کا ہمیں پتا بھی نہیں چلتا تھا۔ ایک اوسط گھرانہ تھا ہمارا..... اور ایک

## غیبت ایک بدترین گناہ

ارشادِ ربانی ہے اور تم میں سے کوئی کسی کی غیبت نہ کرے۔ کیا تم میں کوئی ایسا ہے جو اپنے مرے ہوئے بھائی کا گوشت کھانا پسند کرے۔ ڈرتے رہا کرو اللہ سے بے شک اللہ تعالیٰ بہت تو یہ قبول کرنے والا ہمیشہ رحم کرنے والا ہے۔ (سورۃ حجرات) غور کیجئے! کیا صرف اتنا حکم کافی نہیں تھا کہ غیبت نہ کرو، مومنین کے لیے تو صرف اس حکم کے بعد ہی غیبت حرام ہو چکی تھی لیکن اللہ تعالیٰ اس گناہ کی مزید مذمت بنا کر ترتیب کے انداز میں مومنین کو تاکید فرما رہا ہے کہ کسی کی غیبت کرنا حقیقت اپنے مرے ہوئے بھائی کا گوشت کھانے کے مترادف ہے۔ رسول اللہ کی وہ حدیث تو مشہور ہے کہ ”غیبت زنا سے بدتر ہے۔“ غیبت کو زنا سے بدتر قرار دیا گیا حالانکہ زنا کہ جس میں کسی کی عزت سے کھیلا جا رہا ہوتا ہے اور اتہادِ ربی کی بے شرمی اور بے حیائی والا گناہ ہے لیکن اس کے باوجود غیبت کو زنا سے بدتر قرار دیا جاتا ہے۔ حضراتِ محدثین اس کی دو توجیہات بتاتے ہیں۔ ایک یہ کہ زنا کرنے والے کو بہر حال عداوت و شرمندگی ہو جاتی ہے تو اسے توبہ کی توفیق بھی ہو جاتی ہے لیکن غیبت کرنے والے کو عام طور پر اس گناہ کا احساس نہیں ہوتا جس کی وجہ سے اسے توبہ کی توفیق نہیں ہوتی۔ غیبت کے گناہ کا تعلق بندوں سے ہے غیبت کرنے والا اگر معافی مانگ بھی لے تب بھی معافی نہ ہوگی جب تک وہ شخص معاف نہ کرے جس کی غیبت کی گئی۔ طبرانی میں حضرت ابو بکر سے روایت منقول ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم دو قبروں کے پاس سے گزرے تو کھڑے رہے اور فرمایا ”ان دونوں قبر والوں پر عذاب ہو رہا ہے جاؤ کہیں سے ٹہنی لے آؤ چنانچہ میں سبز ٹہنی کا ٹکڑا لے آیا تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اس کے دو حصے کیے دونوں قبروں پر ایک، ایک ٹکڑا گاڑ دیا اور پھر فرمایا تمہیں معلوم ہے کہ انہیں عذاب کیوں دیا جا رہا ہے؟ یہ عذاب کسی بڑی وجہ سے نہیں دیا جا رہا، یہ عذاب دو وجہوں سے دیا جا رہا ہے، اگر یہ چاہتے تو دنیا میں ان گناہوں سے بچنا ان کے لیے کوئی مشکل نہ تھا اور وہ دو گناہ القییدۃ والبولۃ غیبت اور پیشاب ہیں، ان میں سے ایک دنیا میں غیبت کیا کرتے تھے اور دوسرے پیشاب کی چھینٹوں (نجاست) سے اپنے آپ کو بچاتے نہیں تھے۔ جس طرح غیبت کرنا حرام ہے اسی طرح غیبت سنا بھی حرام ہے۔ اللہ تعالیٰ ہم سب کو اس گناہ سے بچنے کی ہمت اور توفیق عطا فرمائے۔

از: نگہبخت زیدی، بہارِ کہو

انہوں نے ایک مشہور ڈیزائزر کا نام لیا۔ وہ تو تیار ہی تھیں اور میں شکر ادا کر رہی تھی کہ میں ان کو کیسے بتاتی کہ اپنے محلے سے لگی سیل میں سے جن کر میں نے سوٹ لیا تھا اور خوب دل لگا کر اس کو لیس سے سجا کر لیا تھا لیکن اپنے سوٹ کی خوبیاں بتاتے وہ تھوڑی دیر کو میرے سوٹ کی احوال پر سی بھول گئی تھیں۔

اتنے میں رمہ اور شمرہ کی آمد نے سب کو اپنی جانب متوجہ کر لیا۔ مجھے دیکھتے ہی پتا چل گیا تھا کہ خیر سے میری امیر کبیر گھرانوں میں بیٹھی ہیں، بہنوں نے بھی مہنگے ڈیزائزر سوٹ ہی پہن رکھے تھے۔

دن کا کھانا کھاتے ہی میں نے فواد سے گھر واپس چلنے کی ضد کر دی۔ فواد ہی نہیں سارے لوگ میری اس بے وقت روانگی پہ حیران تھے۔ سب کو پتا تھا کہ عید الفطر کی رات میں اپنی اماں کے ہاں ہی گزارتی تھی۔ رمہ اور شمرہ ایک ہی گھر میں بیٹھی ہوئی تھیں اور جوائنٹ ٹیلی میں رہتی تھیں۔ اور رات کو واپس چلی جاتی تھیں لیکن میں ہمیشہ رات کو میکے میں رکتی تھی کیونکہ میرے ساس، سرزندہ نہ تھے اور سب بہن، بھائی علیحدہ گھروں میں رہتے تھے۔ میری دو نندیں تھیں جو عید والے دن بڑے بھائی کے ہاں آتی تھیں۔ پھر دوسرے یا تیسرے دن فواد سب بہن، بھائیوں کی دعوت کرتے تھے۔

”اے ہے لوج! ابھی سے کیوں بوریہ باندھ لیا، تم تو ہمیشہ عید ادھر گزارتی تھیں پھر آج کیوں جا رہی ہو۔ ابھی تو رات کا کھانا بھی نہیں کھایا؟“ شمرہ اور رمہ نے بھی اماں کی ہاں میں ہاں ملائی۔

”آپارک جاؤ یہی موقع ہوتا ہے مل بیٹھنے کا.....“

”اماں کل میرے سسرال والوں کی دعوت ہے اور مجھے ابھی جا کر تیاری بھی کرنی ہے۔“ میں نے بہانہ بنا کر اماں کو بہلانا چاہا۔

”تو بیٹا! وہ تو تم ہر سال کرتی ہو۔ اللہ رکھے تم خوب پھر تیلی ہو اور آدھے سے زیادہ اہتمام تو تم پہلے سے کر کے آئی ہوگی۔ اس بار کیا نیا ہے جو تم یوں جلدی

ڈشیز کا اضافہ کیا۔ اور آج دعوت کے دن بچوں کو تیار کرنے کے بعد جب میں اپنے تمام کام مکمل کر چکی تو نہا کر اپنا لان کا سوٹ جو میں نے بہت محنت سے سیا تھا زیب تن کیا خود تیار ہو کر میں مطمئن انداز میں مہمانوں کی منتظر تھی۔

لیکن کیا اچھا ہوتا کہ اس بار میں سسرال والوں کی دعوت نہ کرتی یا میرا انتظار ختم نہ ہوتا۔ جانتے ہیں کہ اس کی وجہ کیا تھی۔ وہی ڈیزائنر سوٹ جو آج تو میری دیورانیوں اور جھٹانیوں نے پہن رکھے تھے اور سب کے ملنے کے بعد جب باتیں پھر جا کے ڈیزائنر لان پر پہنچیں تو میں کچھ پریشان ہو گئی اور میں ٹیبل سیٹ کرنے کے بہانے اس وقت وہاں سے اٹھ کھڑی ہوئی جب میری دیورانی مہرود نے مجھ سے پوچھا کہ میں نے کون سی ڈیزائنر لان پہن رکھی ہے؟

”تم آخر یہ کیوں نہیں سوچتی ہو کہ ان سب نے اگر اتنے مہنگے ڈیزائنر ڈیزائن لیے ہیں تو وہ سب ان کے معاشی حالات کی وجہ سے ممکن ہو اور میرے حالات اگر اس بات کی اجازت دیتے تو بھی میں اتنے کے اصراف کے حق میں کبھی نہیں ہوتا۔ کیا فرق پڑتا ہے اگر کپڑے ڈیزائنر ہوں یا کسی عام سی دکان سے لیے ہوئے اصل چیز تو یہ ہے کہ پہننے والے کو وہ کتنا خوب صورت لگ رہا ہے اور ہماری بیگم کسی ڈیزائنر سے کم ہیں کیا.....؟“ فواد نے فخر سے کہا۔

”اچھا اب مکھن لگا کر یہ مت سمجھیں کہ آپ مجھے میری خواہش پوری کرنے نہیں دیں گے۔“

”اچھا تم مجھے خود بتاؤ کہ اگر وہ سب اپنے منہ سے نہ بتاتیں تو تمہارے اور ان کے لباس میں کیا فرق تھا۔ بس اتنا سا فرق تھا میری جان کہ آپ زیادہ حسین لگ رہی تھیں۔“ فواد نے شاید آخری حربہ استعمال کیا تھا مجھے سمجھانے کا..... اور میں نے گھور کر فواد کو دیکھا اور دھلے کپڑے جو میں تہ کر کے رکھ رہی تھی ان کو بیڈ پر پینچ کر کمرے سے باہر

جا کر رو گی۔“  
”اماں اب اتنی زیادہ محنت نہیں ہوتی، میں تھک جاتی ہوں اور اب تو دونوں بچوں کے بھی دس کام ہوتے ہیں، کمر میں درد ہو جاتا ہے، مسلسل کام کرنے سے۔ سوچ رہی ہوں تھوڑا آرام بھی کر لوں گی۔“

”خیر سے جاؤ بیٹا مگر آج رات کے کھانے پر تم سب بہنیں نہیں ہو گی تو میرا دل بے چین ہو جائے گا۔“ اماں نے دکھی لہجے میں کہا۔

”اماں میری پیاری اماں میں پھر کبھی آ جاؤں گی۔ ابھی مجھے جانے دیں۔“ یہ کہہ کر میں نے حیران بیٹھے فواد کو اٹھنے کا اشارہ کیا۔

فواد کا حیران ہونا صرف مجھے سمجھ میں آتا تھا کیونکہ میرے سسرال والوں کی دعوت کل نہیں پرسوں تھی۔

لیکن فواد کچھ بھی کہے بغیر بچوں کو لے کر چل پڑے۔ گھر پہنچ کر مجھے کوئی خاص کام تو کرنا نہیں تھا۔ اماں نے اچھا خاصا کھانا ساتھ کر دیا تھا اور دعوت کی تیاری تو میں کافی دن پہلے کر چکی تھی۔

میں نے کپڑے بدل کر چائے بنائی۔ جب تک فواد ایشہ اور احسن کو سلا چکے تھے۔ میں چائے لے کر لاؤنج میں آ گئی۔ فواد، ٹی وی کی طرف متوجہ تھے۔

”یہ کیا پار..... اتح نے ابھی سے کپڑے بدل ڈالے ابھی تو میں نے سمجھیں جی بھر کے دیکھا بھی نہیں۔“ میری طرف متوجہ ہو کر پیار بھرے لہجے میں بولے۔

”بندے کو گرمی بھی لگتی ہے۔ اتنا بھاری شیٹون کا سوٹ کتنی دیر پہنے رہتی۔“ میں نے بیزار سے کہا۔

فواد نے عادتاً پھر میرے ساتھ کوئی بحث نہیں کی اور دوبارہ ٹی وی کی طرف متوجہ ہو گئے۔

دوسرے دن میں نے دعوت کے اہتمام کے لیے گھر بھر کو دوبارہ صاف کیا اور کھانے میں بھی مزید

### پہلا درجہ

کسی سے تعلق بڑھانے میں سب سے پہلا درجہ اخلاق کا ہے۔ اخلاق سے ہم کسی بھی شخص کو متاثر کر سکتے ہیں۔ اخلاق ایسی خوبی ہے کہ جس کا ہم میں ہونا لازم سمجھا جاتا ہے۔ اخلاق ہمارے اوپر رب کا بہت بڑا انعام ہے۔ جس شخص نے یا اخلاق زندگی بسر کی گویا اس نے دنیا کو فتح کر لیا۔ ہمیں چاہیے کہ ہم ہر کسی کے ساتھ اخلاق سے پیش آئیں اور کمینز سے بات کریں۔ اگر آپ کو اپنے دشمن کو کمزور کرنا ہے تو سب سے پہلی چیز اخلاق اپنائیں۔ آپ اس کے دل میں بلند مقام بنائیں گے۔ لوگوں کی دشمنی، حسد، بغض، کینہ وغیرہ سے بچنا ہے تو اچھا اخلاق اپنائیں۔ آپ دنیا و آخرت دونوں جہانوں میں مطمئن رہیں گے۔

از: مشیرہ سحر، میانوالی

میں شاید بکرا آ جائے گا۔

اتوار کا دن تھا بچے ابھی سو رہے تھے لیکن فواد ہمیشہ کی طرح جلد اٹھ کر ٹی وی کھول کر بیٹھ گئے۔ میں نے جلدی، جلدی بے دلی سے ناشتا بنایا اور ٹرے لے کر فواد کے سامنے ٹیبل پر رکھ دی۔ میرا خود کچھ بھی کھانے کو دل نہیں چاہ رہا تھا۔ طوعاً و کرہاً چائے کا کپ لے کر لاؤنج ہی میں بیٹھ گئی۔ چائے پیتے ہوئے فواد کو ناشتے کی طرف متوجہ دیکھ کر میں نے چینل بدل کر اپنی مرضی کا لگایا۔

ٹی وی یہ منگتی ہوئی ماڈرن رنگ برنگے لان سوٹ پہن کر نمائش کر رہی تھیں اور ساتھ میں رنگ، رنگ کے ڈیزائنز کے نام بھی پکارے جا رہے تھے۔ میں نے کپ ٹیبل پر پٹنا اور منہ ہاتھوں میں چھپا کر پھوٹ، پھوٹ کر رو دی۔

☆☆☆

آج بقر عید والے دن میں اپنا بیس ہزار کالاں کا سوٹ پہن کر ہرزوئیے سے اپنے آپ کو آئینے

ماہنامہ پاکیزہ 139 ستمبر 2016ء

☆☆☆

بہت دنوں سے ہم دونوں کے درمیان یہی بحث چل رہی تھی فواد پر یہ حقیقت کھل چکی تھی کہ میں عید الفطر پہ اماں کے گھر سے جلدی کیوں آ گئی تھی۔ میں بقر عید پر ہر صورت اپنی مرضی پوری کرنا چاہتی تھی اور فواد مجھے ہر طریقے سے سمجھانے میں مشغول تھے۔

”مونا تم جانتی ہو کہ مہنگائی کا عالم کیا ہو چکا ہے، بچوں کے کپڑے لینے کے بعد میں نے اپنے کپڑے بھی نہیں بنائے۔ کیونکہ زیادہ ضروری ہے کہ ہم قربانی جیسے عظیم فرض سے سبکدوش ہو سکیں.....“

فواد نے رسائیت سے مجھے کھل کر بتایا۔

”مجھے یہ سب معلوم ہے لیکن میں نہیں جانتی اس بار آپ جانے کیوں میری باتوں کو رد کر رہے ہیں۔ ہمیشہ تو آپ میری ہر خواہش فوراً ہی پوری کر دیتے تھے۔“

”تم اگر جانتی ہو کہ میں تمہاری ہر خواہش پوری کرتا رہا، ہوں تو پھر اس بات کو سمجھو کہ میری جیب میں اتنی گنجائش نہیں ہے کہ میں تمہاری خواہش بلکہ ناچائز خواہش پوری کر دوں.....“ فواد بھی آخر زچ ہو گئے تھے۔

”میں آپ کو صاف، صاف بتا دوں کہ اگر آپ نے میری خواہش پوری نہیں کی تو میں عید ہی نہیں مناؤں گی۔“ مجھے جانے کیوں اتنی ضد ہو گئی تھی اور میں اس بار بالکل ہتھیار ڈالنے والی نہیں تھی۔

ذوالحج کا چاند نظر آ گیا تھا اور میں جو ہر بار بڑی پرجوش ہوتی تھی اس بار حال سے بے حال گھوم رہی تھی۔

آج فواد کا ارادہ تھا کہ منڈی جا کر جانور کا بھاد معلوم کریں۔ وہ ہمیشہ ہم سب کو ساتھ لے کر جاتے تھے۔ اس بار بھی وہ منتظر تھے کہ میں ان کے ساتھ جانے کی ہامی بھروں، بچے بھی پرجوش تھے کہ آج کل

میں دیکھ رہی تھی۔ بلاشبہ سوٹ بے حد خوب صورت تھا مگر اندر ہی اندر کوئی درد کچھو کے لگا رہا تھا، آج ہمارے گھر قربانی کی چہل پہل نہیں تھی۔ میرے بچے الگ اداس تھے، اس بار وہ اپنے بکرے کی خوشی بھی نہیں مناسکتے تھے۔

اندر سے کہیں مجھے اپنی خود غرضی پر بھی غصہ تھا اور دکھ بھی..... لیکن تھوڑی دیر میں، میں جواماں اور سب سرالیوں کے گھر آج ہی آج جا کر جو خوشی پانا چاہتی تھی اس خوشی کی خود غرضی نے ہر دکھ کو کہیں پیچھے دھکیل دیا۔

فواد نے مجھے آواز دی کہ جلدی کروں..... میں نے باہر نکل کر ان کی طرف دیکھا کہ وہ میری تیاری کی تعریف کریں گے، ہمیشہ کی طرح میرے حسن کو سراہیں گے لیکن انہوں نے تو ایک نظر بھی مجھ پر نہ ڈالی۔

ہوا کچھ یوں تھا کہ اس دن میرے رونے پر فواد کی برداشت ختم ہو گئی تھی۔ اور انہوں نے بالآخر میری بات مان کر میرے سامنے ہتھیار ڈال دیے تھے..... اور اس کے بعد ان کے پاس اتنے پیسے نہیں تھے کہ وہ قربانی کے لیے بکرالائے۔

ہم گھر سے نکلنے والے تھے کہ ہمارے محلے میں رہنے والی نجمہ ہاتھوں میں ٹرے ڈھانپے ہمارے گھر میں داخل ہوئی۔

”میں نے سوچا مونا اس بار آپ لوگ شاید دوسرے دن قربانی کر رہے ہو، اس لیے میں سب سے پہلے تم لوگوں کے لیے گوشت لے آئی، اب تم اسی گوشت سے کھانا بنانا.....“ نجمہ کی آنکھیں خوشی سے چمک رہی تھیں۔ اس نے قربانی کے لیے اس بار کمیٹی ڈال رکھی تھی۔ یہ بات تو میں پہلے سے جانتی تھی۔ اور پتھر کا بت میں اس بات کی حیرانی میں نہیں بنی تھی بلکہ میں تو اس کا عید کا جوڑا دیکھ کر پتھر بنی تھی۔ جاننا چاہیں گے کیوں؟ اس لیے کہ یہ بات میری سمجھ سے باہر تھی کہ نجمہ نے کیسے پارہ ہزار کی

کمیٹی میں قربانی میں بھی حصہ لے لیا اور میرے سوٹ جیسا مہنگا سوٹ بھی خرید لائی۔ میرے منہ میں تو زبان نہ رہی تھی۔

نجمہ کے باتونی پن نے ہی یہ مسئلہ بھی حل کیا۔

”ارے مونا کتنا اچھا لگ رہا ہے ناں کہ آج اتفاق سے ہم دونوں نے ایک جیسے سوٹ بنا لیے۔ تم بھی طارق روڈ کے نزدیک سیل سے لائی ہو کیا.....؟ پتا ہے میں نے تو اٹھارہ سو روپے اس سوٹ پر برباد کر دیے۔ بس دکاندار کی باتوں میں آ گئی۔ بہت چالاک تھا کہنے لگا۔“ باجی یہ تو خاص ڈیزائنرز سوٹ کی کاپی ہے۔ اصل والا تو بیس پچیس ہزار سے کم کا نہیں ہے۔ لیکن ڈیزائن میں رتی برابر فرق نہیں ہے۔ اٹھارہ سو میں تو سمجھو آپ کو مفت پڑ رہا ہے۔“ بھئی میں تو نہیں لے رہی تھی پر اب اچھا لگ رہا ہے کہ لے لیا اب میرا اور تمہارا سوٹ ایک جیسا تو ہے ناں.....“ فواد نے ایک نظر میرے سوٹ پر ڈالی اور باہر نکل گئے۔

نجمہ مجھے گوشت والی ٹرے پکڑا رہی تھی لیکن میرے دماغ میں تو الفاظ گڈمڈ ہو رہے تھے۔

”مونا تمہارے لباس پر کوئی ٹیگ تھوڑی لگا ہوگا کہ یہ فلاں ڈیزائنرز سوٹ ہے۔“ فواد کے الفاظ.....

”مونا تمہارا اور میرا لباس تو بالکل ایک جیسا ہے۔“ نجمہ کے الفاظ کا ہتھوڑا۔

”مونا ایک بات بتاؤ.....! کیا تم نے بھی یہ سوٹ اٹھارہ سو میں ہی لیا یا کہیں اس دکاندار نے مجھے ٹھگ لیا ہے، تمہیں ڈسکاؤنٹ میں پڑا کیا سوٹ؟“ نجمہ بولتی جا رہی تھی۔

”اور میں اسے کیسے بتاتی کہ ہم جیسے لوگ اگر ڈیزائنرز سوٹ خرید بھی لیں..... تو وہ اس کی نقل ہی سمجھی جائے گی..... اور میں نے بیس ہزار خرچ کر کے واقعی اپنے پاؤں میں خود ہی بھالا مار لیا تھا۔“





پاک سوسائٹی  
سڈیس



اس نے مینی کیور اور پیڈی کیور کے بعد اپنے  
بیضوی شکل کے خوب صورت ناخنوں پر نیل پالش لگائی  
اور ہاتھ کو کچھ دور کر کے غور سے دیکھنے لگی کہ کہیں کوئی  
کونارہ تو نہیں گیا۔ آج صبح ہی سے وہ اپنے حسنِ نوخیز کو  
نکھارنے میں مصروف تھی کیونکہ آج رات اسے اپنی  
عزیز دوست نغمہ کی شادی میں شرکت کرنی تھی۔ عموماً تو  
وہ خود ہی گھر میں اپنا فیشنل کر لیا کرتی تھی۔ اسٹیم لے کر  
جلد کو تازگی دیتی رہتی تھی مگر آج رات خاص دوست کی

ایک گھنٹے بعد وہ لینے آرہے ہیں کپڑے۔ اس کے چہرے پر جمی بیزارگی کو نظر انداز کرتے ہوئے انہوں نے اسے کپڑا اتھا دیا۔

خود سلائی مشین کا پہیا ہاتھ سے آگے پیچھے کر کے سوئی کے ناکے میں دھاگا ڈالنے لگیں۔ ان کے جھکے ہوئے سر پر سیاہ و سفید بال ان کی عمر اور مہارت کے ساتھ، ساتھ ان کی انتھک محنت کی بھی دلیل تھے۔ اپنے شعور کی منزل کی پہلی سیڑھی پر قدم رکھتے ہی اس نے اماں کو سلائی مشین پر جھکے دیکھا۔ ان کی آنکھوں پر لگی موٹے فریم کی عینک انہی دن رات کی سلائیوں کا تحفہ تھی۔

”کیا ہے اماں..... میں نے ابھی کیونکیس لگائی ہے سب خراب ہو جائے گی۔“ اس نے ناز بھرے انداز میں منع کرنا چاہا۔

”زیادہ نخرے مت کرو شہزادی صاحبہ..... کچھ نہیں ہوتا تمہارے ناخنوں کو..... ذرا جلدی کرو، میرے پاس ٹائم کم ہے۔“ اماں نے ذرا بھی ٹولس لیے بغیر بدستور اپنے کام میں مگن رہنے کے ساتھ، ساتھ اسے گھرک دیا۔

”کشف سے کہہ دیں ناں، مجھے ابھی تیاری کرنی ہے۔“ وہ بھی ڈھٹائی سے انکار پر بھڑری۔

”بہت کر لی نواب صاحبہ نے اپنی تیاری..... اپنی اوقات میں رہو، زیادہ اونچا نہ اڑو، تمہارے ابا ایک معمولی تنخواہ دار انچارج ہیں یہ مت بھولو، یہاں کوئی مل اونر نہیں آئے گا، تمہاری خوب صورتی پر مر کر.....“ اماں کے کرارے سے لیکچر پر اس کے مزاج ٹھکانے آ گئے۔

”کشف کھانا پکا رہی ہے، آتا بھی اسے گوندھنا پڑا کیونکہ تمہیں اپنے ناخنوں کی فکر تھی۔ اب روٹی بھی وہی پکائے گی کیونکہ تم تو جا رہی ہو۔“ اس کی اتری ہوئی صورت پر ذرا بھی ترس نہ کھاتے ہوئے اماں نے اس کے مزید لیتے لیے۔

سارا جوش اور ساری خوشی ملیا میٹ ہو کر رہ گئی۔

شادی میں جانے کی وجہ سے پڑوس کی گھینے سے ایک دن پہلے نیشنل کرا لیا تھا وہ بھی مفت میں..... کیونکہ گھینے نے بیوشین کا کورس کر رکھا تھا اور اسے اپنے کام میں خاصی مہارت تھی۔ علاقے کے ایک پارلر میں وہ جاب بھی کرتی تھی۔ دونوں میں بڑی پرانی پڑوسوں والی دوستی تھی۔ دونوں ہی ایک دوسرے سے کام نکالتی رہتی تھیں۔ وہ بھی اکثر گھینے کے اُدھڑے کپڑوں کی سلائی اور فننگ وغیرہ مفت میں کر دیا کرتی تھی۔

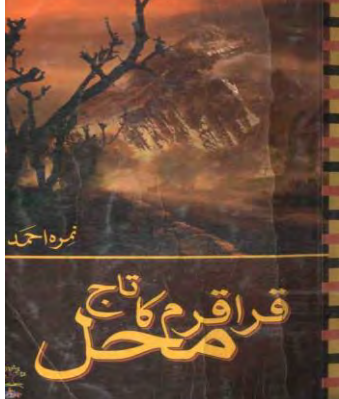
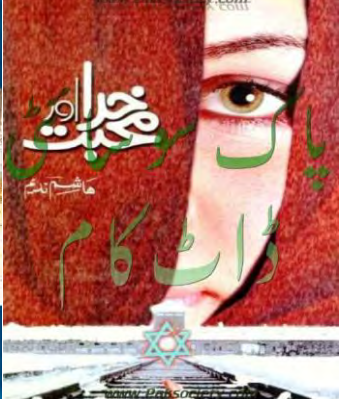
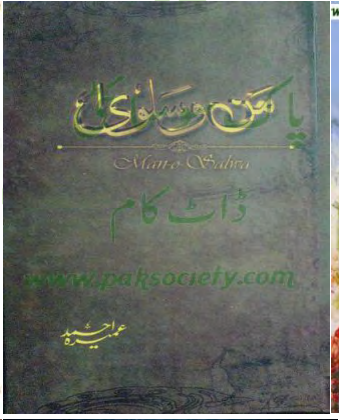
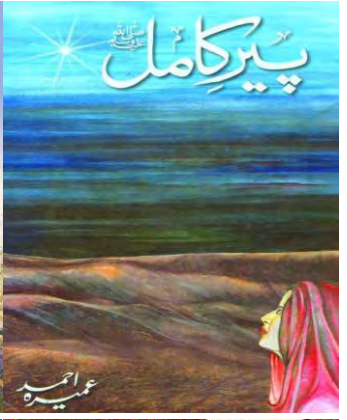
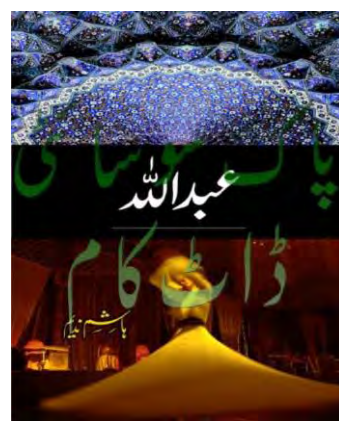
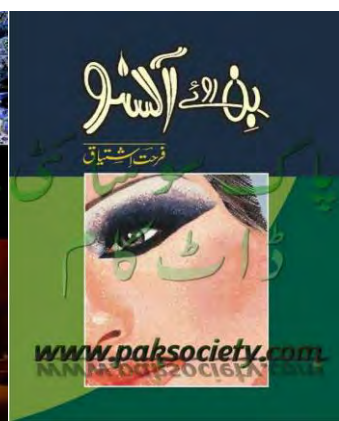
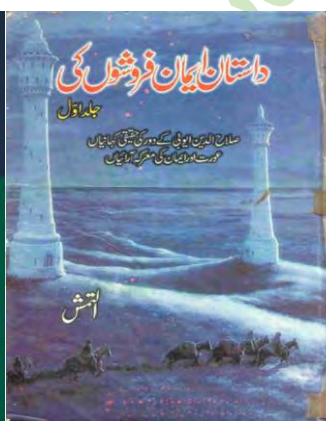
اس نے آئینے کے قریب ہو کر اپرپس یعنی ہونٹوں کے بالائی حصے کو بغور دیکھا کہ کہیں کوئی باریک سا بال رہ تو نہیں گیا۔ اپنے حسن کے بارے میں وہ ہمیشہ ہی بہت فکر مند رہا کرتی تھی۔ ذرا سا کوئی دانہ نکل آتا تو پھر وہ ہوتی اور اس کے آزمودہ ٹونکے..... اتنے جتن کرتی کہ اب تو دانے ہی نکلنا بند ہو گئے تھے اس کے۔

”کائنات..... اے کائنات، اے کائنات.....“ اچانک ہی اماں کی پاٹ دار آواز نے اس کی سماعتوں میں خراش ڈال دی۔

”آف.....! اماں کو بھی چین نہیں ہے۔ آئی اماں.....“ اس نے تیز آواز میں جواب دیا اور برے، برے منہ بناتی باہر آئی تو اماں اپنے مخصوص پسندیدہ گوشے میں تخت پر سلائی مشین کھولے بیٹھی تھیں۔ ان کے آس پاس وضع وضع کے سلعے ان سلعے کپڑوں کا ڈھیر تھا۔ تخت کے اطراف کپڑوں کی کتریں اور دھجیاں بکھری تھیں۔ جب سلائی کرتے ہوئے اماں اسے پکارتی تھیں تو اسے سخت وحشت ہوتی تھی کیونکہ وہ ہمیشہ ہی کوئی نہ کوئی مشکل کام اسے اتھا دیتی تھیں یا پھر کچھ اُدھیڑنے کو پکڑا دیتی تھیں اور زیادہ موڈ میں ہوتیں تو سلائی سکھانے پر کمر بستہ ہو جاتی تھیں جبکہ اسے سلائی سے کوئی شغف نہیں تھا البتہ اچھے کپڑے پہننا، خوب صورت اور اسٹائلش سوٹ اس کی کمزوری ضرور تھے۔

”اے کائنات..... ذرا جلدی سے یہ بخیہ اُدھیڑ دے..... حاجی صاحب کے گھر کا کام ہے اور ابھی

پاک سوسائٹی ڈاٹ کام پر موجود آل ٹائم بیسٹ سیلرز:-



بٹی تھی اس کے لیے بھی کوئی شہزادہ یا بادشاہ آسکتا تھا۔ کوئی انجینئر، ڈاکٹر یا پائلٹ بھی..... وہ سوچتی تو پھر دور تک سوچتی چلی جاتی۔ پھر اماں ہی اس کی سوچوں کو اپنے نوکیلے اور تیز جملوں سے چاک کر دیتیں۔

شام تک اس کا موڈ خود بخود صحیح ہو گیا اور ہمیشہ ایسا ہی ہوتا تھا۔ اسے معلوم تھا کہ کوئی اس کا دکھ ختم نہیں کر سکتا، نہ کوئی اس کی راہ میں پھول بچھائے گا۔ وقت کے ساتھ، ساتھ خود ہی اس کے دکھ دھندلا جائیں گے یا پھر وہ ان دکھوں میں رہنے کی عادی ہو جائے گی۔ اسے یقین تھا کہ قسمت اچھی ہو تو سب کچھ اچھا ہو جاتا ہے اور اسے امید تھی کہ ایک دن اس کی قسمت بھی ضرور کھلے گی۔

ہر بار ہی اماں ایسے سنگ دلانا الفاظ استعمال کرتی تھیں کہ دل ٹوٹ جاتا۔ اس کی آنکھوں میں اترے ستارے بھی اماں نے نہ دیکھے کیونکہ جب سے انہیں اس کے خوابوں کی اڑان کا اندازہ ہوا تھا وہ اس سے ایسی ہی درشتی سے بولتیں کہ خوابوں کی عمارت ایک آن میں زمیں بوس ہو جاتی۔ اب بھی یہی ہوا۔ وہ سر جھکا کر خاموشی سے بخیہ اُدھیرنے لگی۔

اس میں اس کا کیا قصور تھا کہ اس کے ابا ایک معمولی انچارج تھے مگر بات، بات پر اماں یہ بات طعنہ بنا کر اس پر مارتی تھیں اور خود بھی ساری عمر بھگتا انہوں نے سلائیاں کر، کر کے، ایک عرصے سے اس نے اماں کو سلائی مشین پر جھکے دیکھا۔ معمولی اجرت پر کپڑوں کے ڈھیر بیٹے دیکھا۔ کبھی وہ اماں کے بے رنگ روپ وجود، جھکن زدہ آنکھوں، محنتی ہاتھوں کی ابھری ہوئی نسوں اور سوتیوں سے چھید، چھید انگلیوں کو دیکھتی تو اسے سلائی سے اتنی ہی نفرت اور چڑھ جاتی، یہ جانے اور سمجھے بغیر کہ دن رات کی اس محنت نے اماں سے ان کی دلکشی اور جوانی بھلے وقت سے پہلے چھین لی تھی مگر انہوں نے وقت کے ہاتھوں اپنی عزت نفس کو کبھی پامال نہیں ہونے دیا۔ اپنی دونوں بیٹیوں کشف اور کائنات کو انہوں نے ہمیشہ اچھا کھلایا اور اچھا پہنایا۔ قناعت سے ضرور گزارہ کیا، کسی کا احسان کبھی نہ لیا خود پر تنگی برداشت کر لی مگر دونوں بیٹیوں کی چھوٹی، چھوٹی خوشیوں اور خواہشوں کو حسرتوں اور محرومیوں میں نہ بدلنے دیا۔ البتہ بڑی، بڑی خواہشوں اور فرمائشوں کے سامنے وہ خود بھی بے بس تھیں اور اکثر و بیشتر دونوں کو سمجھاتی بھی رہتی تھیں کہ لڑکیوں کو ہر طرح کے ماحول میں گزر بسر کا سلیقہ ہونا چاہیے کیونکہ کچھ نہیں پتا ہوتا کہ لڑکی کا نصیب کیسا نکلے..... وہ فقیر کے گھر سے نکل کر رانیوں جیسی زندگی بھی گزار لیتی ہے اور کبھی بادشاہ کی بیٹی کا نصیب جمو پڑی بن جاتی ہے۔

اماں کی ان باتوں سے کائنات نے اپنے مطلب کی بات ذہن نشین کر لی تھی۔ وہ بھی تو غریب کی

مسول ایجنٹ برائے یو۔ اے۔ ای



وکیل بک شاپ

سپینس، سرگزشت، پاکیزہ، جاسوسی

بی او بکس: 27869 کراچہ، دہلی

فون: 04-3961016 فیکس: 04-3961015

موبائل: 052-9695984

ای میل: welbooks@emirates.net.ae

ماہنامہ پاکیزہ 143 ستمبر 2016ء

سے کہا۔

”ہاتھ بھی مانگے گا مگر وہ شادی سے پہلے تم سے ملنا چاہتا ہے۔ تمہارے ساتھ کچھ یادگار وقت گزارنا چاہتا ہے اور آج کل تو یہ سب ایک عام سی بات ہے۔ میرا خیال ہے کہ مل لو..... دو چار دفعہ ملنے سے دونوں سمجھ لو گے ایک دوسرے کو..... بڑی لگی ہو کہ لو میرج کا موقع مل رہا ہے، ہمیں دیکھو سیدھی سبھا رنچ میرج ہو گئی، نہ کوئی چارم نہ روٹنس..... میاں صاحب بھی شخص.....“ اس کے غصے کا برا مانے بغیر نغمہ نے لاکھ کوشش کی کہ وہ اس کی بات مان لے مگر کائنات نے صاف انکار کر دیا۔

”نہیں نغمہ، یہ مناسب نہیں..... اس سے کہو رشتہ بھیجے، بھلے منگنی کے بعد ایک آدھ بار مل لوں گی اس سے۔“ اس نے اپنی تجویز بھی دے دی۔

اس کے بعد دن گزرے تو گزرتے ہی چلے گئے، نہ ہی نغمہ آئی اور نہ اس کے دیور کا رشتہ..... وہ بدول ہو گئی اور بہت زیادہ مایوس بھی۔ اسے اماں کی کڑوی کیسی باتیں درست لگنے لگیں۔

آج کل اماں کے پاس سلائی کے آرڈر کم آرہے تھے کیونکہ اب اُن کی نظر ٹھیک سے کام نہیں کر رہی تھی۔ ایک آدھ بار ان سے کوئی سوٹ غلط سل گیا تو گا بک نے عزت افزائی الگ کی اور کام دینا بھی بند کر دیا۔ ایک بڑی فیکٹری کا آرڈر بھی ہاتھ سے گیا کیونکہ اس کا کام وقت پر پورا کر کے نہیں دے پارہی تھیں۔ اب ان میں پہلی سی چستی اور پھرتی بھی نہیں رہی تھی اور صحت بھی ویسی نہیں رہی تھی جیسی پہلی تھی۔ مزید ستم یہ کہ دو تین جگہوں سے کام ملنا بند ہو گیا اس لیے اماں چڑ چڑی سی ہو رہی تھیں اور بات، بات پر غصہ آرہا تھا۔

کشف اور کائنات کی شامت آئی ہوئی تھی۔ وہ دونوں کو سلائی سکھانے پر تلی ہوئی تھیں۔ کائنات کو تو پھر بھی اماں کی زور زبردستی، ڈانٹ ڈپٹ سے اچھی خاصی سلائی آگئی تھی کیونکہ وہ بڑی تھی، اسے اماں کے

نغمہ کی شادی میں وہ اپنی ضد سے مغلیہ طرز کی سلی ہوئی فراک پہن کر گئی جس پر موتی اور ستاروں کی چمک لشکارے مار رہی تھی اور ان لشکاروں میں کائنات کی گلابی رنگت دمک رہی تھی۔ کئی خواتین نے اسے پسندیدگی کی نظر سے دیکھا۔ کئی لڑکے دل تھام کر رہ گئے۔ کئی نے اسے چوری، چوری دیکھا۔ نغمہ کے دیور نے بھی ہنسی مذاق میں اسے کئی ذومعنی باتیں کہہ دیں۔ وہ مستقل اس کے آس پاس ہی منڈلاتا رہا۔ بہانے، بہانے سے اسے مخاطب کرتا رہا۔ اسے یقین تھا کہ وہ اس کا امیدوار بن کر ضرور آئے گا پھر یہی ہوا کہ شادی کے بعد جب نغمہ اسے ملی تو اپنے دیور حسام کا اس کے لیے دیوانہ پن بتایا تو وہ سرشار سی ہو گئی۔

یہ بات تو اس نے شادی کے دوران ہی محسوس کر لی تھی اب نغمہ کی زبانی سنا تو اور بھی اچھا لگا۔

”سچ بتا..... اچھا لگا ناں تجھے.....؟“ نغمہ نے بالآخر اس کے منہ سے اقرار کرا ہی لیا۔

”میری سبیلی، بھی تو اتنی پیاری..... ایسے ہی تھوڑی لٹو ہو گیا وہ..... بس اب تیاری شروع کر دو“ نغمہ جاتے، جاتے اسے امید کا آچل تھما گئی۔

اور وہ اس آچل تلے خوشیوں اور محبتوں کے سبزہ زاروں میں کہیں کھوسی گئی۔ اسے بے چینی سے نغمہ کا انتظار تھا۔

اگلی بار نغمہ آئی تو اس کے ہاتھ میں خوشیوں میں بسا سند یہ تھا۔

”موج ہو گئی بھئی..... دیور جی کا دل آ گیا تم پر..... چاروں شانے چت ہو گئے موصوف کائنات کے حسن کے سامنے.....“ نغمہ نے ہنس کر اسے چھیڑا۔

اور وہ جو گلاب بھرے رخساروں کے ساتھ اس کی باتیں سن رہی تھی اس کے ہاتھ میں تھما سند یہ دیکھ کر گرم صم سی ہو گئی۔ وہ تو یہ سب نہیں چاہتی تھی۔ یہ تو چور راستہ تھا اور اسے چور راستے پر چلنا منظور نہیں تھا۔

”یہ کیا حرکت ہے..... اگر اس کا ایسا ہی دل آ گیا ہے تو عزت سے ہاتھ مانگے.....“ اس نے غصے

تھیں۔ کرنے والا ہو تو کرے ناں..... یہاں تو سب لاٹ صاحب بنے ہوئے ہیں۔“ اماں کورہ، رہ کر غصہ آرہا تھا۔

”چھوڑیں اماں، رہنے دیں کشف کو..... سیکھ لے گی آہستہ، آہستہ آپ یہ آستین دیکھیں۔ میں نے لگالی ہے اب کیا کرنا ہے؟“ کشف کی اتری صورت دیکھتے ہوئے کائنات نے اماں کا دھیان بٹانے کے لیے اپنی طرف متوجہ کیا۔ حالات کو دیکھتے اور سمجھتے ہوئے کائنات کے مزاج میں ٹھہراؤ آ گیا تھا اور وہ کچھ سنجیدہ بھی ہو گئی تھی۔

”آئے ہے..... یہ کیا کر دیا.....؟ الٹی آستین جوڑ دی۔ کیا ہو گیا تمہاری عقل کو آخر..... کہاں دھیان رہتا ہے تمہارا..... پہلے ہی وقت کم ہے اور تم نے کام بڑھا دیا۔ جانتی بھی ہو کہ کام پہلے سے ہلکا ہو گیا ہے اب غلطی کی گنجائش نہیں، خدا جانے کیسی ہیں آج کل کی لڑکیاں، نخرے آسانوں تک اور صلاحیتیں صفر.....“

اب اماں کی توپوں کا رخ کائنات کی طرف ہو گیا تھا۔ ”ادھیڑو اس کو اور جلدی ہاتھ چلاؤ، سکھا، سکھا کے تھک گئی مگر پھوپھو ہرین نہیں جا رہا اور ہم ایسے کہ ایک کے بعد ایک سب کچھ جلدی جلدی سیکھ لیا۔ سلائی کے بعد کشیدہ کاری سیکھی تو کون سا ٹانگا ایسا تھا جو نہ سیکھا ہو، موتی ٹانگا، کاج ٹانگا، لیزری ڈبڑی ٹانگا، زنجیرا، پکی کڑھائی، لہپلک، کٹ ورک، کشمیری کڑھائی، سندھی ٹانگا اور کروشیا سبھی کچھ سیکھ لیا۔ بڑی آپا نے تو موتی ٹانگے کا پورا جال کاڑھا تھا اپنے پنک پوش پر..... مردانے گرتوں میں الگ اتنی نفیس اور باریک کشیدہ کاری کرتی تھیں، ایک آج کل کی لڑکیاں ہیں کہ سوئی پکڑنی بھی نہیں آتی۔“

اماں کا غصہ کم ہی نہیں ہو رہا تھا۔ آج کل اماں کے یہ لیکچر روز سننے پڑ رہے تھے۔ ابھی یہ سلسلہ جاری ہی تھا کہ ایک اور پریشانی سر پر آ گئی۔ بڑے ماموں کے بیٹے کی شادی آرہی تھی اور اماں کو لینے دینے کی فکر نے آگھیرا..... کیونکہ اس معاملے میں اماں کے اندر

ساتھ مارے باندھے سلائی نموانی پڑتی تھی اسے اماں پر رحم بھی آتا کہ اس عمر میں آنکھوں کا تیل نکال رہی ہیں۔ کشف چھوٹی تھی وہ اکثر کام غلط کر دیتی یا بہت دیر لگا دیتی تو اماں چڑ جاتیں۔

”تم تو ایسے کام کر رہی ہو جیسے پانچ سال کی بچی ہو۔ ارے سات سال کی عمر سے کپڑے سینا شروع کر دیے تھے میں نے، سولہ برس کی عمر میں طاق ہو گئی تھی۔ کیا شرارے، کیا غرارے، شیروانی کالر، چنٹوں والی فراک، انارکلی فراک، حیدرآبادی کرتا..... سب ایسی مہارت سے سیتی تھی کہ لوگ دنگ رہ جاتے تھے۔ تم تو سیدھے سیدھے کپڑے نہیں سی سکتیں۔ جان نکل جاتی ہے ذرا سا کچھ کہہ دو تو..... ایک اتنی سی شلوار کو بیلٹ نہیں لگ رہی تم سے، کیا مسئلہ ہے اس میں..... دماغ ہو تو کچھ کرو ناں.....“ اماں کشف کو ایک کی چار سناٹے ہوئے بیلٹ لگانا بھی سکھا رہی تھیں۔

”مردانی قمیصوں کے کالر لگاتی تھیں ہماری اماں، کیا نفاست تھی ان کے ہاتھوں میں، مجھے بھی پہلے مشکل لگا کرتے تھے مگر پھر آہی گئے۔ شوق ہو تو انسان سب کچھ سیکھ لیتا ہے، یہاں تو موا شوق ہی نہیں ہے۔ دل سے سیکھو گی تو آئے گا ناں.....“ اماں مستقل لیکچر پلارہی تھیں۔

”جب مجھے دلچسپی ہی نہیں ہے تو.....“ کشف بیزاری سے منمنائی۔

”وہی تو.....! لٹے سیدھے افسانوں، ناولوں میں دلچسپی ہے، موبائل میں گھسے رہو یا فلمیں دیکھ لو..... بس یہی تو ہیں کرنے والے کام باقی سب گئے بھاڑ میں۔ اس میں دلچسپی کا سوال ہی نہیں یہ سب کام لڑکیوں کو آنے پچاہئیں! آڑے وقت میں کام آتے ہیں اب مجھے ہی دیکھ لو، کتنا کام آ رہا ہے ہنر..... اور بڑی آپا تو ایسی مہارت سے مردانے کرتے سیتی تھیں کہ حد نہیں، اتنی باریک تریپائی والے گرتوں سے انگلیوں میں سوراخ ہو جاتے تھے۔ کیکری بناتے اور جالی کھولتے ہوئے آنکھیں دکھ جاتی اور انگلیاں اکڑ جاتی

بہت انا تھی، سفید پوشی کا بھرم رکھتے ہوئے انہوں نے کبھی تحائف دینے میں بخل سے کام نہیں لیا تھا۔

”اگر کسی بڑی دکان کا آرڈر مل جائے تو بات بن جائے..... مالک تیرا ہی آسرا ہے۔“ کسی کام سے بازار جاتے ہوئے اماں نے براہ آواز بلند دعا مانگی۔

شاید وہ قبولیت کا لمحہ تھا کہ بات بن گئی۔ واپسی پر اماں کی خوشی دیدنی تھی۔ چہرہ کھل رہا تھا۔ کائنات ان کے مسکراتے ہوئے چہرے کو مبہوت سی دیکھتی رہ گئی۔ صعوبتوں اور مشکلوں میں گزارہ کرتے، کرتے، کرتے اماں محنت میں اتنی مشاق ہو گئی تھیں کہ انہیں نہ کام کا بوجھ بڑھنے کی پریشانی تھی اور نہ ہونے والی تھکن کا احساس تھا انہیں تو بس بات بن جانے کی خوشی تھی اور وہی سکون ان کے چہرے پر چمک بن کر بکھرا ہوا تھا۔

”بہت بڑی دکان ہے، ابھی تو ثرائی کے لیے دو سوٹ دیے ہیں، پسند آگئے تو دیکھنا کیسا کام برسے گا۔“ اماں کی خوشی کی حد نہیں تھی۔

”لاؤ میری بیٹی دو..... بلکہ فیتہ پکڑاؤ مجھے، پہلے میں کپڑا ناپ لوں۔“ انہوں نے برقع ایک طرف ڈال کر کشف کو آواز لگائی۔

”اتوہ، اماں ابھی سانس تو لے لیں..... تھکن دور کر لیں، کشف چائے بنا رہی ہے آپ کے لیے..... جلدی میں کہیں گڑبڑ نہ ہو جائے۔“ کائنات نے نرمی سے اماں کو سمجھایا اور خلفانہ توقع وہ مان بھی گئیں۔

دراصل اتنے دنوں بعد راستہ کھلا تھا تو اب اماں کے ذہن کو سکون مل گیا تھا۔ بہت دن بعد انہوں نے دونوں بیٹیوں سے ادھر ادھر کی ہلکی پھلکی باتیں کیں۔

ان دونوں کے لیے اماں کی خوشی زیادہ تھی۔ یہ دوسری بات تھی کہ دونوں ہی اماں کا ہاتھ بے دلی سے بٹاتی تھیں۔ ڈانٹ ڈپٹ کے، زور زبردستی اماں نے اپنا ہنر ان دونوں میں منتقل تو کر دیا تھا مگر دلچسپی صفر تھی۔ پہلے تو اماں کی ڈانٹ ڈپٹ بری لگتی تھی مگر پھر بڑے ہونے کے بعد اماں کی مجبور یوں اور محنت کا احساس کر

کے دونوں تہ دل سے ان کا ہاتھ بٹاتی تھیں۔

”وسائل ہی نہیں ہوئے ورنہ میں اپنا بوتیک کھول لیتی، آج کل کے درزی دونوں رہا تھوں سے کما رہے ہیں۔ ایک درزی کی دکان ہی کھل جاتی تو خوب آمدنی ہوتی مگر تمہارے ابا میں حوصلہ تھا اور نہ ان کے پاس پیسہ تھا، نہ ہی مجھے کسی نے سہارا دیا کہ ساتھ مل کر کچھ کر لیتی مگر خیر شکر ہے اللہ نے بڑا کرم کیا۔“ اماں کورہ، رہ کر افسوس ہوتا کہ وہ گزرے وقت کو زیادہ... کلا آمد نہ بنا سکیں مگر فطری عاجزی اس قدر تھی کہ خوفِ خدا سے آخر میں اللہ کا شکر ضرور ادا کرتی تھیں۔

بڑی دکان سے شروع میں ایک چھوٹا سا آرڈر مل گیا تھا۔ اماں کے ساتھ مل کر دونوں نے آرڈر پورا کر دیا۔ ماموں کے گھر کی شادی عزت سے منٹ گئی۔ اگلا آرڈر دیر سے ملا۔ اماں نے تین چکر لگائے، چوتھے چکر میں کام ملا۔ اماں کو اس بات کا بڑا افسوس ہو رہا تھا کہ اتنی نفاست کی سلائی کے بعد بھی وہ انہیں کم کام دے رہا تھا۔ اس بار قسمت خراب تھی کہ اماں پیار پڑ گئیں۔ جیسے تیسے دونوں نے مل کر آرڈر مکمل کیا۔ اماں تو جانہ سکتی تھیں سو پہلی بار دونوں مال لے کر خود ہی دکان پر چل دیں۔

گلاس وال سے مزین دکان کا سامنے کا حصہ بہت خوب صورت لگ رہا تھا۔ ایک جانب کاؤنٹر پر تختی سا کالا بھنگ لڑکا گلے میں فیتہ لٹکائے کٹنگ کر رہا تھا۔ دوسری طرف ریڈی میڈ کپڑوں کا حصہ تھا جہاں متعدد روشنیاں سلے سلانے ملبوسات کی چکا چونڈ میں اضافہ کر رہی تھیں۔

”کیسا بد صورت مالک ہے اس دکان کا۔“ کشف نے کائنات کے کان میں کھسر پھسر کیا۔

”چپ کرو، ہمیں اس سے کیا.....“ کائنات نے نیچی آواز میں اسے ڈپٹا۔

اس دوران دونوں اس لڑکے کے پاس پہنچ گئیں اور مدعا بتایا۔ اس نے ان کے ہاتھوں میں موجود شاپر دیکھے اور ان سے کہا کہ وہ شاپر وہیں پڑی ایک بیٹی پر

دنیا کے کسی بھی گوشے میں اور ملک بھر میں

# گھر بیٹھے

رسالے حاصل کیجئے

جاسوسی ڈائجسٹ، سسٹمز ڈائجسٹ  
ماہنامہ پاکیزہ، ماہنامہ سرگزشت

باقاعدگی سے ہر ماہ حاصل کریں اپنے رسالے پر

ایک رسالے کے لیے 12 ماہ کا رسالہ  
(شامل رجسٹرڈ ڈاک خرچ)

پاکستان کے کسی بھی شہر یا قصبے کے لیے 800 روپے

امریکا، کینیڈا، آسٹریلیا اور نیوزی لینڈ کے لیے 9,000 روپے

بقیہ ممالک کے لیے 8,000 روپے

آپ ایک وقت میں کئی سال کے لیے ایک سے زائد  
رسائل کے خریدار بن سکتے ہیں۔ رقم اسی حساب سے  
ارسال کریں۔ ہم فوراً آپ کے دیے ہوئے پتے پر  
رجسٹرڈ ڈاک سے رسائل بھیجنا شروع کر دیں گے۔

یہ آپ کی طرف سے اپنے پیاروں کے لیے بہترین تحفہ بن سکتا ہے

بیرون ملک سے قارئین صرف ویسٹرن یونین یا منی گرام کے  
ذریعے رقم ارسال کریں۔ کسی اور ذریعے سے رقم بھیجنے پر  
بھاری بینک فیس عائد ہوتی ہے۔ اس سے گریز فرمائیں۔

رابطہ: سر عباس (فون نمبر) 0301-2454188

جاسوسی ڈائجسٹ پبلی کیشنز

C-63 فیز 111 یکسٹریٹس ڈیفنس ہاؤسنگ اتھارٹی مین کورنگی روڈ، کراچی

فون: 021-35895313 فیکس: 021-35802551

ماہنامہ پاکیزہ 147 ستمبر 2016ء

رکھ دیں اور ریڈی حصے میں جا کر سیٹھ سے مل لیں۔

”سیٹھ سے.....“ دونوں پریشان ہو گئیں۔

آغاز تو اچھا نہ ہوا تھا پہلے تو وہ لڑکا ہی عجیب  
طریقے سے دانت نکال، نکال کر بلاوجہ ہنس، ہنس کر  
ان سے بات کر رہا تھا پھر ان کی بات سمجھنے میں بھی  
اسے دیر لگی یا پھر وہ خواہ مخواہ زیادہ بات کرنے کے  
بہانے وقت بڑھا رہا تھا۔ کافی دیر بعد اسے یاد آیا کہ وہ  
کہاں سے آئی ہیں اور بھیجنے والی کون ہیں۔

”اچھا، وہ مائی، جو اسکارف لیتی ہیں سر پر.....“  
یاد آنے پر اس نے اماں کے لیے قابل اعتراض لفظ  
استعمال کیا۔

”وہ ہماری اماں ہیں۔“ دونوں کو اس پر بے حد

غصہ آیا۔

اب سیٹھ کے پاس جاتے بھی کوئی ہورہی تھی نہ  
جانے کس کردار اور عادت کا ہے، وہ ڈرتے، جھجکتے اس  
حصے میں پہنچیں تو سیٹھ تو انہیں کہیں نظر نہیں آیا البتہ ایک  
ہینڈسم سا شخص خاصے مہذب حلیے اور انداز  
میں ملبوسات دیکھ رہا تھا۔ انہیں دیکھ کر وہ خود کچھ پیچھے  
ہٹ گیا مگر جب دونوں آگے نہ بڑھیں تو ان کی کشمکش  
اس نے بھی نوٹ کر لی۔

”جی آئیے..... دیکھیے کیا چاہیے آپ  
کو.....؟“ اس نے شائستگی سے دریافت کیا۔

”کچھ نہیں..... سیٹھ سے ملنا تھا ہم کو۔“ کائنات  
نے اختصار سے جواب دیا۔

”سیٹھ.....“ اس نے بھویں اچکائیں جیسے کچھ

سمجھ رہا ہو۔

”کس سلسلے میں؟“ اس نے سوال کیا۔

”کپڑے لائے تھے ہم..... اماں بیمار ہیں  
نا.....“ کشف نے سادگی کی حد کرتے ہوئے  
جواب دیا۔

”کون سے کپڑے..... دکھائیں مجھے۔“ وہ  
استعجاب سے دونوں کو دیکھنے لگا کیونکہ ان کے ہاتھ تو  
خالی تھے۔



”وہ اپنے والدین کو بھیجنا چاہ رہا ہے۔ مجھ سے  
عندیہ لے رہا تھا میرا۔ بڑی عزت دی بھئی۔ کرسی پر  
بٹھایا، ٹھنڈا منگوا کے پلایا۔“ بالآخر اماں نے اصل بات  
بتادی۔ اور کائنات جو کرسی پر آرام سے بیٹھی تھی کرنٹ  
کھا کر سیدھی ہو بیٹھی۔ کشف کو پانی پیتے، پیتے اچھو  
ہو گیا۔

”پہلی نظر کی محبت ہو گئی اسے۔“ کشف نے منہ  
دبا کر دھیرے سے کائنات کو چھیڑا۔

”میں کوئی اس لیے نہیں گئی تھی وہاں، ابھی کل  
ہی جا کر اسے چار باتیں سناتی ہوں۔“ اس نے غصے  
سے کہا۔

”کہا تو اس نے آہستہ آواز میں تھا مگر غصے کی  
شدت سے آواز اونچی ہو گئی اماں نے بھی سن لیا۔

”ارے کیوں، کون سا اس نے تم کو کچھ کہا یا  
جوڑی چھپے غلط کام کیا۔ عزت کے ساتھ، قاعدے  
طریقے سے بات کی، مجھ سے..... یہی طریقہ ہے  
لڑکیوں کے لیے پیام دینے کا۔“ اماں نے سمجھایا۔

”واہ، ہم تو سمجھ رہے تھے کہ بڑا آرڈر ملے گا  
یہاں تو دکان کا مالک ہی قبضے میں آ رہا ہے۔ مزے  
آگے بھئی تمہارے تو..... اتنی بڑی دکان ہے روز ایک  
نیا سوٹ پہننا.....“ کشف بہت خوش تھی۔

”مجھے نہیں کرنی شادی وادی..... یوں راہ چلتے  
رشتے طے نہیں ہوتے۔“ اس نے چڑ کر کہا۔ کون سا وہ  
کوئی ڈاکٹر، انجینئر تھا جو وہ خوش ہوئی۔ وہ ایک عام سا  
دکان دار تھا۔ اگرچہ اب اس نے جذباتیت سے سوچنا  
چھوڑ دیا تھا مگر لاشعوری طور پر وہ ایسے ہی رشتے کی  
منتظر تھی۔

”کیوں نہیں کرنی..... شادی تو ہونی ہی ہے  
ایک دن..... ایسے ہی تھوڑی ہر راہ چلتے کے ہاتھ میں  
ہاتھ پکڑا دوں گی پہلے چھان بین کروں گی، اس کے  
کردار کے بارے میں معلوم کروں گی، کاروبار دیکھوں  
گی۔ ہم جیسے شریف اور سفید پوش لوگوں کے لیے ایسے  
رشتے نعمت ہوتے ہیں۔ اچھی چلتی ہوئی دکان ہے اس

اور دونوں ہی اپنی جگہ حیرت کے سمندر میں غوطہ  
کھا رہی تھیں۔ وہ سمجھ رہی تھیں کہ سیٹھ کوئی موٹا، گنجا سا  
آدمی ہو گا مگر ان کے سامنے ایک اتیس، تیس برس کا  
ایک نوجوان کھڑا تھا۔ ان کے بتانے پر اس نے کاؤنٹر  
کے پاس جا کر شاہ پر کھولے، کپڑے چیک کیے، اس کے  
چہرے کا اطمینان اس بات کا غماز تھا کہ وہ کام سے  
مطمئن ہے۔

”اماں کہاں ہیں آپ کی.....؟“ اس نے سوال  
کیا حالانکہ وہ پہلے بتا چکی تھیں کہ اماں بیمار ہیں مگر اس  
نے توجہ سے نہیں سنا تھا۔ دونوں نے وہی وجہ دہرا دی۔

”اوہ..... تو پھر کپڑے کیسے سے انہوں نے؟“  
اسے حیرت ہوئی۔

”ہم دونوں نے مل کر سے ہیں۔“ کائنات کو  
بتانا پڑا۔

”آپ نے سے ہیں؟“ اسے حیرت ہوئی۔  
خاص طور پر الٹ پلٹ کر دوبارہ ملے ہوئے کپڑے  
دیکھے۔ چلتے وقت اس نے اجرت کے ساتھ، ساتھ  
مزید ایک بڑا آرڈر بھی دے دیا۔ اماں تو اس غیر متوقع  
آرڈر پر سجدہ ریز ہو گئیں۔

”بس اماں، اب تو یہاں بات بن گئی۔ اب کام  
پکا.....“ کشف نے ماں کو تسلی دی۔

خوشی کے مارے اماں کی ذہانت بھی ختم ہو گئی۔  
وہ چاق و چوبند ہو کر پھر سے سلائی کرنے پر تیار  
ہو گئیں۔

”مجھے دیکھ کر وہ سمجھتا ہو گا کہ بڑی بی کچھ الٹا  
سیدھا سی کرنے لے آئیں۔ اب تم دونوں کا کام دیکھا تو  
تسلی ہو گئی اسے۔“ اماں نے خیال ظاہر کیا۔

آرڈر مکمل ہوا تو اس بار اماں ہی لے کر گئیں،  
جب واپس آئیں تو خوشی سے ان کا برا حال تھا۔

”ارے مالک، تیرا بڑا کرم ہے۔ میں نے کچھ  
اور جا ہا اور تو نے جھولی بھردی میری۔“ ان کی آنکھوں  
میں تشکر کا پانی بھر گیا۔ دونوں حیران سی اماں کو دیکھ  
رہی تھیں۔

ماہنامہ پاکیزہ 148 ستمبر 2016ء

WWW.PAKSOCIETY.COM ONLINE LIBRARY  
RSPK.PAKSOCIETY.COM FOR PAKISTAN

PAKSOCIETY1 f PAKSOCIETY

بالآخر شادی کا دن بھی آ گیا۔ اب وہ بالکل مطمئن تھی۔ زیادہ خوشی اس بات کی بھی کہ اب اماں کی سلائی سے اس کی جان چھٹ گئی تھی۔ کشف ٹھیک کہہ رہی تھی معین نے اسے اتنا پیار دیا کہ وہ پچھلی ساری مشکلیں بھول سی گئی۔ وہ ہنی مون پر بھی گئی۔ معین کے ساتھ اس نے ڈھیروں شاپنگ بھی کی اور جب اس کے سنگ گاڑی میں بیٹھ کر آؤٹنگ پر گئی تو اس وقت اس نے خود کو ہواؤں میں اڑتا ہوا محسوس کیا..... معین نے اسے کبھی کسی چیز کی کمی نہیں ہونے دی۔ ایک روز وہ اس کا ہاتھ تھام کر بیٹھ گیا۔ دھیرے، دھیرے اس کے ہاتھ کی پشت پر اس نے ہاتھ پھیرا۔ اس کی آنکھوں میں انوکھا سا احساس تھا۔ کائنات کو لگا کہ اس کی اس قدر توجہ اور پیار پر اس کا دل رک جائے گا۔

”تم بہت اچھی ہو..... میری توقع سے بھی بڑھ کر اچھی ہو۔ مجھے ایسی ہی لڑکی کی تلاش تھی۔ تمہاری اماں نے بڑا احسان کیا مجھ پر کہ تم کو اتنی اچھی سلائی سکھائی۔ میرا ہاتھ بھی کچھ ہلکا ہوگا اب۔ جب ارجنٹ آرڈر آئیں گے تو تم کو ہی مل کر پورے کروانے پڑیں گے۔ کیونکہ اب میں باہر کا کام بھی لیا کروں گا۔ میں نے سوچا ہے کہ میں ایک سلائی سینٹر بھی کھولوں گا تاکہ تم اس میں لڑکیوں کو سلائی سکھا کر ہنرمند بناؤ۔“ وہ اپنی ہی رو میں بولتا جا رہا تھا اور کائنات بھٹی، پھٹی آنکھوں سے اسے دیکھ رہی تھی۔ معین کے الفاظ سننا تیروں کی طرح اس کے معصوم خوابوں اور جذبوں میں پوست ہو رہے تھے۔ وہ بے یقین نظروں سے اسے دیکھ رہی تھی۔

وہ جو یہ سمجھ رہی تھی کہ شادی کے بعد اماں کی سلائی سے جان بچ گئی مگر یہ اس کی شادی نہیں ہوئی تھی بلکہ اسے ساری عمر کی سزا ملی تھی..... اب اسے ساری عمر کمائی کی مشین بن کر معین کا ساتھ نبھانا تھا اماں کی طرح۔

کی۔ عادت بھی بظاہر اچھی ہے اور کمائی بھی اچھی۔“ اماں نیم رضامند تھیں۔

وہ نہ صرف خوش شکل تھا اس کی عمر بھی مناسب تھی اور اس کے اخلاق کی اماں گرویدہ ہو گئی تھیں۔ دونوں کے گھر والوں کی آپس کی ملاقات کے بعد بہت جلد رشتہ پکا ہو گیا۔ اماں ہر طرح سے مطمئن ہو گئی تھیں۔

”گلشن میں اپنا ذاتی گھر ہے اس کا..... کھاتے بیٹے لوگ ہیں، تین بھائی ہیں، تینوں کا اپنا کاروبار ہے لیکن ابھی سب ایک جگہ رہتے ہیں۔ سب نے کہیں نہ کہیں بنگلہ کر رکھی ہے کچھ عرصے بعد گھر بھی الگ ہو جائیں گے سب کے۔ راج کرے گی کائنات۔“ اماں اپنی خوشی میں کائنات کے دل کی کیفیت بھی سمجھ نہیں پاری تھیں۔

جھٹ پٹ رشتہ ہوا تھا زیادہ سوچنے کا وقت بھی نہیں ملا تھا۔ کائنات کو نہ خوشی ہو رہی تھی اور نہ دکھ یا کوئی افسوس..... اس کے احساسات جامد ہو گئے تھے۔ یہ سب کچھ ویسے تو نہیں ہوا تھا جیسے وہ چاہتی تھی۔ اس کی کچھ سمجھ میں نہیں آ رہا تھا۔

منگنی کے بعد اس کے منگیتر معین نے گاڑی بھی لے لی۔ اماں تو اتنا اچھا رشتہ ملنے پر شکر ادا کرتے نہیں تھک رہی تھیں۔

”واہ بھئی! مزے آ گئے، اب تو بیگم صاحبہ بن کر گاڑی میں پھرنا..... ایک سے ایک لباس پہننا، ٹھاٹ ہیں بھئی۔“ کشف کو اس پر رشک آ رہا تھا۔

اس کا کمزور اور غیر مطمئن دل بالآخر بہل ہی گیا کچھ کشف کی باتوں سے اور کچھ معین کی طرف سے ملنے والے خاص تحائف سے۔ اس کے دل میں اس کی محبت کی اہمیت اجاگر ہو گئی تھی۔ سب سے بڑھ کر اس کی شرافت نے دل میں جگہ بنائی کہ منگنی کے بعد بھی اس نے اس سے ملنے یا بات کرنے کی کوشش نہیں کی۔ اور دوسری وجہ یہ تھی کہ وہ اسے دیکھ چکی تھی اس کا سراپا اس کی سوچوں اور خیالوں پر چھاتا چلا گیا کیونکہ وہ جاذب نظر بھی تھا اور ہینڈسم بھی۔



ڈرامن بلال

وہ کمال ہنر یوں بھی کرتا گیا  
 زخم دیتا گیا زخم بھرتا گیا  
 دور اُس کی نگاہوں سے منزل ہوئی  
 جاوہ عشق میں جو بھی ڈرتا گیا  
 رات پھولوں پہ شبنم برستی رہی  
 رنگ پھولوں کے رخ کا نکھرتا گیا

عشق، محبت، چاہت، پیار ایک جذبے کے کتنے اظہار... یہ جذبہ ہر کسی کے دل میں پنپ سکتا ہے بشرطیکہ دل کا ظرف وسیع اور خلوص کے موتیوں سے مرصع ہو، زہر نظر کہانی اسی جذبے کے اتار چڑھاؤ کو بے حد متاثر کن انداز میں قاری کو ایک نئی سوچ سے روشناس کراتے ہوئے بڑھتی ہے۔

عشق کے آفاقی جذبے کو ایک نئے انداز میں بیان کرتی دلکش تحریر

قطعہ 13





کاشانہ عمر کو رنگ برنگے قہقروں سے سجایا گیا تھا۔ آج چونکہ مایوں کی رسم ہونا تھی سو ایصال نے پورے لاؤنج، لابی اور لونگ روم کو گیندے کے پیلے پھولوں سے سجایا تھا۔ ساجدہ پھپھو سے تو اسے ویسے ہی بہت پیار تھا مگر اب چونکہ مستقبل قریب میں اسے ہمیشہ کے لیے اس گھر میں ڈاکٹر عمر کی دلہن بن کر راج کرنا تھا سو ایصال اس حوالے سے بھی تمام معاملات میں بھرپور حصہ لے رہی تھی..... اور خوشی، خوشی تمام کام کر رہی تھی..... سمیرا بیگم اور نور بیگم صبح سے ہی عنایہ کو لے کر کاشانہ عمر آگئی تھیں..... گھر میں خوب رونق لگی ہوئی تھی، مناب کی فرینڈز بھی آچکی تھیں..... آس پڑوس میں رہنے والی کچھ آئیٹیاں بھی آ جا رہی تھیں..... مناب اپنے کمرے میں سسرال سے آیا جوڑا اپنے مایوں کی رسم کے لیے تیار ہو رہی تھی۔ ایصال مایوں کے حساب سے پیلے اور سرخ رنگ کے خوب صورت سے ڈریس میں ملبوس تھی..... ڈاکٹر عمر کی وارنٹی اور محبت بھری نگاہیں ہر طرف اس کا پیچھا کر رہی تھیں..... اب بھی وہ کچن میں پھو سے ایٹن، مہندی کا تھال تیار کروا رہی تھی۔ جب لاؤنج میں بیٹھی سمیرا بیگم نے پھو کو آواز دی اور ایٹن گھولتی پھو ہاتھ صاف کرتی وہیں سب کچھ چھوڑ چھاڑ باہر نکل گئی تھی۔ کچن کی ڈائننگ ٹیبل پر بڑا سا تھال رکھا تھا اس کے درمیان رکھے ایٹن، مہندی کے پیالوں کے گرد چھوٹے، چھوٹے سے بہت سارے دیے رکھے تھے۔ ایصال اب گیندے اور گلاب کے پھول اور پیوں سے تھال سجا رہی تھی۔ پھول سجانے کے بعد اس نے ٹیبل پر رکھا لائٹراٹھایا اور دیے جلانے لگی..... ڈاکٹر عمر جو کچن میں پانی پینے آئے تھے ایصال کو دیے جلاتے ہوئے دیکھ کر اس کے قریب آگئے۔ جلتے ہوئے دیے اور ان کی خوب صورت روشنی ایصال کے چہرے پر جھللا رہی تھی۔ ایصال کوئی چیز لینے کے لیے ہلٹی تو سامنے بلیک شلوار ٹیسی میں ملبوس سینے پر بازو لپیٹے ڈاکٹر عمر کھڑے تھے، ان کے لبوں پر دھیمی سی مسکراہٹ تھی۔

”آپ یہاں..... کچھ چاہیے تھا آپ کو؟“ ایصال نے مسکراتے ہوئے انہیں دیکھ کر پوچھا تو وہ ہنوز اسی مسکراہٹ کے ساتھ اس کے مقابل آکھڑے ہوئے۔

”ہاں چاہیے تو بہت کچھ۔“ انہوں نے گنبد انداز میں کہتے ہوئے اس کے ہاتھ تھام لیے۔

ایصال نے ہنس ہو کر اپنے ہاتھ چھڑانے چاہے۔

”وہ مناب مجھے اوپر بلا رہی تھی، مجھے اس کے پاس جانا ہے۔“ ایصال نے بہانہ تراشا۔

”اور میرے پاس کب آؤ گی تم؟“ اس کے شرمائے چہرے کو اپنی بھارتوں میں مقید کرتے ہوئے پوچھا گیا تو وہ جھینپ گئی۔

”جب آپ دو لہا بن کر مجھے لینے آئیں گے۔“ ایصال نے زبردستی اپنے ہاتھ چھڑا کر کچن سے نکلے ہوئے مسکرا کر کہا تو ڈاکٹر عمر بھی مسکرا دیے۔

”مناب کی شادی کے بعد میں ماما کو بھیج رہا ہوں نور منزل..... تمہارا ہاتھ مانگنے کے لیے۔“ ایصال مسکراتی ہوئی کچن سے باہر نکل گئی۔

مایوں کی رسم کے لیے علیینہ، ایصال اور مناب کی چند فرینڈز کا مدار دوپٹے کی چھاؤں میں اسے کمرے سے لاؤنج میں لے آئی تھیں جہاں خوب صورت سے لکڑی کے جھولے کو گیندے کے پھولوں سے سجایا گیا تھا۔ مناب کو جھولے پہ بٹھانے کے بعد ایصال، علیینہ اور مناب کی فرینڈز ایٹن کا تھال اٹھا کر لائیں..... زارون ہنڈی کیم سے مووی بنا رہا تھا۔ اس کے قریب ہی ڈاکٹر عمر سادہ سی اس گھریلو تقریب کو دیکھ رہے تھے..... مناب ان کی اکلونی اور لاڈلی بہن اس گھر کو چھوڑ کر پیدا دس سدھار رہی تھی۔ بڑا بھائی ہونے کے ناتے ان کا دل جیسے کسی نے مٹھی میں دبوچ لیا تھا، آنکھیں آنسوؤں سے بھر گئی تھیں۔ کتنا مشکل اور جان لیوا ہوتا ہے یہ دکھ بھرا لمحہ..... جب اپنی بہنوں

اور بیٹیوں کو پال پوس کر ان کے لاڈ، نازخزے اٹھا، اٹھا کر انہیں ہمیشہ کے لیے دوسروں کے رحم و کرم پہ بیاہ کر بیچ دیا جاتا ہے۔ بیاہ کر لے جانے والے ان سے کتنا ہی برا سلوک کریں، بیٹیوں اور بہنوں کو ہمیشہ برداشت کرنے کی تلقین کر دی جاتی ہے، ڈاکٹر عمر نے دل ہی دل میں سوچا۔

رسم کا آغاز کر دیا گیا تھا، پیلے سوٹ میں گیندے کے پھولوں کا زیور پہنے مناب پہ بہت روپ چڑھا تھا وہ بغیر میک اپ کے بھی بہت حسین لگ رہی تھی۔ کاشائے عمر میں ہر طرف رونق اتری ہوئی تھی۔ سہانگیں باری، باری مناب کو تیل اور اینٹن لگا رہی تھیں، جب کوئی آندھی، طوفان کی طرح لاؤنج کا دروازہ دھاڑ سے کھول کر اندر داخل ہوا تھا۔ سب نے گردنیں موڑ کر دیکھا۔ اقصم جا رحانہ انداز میں سپاٹ چہرے کے ساتھ اندر داخل ہوا تھا۔

”اقصم.....؟ اسے تو چار دن بعد واپس آنا تھا۔“ ایصال نے خوشگوار حیرت سے علیحدہ کو بتایا۔ زارون مسکراتا ہوا اس کی جانب بڑھا تھا۔ میرا بیگم بھی اپنی جگہ سے اٹھ کھڑی ہوئی تھیں۔ ان کا چہرہ بیٹے کو اچانک سامنے پا کر کھل اٹھا تھا۔ زارون نے آگے بڑھ کر اقصم کو گلے لگانا چاہا تھا مگر اقصم پھرائی ہوئی نگاہوں سے سامنے بیٹھی مناب کو دیکھتا ہوا زارون کے قریب سے گزر گیا تھا۔ اقصم کو تو جیسے کچھ نظر ہی نہیں آ رہا تھا۔ وہ خواتین کے ہجوم سے گزرتا ہوا مناب کے پاس آیا تھا اور اس کی کلائی پکڑ کر مناب کو جھولے سے اٹھا کر اپنے ساتھ لے جانے لگا۔

”چھوٹو یہ..... یہ کیا کر رہے ہو؟“ مناب نے ناگہی میں اپنی کلائی اس کی گرفت سے چھڑانی چاہی۔ مگر اس کے ہاتھ کی گرفت اتنی مضبوط تھی کہ اس کی کلائی میں کالج کی کٹی چوڑیاں ٹوٹ کر کھب گئیں۔

”کیا بد تمیزی ہے چھوڑو میرا ہاتھ.....“ مناب نے غصے میں پوری قوت سے اس کی گرفت سے اپنا ہاتھ چھڑانا چاہا..... مگر وہ ہنوز اسی طرح جا رحانہ انداز میں سپاٹ چہرے کے ساتھ اسے کلائی سے پکڑ کر عورتوں کے ہجوم کو چیرتا ہوا اس کے کمرے کی طرف بڑھا۔ سب کے لیے یہ صورت حال اتنی حیرت انگیز تھی کہ جو جہاں کھڑا بیٹھا تھا وہاں ہی ورطہ حیرت سے جم گیا۔

”چھوٹو، میرا ہاتھ چھوڑو..... میں کہہ رہی ہوں میرا ہاتھ چھوڑو ورنہ بہت برا ہوگا۔“ مناب اپنی کلائی چھڑانے کے لیے چیخ رہی تھی اور وہ اسے گھسیٹتا ہوا اس کے کمرے میں لے گیا تھا..... جہاں اندر داخل ہوتے ہی اقصم نے دروازہ لاک کر لیا تھا۔ ”چھوٹو تم حد سے گزر رہے ہو..... چھوڑو میری کلائی۔“ غصے میں اقصم نے اسے دیوار کے ساتھ لگایا اور خود اس کے مقابل اس کے سامنے کھڑے ہوتے ہوئے اس کے دائیں، بائیں اپنے ہاتھ دیوار پر رکھتے ہوئے دونوں انداز میں بولا۔

”آپ یہ شادی نہیں کر سکتیں..... توڑ دیں یہ رشتہ ابھی اور اسی وقت.....“

”چھوٹو یہ..... یہ کیا بکواس کر رہے ہو تم؟ اگر یہ مذاق ہے تو انتہائی بھونڈا اور گھٹیا مذاق ہے، پیچھے ہٹو اور جانے دو مجھے باہر۔“ مناب نے اسے پیچھے ہٹا کر دروازے کی طرف جانا چاہا مگر اقصم نے اسے کلائی سے پکڑ کر دوبارہ اپنے مقابل لاکھڑا کیا۔

”میں مذاق نہیں کر رہا ہوں..... آپ یہ شادی نہیں کر سکتیں۔“ جا رحانہ انداز میں اقصم نے ایک بار پھر اس کی کلائیوں کو دبوچ لیں۔

”مگر کیوں؟ اور تم کون ہوتے ہو مجھے اس شادی سے روکنے والے؟“

”کیونکہ میں آپ سے محبت کرتا ہوں، عشق کرتا ہوں آپ سے..... آپ ہی میری پہلی اور آخری محبت ہیں، میں..... میں دو سال سے اپنی یہ محبت اپنے دل میں چھپائے ہر روز ایک نئی اذیت سے دوچار ہوتا رہا..... مگر اب نہیں..... میں اپنی نظروں کے سامنے آپ کو کسی اور کا ہوتا ہوا نہیں دیکھ سکتا..... میں یہ نہیں برداشت کر سکتا کہ میرے

علاوہ آپ کو کوئی اور دیکھے..... آپ کو کوئی اور چھوئے..... مناب آئی، آئی رہی لویو الاٹا..... میں آپ سے عشق کرتا ہوں۔“ وہ دیوانوں کی طرح اسے شانوں سے تمام کر بولے جا رہا تھا۔

مناب نے پوری قوت سے ہاتھ اٹھایا تھا اور تھپتھپ کر اس کے منہ پر دے مارا تھا۔  
 ”تم جیسا گھٹیا انسان میں نے زندگی میں نہیں دیکھا..... تمہاری جرات کیسے ہوئی مجھ سے یہ سب بکواس کرنے کی؟ میں..... میں تمہیں اپنا چھوٹا بھائی سمجھ کر تمہارے ناز نخرے اٹھاتی رہی اور تم..... تم اتنے خبیث نکلے کہ.....“ غصے سے مناب کی سانس پھول گئی تھی اور حیرت سے آنکھیں پھیل گئی تھیں توڑی دیر پہلے اسے اپنی کلائیوں میں کانچ کی چوڑیاں ٹوٹ کر کھینے کی جو تکلیف ہو رہی تھی وہ تکلیف اب مناب بھول گئی تھی اس کی کلائیوں سے خون رسنے لگا تھا..... مگر اب وہ یہ تکلیف بھول گئی تھی اب اس کا دل تکلیف میں تھا..... اس کا دل انصاف کے اس انکشاف پہ خون کے آنسو رو رہا تھا۔

”آپ مجھے کچھ بھی کہہ لیں..... مگر میں یہ شادی نہیں ہونے دوں گا۔ میں اپنی نظروں کے سامنے آپ کو کسی اور کا نہیں ہونے دوں گا۔“ وہ پاگل ہو چکا تھا اور پاگلوں کی طرح ہی اس سے التجائیں کر رہا تھا، حکم دے رہا تھا۔ دوسری طرف باہر کھڑے زارون اور ڈاکٹر عمر دروازہ پیٹ رہے تھے۔

”آئی ہیٹ یو انصاف..... میں کبھی سوچ بھی نہیں سکتی تھی کہ تم میری نظروں میں اس طرح گر جاؤ گے..... مجھے تمہاری اس گھٹیا محبت سے نفرت ہو گئی ہے۔“ مناب شدید غصے سے چلائی۔  
 ”اگر آپ نے اس شادی سے انکار نہ کیا تو..... تو میں خود کو شوٹ کر لوں گا۔“  
 انصاف نے اپنے کوٹ کی جیب سے پستول نکال لیا۔ انصاف کی آنکھوں میں خون اتر رہا تھا۔ مناب نے خوف سے لیوں پر ہاتھ رکھ لیے۔

”یہ..... یہ کیا پاگل پن ہے؟ انصاف یہ..... یہ غلط کر رہے ہو تم۔“ مناب نے روتے ہوئے اس کے ہاتھ سے پستول چھیننا چاہا۔

”چھوڑیں..... اور چلی جائیں یہاں سے۔“ انصاف نے مناب کو بیڈ پر دھکا دیا اور اپنی کپٹی پر پستول رکھ لیا۔ ”جس زندگی میں آپ کا ساتھ نہ ہو مجھے وہ زندگی نہیں چاہیے.....“ انصاف کا انداز تھی اور فیصلہ کن تھا، مناب چیخ کر دوبارہ اس کی طرف لپسی۔

”چھوٹو..... چھوٹو پلیز، پلیز..... تم..... تم ایسا کچھ نہیں کرو گے۔ پپ..... پلیز، مناب نے پھولے تنفس سے ایک بار پھر اس کے ہاتھ سے پستول پکڑنا چاہی۔

”مت روکیں مجھے.....“ انصاف نے غصے میں اسے پھر پیچھے ہٹانا چاہا۔ دوسری طرف باہر سے بری طرح دروازہ پینا جا رہا تھا۔ مناب اس کے ہاتھ سے پستول چھیننے کی کوشش کر رہی تھی اسی دوران..... انصاف سے پستول چل گیا تھا۔ پستول کی آواز سے کمرے کے اندر بھی چند لمحے کے لیے سکوت چھا گیا اور باہر بھی..... انصاف کے سینے میں گولی پیوست ہوئی تھی..... اس کے سینے سے خون کا فوراً پھوٹ نکلا تھا..... اور وہ نیچے لڑھک کر گر گیا تھا۔ مناب اسے دیکھ کر چیخنے لگی تھی۔

”چھوٹو، چھوٹو..... چھج..... چھو..... ٹو.....“ خوف کے مارے مناب چیخنے ہوئے بے ہوش ہو گئی تھی۔ اسی اثنا میں زارون اور ڈاکٹر عمر دروازے کا لاک توڑ کر اندر داخل ہوئے تو کمرے کا منظر دیکھ کر وہ دونوں بھی بھونچکا رہ گئے۔ پورے گھر میں کہرام مچ گیا تھا۔ آس پڑوس سے آئی عورتیں چہ گوئیاں کر رہی تھیں۔ ڈاکٹر عمر، زارون پریشانی اور عجلت میں انصاف کو گاڑی میں ڈال کر اسپتال لے جانے لگے تو روٹی ہوئی سمیرا بیگم بھی ان کے ساتھ بیٹھ

## ایسے عشق تیرے ہیں کھیل عجب

گئیں داؤد چوہدری ایک آئیٹیل ڈیزائنر تھے، انہیں اس واقعے کی اطلاع کر دی گئی تھی وہ بھی حواس باختہ ہو کر وہاں سے اسپتال روانہ ہو گئے تھے۔ دوسری طرف گھر میں بے ہوش پڑی مناب کو ایصال ہوش میں لانے کی بھرپور کوشش کر رہی تھی۔

اقصم آئی سی یو میں تھا، سمیرا بیگم نے باہر رو، رو کر برا حال کر رکھا تھا۔ داؤد چوہدری نہایت فکر مندی سے انہیں مسلسل تسلیاں دے رہے تھے زارون اور ڈاکٹر عمر آئی سی یو کے باہر بے چینی سے ٹہل رہے تھے..... آئی سی یو میں اقصم کا آپریشن ہو رہا تھا۔

کاشا ڈیوے عمر میں سب پریشانی اور تنگدلی سے اقصم کے لیے دعائیں کر رہے تھے۔ مناب کو ہوش آ گیا تھا مگر وہ روتے ہوئے مسلسل اقصم کے پاس جانے کی ضد کر رہی تھی۔ کئی گھنٹے آئی سی یو میں رہنے اور سب کی دعاؤں کے باعث اقصم کا آپریشن کامیاب ہو گیا تھا، آپریشن کے ذریعے اس کے سینے میں پیوست گولی نکال لی گئی تھی شکر تھا کہ گولی کسی عضو کو متاثر نہیں کر پائی تھی۔ مگر خون زیادہ بہہ جانے کے باعث ڈاکٹر زنی اگلے چوبیس گھنٹے اہم قرار دیے تھے۔

☆☆☆

”لاکھ کوشش کر لو..... ایسی باتیں چھپتی ہیں اور نہ چھپائی جاسکتی ہیں۔ اگر مناب کے کزن کو اس سے ایسا ہی اندھا عشق تھا تو ان لوگوں کو ہمیں اندھیرے میں رکھنے کی کیا ضرورت تھی..... کر دیتے مناب کا رشتہ طے اس کے نام نہاد عاشق سے..... میرے بھائی کو کون سا لڑکیوں کی کمی تھی؟“ ولی سر جھکائے بیٹھا تھا اور زری آپا انہیں کھری، کھری سنا رہی تھیں۔

”آپ مناب کو جیسا سمجھ رہی ہیں ویسا کچھ بھی نہیں ہے۔“ ولی نے شرمندگی سے انگلیاں مسلتے ہوئے وضاحت دی..... ”مناب، اقصم کو ہمیشہ ایک چھوٹے بھائی کی طرح ڈیل کرتی رہی ہے، اب اسے کیا معلوم تھا کہ وہ جسے بھائی سمجھتی ہے وہ لڑکا اس کے لاڈ پیار کا غلط مطلب لے کر اس کی محبت میں ایک طرفہ طور پر یوں مبتلا ہو کر یہ گل کھلائے گا؟“

”بس کر دو ولی، مناب کی وکالت کرنا..... مانا کہ محبت اندھی ہوتی ہے مگر اتنی بھی اندھی نہیں ہوتی کہ صاف اور واضح دکھائی دینے والی حقیقت ہی نظر نہ آئے۔ میری ایک بات ہمیشہ یاد رکھنا، رائی ہوتی ہے تو پہاڑ بنتا ہے، ایسے ہی یک طرفہ محبت میں کون کسی کے لیے خود کو یوں جان سے مارنے کی کوشش کرتا ہے بھلا؟“ زری آپا کا غصہ کسی طور پر بھی کم نہیں ہو رہا تھا۔

”آپا بی لیوی..... مناب بے قصور ہے، اس کا اقصم کے اس یک طرفہ عشق سے واقعی کوئی تعلق نہیں وہ تو خود آج تک اس حقیقت سے انجان تھی۔“

”بس ولی، اس نے کہا اور تم نے یقین کر لیا..... کاشا ڈیوے عمر کے پڑوس میں جو میری دوست رہتی ہے ایسی، ایسی باتیں بتا رہی تھی کہ میں کیا بتاؤں..... وہ تو بتا رہی تھی کہ اس نے خود مناب کو کئی بار اس لڑکے کے ساتھ رات کو باہر آتے جاتے ہوئے دیکھا ہے، ایک دن تو وہ لڑکا رات گئے تنہا اسے گھر چھوڑ کر گیا تھا۔ بھئی مجھے تو یہ لڑکی کردار کے لحاظ سے ٹھیک نہیں لگتی..... اب بھی وقت ہے، سوچ لو اچھی طرح اور انکار کر دو اس رشتے سے۔“

”آپا یہ کس قسم کی دقیانوسی باتیں کر رہی ہیں آپ؟ مناب ایسی لڑکی نہیں ہے، وہ صرف مجھ سے محبت کرتی ہے، اس نے کبھی مجھ سے کچھ نہیں چھپایا..... مجھے اس پر ٹھہل بھروسا ہے۔ وہ کوئی ٹین ایجنٹ نہیں ایک میچور لڑکی ہے اور بہت سمجھدار بھی۔“

”بس ولی عورت کو سمجھنا تمہارے بس کی بات نہیں کیترین کے بارے میں بھی تم یہی کہتے تھے مجھ سے..... وہ تجربہ تو تمہیں یاد ہی ہوگا؟“ نہ چاہتے ہوئے بھی زری آپا کے لہجے میں کئی کھل گئی تھی۔ اور ان کی بات پر ولی کے ماتھے



پہ شکنیں نمودار ہو گئی تھیں۔ کیتھرین، ولی کی زندگی کا تلخ ترین باب تھی جسے انہوں نے مناب سے بھی چھپا رکھا تھا۔  
 ”میں نے سوچ لیا ہے میں شادی کروں گا تو صرف مناب سے۔“ ولی نے حتمی انداز میں فیصلہ سنایا تو ایک  
 طویل سانس لیتے ہوئے زری آپا صوفے سے اٹھ کھڑی ہوئیں۔

”ٹھیک ہے تمہارا ولیمہ اینڈ کر کے اگلے روز ہی میں واپس چلی جاؤں گی۔ تمہیں اپنی زندگی کو اگر تجربات کی  
 نذر کرنے کا شوق ہے تو میں کیا کر سکتی ہوں..... مجھے تو اسی دن اس لڑکی پہ شک ہو گیا تھا۔ جب یہ لڑکی ہماری انگلینڈ  
 آمد کی پروا نہ کرتے ہوئے آکسفورڈ اسٹریٹ، اپنے نام نہاد عاشق کے پاس ویک اینڈ گزارنے چلی گئی تھی۔“ زری  
 آپا کہتے ہوئے اٹھ کر دوسرے کمرے میں چلی گئی تھیں۔ اور ولی وہیں صوفے پر بیٹھا رہ گیا تھا۔ اس کے لیے اس  
 شرمناک صورت حال کو پنڈل کرنا بہت مشکل ہو گیا تھا۔

دوسری طرف مناب، اسپتال میں زیر علاج اقصم کو دیکھنے کے لیے بے تاب ہو رہی تھی مگر اسے اسپتال جانے  
 کی اجازت نہیں دی گئی تھی..... تاکہ اقصم اسے دیکھ کر پھر سے ڈسٹرب نہ ہو جائے..... مناب کی تو جیسے خوشیوں کو نظر  
 ہی نہیں لگ گئی تھی..... اقصم کو ہوش آ گیا تھا مگر وہ بالکل خاموش تھا کسی سے کوئی بات نہیں کر رہا تھا۔ میرا بیگم اس کی  
 دیوانوں جیسی حالت دیکھ کر روتی رہتیں..... اخبارات میں اقصم کے حوالے سے طرح، طرح کی خبریں شائع ہو رہی  
 تھیں..... کوئی اس قصے کو قاتلانہ حملہ قرار دے رہا تھا تو کوئی خودکشی کا نام دے رہا تھا۔ میڈیا والے اسپتال کے باہر جمع  
 ہو گئے تھے۔ وہ نور منزل کے کینوں کے تاثرات ریکارڈ کرنا چاہتے تھے مگر اقصم کی فیملی نے چپ سادھ رکھی تھی۔

پہلے مناب کی شادی کے جو فنکشنز دھوم دھام سے ہونا تھے اب وہ ساوگی سے ادا کرنے پر اکتفا کر لیا گیا تھا۔  
 میڈیا والے اپنے چینل پہ سب سے پہلے بریکنگ نیوز چلانے کے لیے اس سارے قصے کی نہ جانے کہاں، کہاں سے  
 چھان بین کر رہے تھے۔ بالآخر ایک چینل نے جانے کہاں سے اقصم کی خودکشی کا راز معلوم کر لیا تھا اور اسے بریکنگ  
 نیوز بنا کر چلا دیا تھا اب میڈیا میں واضح طور پر اقصم کے ساتھ مناب کا نام لیا جا رہا تھا۔ کیونکہ اقصم کی شہرت ایک  
 گلوکار کی حیثیت سے بھی ہو گئی تھی۔

ولی ٹی وی لائونج میں بیٹھے تھے، زری آپا نے وہی نیوز چینل لگا رکھا تھا جہاں مناب اور ولی کے انصیر کی خبر سنائی  
 جا رہی تھی اور اقصم کی خودکشی کے اصل حقائق بھی۔

”لوسن لو اپنی ہونے والی بیوی کے قصے..... پوری دنیا سن رہی ہے..... میں تو کسی کو منہ دکھانے کے قابل نہیں  
 رہی۔“ زری آپا نے غصے میں ولی کو دیکھا جس نے پریشانی سے سر تھام رکھا تھا۔

”آپا پلیز ریلیکس..... یہ میڈیا والے تو تماش بین ہیں، اپنے چینل کی ریٹنگ بڑھانے کے لیے ایک عام خبر کو  
 بھی مرچ مسالا لگا کر سنسنی خیز بنا کر پیش کرتے ہیں..... ابھی داؤد انکل سے میری بات ہوئی ہے، انہوں نے اس  
 چینل کے خلاف قانونی کارروائی کا فیصلہ کر لیا ہے۔ انکل داؤد خود بہت غصے میں ہیں۔“ ولی نے وضاحت  
 دی..... جو ابادہ اور زیادہ بھڑک اٹھیں۔

”خالی غصے سے کیا ہوتا ہے؟ اپنے ساتھ، ساتھ یہ ہماری عزت بھی ڈبونے پہ تل چکے ہیں..... اُدھر امریکا  
 سے میرے سرال والوں نے مجھے فون کر، کر کے اس خبر کے بارے میں جاننے کے لیے میرا سر کھا رکھا ہے.....  
 کس، کس سے میں جھوٹ بولوں کہ یہ خبر جھوٹی ہے۔“

”آپا آپ کا جو دل چاہتا ہے وہ آپ اپنے سرال والوں کو بتائیں..... آپ کو ان لوگوں کے علاوہ کسی کی  
 پروا ہوتی ہی کب ہے.....؟ عارفہ کا غم آج تک نہ آپ کے دل سے جا سکا..... شاید اسی لیے آپ کو میرا گھر بننے کی  
 کوئی خوشی نہیں۔“ ولی کے لہجے میں شکوہ تھا۔

## پاک سوسائٹی پر موجود مشہور و معروف مصنفین

عُمیرہ احمد	صائمہ اکرام	عُشنا کوثر سردار	اشفاق احمد
نمرہ احمد	سعدیہ عابد	نبیلہ عزیز	نسیم حجازی
فرحت اشتیاق	عفت سحر طاہر	فائزہ افتخار	عنایت اللہ التمش
قُدسیہ بانو	تنزیلہ ریاض	نبیلہ ابراراجہ	ہاشم ندیم
نگہت سیما	فائزہ افتخار	آمنہ ریاض	ممتاز مفتی
نگہت عبد اللہ	سباس گل	عنیزہ سید	مستنصر حسین
رضیہ بٹ	زُخسانہ نگار عدنان	اقراء صغیر احمد	علیم الحق
رفعت سراج	اُمِ ہریم	نایاب جیلانی	ایم اے راحت

## پاک سوسائٹی ڈاٹ کام پر موجود ماہانہ ڈائجسٹس

خواتین ڈائجسٹ، شعاع ڈائجسٹ، آنچل ڈائجسٹ، کرن ڈائجسٹ، پاکیزہ ڈائجسٹ،  
حناء ڈائجسٹ، ردا ڈائجسٹ، حجاب ڈائجسٹ، سپنس ڈائجسٹ، جاسوسی ڈائجسٹ،  
سرگزشت ڈائجسٹ، نئے آفاق، سچس کہانیاں، ڈالڈا کا دسترخوان، مصالحہ میگزین

## پاک سوسائٹی ڈاٹ کام کی شارٹ کٹس

تمام مصنفین کے ناولز، ماہانہ ڈائجسٹ کی لسٹ، کڈز کارنر، عمران سیریز از مظہر کلیم ایم اے، عمران سیریز از ابنِ صفی،

جاسوسی دنیا از ابنِ صفی، ٹورنٹ ڈاؤنلوڈ کا طریقہ، آن لائن ریڈنگ کا طریقہ،

ہمیں وزٹ کرنے کے لئے ہمارا ویب ایڈریس براؤزر میں لکھیں یا گوگل میں پاک سوسائٹی تلاش کریں۔

اپنے دوست احباب اور فیملی کو ہماری ویب سائٹ کا بتا کر پاکستان کی آن لائن لائبریری کا ممبر بنائیں۔

اس خوبصورت ویب سائٹ کو چلانے کے لئے ہر ماہ کثیر سرمایہ درکار ہوتا ہے، اگر آپ مالی مدد کرنا چاہتے ہیں تو ہم سے فیس بک پر رابطہ کریں۔۔۔

”عارفہ تمہاری بچپن کی منگلی تھی..... تندھی وہ میری..... محبت کرتی تھی تم سے..... مگر تمہیں کیسے تھریں میں نہ جانے کیا نظر آیا..... تم نے اس کم بخت کی خاطر عارفہ کو ٹھکرا دیا آج تک تمہاری اس حرکت پہ ندیم..... (زری کا شوہر) کے طعنے سنتی ہوں میں..... کیسے تھریں سے جان چھوٹی تو جانے تمہیں مناب میں کیا نظر آگیا؟ ضد کر کے میری مخالفت کے باوجود تم نے مناب کو اپنی بیوی بنانے کا فیصلہ کر لیا..... میں تو تمہیں یہ سمجھانے کی کوشش کر رہی ہوں اپنی زندگی کو تجربات کی نذر مت کرو..... اور ایسی لڑکی سے شادی مت کرو، جس کے اپنے کزن کے ساتھ عشق کے قصے یوں میڈیا پر دکھائے جا رہے ہوں۔“ زری آیا کالجی لپٹی لیے ہوئے تھا..... اس سارے قصے میں ولی کے دماغ کی وہی بن گئی تھی۔ وہ خود بھونچکا رہ گیا تھا۔ اور کوئی حتمی فیصلہ نہیں کر پا رہا تھا۔ مگر زری آپا کی باتیں بھی کوئی غلط.... نہیں تھیں ان کی باتوں کو بھی نظر انداز نہیں کیا جاسکتا تھا۔

☆☆☆

عناہ اور زارون، اسپتال میں اقسام کے پاس تھے، داؤد چوہدری، سمیرا بیگم اور نور بیگم کا شانہ عمر میں ساجدہ بیگم اور ڈاکٹر عمر کے پاس اس اچانک اور حیران کن ہونے والے واقعے پر سوچ بچار اور آئندہ کے لائحہ عمل سے متعلق بات کرنے گئے ہوئے تھے۔

”ساجدہ آپا میں کن الفاظ میں آپ سے معذرت کروں..... میرے بیٹے کی اس جذباتی اور احقانہ حرکت سے ہمارے ساتھ، ساتھ آپ کو جس دکھ، تکلیف، پریشانی اور بدنامی کا سامنا کرنا پڑ رہا ہے، میں اس پر انتہائی شرمندہ ہوں۔“ داؤد چوہدری سر جھکائے معذرت کر رہے تھے۔ ان کے سامنے بیٹھی ساجدہ بیگم نے نظر اور پریشانی سے اپنا جھکا سر اٹھایا۔

”مناب تو ہمیشہ سے اقسام کو اپنا چھوٹا بھائی سمجھتی رہی ہے اسے کیا معلوم تھا کہ اقسام اس کے لاڈ، پیار اس کے ناز، نخروں کا کوئی اور ہی مطلب سمجھ لے گا۔ ہمارے تو وہم و گمان میں بھی نہیں تھا کہ یہ سب ہو جائے گا۔“ ساجدہ بیگم از حد پریشان تھیں۔

”آپا آپ کو وضاحت دینے کی ضرورت نہیں ہے، ہم سب جانتے ہیں یہ بات۔“ وہ ڈراتے مگر اس احق لڑکے کے دل میں مناب کے لیے کوئی سوفا کار نہ موجود تھا تو اسے پہلے ہمیں بتانا چاہیے تھا۔ ہم مناب کا ولی سے رشتہ طے ہونے سے پہلے ہی کوئی راستہ نکال لیتے۔ مناب کی منت سماجت کر کے اسے اس رشتے کے لیے راضی کر لیتے..... مگر یہ لڑکا دو سال اپنے اندر محبت کے اس طوفان کو چھپائے بیٹھا رہا اور اب اچانک ہی سب بند توڑ بیٹھا۔“ داؤد چوہدری کے لہجے میں نہ چاہتے ہوئے بھی غصہ عود کر آیا تھا۔

”اب تو جو ہونا تھا ہو چکا داؤد..... آپ ان تین دنوں میں پچاس بار یہ بات دہرا چکے ہیں، شکر کریں میرے اقسام کی جان بچ گئی۔ اللہ نے ہماری دعا میں سن لیں۔ اگر میرے بیٹے کو کچھ ہو جاتا تو میں بھی زندہ نہ رہتی۔“ سمیرا بیگم کی آنکھیں آنسوؤں سے بھر گئی تھیں۔

”اور اوپر سے میڈیا والے بال کی کھال اتارنے پر تلے ہوئے ہیں..... صبح ولی کی بڑی بہن کا فون آیا تھا وہ الگ ہم سے شکوہ کر رہی تھیں اور بتا رہی تھیں کہ میڈیا والے آج صبح سے ان کے گھر کے سامنے موجود ہیں اور ان سے اقسام کی خود کشی کے اصل حقائق جاننا چاہتے ہیں۔“ ڈاکٹر عمر نے پریشانی سے بتایا۔

”مناب تو ان دو چار دنوں میں کملا کر رہ گئی ہے۔“ ساجدہ بیگم کے لہجے میں اپنی بیٹی کے لیے بے پناہ دکھ اور پریشانی جھلک رہی تھی۔

”نہ جانے میرے بچوں کو کس کی بری نظر لگ گئی۔“ نور بیگم بھی آبدیدہ ہوئیں۔

”اب اس مسئلے کا کیا حل نکالا جائے؟ مجھے تو کچھ سمجھ نہیں آ رہا۔“ سمیرا بیگم نے پریشانی سے شوہر کی طرف دیکھ کر کہا۔

”میرا تو دماغ ماؤف ہو گیا ہے۔“ داؤد چوہدری نہایت مجبور و بے بس دکھائی دے رہے تھے..... اسی اثنا میں ڈاکٹر عمر کے موبائل کی بیل بج اٹھی۔

”ولی کی کال ہے۔“ ڈاکٹر عمر نے کہتے ہوئے کال پک کی۔

”یا اللہ خیر.....!“ نور بیگم نے دعائی انداز میں ہاتھ بلند کیے۔

ڈاکٹر عمر کال سنتے ہوئے پریشانی سے اٹھ کھڑے ہوئے۔

”مگر ولی، اس میں مناب کا کیا قصور ہے؟“ ان کے لہجے میں از حد پریشانی تھی۔ ”ولی، میری بات سنو، ولی،

ہیلو.....؟ ولی..... بات سنو۔“ دوسری طرف سے لائن کاٹ دی گئی تھی۔ ڈاکٹر عمر نے دل گرفتہ ہو کر موبائل کو دیکھا ان کے چہرے پر ایک نئی پریشانی درج تھی۔

”کیا کہہ رہا تھا ولی.....؟ خیر تو ہے؟“ ساجدہ بیگم نے تشویش بھری نگاہوں سے عمر کو دیکھا۔

”ولی نے اس شادی سے انکار کر دیا ہے۔“ ڈاکٹر عمر نے دل گرفتہ انداز میں اطلاع دی تو ساجدہ بیگم غم سے روئے نکلیں۔

کاشانہ عمر میں بیٹھے سبھی افراد اس افسوس ناک خبر پر غم زدہ ہو گئے تھے۔

آنسو، آہیں، تنہائی، ویرانی اور غم مسلسل

اک ذرا سا عشق ہوا تھا کیا، کیا ورثے میں دے گیا

مناب کی حالت قابل رحم تھی۔ کہانیاں لکھتے، لکھتے وہ خود ایک کہانی بن گئی تھی۔ تماشا بن گئی تھی..... اقصم نے تو جو جذباتی قدم اٹھایا تھا اور جو بے وقوفی کی تھی سو کی تھی..... رہی سہی کسر ولی نے اس رشتے سے انکار کر کے پوری کر دی تھی۔

دوسری طرف اسپتال میں اقصم نے ہنگامہ مچا دیا تھا۔ اس نے اپنے بازو پر لگی ہوئی ڈرپ اتار پھینکی تھی، زارون اور عنایہ نے گھبرا کر اس صورت حال میں داؤد چوہدری اور سمیرا بیگم کو نوری اسپتال آنے کو کہا۔

”پتا نہیں یہ لڑکا اب کیا گل کھلانے والا ہے، یعنی بیٹا تم پریشان مت ہو..... میں ابھی اسپتال آ رہا ہوں۔“ فون سننے کے دوران انہوں نے عنایہ کو تسلی دی اور خود وہ عجلت میں صوفے سے اٹھ کھڑے ہوئے۔

”اب کیا ہو گیا ہے..... اقصم ٹھیک تو ہے نا.....؟“ سمیرا بیگم بھی تشویش اور پریشانی سے اٹھ کھڑی ہوئیں بلکہ لوگ روم میں بیٹھے تمام نفوس نے گھبرا کر داؤد چوہدری کو دیکھا تھا۔

”پاگل ہو گیا ہے تمہارا بیٹا..... عشق نے عقل ماؤف کر دی ہے تمہارے بیٹے کی..... اس نے اسپتال میں ہنگامہ مچا رکھا ہے، ڈرپ اتار پھینکی ہے، پاگلوں کی طرح روم سے نکلنے کی کوشش کر رہا ہے اور مسلسل ایک ہی

بات دہرا رہا ہے، مجھے مناب کے بغیر نہیں جینا اور مجھے کیوں بچایا گیا۔ اسی طرح کی فضول بکواس کر رہا ہے..... کسی کو منہ دکھانے کے قابل نہیں چھوڑ اس لڑکے نے مجھے۔“ داؤد چوہدری غصے میں بولتے ہوئے نیبل سے گاڑی کی

چابی اٹھا کر وہاں سے باہر نکل گئے۔

”داؤد، خدا کے لیے یہ وقت غصہ دکھانے کا نہیں ہے۔“ سمیرا بیگم عجلت میں ان کے پیچھے لپکیں۔ ”میرا بیٹا اس وقت زندگی سے مایوس ہو کر اپنی جان لینے کی باتیں کر رہا ہے اور آپ...“

”جاؤ عمر میرے بچے..... تم داؤد کے ساتھ جاؤ..... بہت پریشانی میں وہ یہاں سے گیا ہے۔“ نور بیگم نے

شکر ہو کر ڈاکٹر عمر سے کہا تو وہ خاموشی سے اٹھ کر باہر نکل گئے۔  
 ”اماں مجھے تو کچھ سمجھ نہیں آ رہا..... یہ زندگی میری بیٹی کے ساتھ کیسا کھیل، کھیل رہی ہے؟“ ساجدہ بیگم ایک بار پھر رونے لگیں۔ نور بیگم خود بھی آبدیدہ ہوتی تھیں۔

☆☆☆

اجڑ کے سنورتی ہے تیرے ہجر کی شام  
 نہ پوچھ کیسے گزرتی ہے تیرے ہجر کی شام  
 یہ برگ، برگ اداسی بکھر رہی ہے میری  
 کہ شاخ، شاخ اترتی ہے تیرے ہجر کی شام  
 میرے سفر میں اک ایسا بھی موڑ آتا ہے  
 جب اپنے آپ سے ڈرتی ہے تیرے ہجر کی شام  
 بہت عزیز ہیں دل کو یہ زخم، زخم رتیں  
 انہی رتوں میں نکھرتی ہے تیرے ہجر کی شام  
 یہ میرا دل، یہ سراسر نگار خانہ غم  
 سدا اسی میں اترتی ہے تیرے ہجر کی شام  
 یہ حادثہ تجھے شاید اداس کر دے گا  
 کہ میرے ساتھ ہی مرنی ہے تیرے ہجر کی شام

مناب بیڈ پر بیٹھی تھی۔ اس نے اپنا سر گھٹنوں پر ٹکا رکھا تھا..... اس کے ہونٹ تو جیسے مسکرانا بھول گئے تھے.....  
 اس کی آنکھیں پر غم تھیں..... اس کے خواب بکھر گئے تھے..... محبت اس کے ہاتھ میں پہنی ہوئی چوڑی کی طرح کچھ  
 عرصے کے لیے کھنکھی تھی اور پھر کھنک کر ٹوٹ گئی تھی۔ اقصم اور ولی نے مل کر اسے اندر سے توڑ کر رکھ دیا تھا۔  
 جس تاریخ کو اسے ولی کی دلہن بن کر اپنے خوابوں کو کھلی آنکھوں سے دیکھنا تھا۔ اس تاریخ کو وہ اقصم کی دلہن  
 بنی بیٹھی تھی..... ولی کے یوں شادی سے انکار کرنے کے بعد تمام گھر والوں نے اسے اقصم کے ساتھ نکاح کر لینے پہ  
 اتنا پریشاں کیا، اتنا موٹل بلیک میل کیا کہ اس نے چپ چاپ کسی زندہ لاش کی طرح اس ناپسندیدہ رشتے کی قبر  
 میں خود کو دفن کر لینے کا فیصلہ کر لیا تھا۔

اس نکاح میں صرف گھر کے افراد شامل تھے۔ اقصم ابھی مکمل طور پر صحت یاب نہیں ہوا تھا، اس کے سینے پہ  
 اب بھی آپریشن والی جگہ کے زخم کچے تھے۔ مگر اس تاریخ کو نہایت سادگی سے اقصم اور مناب کو نکاح کے بندھن میں  
 باندھ دیا گیا۔ اور اسی روز گھر کے چند افراد کی موجودگی میں مناب کو کاٹناٹھ عمر سے رخصت کر دیا گیا تھا۔ سب گھر  
 والوں کے لیے یہ بہت حیران کن نکاح تھا..... جو نہایت عجلت، سادگی اور عجیب و غریب ٹینشن زدہ ماحول میں کیا گیا  
 تھا۔ رخصتی پہ داؤد چوہدری نے ہاتھ جوڑ کر ساجدہ بیگم سے معافی مانگتے ہوئے مناب کو ہمیشہ نور منزل میں ایک بیٹی کا  
 درجہ دیتے ہوئے اسے خوش رکھنے کا وعدہ بھی کیا تھا۔ سمیرا بیگم بھی اپنے بیٹے کی ولی مراد پوری ہو جانے پر خوش اور  
 مطمئن دکھائی دے رہی تھیں۔ اقصم کو اپنا عشق اپنی محبت پالنے پر اطمینان ضرور ہو گیا تھا مگر وہ دل سے خوش دکھائی  
 نہیں دے رہا تھا، اندر سے وہ بہت بے چین ہو رہا تھا۔ مناب اسے کسی صورت بھی نارمل نہیں لگ رہی تھی..... مناب  
 نے بالکل چپ سادھ لی تھی..... اس نے ولی سے اپنا رشتہ ٹوٹنے سے لے کر اقصم سے ایک نیا رشتہ جڑنے تک کے  
 عرصے میں اپنے کسی رد عمل کو ظاہر نہیں کیا تھا..... اور یہی بات شاید اقصم کو اندر ہی اندر پریشان کر رہی تھی۔

عنا یہ اور ایشال..... سادہ سے کپڑوں میں ملیوں مناب کو اقصم کے کمرے میں لے آئی تھیں۔  
 ”مناب آئی نو..... تمہارے لیے اس نئے رشتے کو قبول کرنا تھوڑا مشکل ہوگا کیونکہ یہ سب کچھ اتنا اچانک اور حیرت انگیز طور پر بالکل ڈرامائی انداز میں ہوا ہے کہ ہمارے لیے خود ایک حیران کن واقعہ ہے..... مگر نئے رشتوں کو تم جتنی جلدی قبول کر لوگی تمہاری آنے والی زندگی میں اتنی ہی جلدی آسانیاں آتی چلی جائیں گی۔ یہ غم، خوشیوں میں بدل جائیں گے۔“ عنایہ نے مناب کو اقصم کے بیڈ پر بٹھاتے ہوئے بڑے پیار سے سمجھایا تھا مگر وہ کچھ نہیں بولی تھی۔

”مناب پلیز..... اس طرح چپ رہ کر تم اپنے ساتھ، ساتھ ہمیں بھی دکھ دے رہی ہو۔“ ایشال نے اس کے پاس بیٹھتے ہوئے اس کے ہاتھ تھام کر پریشانی سے اسے دیکھا۔

”اقصم نے زبردستی میرے خوابوں کی تعبیر چھینی ہے..... اور ولی نے میرے کردار، میری محبت پہ سوالیہ نشان لگا کر ایک ادھورے سوال کی طرح مجھے حل کیے بغیر چھوڑ دیا۔ ان دونوں مردوں نے مل کر میری زندگی سے خوشیوں کا نام و نشان مٹا ڈالا۔ اب میں کیا بولوں؟ مجھے چپ رہنے دو..... بس مجھے چپ ہی رہنے دو.....“ مناب بولتے، بولتے بے اختیار ہاتھوں میں چہرہ چھپا کر رونے لگی۔ ایشال اور عنایہ بے بسی سے اسے دیکھنے لگیں وہ جو کہہ رہی تھی غلط ہرگز نہیں تھا..... زندگی کبھی، کبھی ہمیں نہ جانے ایسے موڑ پر کیوں لے آتی ہے جہاں انسان کی مجبوریاں اسے اتنا بے بس کر دیتی ہیں کہ وہ اپنی ہی ذات میں پھرنے لگتا ہے۔ خود کو تنہا اور لاچار محسوس کرنے لگتا ہے۔ مناب کو بھی اس وقت ایسی ہی دل گرفتہ اذیت ناک صورت حال کا سامنا کرنا پڑ رہا تھا۔ گھر کے بڑوں نے بھی اسے پیار سے سمجھایا تھا، تسلی دی تھی..... پرانی باتیں اور پرانے رشتے بھول کر نئے چرنے والے ان رشتوں کو اپنانے کی التجا کی تھی..... مگر وہ خاموشی سے سر جھکائے ان سب کی باتیں، گزارشیں اور نصیحتیں سنتی رہی تھی۔ آہستہ، آہستہ سب اس کے پاس سے اٹھ کر چلے گئے۔ آخر میں اقصم سنبھل، سنبھل کر چلتا ہوا کمرے میں آیا تھا۔ ڈاکٹرز نے اسے زیادہ چلنے پھرنے سے منع کر رکھا تھا وہ تاسف سے سر جھکا کر بیٹھی مناب کو دیکھتا ہوا بیڈ کی طرف آیا۔

”مجھے بہت افسوس ہے کہ میری وجہ سے آپ کو اتنی پریشانی اور تکلیف کا سامنا کرنا پڑا..... میں نے آپ کو دل کی گہرائیوں سے چاہا ضرور ہے مگر میں نے آپ کو اس طرح زبردستی، آپ کی رضامندی کے بغیر اپنی زندگی میں شامل کرنے کی بھی خواہش نہیں کی تھی۔“ وہ سنبھل کر مناب کے مقابل بیڈ پر بیٹھا ہوا دھیرے سے شرمندہ انداز میں بولا۔

”اب تو سکون مل گیا ناں تمہیں میری زندگی برباد کر کے..... مجھے بدنام کر کے..... میری محبت کو زندہ درگور کر کے.....؟“ مناب نے روتے ہوئے سر اٹھایا..... تو وہ اور بھی بے چین ہوا تھا۔ بے اختیار اقصم نے مناب کے ہاتھ تھامنے چاہے تو مناب نے نہایت غصے اور طیش میں اپنے ہاتھ پیچھے کر لیے۔

”خبردار اگر جو تم نے مجھے ہاتھ لگایا یا چھوا تو..... تو مجھ سے برا کوئی نہیں ہوگا۔ تم قاتل ہو میری خوشیوں کے..... میں تمہیں کبھی معاف نہیں کروں گی۔“ مناب نے روتے ہوئے اسے نفرت سے دیکھتے ہوئے ہذیانی انداز میں کہا۔

”میں مانتا ہوں مناب..... میں نے آپ کے ساتھ اچھا نہیں کیا مگر میں اپنی محبت کے ہاتھوں مجبور ہو گیا تھا..... آپ کے عشق نے مجھے اندھا اور پاگل کر رکھا تھا۔ آئی سویر میں نے ہمیشہ آپ کو آپ کی رضامندی سے حاصل کرنے کی خواہش کی تھی مگر آپ کی شادی کی ڈیٹ فکس ہونے کی خبر نے مجھے پاگل کر دیا..... میری برداشت کی تمام حدیں ٹوٹ گئیں، میری محبت..... میرے عشق کو آپ کا کسی اور کا ہونا گوارا نہیں ہوا..... میرے علاوہ آپ کو کوئی

## ایسے عشق تریسے ہیں کھیل عجب

اور دیکھے، آپ کو کوئی اور چھوئے، یہ مجھے گوارا نہیں تھا۔ مناب میں نے آپ سے عشق کیا ہے لازوال عشق..... میں آپ کو اتنی محبت دوں گا، آپ سے اتنا پیار کروں گا کہ آپ..... آپ ولی کو بھول جائیں گی۔“ اقصم دیوانوں کی طرح اسے اپنی محبت کا یقین دلانے کے لیے اس کے قریب آیا تو مناب نے غصے میں اسے خود سے دور کرنے کے لیے دھکا دیا..... غصے میں مناب کا ہاتھ زور سے اس کے سینے پر زخم والی جگہ پر اتنے زور سے لگا کہ اگلے ہی لمحے شدید درد کی ایک تیز لہر اس کے جسم میں دوڑ گئی اور بے اختیار اس نے اپنا ہاتھ سینے پر رکھتے ہوئے آنکھیں میچ لیں۔ اس کے سینے میں اتنا شدید درد اٹھا تھا کہ وہ تکلیف سے دہرا ہو گیا۔

”اقصم، کک..... کیا ہوا؟“ معا مناب اسے اتنی تکلیف میں دیکھ کر ٹھک گئی تھی۔ ”اقصم زیادہ درد ہو رہا ہے کیا؟“ وہ اپنا غصہ اور نفرت بھول کر بے ساختہ اس کے سینے پر ہاتھ رکھ کر دھیرے، دھیرے مسلنے لگی تھی۔ فطری طور پر وہ ایسی ہی تھی جلد پہنچ جانے والی، دوسروں کے دکھوں اور تکلیفوں پر تڑپ جانے والی۔

”تم بہت برے ہو اقصم..... اپنے ساتھ، ساتھ تم نے مجھے بھی آزمائش میں ڈال دیا ہے۔“ مناب پھر سے رونے لگی تھی۔ اب خاموش رہنے کی باری اقصم کی تھی..... اسے اندھیرے میں ایک ننھی سی روشنی کی کرن دکھائی دے گئی تھی..... اور وہ اس امید کی کرن سے اپنی اور مناب کی زندگی سے اندھیرے دور کر سکتا تھا۔ ولی کی یاد کو اس کے دل سے مٹا سکتا تھا۔ وہ اس کی تکلیف پر اب بھی یوں بے چین ہو سکتی تھی تو اس کی بے پایاں محبت پہ پہنچ بھی تو سکتی تھی ناں.....

”اٹس اوکے..... آپ روتیں مت..... پہلے بہت درد تھا..... مگر اب کم ہو گیا ہے۔“ اقصم اس کے سامنے سے اٹھ گیا..... اور احتیاط سے چلتا ہوا بیڈ کی دوسری سائڈ پر آ کر بیڈ پر ٹکیوں کے سہارے بیٹھ گیا۔ اس کی محبت کی کہانی بڑے عجیب انداز میں شروع ہوئی تھی۔



نواز لغاری کے ساتھ دو دن بھور بن میں گزار کے دلنشین (زویا) کو کئی فائدے ہوئے تھے۔ اس نے نواز لغاری کے ایک فون پر اس اٹس ایچ او کو معطل کروا دیا تھا۔ جس نے اسے بلیک میل کیا تھا..... اور اسجد پہ نواز لغاری نے بے حساب پولیس کیس بنا کر اسے کم از کم بیس سال کے لیے جیل کی سلاخوں کے پیچھے پہنچا دیا تھا۔ شوہز میں دلنشین کی خوب صورتی نے کئی ماڈلز اور اوکا راؤں کی جھٹھی کر دی تھی۔ اپنی خوب صورتی اور ایٹی ٹیوڈ سے مردوں کو تسخیر کر لینا اب اس کے لیے مشکل نہیں رہا تھا..... یہی وجہ تھی کہ کراچی میں ہونے والے پانچ روزہ انٹرنیشنل فیشن فیسٹول میں اپنی شاندار کیٹ واک اور خوب صورتی سے دلنشین نے وی آئی پیز میں بیٹھے زارون چوہدری کو متاثر کر کے ہی چھوڑا تھا۔ فرقان اس فیشن فیسٹول میں اس کے ساتھ تھا..... اسی نے دلنشین کا تعارف داؤد ٹیکسٹائل اور زارون ٹیکسٹائل کے اونر زارون چوہدری سے کروایا۔ زارون کو دیکھ کر کتنے ہی لمحے وہ اس سے نظریں نہیں ہٹا پائی تھی..... یہ وہی گھمنڈی امیر زادہ تھا جو اسے اور اس کے مرتے ہوئے باپ کو سڑک پر چھوڑ کر آگے بڑھ گیا تھا۔ تب زویا نے روتے اور چیختے ہوئے اس مفرور شخص کی منتیں کی تھیں، شاہر حسین کو اسپتال پہنچانے کے لیے التجائیں کی تھیں مگر وہ شخص اس کے مرتے ہوئے باپ کو چھوڑ کر رجوت سے آگے بڑھ گیا تھا۔ تب اس شخص نے زویا سے التجائیں کروائی تھیں۔ اب دلنشین کو زارون سے التجائیں کروانا تھیں۔ اس کی ناک کی لکیریں نکلوانی تھیں..... اس پر اپنی جھوٹی اور مکار محبت کا جال پھینک کر اسے پھنسانا تھا، اس کی زندگی برباد کرنی تھی۔ اس کے لیے اس نے اپنے ذہن میں پلان ترتیب دے دیا تھا۔ کراچی سے لاہور واپسی پر اس نے اسی انٹر لائن کے طیارے میں اپنی بزنس کلاس سیٹ کی ٹکٹ کنفرم کروائی تھی جس میں زارون کو سفر کرنا تھا۔

اقصم کے پڑوسی ملک میں ایک فلم میں گائے گانے کافی ہٹ ہوئے تھے۔ ہر طرف اس کے گانوں کی بازگشت سنائی دے رہی تھی..... اسے پڑوسی ملک سے گائیکی کی مزید آفرز آرہی تھیں..... مگر وہ مکمل طور پر صحت یاب ہو کر اپنے اس فن کو جاری رکھنا چاہتا تھا۔ سو نکاح کے بعد اس نے کوئی نیا پروجیکٹ سائن نہیں کیا تھا..... نور منزل میں مناب جیسی شخصیت کے اضافے سے کبھی خوش اور مطمئن تھے مگر وہ بہت خاموش رہتی تھی۔ اقصم اور مناب میاں، بیوی جیسے خوب صورت بندھن میں بندھنے کے باوجود ایک دوسرے سے دور تھے..... پہلے دن سے ان دونوں کے درمیان جو دوری کا رشتہ استوار ہوا تھا وہ اب بھی قائم تھا..... اقصم نے اس دوری کو بارہا توڑنے کی کوشش کی تھی مگر مناب نے تو جیسے اسے قریب نہ آنے دینے کی قسم کھا رکھی تھی..... وہ اس سے محبت کا اظہار کرتا تو اسے ولی کی محبت بھری باتیں یاد آنے لگتیں..... وہ اس کے قریب آنے کی کوشش کرتا تو ٹوٹے ہوئے خوابوں کی کرچیاں اس کے دل کو... ہولہان کرنے لگتیں۔ عشق تو اقصم نے کر لیا تھا اور اسے زبردستی اپنی زندگی میں شامل بھی کر لیا تھا مگر اقصم کا یہ عشق اب ہر پل اس سے امتحان لینے لگا تھا۔

اس نے اپنے عشق کو پالیا تھا مگر پھر بھی ادھورا تھا..... وہ چوبیس گھنٹے اس کے ساتھ ہوتی مگر وہ اس کی نہیں بنی تھی..... وہ اس سے دیوانہ وار محبت کرتا تھا مگر اس کے دل میں آج بھی ولی کی یاد کی شمع روشن تھی، وہ ہر روز ولی کی یاد کو اس کے دل سے مٹانے کی کوشش کرتا مگر ناکام رہتا..... وہ اس کی خوشیوں کا قائل تھا..... اسی کی وجہ سے مناب کی محبت بے یقین ہوئی تھی..... ولی اسے ٹھکرا کر چلا گیا تھا..... ساری دنیا اس انہونی بات کو بھول سکتی تھی مگر وہ اپنے دل پر نقش یادوں کو، باتوں کو نہیں مٹا سکتی تھی۔ اس کے دل میں آج بھی صرف ولی کے لیے محبت اور اقصم کے لیے نفرت ہی تھی۔

اقصم کافی دیر سے وارڈ روپ کھولے اپنی کوئی چیز ڈھونڈ رہا تھا اور وہ بیڈ کراؤن سے ٹیک لگائے اجڑے ہوئے دل کو بہلانے کے لیے خالی نظروں سے ٹی وی پہ نظریں مرکوز کیے ہوئے تھی۔

”میری وائٹ شرٹ نہیں مل رہی..... پلیز آپ ڈھونڈ دیں..... مجھے جنید کے ساتھ کہیں جانا ہے دیر ہو رہی ہے مجھے۔“ وہ ماہوس اور الجھے ہوئے انداز میں اس کے قریب آ کر کھڑا ہو گیا۔

”تمہاری تم شدہ چیزوں کو ڈھونڈ کر دینے کا میں نے ٹھیکہ نہیں لے رکھا..... پتو سے کہو وہ ڈھونڈ دے گی..... میرے سر میں درد ہے۔“ لٹھ مار جواب دیا گیا۔

”کیا ہوا..... درد کیوں ہے آپ کے سر میں؟ کوئی مچلٹ لے لیتیں۔“ وہ فکر مندی سے اس کے قریب بیٹھا تو مناب نے اپنی ٹانگیں سمیٹ لیں۔

”لائیں، میں آپ کا سر دبا دوں۔“ اقصم اس کا سر دبانے کے لیے آگے ہوا۔

”سر کے بجائے گردن دبا دو میری..... جان چھوٹ جائے گی میری تم سے۔“ مناب نے غصے میں اس کے ہاتھ جھٹکے..... اقصم چند لمحے بے بسی سے اسے دیکھتا رہا۔

”مناب پلیز بھول جائیں پرانی باتوں کو..... جو ہوا وہ یقیناً بھرا تھا..... میں نے آپ کو اپنی زندگی میں شامل کرنے کی خواہش ضرور کی تھی مگر میں مانتا ہوں..... میں نے آپ کو غلط طریقے سے اپنی زندگی میں شامل کیا ہے، زبردستی آپ کو اپنے نکاح میں باندھا ہے..... لیکن کب تک ہم یوں ایک دوسرے کے ساتھ اجنبی بن کر رہیں گے..... آپ کی یہ بیگانگی مجھے بہت دکھ دیتی ہے، بہت تکلیف دیتی ہے۔“ اقصم نے مجبور و بے بس لہجے میں کہا۔

”لوگوں کے سامنے مجھے تماشا بنا کر زبردستی اپنی زندگی میں شامل تو کر لیا نا، اپنی ولی مراد تو پوری کر لی تم



## اپے عشق تیرے ہیں کھیل عجب

نے.....؟ اب زبردستی مجھے محبت کرنے پر مجبور مت کرو..... محبت کہنے یا کروانے سے نہیں ہوتی..... یہ خود ایک چشمے کی طرح دل کی بنجر زمین کو سیراب کرتی ہے..... اس کی زمین پر خود رو پودے کی طرح خود پھول اگلتے ہیں۔ زبردستی میرے بنجر دل میں اپنی محبت کے پھول اگانے کی کوشش مت کرو..... آنسو اس کی خوب صورت آنکھوں سے ٹوٹ، ٹوٹ کر گرنے لگے تھے وہ آنسو اس کے رخساروں کے بجائے اقصم کے دل پر گر رہے تھے۔

☆☆☆

ان دونوں کے درمیان ان فاصلوں اور دوریوں کو دیکھتے ہوئے داؤد چوہدری اور سمیرا بیگم نے انہیں کچھ دن کے لیے ملائیشیا بھیجنے کا فیصلہ کیا..... مگر اس پر بھی مناب نے کمرے میں آ کر اقصم سے خوب احتجاج کیا تھا..... اور اقصم ابھن اور پریشانی میں اپنی فرسٹریشن دور کرنے کے لیے جنید کے ساتھ باہر نکل گیا تھا۔

”ویسے اقصم تیری یہ عجب پریم کی غضب کہانی سن کر بہت افسوس ہوا ہے مجھے۔“ جنید نے اسپورٹس کار چلاتے ہوئے کم صم بیٹھے اقصم کو دیکھا۔

”تو صرف افسوس ہی کرتا رہ حل نہ بتا اس مسئلے کا.....“ اقصم جھنجھلا یا۔

”تو کیا ضرورت تھی تجھے not for sale جیسی چیز کو زبردستی حاصل کرنے کی..... تیرے لیے لڑکیوں کی کمی تو نہیں تھی..... اب تو تیری گلوکاری کی وجہ سے ہزاروں لڑکیاں تجھ پر مرتی ہیں، تیری آواز، تیری پرستاشی کی مداح ہیں..... جنونی اور کریزی ہیں تیرے لیے۔ پھر کیا ضرورت تھی تجھے اپنی شہرت کی ان بلند یوں پر شادی جیسا پھندا گلے میں ڈالنے کی.....؟ دو سال تو چپ شاہ کار روزہ رکھ کر بیٹھا رہا اور اس کے ماپوں والے دن تو شاہ رخ خان بن کر اس کی خوشیوں بھری زندگی کی ایسی کی تھی پھیرنے دوڑا چلا آیا..... مان لے اقصم چوہدری تو نے اس عشق کے معاملے میں بہت بڑی جھک ماری ہے۔ اسے اپنی محبت کے جال میں پھانسنے کے بجائے تو خود اپنے ہی جال میں پھنس گیا ہے۔ تو نے اپنی محبت کو زبردستی چھینا ہے اب بھگت.....“ جنید کو اسے لتاڑنے کا اچھا موقع ملا ہوا تھا سو وہ اس کی درگت بنا رہا تھا۔

”کبھی کبھی تو مجھے اپنا دوست نہیں دشمن لگتا ہے..... میں اس ایک مہینے میں ستر بار تیری یہ فضول بکواس سن چکا ہوں..... مجھے اس مسئلے کا حل بتا ورنہ میں پاگل ہو جاؤں گا۔“ اقصم نے اسے ڈپٹے ہوئے جھنجھلا کر کہا تو جنید مسکرانے لگا۔

”ویسے تو اس صدی کا سب سے احسن عاشق ہے..... اب میں تجھے کیا رومانس کے طریقے بتاؤں گرل فرینڈ کو پنانا بہت آسان ہوتا ہے میرے یار..... مگر اس بیوی نام کی عورت کو پنانا اس دنیا کا سب سے مشکل کام ہے۔“

”سچ کہا ہے کسی نے بے وقوف دوست سے عقل مند دشمن بہتر ہوتا ہے۔“ اقصم نے غصے میں جنید کو گھورا..... جنید نے اس کی بیچارگی پر قہقہہ لگایا۔

”اللہ کے بندے..... تو سیدھے سادے طریقے سے اپنی بے پایاں محبت کے ساتھ اس کے دل سے ولی کا نقش مناسکتا ہے..... عورت ذات تو ویسے بھی محبت نام کے ورد سے بڑی جلدی موم ہو جاتی ہے تو اسے اپنی محبت کا آئینہ دکھا تا رہ..... ایک نہ ایک دن وہ اپنا عکس اس آئینے میں دیکھنے پر مجبور ہو جائے گی..... یہی حل نظر آ رہا ہے مجھے تو.....“ جنید کی بات پر اس نے صرف سر ہلانے پر اکتفا کیا تھا..... جنید کے ساتھ وقت گزار کر اس کے سامنے اپنے دل کا بوجھ ہلکا کر کے وہ ریلیکس ہو گیا تھا..... یہی وجہ تھی کہ واپسی پر رات کو گھر آتے ہوئے اس نے مناب کے فیورٹ پھولوں کی باسکٹ تیار کروائی اور اس کے لیے ایک قیمتی ڈائمنڈ کی رنگ خریدی تھی۔ نور منزل میں داؤد چوہدری اور سمیرا بیگم کسی پارٹی میں گئے ہوئے تھے..... اقصم تھوڑی دیر نور بیگم کے پاس بیٹھ کر ان کی دعائیں لے کر

اور اپنے روم میں آیا تو مناب گرون تک کھل جانے لگی ہوئی تھی..... دروازہ کھلنے کی آواز پر اس نے جان بوجھ کر آنکھیں بند کر لیں..... اقصم کمرے میں بیڈ کے پاس کھڑا کچھ دیر اسے دیکھا رہا۔ کیا، کیا خواب دیکھے تھے اقصم نے کیا، کیا خواہشیں کی تھیں اس نے مناب کے حوالے سے اور اس کے خوابوں کو کیا تعبیر ملی تھی۔ اس کی خواہش کس طرح ملنا میٹ ہوئی تھیں..... اس کے دل پہ مناب کی خفگی، غصے، نفرت اور بے گانگی کے جو عذاب اتر رہے تھے وہ اقصم کا دل ہی جانتا تھا..... جسے دل کی گہرائی سے چاہا ہو وہی نظر انداز کرے..... سامنے بیٹھ کر ایک اجنبی جیسا رویہ روار کھے تو دل پر کیا گزرتی ہے..... وہ پچھلے ایک مہینے سے دن رات یہ درد، یہ تکلیف سہہ رہا تھا۔

اقصم نے فلاور باسکٹ بیڈ کی سائڈ ٹیبل پر رکھ دی..... اور خود اس کے پاس بیٹھ گیا..... ”ویسے آپ سونے کی بہت بری ایکٹنگ کر رہی ہیں۔“ اقصم نے مسکراتے ہوئے اس کے چہرے سے اس کا بازو ہٹایا۔

”میرے قریب مت آؤ۔ اور پلیز مجھے اپنی ان فضول باتوں سے بورت کرو.....“ خفگی سے اٹھ کر بیٹھتی مناب نے اپنے کھلے بال سمیٹتے ہوئے کہا۔

”ویسے بورتو آپ بھی مجھے کر رہی ہیں۔ اب رات کے اس وقت میں آپ کو کوئی روم سیک جو ک سناؤں گا تو آپ پھر بھی اعتراض کریں گی۔“ اقصم کی بات پر مناب نے خشکیوں نگاہوں سے اسے دیکھا مگر بولی کچھ نہیں۔

”کھلے بال آپ پر زیادہ اچھے لگتے ہیں۔“ اقصم نے ہاتھ بڑھا کر اس کے بال بکھیرے۔

”ڈونٹ ٹچ می.....“ وہ غصے سے دھاڑی۔

”آپ کو مجھ پر غصہ ہے، کم از کم اپنے اور میرے درمیان اس میاں، بیوی کے رشتے کا ہی لحاظ کر لیا کریں۔ ہر وقت ذہرا کھلتی رہتی ہیں آپ..... کبھی تو کسی بات کا نارمل جواب دے دیا کریں۔“

”میاں، بیوی.....؟ مائی فٹ..... نفرت ہے مجھے اس جھوٹے رشتے سے..... زبردستی کے رشتے سے۔“

مناب ہنوز غصے میں کھل ایک سائڈ پر پھیکی ہوئی بیڈ سے اٹھی..... مگر اگلے ہی لمحے اقصم نے اسے بازو سے پکڑ کر ایک جھٹکے سے واپس اپنے پاس بٹھالیا۔

”مار دو جان سے کوئی غم نہیں پر یہ سزا مست دو.....“

کہ ہمارے سامنے بیٹھ کر ہم کو تم اجنبی سے لگو“

اقصم کے لہجے میں دکھ تھا، بے پناہ تکلیف تھی۔

”اقصم میرا بازو چھوڑو.....“ مناب نے حتی انداز میں غصے سے کہا۔

”کیوں چھوڑوں؟ حق ہے میرا آپ پر..... بیوی ہیں آپ میری.....“ اقصم نے جتانے ہوئے اسے خود

سے قریب کیا۔

”ایک کاغذ کے ٹکڑے پر سائن ہی تو کیے ہیں میں نے..... میرے دل میں تمہارا کوئی مقام نہیں۔“ مناب کا غصہ کسی طور کم نہیں ہو رہا تھا۔ اقصم نے ہمیشہ اس کا پیار دیکھا تھا، اس کا غصہ پہلی بار دیکھ رہا تھا پہلی بار اس کی ضد سے یوں واسطہ پڑا تھا اقصم کا..... وہ اتنی عیسیٰ بھی ہو سکتی تھی یہ اس نے کبھی نہیں سوچا تھا۔

”مجھے سمجھ نہیں آ رہا آپ بلا وجہ اتنی ضد کیوں کر رہی ہیں؟ آپ کے سابقہ منگیترو لی مرتضیٰ نے اپنی بہن کی نند

سے شادی تک کر لی ہے..... یہ دیکھیں اپنی حسین زندگی کی یادگار فونو گرافس انہوں نے فیس بک پر لگا رکھی ہیں پھر

آپ ان کی جدائی میں کس بات کا سوگ منارہی ہیں؟ یہ وہی حضرت تھے ناں جو آپ کو اپنی پہلی اور آخری محبت قرار

دیتے تھے..... دس دن نہ آپ کی جدائی میں گزار سکے۔“ اقصم نے دوسرے ہاتھ سے اپنا موبائل پاکٹ سے نکالا

اور فیس بک پر لگی ولی مرتضیٰ کی ہنسی مسکراتی شادی کی تصویریں مناب کو دکھائیں..... مناب کا پورا جسم جیسے بے جان

## چپ کرانے کی مشین

شوہر اپنی بیوی کو ڈاکٹر کے پاس دکھانے کے لیے لے کر گیا۔ ڈاکٹر نے بیوی سے پوچھا۔  
”آپ کی طبیعت کب سے خراب ہے؟“

بیوی نے جواب دیا۔ ”میں صبح اٹھی تو میرا سر بھاری، بھاری سا تھا۔ خیر میں نے اٹھ کر بھینسوں کو چارا ڈالا۔ منے کو دودھ دیا، منے چھوٹو کو اسکول کے لیے تیار کیا۔ جھاڑو پونچھا کیا۔ برتن اور کپڑے دھوئے۔ کھانا پکایا۔ ان کے چچا کی لڑکی آئی ہوئی تھی بچوں کے ساتھ گاؤں سے، خیر سے اس کے بچوں کو سنبھالا، اپنے بچوں کی دیکھ بھال کی۔ بچوں نے مل کر اتنا شور مچایا کہ میرا سر چکر گیا۔ پھر جب میری طبیعت ٹھیک ہوئی تو میں مہمانوں کا کھانا پکایا۔ مگر میرے ماتھے پر ایک تل بھی نہیں پڑا۔ کسی سے بھی پوچھ لو پچھلے دنوں ایکشن میں پورے چالیس مہمان آگئے تو ہوا کیا.....“

اتنے میں ڈاکٹر صاحب نے اس کے منہ میں تھرما میٹر دے دیا اور عورت کو مجبوراً چپ ہونا پڑا۔  
یہ دیکھ کر اس کے شوہر کی آنکھوں میں چمک آگئی اور وہ بولا۔  
”ڈاکٹر صاحب! یہ چپ کرانے کی مشین کتنے کی طے گی؟“

مرسلہ: حنا ایوب، راول پنڈی

ہو گیا تھا۔ تھوڑی دیر پہلے جو وہ خود کو اقصم کی گرفت سے چھڑانے کی کوشش کر رہی تھی اب وہ کوشش اس نے ترک کر دی تھی..... اس کی نظریں ولی کی اس تصویر پر جمی ہوئی تھیں جس میں ولی نے ایک خوب صورت سی لڑکی کے کندھے پر ہاتھ بھیلار کھا تھا..... اقصم ڈائمنڈ رنگ دینے کا ارادہ ترک کرتے ہوئے موبائل اسے پکڑا کر اٹھ کھڑا ہوا تھا اور جب واش روم سے ہو کر آیا تو وہ اب بھی اسی انداز میں بیٹھی تھی..... اقصم نے اس کے ہاتھ سے موبائل لے لیا۔

”آپ کو یہ تصویریں دکھانے کا مقصد آپ کو مزید پریشان کرنا ہرگز نہیں تھا..... چلیں اب سو جائیں..... جتنا ذہن پر زور ڈالیں گی خود کو اتنا ہی پریشان کریں گی.....“ اقصم نے پیار سے اس کے کندھے پر چھکی دی اور خود بیڈ کی دوسری سائڈ پر آ کر لیٹ گیا..... تھوڑی دیر کے بعد اقصم تو سو گیا تھا مگر وہ رات مناب نے آنکھوں میں کاٹ کر گزاری تھی۔

☆☆☆

ان دونوں کے ملائشا جانے سے ایک دن پہلے ساجدہ بیگم ایصال کے لیے ڈاکٹر عمر کا پروپوزل لے کر آئیں تو نور منزل میں سب کے چہروں پر ایک خوشگوار حیرت اور خوشی کی لہر دوڑ گئی تھی۔  
”کتنی گھنی ہونم..... اتنی بڑی خبر تم نے مجھ سے چھپائی۔ مجھے تم پر بہت غصہ آ رہا ہے۔“ عنایہ نے مسکراتے ہوئے ایصال کو گلے لگایا۔

نور بیگم کے کمرے میں اس وقت تمام بڑوں کی گول میز کانفرنس ہو رہی تھی۔  
”یہ عمر بھائی جیسے پھر دل انسان تمہارے دل میں کب اور کیسے اتر گئے۔“ عنایہ نے اس کا ماتھا چوما۔  
”ہاں نہیں یعنی..... یہ محبت بھی بڑی عجیب چیز ہوتی ہے، آنکھوں پہ ہاتھ رکھ کر چپکے سے دل میں بسیرا کر لیتی

ماہنامہ پاکیزہ 165 ستمبر 2016ء

ہے..... اور ہمیں پتا تک نہیں چلتا..... ویسے ڈاکٹر عمر بالکل بھی پتھر دل انسان نہیں ہیں۔ وہ بظاہر ایسے لگتے ہیں مگر اندر سے وہ بالکل موم کی طرح ہیں۔“ ایصال نے دیکھی مسکراہٹ کے ساتھ بتایا تو عنایہ مسکرا دی۔

”اوائے ہوئے تو جناب پوری ریسرچ کر چکی ہیں آپ عمر بھائی پہ.....“ عنایہ نے اس کی ٹھوڑی کو چھوا..... اسی اثنا میں مناب مسکراتی ہوئی کمرے میں داخل ہوئی اور اس نے بھی خوشی سے ایصال کو گلے لگا لیا..... بچپن سے ہی ان تینوں کزنز میں بے انتہا پیار تھا..... عنایہ کے ساتھ، ساتھ اب ایصال بھی اس کے ساتھ بھابی جیسے خوب صورت رشتے میں بندھ گئی تھی۔ آج وہ کتنے ہی دنوں کے بعد مسکرائی تھی۔

”تم بہت چھپی رستم ہو..... تم نے میرے بھائی جیسے مضبوط دل کے مالک شخص کو تسخیر کر لیا اور ان کے پتھر دل کو ریزہ، ریزہ کر کے خوشیوں کے کئی چشمے پھوڑ ڈالے..... مجھے یقین نہیں آ رہا ایصال..... تم میری بھابی بن گئی ہو۔“ مناب کے لہجے میں بے پناہ مسرت و خوشی تھی..... ایصال ہلش ہو رہی تھی۔

”اب تم بھی اپنی خوشیوں کے دروازے کھول دو مناب..... اتنی مدت کے بعد تمہیں یوں مسکراتے ہوئے دیکھ کر بہت خوشی ہو رہی ہے ہمیں۔“ عنایہ نے اس کے کندھے پر ہاتھ رکھا..... تو پھر سے ایک سنجیدگی اس کے چہرے پر طاری ہو گئی۔

”گہری چوٹ کے زخم بھی بہت گہرے ہوتے ہیں..... یہ اتنی جلدی کہاں بھرتے ہیں؟“ اس کے لہجے میں افسردگی اتر آئی تھی۔

”اقصم ان چوٹوں پر اپنی محبت کا مرہم لگانا چاہتا ہے تو اسے لگانے دو..... محبت زخموں کو بھر دیتی ہے۔“ ایصال نے اسے تسلی دی۔

”اور ویسے بھی مناب..... تمہارے ہاتھ کی لکیروں میں اقصم کا نام لکھا تھا..... اب اس حقیقت کو جتنی جلدی سمجھ لو گی تمہارے لیے اتنا ہی اچھا ہوگا..... بڑی ماما اور بڑے پاپا تمہارے لیے بہت فکر مند ہیں۔ ہم سب تمہیں خوش دیکھنا چاہتے ہیں۔“ عنایہ نے اسے بتایا۔

”کاش خوشی بھی کسی دکان سے ملنے والے کھلونے جیسی ہوتی..... قیمت دے کر خوشی کا کھلونا خرید کر ہم اس سے خوش ہو جایا کرتے۔“ اب کے مناب کی بات پر عنایہ اور ایصال دونوں ہی خاموش ہو گئی تھیں۔

☆☆☆

کراچی سے لاہور اگٹھن پلین میں سفر کرنے سے زارون اور دلنیش کو مزید ایک دوسرے کو جاننے کا موقع ملا تھا..... جس کی بدولت زارون نے اسے اپنی ٹیکسٹائل کی brand ambassador کے طور پر منتخب کر لیا تھا۔ دلنیش مکمل طور پر زارون کو اپنی محبت کے جال میں پھنسانے کی کوشش کر رہی تھی، لڑکیوں کا اسے متاثر کروانا اور اس سے افسیر چلانے کی کوشش کرنا زارون چوہدری کے لیے کوئی نئی بات ہرگز نہیں تھی۔ وہ کروڑوں کا مالک تھا، ایک کامیاب بزنس مین اور مل اونر کا بیٹا، پرسنالٹی کے لحاظ سے ڈشنگ تھا۔ اس کے پاس تمام وجوہات تھیں کہ لڑکیاں اس پر فدا ہوتیں اس سے فلرٹ کرنے کی کوشش کرتیں۔

مگر..... وہ عنایہ کے علاوہ کبھی کسی لڑکی سے متاثر نہیں ہوا تھا۔ اور نہ ہی کبھی عنایہ کے سوا اس کا کسی اور لڑکی طرف دھیان ہوا تھا۔ اس کی زندگی، بزنس اور عنایہ نام کے سرکل میں ہی گھومتی تھی..... عنایہ سے اسے والہانہ عشق تھا..... مگر اس بار نہ جانے دلنیش میں ایسا کیا مختلف تھا کہ وہ مقناطیسی کشش کی طرح اس کی جانب کھنچا چلا جا رہا تھا۔ جانے ایسا کون سا جادو تھا اس میں کہ زارون خود کو اس کے پاس اس کے قریب جانے سے روک نہیں پا رہا تھا۔ اسے دلنیش کے ساتھ وقت گزارنا اچھا لگنے لگا تھا۔ اس نے عنایہ کو کبھی چیٹ نہیں کیا تھا لیکن اب وہ چیٹ کرنے لگا

تھا۔ اس نے کبھی عنایہ سے جھوٹ نہیں بولا تھا لیکن اب بولنے لگا تھا۔

اب بھی وہ بیڈ پر لیٹا موبائل ہاتھ میں پکڑے کسی ٹین ایجر کی طرح (زویا) دلنیش سے مسیج کے ذریعے گفتگو کرنے میں مصروف تھا۔ عنایہ سلپنگ گاؤن میں ملبوس واش روم سے نکلی اور آئینے کے سامنے بیٹھ کر چہرے اور ہاتھوں پر کریم لگانے لگی..... عنایہ نے ایک نظر آئینے سے موبائل میں مصروف زارون کو دیکھا۔

”آج کل موبائل کا استعمال کچھ زیادہ نہیں کرنے لگے ہو تم؟“ زارون نے چونک کر عنایہ کو دیکھا۔

”کم آن یار..... ایک پرانے دوست سے مدت بعد ملاقات ہوئی ہے اسی سے بزنس کے حوالے سے chat

کر رہا تھا۔“ زارون نے مسکراتے ہوئے اسے مطمئن کرنا چاہا مگر اس کے دل میں عنایہ کی بات کھب گئی تھی۔

”اور کل کس دوست سے چیٹنگ ہو رہی تھی؟“ عنایہ نے کریم لگانے کے بعد ہیر برش اٹھاتے ہوئے پوچھا تو

زارون اس کے سوال پر ہنس پڑا۔

”تم آج مجھے بالکل ایک ٹیٹل بیوی لگ رہی ہو..... ٹیل کلاس بیوی..... جو ایک تھانیدار تو ہو سکتی ہے مگر

دوست کبھی نہیں..... جسے خواہ مخواہ وہم رہتا ہے کہ اس کا شوہر اس سے بے وفائی کر رہا ہے۔“

”تم آج کل مجھے انور جو کر رہے ہو..... شک تو کروں گی ناں تم پر..... حالانکہ آج کل مجھے تمہاری محبت اور توجہ

کی زیادہ ضرورت ہے۔“ عنایہ شکوہ کرتی ہوئی بالوں میں برش کرنے لگی۔ زارون اس کے زروٹھے سے انداز پر چند

لمحے اسے تکتا رہا اور پھر موبائل سائڈ ٹیبل پر رکھ کر بولا۔

”ادھر آؤ میرے پاس.....“ زارون کو اس کے دل سے شک نکالنا تھا۔ عنایہ برش رکھ کر اس کے پاس بیٹھ گئی۔

”آئی ایم سوری، کچھ دن میں واقعی بہت مصروف رہا ہوں..... تمہیں ٹائم نہیں دے پایا۔ تمہیں واقعی

میری بھرپور توجہ اور محبت کی ضرورت ہے۔“ زارون نے محبت سے اس کے ہاتھ تھام لیے..... ”اپنا بہت خیال رکھا

کرو..... ہمارے بچے کے لیے۔“

”اولاد کتنی بڑی نعمت ہے زارون..... ماں، باپ بننے کا احساس کتنا خوب صورت ہوتا ہے اس بات کا

احساس اب ہوا ہے مجھے.....“ عنایہ نے دھیرے سے مسکراتے ہوئے کہا تو زارون نے اس کا سراپے کندھے

سے نکال لیا۔

”ہاں اٹس ٹرو..... وہ دن میرے لیے میری زندگی کا سب سے خوشگوار دن ہو گا جب میں اپنی اولاد کو اپنی گود

میں لوں گا..... مجھے اس دن کا بے چینی سے انتظار ہے۔“ اس کے انداز پر عنایہ دھیرے سے مسکرا دی۔

”اور جانتی ہو..... میری خواہش ہے کہ ہمارے ہاں..... (ٹوئنس) twins ہوں۔“ زارون نے ایک نئی

فرمائش کی۔

”twins babis“ عنایہ حیران ہوئی۔ ”انہیں پالے گا کون؟“

”ہم دونوں مل کر پالیں گے انہیں..... اور ہاں نینی تو بالکل نہیں رکھیں گے ہم اپنے بچوں کے لیے۔“ زارون

نے محبت سے اپنا فیصلہ سنایا۔

”مگر زارون مجھے بچے پالنے نہیں آتے.....“ اس نے بے بسی سے کہا تو زارون کے لبوں پر مسکراہٹ دوڑ آئی۔

”گھر میں اتنے سارے لوگ ہیں..... بڑی اماں اور مام ہیں..... اور اب تو مناسب بھی ہے۔“ زارون نے

نہایت چالاکی سے عنایہ کے شک کا رخ موڑ دیا تھا۔ اور وہ بیچاری اس کی باتوں میں اس قدر مگن ہو گئی کہ اپنا شکوہ بھی

بھول گئی۔



وہ گھنٹوں پر تھوڑی رکھے کسی گہری سوچ میں گم بیٹھی تھی۔ اقصم کمرے میں آیا تب بھی اس نے سر اٹھا کر نہ دیکھا۔ اقصم چند لمحے رک کر اسے دیکھتا رہا اور پھر واش روم کی طرف بڑھ گیا۔ شاور لینے کے بعد وہ کمرے میں آیا تو وہ تب بھی اسی انداز میں گم صم بیٹھی تھی۔ اقصم نے بالوں میں برش کیا اور اس کے سامنے بیڈ پر لیٹ گیا۔

”آپ کے پاؤں بہت خوب صورت ہیں۔“ اقصم نے دھیرے سے اس کے پیروں کو چھوا..... مناب نے ناگواری سے اپنے پاؤں سمیٹ لیے۔

”سرہی دیادیں میرا؟ آپ کی یہ بے رخی سہہ، سہہ کمر میں درد رہنے لگا ہے میرے۔“ اقصم نے اسے بغور دیکھتے ہوئے فرمائش کی۔

”میرے بس میں ہو تو سر کے بجائے گلا دیادوں تمہارا..... زندگی برباد کر کے رکھ دی ہے تم نے میری.....“

مناب نے لٹھ مار جواب دیا تو اس کی گلا دبانے والی بات براقصم مسکرا دیا۔

”کتنی ظالم ہو گئی ہیں آپ؟ آپ تو بہت رحم دل ہوا کرتی تھیں۔“ وہ کہنی کے بل بیڈ پر لیٹا پوچھنے لگا۔

”مجھے ظالم بنانے میں بھی سارا عمل دخل تمہارا ہے۔“ وہ بیڈ سے اٹھی۔

”کتنی بڑی خواہش تھی آپ کو اپنے بیڈ روم میں اپنی بیوی کے روپ میں سوتے جاگتے چلتے پھرتے دیکھنے کی..... کتنے خواب دیکھے تھے میں نے آپ کو پانے کے۔“ وہ اس سے کہہ رہا تھا۔

”روز کتنی حسرتیں جنم لیتی تھیں میرے دل میں آپ کو استحقاق سے چھونے کی..... آپ کو سزا اقصم کے روپ میں دیکھنے کی خواہش دن میں کتنی بار میری سانسیں روکتی تھی..... آپ کی ہمراہی کے خوب صورت خواب کتنی بار میرا گلا دباتے تھے..... آپ نہیں جانتی ہیں مناب..... میں نے ایک، ایک پل کانسٹنٹ پر گزارا ہے..... کس طرح اور کب.....؟ کیسے میں آپ کے لیے تڑپا ہوں آپ اس سے بھی انجان ہیں..... میں مانتا ہوں میں نے آپ کو اپنانے کے لیے غلط طریقہ استعمال کیا مگر بخدا میرا یقین کیجیے میں آپ کو دکھ دے کر آپ کو ہرٹ کر کے حاصل نہیں کرنا چاہتا تھا۔ مجبور ہو گیا تھا، بے بس ہو گیا تھا میں..... اپنے آگے پیچھے کچھ نظر نہیں آ رہا تھا مجھے، دیوانہ ہو گیا تھا میں..... جو میں نے کیا وہ مجھے نہیں کرنا چاہیے تھا..... پلیز مجھے معاف کر دیں..... اور اپنے دل میں میرے لیے تھوڑی سی گنجائش نکال لیجیے..... جگہ دے دیجیے مجھے تھوڑی سی..... تنگ آ گیا ہوں میں آپ کی بے رخی سے۔“ اقصم اس کا ہاتھ تھامے لہذا آمیز انداز میں جذب سے بول رہا تھا۔ مگر مناب کا دل پتھر ہو چکا تھا۔ جب دل پتھر ہو جائیں تو ان میں دھڑکنے والے جذبات بھی ان کو موم نہیں کر سکتے۔

”میرا دل تمہارا بیڈ روم نہیں ہے، جس میں دندناتے ہوئے تم اندر گھس جاؤ گے..... دل کا دروازہ بہت خاص لوگوں کے لیے کھلتا ہے۔ اور تمہارے لیے تو تا قیامت نہیں کھل سکتا..... تم نے جو میرے ساتھ کیا ہے اس کے لیے میں تمہیں کبھی معاف نہیں کروں گی۔“ مناب نے سختی اور نفرت سے اس سے اپنا ہاتھ چھڑایا۔

”دل کی مرادیں زبردستی پوری نہیں کروائی جاتیں..... یہ تو دلوں کو خود بخود موم کر لیتی ہیں اور بسیرا کر لیتی ہیں ان میں..... لہذا یاد رکھنا تمہارے دل کی مرادیں..... میرے دل کو نرم نہیں کر سکتیں۔“ وہ دو ٹوک انداز میں اسے اپنا فیصلہ سنا کر کمرے سے باہر نکل گئی تھی۔

اور اقصم..... وہ دل گرفتہ سا اسے جاتا دیکھتا رہا..... اس نے مناب کو حاصل تو کر لیا تھا مگر وہ اسے پانہیں سکا تھا اور یہ دکھ بہت جان لیوا تھا..... اس کی نفرت، اس کا حد درجہ غصہ، اس کی بیگانگی اسے اندر سے ہلا کر رکھ دیتی..... وہ جل، جل کر خاک ہونے لگتا..... اس کا بس نہیں چل رہا تھا وہ ایسا کون سا کالا جادو کرے جس کی وجہ سے وہ اس کی اسیر ہو جائے اس کے نام کی مالا چبنے لگے..... اس سے محبت کرنے لگے..... وہ اس کے پاس بھی مگر وہ اس کی

نہیں ہوئی تھی۔ یہ دکھ، یہ تکلیف اسے دیکھ بن کر کھانے لگی تھی۔

کمرے میں ایک دم اس کا دم گھٹنے لگا تھا وہ باہر لان میں آگئی تھی تازہ ہوا میں سانس لینے کی وجہ سے اندر کی گھٹن کم ہونے لگی تھی۔ وہ کافی دیر لان میں شہلےتی رہی تھی..... سمیرا بیگم واش روم جانے کے لیے اٹھی تھیں۔ گلاس وال کا پردہ ایک سائڈ پر ہونے کی وجہ سے وہ لان میں مناب کو اس وقت ٹھلٹا ہوا دیکھ کر پریشان ہو گئیں۔ نہ جانے وہ اس وقت اکیلی لان میں کیا کر رہی تھی، اقصم بھی گھر میں تھا۔ اس وقت اسے اقصم کے ساتھ ہی ہونا چاہیے تھا۔ اسی پریشانی میں وہ لان میں آگئی تھیں۔

”مناب بیٹا تم اس وقت یہاں کیا کر رہی ہو؟“ عقب سے سمیرا بیگم کی آواز پر اس نے پلٹ کر دیکھا اُن کی آنکھوں میں تجسس تھا، فکر تھی۔

”وہ ممانی بس ایسے ہی فریش اتر میں بیٹھنے کو دل چاہ رہا تھا۔“ مناب نے نظریں جراتے ہوئے جواب دیا۔

”اقصم گھر میں ہی ہے، اسے کہتی کہیں لانگ ڈرائیو پر لے جاتا تمہیں۔“ سمیرا بیگم کی بات کے جواب میں اس نے کچھ نہیں کہا۔

”مناب بیٹا مجھے لگتا ہے تم نے اپنے اور اقصم کے رشتے کو اب بھی دل سے قبول نہیں کیا..... بیٹا اللہ جو کرتا ہے اچھے کے لیے ہی کرتا ہے..... ولی سے تمہاری شادی طے ہو چکی تھی۔ پھر اچانک اقصم کو تمہاری زندگی میں شامل کر دیا گیا..... اس میں بھی اللہ کی کوئی مصلحت ہی ہوگی۔ ہم سب کو تم سے بہت پیار ہے بیٹا..... اور ہم تمہیں اس طرح اداس اور اجڑی ہوئی بستی کی طرح نہیں دیکھ سکتے..... بھول جاؤ ولی کو..... شاید وہ تمہارے لیے سوٹ اپیل نہیں تھا اسی لیے اللہ نے اسے تمہاری زندگی میں شامل نہیں کیا..... بیٹا انسان اپنی مرضی سے اپنی زندگی کی پلاننگ کرتا ہے مگر اللہ نے ہماری پلاننگ بہت الگ سے کی ہوتی ہے۔ ہماری زندگی سے کسے نکالنا ہے اور کسے شامل کرنا ہے یہ ہم نہیں اللہ ہمارے لیے ڈیٹا بنڈ کرتا ہے۔ خود میری مثال تمہارے سامنے ہے۔ میں بچپن سے ہی اپنے ماموں زاد سے الگ رہتی تھی لیکن میری قسمت تمہارے ماموں کے ساتھ آسمانوں پر جوڑ دی گئی تھی..... آج تیس سال ہو چکے ہیں ہماری شادی کو..... اور ہم ایک کامیاب خوشیوں سے بھرپور زندگی گزار رہے ہیں۔ اور تم تو خود بہت سمجھدار ہو بیٹا..... سمجھ سکتی ہو ان معاملات کو..... سمیرا بیگم نے پیار سے اسے سمجھایا تو وہ کسی سعادت مند بچے کی طرح اثبات میں سر ہلا گئی۔

”گڈ گرل..... چلو شاباش اب اپنے روم میں جاؤ..... تمہیں اس وقت اقصم کے ساتھ ہونا چاہیے۔“ سمیرا بیگم نے دھیرے سے اس کے کندھے پر ہتھی دی تو وہ مرے، مرے قدموں سے اندر بڑھ گئی..... مناب جب روم میں داخل ہوئی تو اقصم منہ پر تکیہ رکھے گہری نیند سو رہا تھا۔ وہ اس پر غصے سے بھرپور نظر ڈالتی ہوئی بیڈ کی دوسری جانب رخ موڑ کر لیٹ گئی۔ اسے ولی کے ساتھ گزارا ہوا وقت رُلانے لگا..... ولی کی باتیں، اس کی چاہتیں، اس کے محبت بھرے انداز، ساون بن کر اس کے اندر رہنے لگے۔

اسے اپنا آپ بہت بے بس محسوس ہوا تھا..... وہ ایک تماشابن گئی تھی..... زبردستی اقصم کو اس پر مسلط کر دیا گیا تھا۔ اس کے اندر ایک رتی بھی سکون نہیں رہا تھا۔ انہی سوچوں میں الجھی کر وٹیں بدل، بدل کر نہ جانے کس پہر اس کی آنکھ لگی تھی۔ اقصم نے کروٹ بدلی تو نیکے پر اس کے ریشم جیسے بالوں نے اس کے چہرے کو چھوا..... وہ آنکھیں کھول کر چند لمحے گہری نیند سوئی مناب کو دیکھتا رہا ایک خوب صورت مسکراہٹ نے اس کے ہونٹوں کا احاطہ کر رکھا تھا..... کتنی بڑی خواہش تھی کہ جب وہ سو کر اٹھے تو مناب کو ہمیشہ اپنے سامنے پائے..... آج یہ خواہش پوری ہو گئی تھی..... مگر اس ادھوری خوشی نے یک دم اس کے لبوں سے مسکراہٹ عائب کر دی۔ گزشتہ رات مناب

کے کہے جملے اس کا سکون عارت کرنے لگے۔

”میرا دل تمہارا بیڈروم میں نہیں ہے، جس میں دندناتے ہوئے تم اندر گھس جاؤ گے۔ دل کا دورازہ بہت خاص لوگوں کے لیے کھلتا ہے اور تمہارے لیے تو اقامت نہیں کھل سکتا۔“

”تمہارے دل کی مرادیں میرے دل کو نرم نہیں کر سکتیں۔“ وہ بے چین ہو کر بیٹھ گیا..... اس کی اضطراب میں ڈوبی آنکھیں اب بھی مناب پر مرکوز تھیں۔ وہ اسے حاصل کر کے بھی پائیں سکا تھا۔

☆☆☆

آج لمزونیورٹی میں اس کا کنسرٹ تھا..... وہ ناشتے کے بعد ہی گھر سے نکل گیا تھا۔ مناب نے ناشتا برائے نام ہی کیا تھا۔ وہ بور ہو رہی تھی سو بڑی اماں کے کمرے میں آگئی۔

”مناب میری بچی یہ کیا حلیہ بنا رکھا ہے تم نے؟“ بڑی اماں اس کے رف سے حلیے کو دیکھ کر حیران ہوئیں۔

”کیا ہوا ہے نا نو میرے حلیے کو.....؟“ اس نے حیرت سے اپنا سر اپاٹولا۔

”ذرا آئینے میں خود کو غور سے دیکھو..... کہیں سے بھی نئی نوپلی دلہن نہیں لگ رہی ہو..... اور چہرہ دیکھو..... کیسے مرجھا

سا گیا ہے۔“ اسی اثنا میں سمیرا بیگم کمرے میں داخل ہوئیں۔

”اور نہیں تو کیا..... کہیں سے بھی تم اور اقصم..... newly married couple نہیں لگتے۔“

سمیرا بیگم آگے بڑھیں..... ”اماں آپ ہی مناب کو کچھ سمجھائیں نا..... میرا تو دل ڈوبے لگتا ہے مناب کو اس طرح دیکھ کر۔“

مناب نے سر جھکا لیا..... بڑی اماں نے ایک طویل سانس لی۔

”تمہاری ممانی ٹھیک کہہ رہی ہیں مناب..... جو بھی ہوا اب اسے بھولنے کی کوشش کرو..... اقصم تم سے بہت

محبت کرتا ہے دیوانوں کی طرح چاہتا ہے تمہیں..... آنکھوں سے بدگمانی کی پٹی اتار دو گی تو اس کی بد صورت محبت کا

خوب صورت چہرہ نظر آنے لگے گا تمہیں..... اللہ نے تمہارا اور اقصم کا جوڑا آسمانوں پر لکھ رکھا تھا۔ تمہارا اقصم کی

زندگی مثال ہو کر آنا اس گھر کی بہو بننا قسمت میں لکھا تھا۔ اور قسمت کے لکھے کو بھلا کون ٹال سکتا ہے؟“ بڑی اماں

اسے پیار سے سمجھا رہی تھیں۔ جو اب وہ خاموش رہی۔

”مناب بیٹا میں تھوڑی دیر تک سیلون جا رہی ہوں..... اور تم میرے ساتھ چل رہی ہو..... میں نے تمہارا بھی

اپنا کٹمنٹ لے رکھا ہے۔“ سمیرا بیگم نے اسے اطلاع دی۔

”مگر ممانی میں وہاں کیا کروں گی؟“ وہ بیزاریت سے بولی۔

”وہاں لڑکیاں جا کر کیا کرتی ہیں؟ کم آن سلی گرل..... چلو اٹھو شاپاش کپڑے چنچ کر دو، ہم تھوڑی دیر تک نکل

رہے ہیں۔“ سمیرا بیگم حکم دے کر چلی گئی تھیں..... اور وہ شدید ڈھنسی کوفت میں مبتلا ہو گئی..... وہ جس کے لیے بننا

سنور نا نہیں چاہتی تھی اسی کے لیے مناب کو بننے سنور نے یہ مجبور کیا جا رہا تھا۔

سمیرا بیگم نے اس کا مینی کیور، پیڈی کیور سے لے کر فیشنل تک کروا ڈالا تھا..... اس کے گھنے ریشم جیسے سلکی سیاہ

پالوں کی لیرز میں کٹنگ تک کروا ڈالی تھی..... ایک دم سے اس کی گس چنچ ہو گئی تھی۔ خوب صورت تو وہ پہلے سے ہی

تھی اب پر بیٹی اور اسٹائلش بھی لگ رہی تھی۔ وہ دل پر پتھر رکھ کر سمیرا بیگم کی ہر بات مان رہی تھی۔ واپسی پر سمیرا بیگم

اسے ایک مشہور ڈیزائنر کے آؤٹ لیٹ پہ بھی لے گئیں۔ وہاں سٹائٹوں نے مناب کے لیے جدید فیشن کے مطابق

کپڑے اور سینڈلز وغیرہ خریدے..... گھر آتے ہی سمیرا بیگم نے ایک نیا حکم جاری کیا تھا۔

”شام کو یہ بلیک ڈریس پہن لینا، تم پر بہت سوٹ کرے گا..... اقصم دیکھے گا تمہیں تو اسے خوشی ملے گی۔“



## یہ شمارہ پاک سوسائٹی ڈاٹ کام نے پیش کیا ہے

### پاک سوسائٹی خاص کیوں ہیں:-

ہائس کو الٹی پی ڈی ایف  
ایڈ فرس لنکس  
ایک کلک سے ڈاؤن لوڈ  
ڈاؤن لوڈ اور آن لائن ریڈنگ ایک پیج پر  
کتاب کی مختلف سائزوں میں اپلو ڈنگ  
ناولز اور عمران سیریز کی مکمل ریجنج

Click on <http://paksociety.com> to Visit Us

<http://fb.com/paksociety>

<http://twitter.com/paksociety1>

<https://plus.google.com/112999726194960503629>

پاک سوسائٹی کو فیس بک پر جوائن کریں

پاک سوسائٹی کو ٹویٹر پر جوائن کریں

پاک سوسائٹی کو گوگل پلس پر جوائن کریں

ہمیں وزٹ کرنے کے لئے ہمارا ویب ایڈریس براؤزر میں لکھیں یا گوگل میں پاک سوسائٹی تلاش کریں۔

اپنے دوست احباب اور فیملی کو ہماری ویب سائٹ کا بتا کر پاکستان کی آن لائن لائبریری کا ممبر بنائیں۔

اس خوبصورت ویب سائٹ کو چلانے کے لئے ہر ماہ کثیر سرمایہ درکار ہوتا ہے، اگر آپ مالی مدد کرنا چاہتے ہیں تو ہم سے فیس

بک پر رابطہ کریں۔۔۔

ہمیں فیس بک پر لائک کریں اور ہر کتاب اپنی وال پر دیکھنے کے لئے امیج پر دی گئی ہدایات پر عمل کریں:-

**Dont miss a singal one of your Favourite Paksociety's Update !**

- i. Open Paksociety Page.
- ii. Click Liked.
- iii. Select Get Notifications.
- iv. Select See First.

All Done

Like Liked Message

Get Notifications  
Add to Interest Lists...

Unlike

IN YOUR NEWS FEED

See First  
See new posts at the top of News Feed

Default  
See posts as usual

Unfollow

لفظ خوشی بہ مناب کا دل جھلنے لگا..... وہ اس شخص کو کبھی کوئی خوشی نہیں دینا چاہتی تھی جس کی وجہ سے اس کی خوشیاں عارت ہو گئی تھیں۔

”مناب میری جان کن سوچوں میں گم ہو؟“  
”کک کچھ نہیں ممانی.....“

”اوکے، میں ذرا ریٹ کر لوں..... پیو سے کہو یہ چیزیں تمہارے بیڈروم میں لے جائے۔ اور ہاں یاد سے پہن لینا اور اچھے سے ڈریس اپ ہونا..... گھر آتے ہی بیوی کو سجا سنورا دیکھ کر شوہر کو بہت خوشی ملتی ہے، تھکان اتر جاتی ہے اس کی۔“ اُن کی بات کے جواب میں وہ صرف اثبات میں سر ہی ہلا سکی تھی..... زبردستی کا رشتہ نبھانا کس قدر جان لیوا ہوتا ہے..... چوبیس گھنٹے انسان کس طرح تار عنکبوت پہ لٹکتا ہے۔ مناب سے بہتر یہ کون جان سکتا تھا۔ وہ دل گرفتہ سی اپنے کمرے میں آگئی تھی..... پیو شاپنگ بیگز اس کے کمرے میں رکھنے لگی۔ مناب تھکے ہارے انداز میں بیڈ پر لیٹ گئی تھی۔

”مناب بی بی آج آپ بڑی سوہنڑیں لگ رہی ہیں جی..... اقصم صاحب بڑے خوش ہوں گے آپ کو دیکھ کر.....“ پیو وارڈروب میں اس کے کپڑے لٹکانے لگی۔

”ہاں سچ مناب بی بی، آج تو نی وی پہ ایک پروگرام لگنا تھا جی..... اس میں اقصم صاحب نے گاڑاں (گانا) گانا تھا جی..... نی وی یہ جھلکی دکھا رہے تھے۔ کڑیاں منڈے اپنی، اپنی سیٹوں سے اٹھ، اٹھ کر بچ رہے تھے۔ کئی کڑیاں منہ پر ہتھ رکھ کر چٹکیں (چٹیں) مار رہی تھیں۔“ پیو کا انداز کچھ ایسا تھا بتانے کا کہ نہ چاہتے ہوئے بھی ایک دھیمی سی مسکراہٹ مناب کے لبوں کا احاطہ کر گئی تھی۔

”بی بی جی ایک گل میری سمجھ میں نہیں آئی.....“ پیو اب اس کے پاس پا سکتی پہ بیٹھ کر اس کی ٹانگیں دبائے لگی۔  
”کیسی بات پیو.....؟“

”یہی کہ جب صاحب اسٹیج پر گاڑاں گاتے ہیں تو کڑیاں پر چیاں کیوں اقصم صاحب پہ سوئی ہیں؟“ مناب اس کے سوال پر دھیرے سے مسکرا دی۔

”پیو ان پرچیوں پر لڑکیاں اپنا فون نمبر لکھ کر بھیجتی ہیں، کچھ آٹو گراف مانگتی ہیں، کچھ محبت کا اظہار کرتی ہیں اور کچھ بیٹ و سز لکھ کر اپنے فون نمبر کی طرف بھیجتی ہیں۔“ مناب کی بات پر پیو نے اپنے لبوں پر ہاتھ رکھ لیے تھے۔

”ہا..... ہائے فٹے منہ ان کڑیوں پہ..... شرم نہیں آئی ان کو شادی شدہ مردوں پہ ڈورے ڈالتے ہوئے..... اپنا فون نمبر دیتے ہوئے، لعنت ہے ایسی کڑیوں پہ.....“ پیو کا انداز کچھ ایسا تھا کہ مناب ہنسنے پہ مجبور ہو گئی۔

”پیو وہ لڑکیاں اقصم کی فین ہوتی ہیں، اس کے گائے گانے شوق سے سنتی اور دیکھتی ہیں۔ اور اسے اپنے سامنے پر قارم کرتے ہوئے دیکھ کر خوشی سے جھوم اٹھتی ہیں اور اس طرح سے اپنی خوشی کا اظہار کرتی ہیں۔“ مناب نے اسے سمجھانا چاہا۔

”پر فیرو بی بی جی یہ کوئی چنگی گل تو نہیں اے نا.....“ مناب جو اب مسکرا دی..... وہ پیو کو مطمئن نہیں کر سکتی تھی۔

”ایک گل کہوں مناب بی بی آپ برا تو نہیں منائیں گی؟“ پیو نے جھبکتے ہوئے پوچھا۔  
”آف کورس پیو تم کہو.....“

”وہ جی صاحب تو ایک سے ایک سوہنڑیں کڑیوں کے سامنے گاڑاں گاتے ہیں، آپ اپنا خیال رکھا کریں

اقصم صاحب کی نظر میں آپ کے علاوہ کسی اور کڑی نہیں انھیں کی..... جب خاوند سوڑاں اور اتنا مشہور ہو تو کڑیاں آپے ہی پیچھے لگ جاتی ہیں۔ آج کل تو ویسے وی شرم و حیا کم گئی ہے۔“ مناب اس کی بات پر دھیرے سے مسکرا دی۔

”چوبیس کرو۔ میں تھوڑی دیر آرام کرنا چاہتی ہوں۔“ مناب نے ٹانگیں سمیٹ لیں اور سر ہیکے پر گرادیا۔ شام تک وہ یونہی لیٹی رہی تھی۔ چوبیس گھنٹے سے سیرا بیگم کا پیغام لے کر اس کے کمرے میں آئی۔

”مناب بی بی، بیگم صاحبہ کہہ رہی ہیں آپ تیار ہو کر آجائیں۔ بیگم صاحبہ کی کچھ سہیلیاں آئی ہیں وہ آپ کو ان سے ملوانا چاہتی ہیں۔“

”اچھا ٹھیک ہے میں آتی ہوں.....“ مناب نے بستر چھوڑا اور واش روم کی طرف بڑھ گئی۔

☆☆☆

دنیش نے خود زارون کو ڈنر کی دعوت دی تھی اور زارون باوجود کوشش کے اسے انکار نہیں کر پایا تھا بلکہ اس رات وہ بہت عرصے بعد بلیک ڈز سوٹ میں ملبوس بھر پور دلچسپی سے تیار ہو رہا تھا..... عتایہ بیڈ پر بیٹھی گہری نگاہوں سے اسے تیار ہوتا دیکھ رہی تھی۔

”زارون تمہاری تیاری دیکھ کر مجھے لگ رہا ہے تم کسی آفیشل ڈنر کے بجائے اپنی کسی گرل فرینڈ سے ملنے جا رہے ہو۔“

عتایہ کے قیاس پر ایک لمحے کے لیے اس کے چہرے کا رنگ اڑا تھا۔ مگر اگلے ہی لمحے وہ مسکراتا ہوا ڈائمنڈ کے کف لکس لگاتا اس کے قریب آ گیا تھا۔

”میری پہلی اور آخری گرل فرینڈ میری بیوی ہے جس سے مجھے بے انتہا محبت ہے۔“ زارون نے محبت سے اس کے گال چھوئے تو وہ دھیرے سے مسکرا دی۔

”جانتی ہوں میں.....“ عتایہ مسکرائی۔

”تو پھر اس طرح کے مذاق کیوں کرتی ہو مجھ سے؟“ زارون کا انداز ہنوز محبت لیے ہوئے تھا۔

”تاکہ تمہارے منہ سے محبت بھرا پہا اظہار سن سکوں.....“

”تو بہ تم بیویاں بھی کتنی چالاک ہوتی ہو..... ایسے، ایسے یہاں ڈھونڈتی ہو تعریف کروانے کے..... مائے گاڈ۔“

زارون مسکراتا ہوا دوبارہ آئینے کے سامنے کھڑا ہو گیا اور اپنے بال سنوارنے لگا۔

”میری کمر میں اتنا درد نہ ہوتا تو میں تمہارے ساتھ اس آفیشل ڈنر پر ضرور جاتی۔“

”یہ سلسلہ تو بعد میں بھی چلتا ہی رہے گا، تمہیں آج کل آرام کی اشد ضرورت ہے۔ میں جلدی واپس آ جاؤں گا۔“ زارون نے سائڈ ٹیبل سے اپنی گھڑی اٹھائی۔ ”تم ٹائم پہ کھانا کھا لینا اور ہاں میڈیسن کھانا مت بھولنا..... کل بھی رات ایک ڈوز مس کر دی تھی تم نے۔“ گھڑی باندھنے کے بعد زارون نے خود پہ پر فیوم اسپرے کیا اور اسے تنبیہ کی۔

”او کے میری جان.....“ تیار ہونے کے بعد زارون نے محبت پاش انداز میں اپنے دونوں ہاتھوں میں اس کا چہرہ تمام لیا۔

عتایہ نے مسکراتے ہوئے اثبات میں سر ہلایا تو زارون کمرے سے باہر نکل گیا۔

دنیش نے زارون کے لیے گھر میں ڈنر کا اہتمام کر رکھا تھا۔ تو زارون نے اسے ماڈل ٹاؤن میں ایک شاندار رگٹھی گفٹ کی تھی۔ آج کل اسی کوئی میں سیم تھی۔ ایک نیا نیا اشار ہوٹل سے اس نے زارون کی پسند کا کھانا

ماہنامہ پاکیزہ 172 ستمبر 2016ء

منگوار کھا تھا۔ ریڈ سیولیس اور بیک لیس بلاؤز کے ساتھ بلیک ساڑھی میں ملبوس آنکھوں پہ گہرا اسوکی میک اپ کیے ہوئوں پہ ڈیپ ریڈ لپ اسٹک لگائے وہ بلا کی حسین لگ رہی تھی۔

”زارون جی مجھے تو یقین ہی نہیں آرہا آپ میرے اس غریب خانے میں تشریف لائے ہیں۔ آپ کے آنے سے اس گھر کے ساتھ، ساتھ میرا دل بھی روشن ہو گیا ہے۔ یقین نہیں آرہا آپ میرے اس قدر قریب بیٹھے ہیں۔“

دلنیش اس کے ساتھ چپکی اس کی ٹائی کی ٹائٹ ڈھیلی کرتے ہوئے محبت سے لبریز لہجے میں بولی۔

”دعوت دینے والی ہستی اتنی حسین اور ہوشربا ہو تو کون کا فریہاں آنے سے انکار کرے گا؟“ زارون نے اس کا ہاتھ تھامتے ہوئے کہا تو وہ اک انداز سے مسکرائی۔

”نہ کریں زارون جی ایسی باتیں..... آپ کی بیوی سے حسد محسوس ہونے لگتا ہے مجھے..... سچ تو یہ ہے کہ میں نے آپ جیسا خوب صورت مرد زندگی میں نہیں دیکھا، نسخیر کر لیا ہے آپ نے مجھے میرے دن کا چین اور راتوں کی نیندیں اڑا دی ہیں آپ نے۔“ وہ محبت سے چور انداز میں اظہار کر رہی تھی۔

”دلنیش..... تم واقعی ایک دلنیش لڑکی ہو، دل میں گھر کر جانے والی۔ دل کی دنیا کو تمہیں نہیں کر دینے والی..... تمہاری دلکشی نے مجھے چاروں شانے چت کر دیا ہے۔ تمہاری خاطر میں جھوٹ بولنے لگا ہوں اپنی بیوی سے۔“ زارون کی نظریں اس کا حسین سراپا ٹٹول رہی تھیں۔ وہ دھیرے سے مسکرائی اور پھر اس نے اپنا سر زارون کے کندھے پر ٹکا دیا۔

”زارون جی پتا ہے میرا دل چاہ رہا ہے اس وقت کو ہمیشہ کے لیے اپنی مٹھی میں قید کر لوں اور ساری زندگی آپ کی پانہوں میں گزار دوں..... زارون بھی، کبھی یہ دل بھی کتنی واہیات خواہشیں کرنے لگتا ہے نہ پوری ہونے والی خواہش..... آپ ایک شادی شدہ مرد ہیں آپ کے دل پہ پہلے سے کسی کا نام درج ہے..... پھر بھی دیکھیں ناں..... میرا نادان سادل آپ کی ہمراہی کے خواب دیکھنے لگا ہے۔ آپ کا ساتھ مانگنے لگا ہے۔ ہر وقت آپ کو اپنے آس پاس دیکھنے کی خواہش کرنے لگا ہے۔ آپ ہی بتائیں ناں اس سیر مسئلے کا حل۔“ وہ بڑے پیار سے ادا سے اور نروٹھے سے انداز میں اس سے اپنی محبت کا اظہار کر رہی تھی۔ اور زارون دل و جان سے اس کی محبت میں سرشار ہو رہا تھا۔

”دلنیش! میرے دل کی حالت بھی تم سے مختلف نہیں ہے..... میں تمہارے بغیر نہیں رہ سکتا، تمہیں اپنی شوبز کی مصروفیت سے وقت نکال کر روز مجھ سے ملنا ہوگا۔“ زارون کے لہجے میں تڑپ کے ساتھ التجا بھی تھی۔

”آپ کے لیے وقت نکالنا خود کے لیے وقت نکالنا ہے میرے لیے.....“ اس کی بات پر زارون نے اس کا ہاتھ لبوں سے لگا لیا تھا۔

ڈنر کے بعد دلنیش نے اسے اتنی محبت سے شراب پلائی تھی کہ وہ انکار نہیں کر سکا تھا۔ رات دو بجے کے بعد اس کی گھر واپسی ہوئی تھی۔ زارون سمجھ رہا تھا کہ عنایہ سو رہی ہے مگر کمرے میں آتے ہی اس کے لڑکھڑاتے قدموں نے عنایہ کو بیڈ سے اٹھ کر کھڑا ہونے پر مجبور کر دیا تھا۔ عنایہ اسے دیکھ کر حیرت زدہ سی رہ گئی تھی، شاکڈ ہو گئی تھی۔ وہ اپنے حواسوں میں نہیں تھا۔

☆☆☆

بلیک ڈریس میں اس کا حسین سراپا اور بھی غضب ڈھا رہا تھا۔ سیرا بیگم کی فرینڈز نے مناب کی بہت تعریف کی تھی، وہ تھی ہی بہت ڈینٹ اور سلیمنی ہوئی، مقابل کو اپنا بنا لینے والی نرم دل..... لیکن اقصم کے لیے اس کا دل اتنا ہی سخت ہو گیا تھا سیرا بیگم کی فرینڈز کی مہمان نوازی کرتے ہوئے اسے وقت گزرنے کا احساس ہی نہیں ہوا۔ وہ جلدی سے

اپنا حلیہ چھینج کر لینا چاہتی تھی، وہ نہیں چاہتی تھی کہ اقصم اسے یوں تیار ہوا دیکھ کر کسی خوش فہمی میں مبتلا ہو کہ وہ اس کے لیے تیار ہوئی ہے۔ وہ اسے ایک لمحے کے لیے بھی کسی خوش فہمی میں مبتلا نہیں کرنا چاہتی تھی..... مگر کچھ چیزیں سوچنے اور پلان کر لینے کے باوجود ہم نہیں کر سکتے..... جب قدرت کا عمل دخل بیچ میں آجائے تو انسان کے پلان بھی دھرے کے دھرے رہ جاتے ہیں۔

وہ اپنے کمرے میں جا کر چھینج کرنے لگی تھی جب سمیرا بیگم نے اسے ڈنر کے بعد کافی کے لیے اپنی فرینڈز کو جوائن کرنے کی ہدایت کی بھی مجبوراً اسے اُن سب کے ساتھ بیٹھنا پڑا تھا۔ اس کی نظریں بار، بار گھڑی پر مرکوز ہو رہی تھیں..... اللہ، اللہ کر کے رات گیارہ بجے وہ مہمانوں سے فارغ ہوئی اور اپنے کمرے میں آئی۔ ابھی وہ وارڈروب کے پاس گھڑی اپنا نائٹ سوٹ نکال رہی تھی جب اقصم عجلت میں تھکے ہوئے انداز سے کمرے میں داخل ہوا مگر اندر داخل ہوتے ہی مناب کو سجا سناورد دیکھ کر مبہوت ہو گیا تھا۔ مناب نے اسے یکسر نظر انداز کرتے ہوئے اپنا نائٹ سوٹ نکالا۔ تب تک وہ اس کے قریب آچکا تھا۔

”کل تک میں یہ خواب دیکھا کرتا تھا جب میں اپنے کمرے میں آؤں تو آپ اسی طرح سے ڈریس اپ ہو کر میرا انتظار کرتی ہوئی اس کمرے میں مجھے نظر آئیں.....“ وہ اپنی ساری تھکاوٹ بھول کر اس کے مقابل کھڑا سے بتا رہا تھا۔

”تمہارا یہ خواب ہمیشہ ایک خواب ہی رہے گا..... کبھی حقیقت بن کر جاگتی آنکھوں سے اس خواب کی تعبیر نہیں دیکھ سکو گے تم۔“ وہ تحفہ سے کہتی ہوئی واش روم کی طرف بڑھی۔ لیکن اگلے ہی لمحے اقصم نے اسے کلانی سے تمام کر پھر سے اپنے مقابل لاکھڑا کیا۔

”آپ اتنی ظالم اور اتنی کٹھور کیسے ہو سکتی ہیں۔“ وہ اس کے چہرے پر نظریں جمائے پوچھنے لگا۔ ”اتنی پتھر دل تو نہیں تھیں آپ؟“

”ڈونٹ سی کی..... چھوڑو میرا ہاتھ.....“ وہ جھنجلائی۔  
 ”اگر نہ چھوڑوں تو..... تو کیا کر لیں گی آپ؟“ اقصم نے اس کی کلانی پہ اپنی گرفت مضبوط کر کے اسے اپنے سے مزید قریب کرتے ہوئے اس کی آنکھوں میں جھانکا۔  
 ”تم نے بچپن سے لے کر اب تک صرف میرا پیار دیکھا ہے۔ غصہ نہیں دیکھا..... چھوڑو میرا بازو۔“ اس نے اپنا بازو چھڑانے کی بھرپور کوشش کی۔

”غصہ ہی تو دیکھ رہا ہوں آپ کا..... جان نکالنے والا غصہ..... عارت کر دینے والا غصہ..... نیند اڑا دینے والا غصہ..... جلا کر رکھ کر دینے والا غصہ.....“ اقصم نے اس کے ماتھے پر آئے بال ہٹاتے ہوئے کہا۔  
 ”تم ایک بد تمیز شخص ہو اور انتہائی ڈھیٹ بھی۔“ وہ غرائی۔

”تعریف کا شکر یہ.....! ویسے آج آپ بہت خوب صورت لگ رہی ہیں..... اور یہ ہمیشہ اسٹائل آپ پر بہت سوٹ کر رہا ہے اور بلیک ظلم میں تو آپ ویسے بھی میری نیت خراب کر رہی ہیں۔“ وہ اس کے غصے کی پروانہ کرتے ہوئے اس کی تعریف کیے جا رہا تھا۔ اور مناب کا دل چاہ رہا تھا کہ اس کا سر پھاڑ دے۔

”زہر لگتی ہے مجھے تمہاری تعریف.....“ ہنوز غصے میں بتایا گیا۔  
 ”اطلاع کے لیے شکر یہ.....“ اسے زچ کر کے اقصم کو ایک عجیب سی خوشی مل رہی تھی۔  
 ”میں..... میں صبح ماموں سے تمہاری شکایت کروں گی، تم اتہما کے بد تمیز انسان ہو۔“ اس نے بے بسی سے اقصم کو دھمکایا۔

اس کے انداز..... مزاحمت اور بے بسی پر وہ مسکرایا۔

”کیا شکایت لگائیں گی آپ ڈیڈ سے میری؟“ وہ اس کے اور بھی قریب آیا۔ مناب وارڈ روب کے دروازے سے لگی کھڑی تھی۔

”اور میں نے ایسی کون سی بد تمیزی کی ہے جس پر آپ کو اعتراض ہے؟“ ایک ہاتھ وارڈ روب کے پٹ پر لگائے دوسرے ہاتھ سے اس کے گلے میں موجود لاکٹ کو چھوتے ہوئے اس کے مقابل کھڑے اس کا راستہ روکے وہ بہت آرام سے شکوہ کر گیا تھا۔

”پچھے ہٹو..... میرے پاس تمہارے کسی فضول سوال کا جواب نہیں ہے۔“ وہ تلخ انداز میں بولی..... اور اس نے اقصم کو خود سے دور کرنا چاہا۔

”میرے تو سوال بھی فضول ہیں اور آپ کے یہ خود سر رو تے؟ انہیں کیا نام دوں میں؟“ اس کی نظریں اب بھی مناب کے چہرے پر مرکوز تھیں، وہ جان بوجھ کر اس سے بحث کر رہا تھا اور اسے باتوں میں الجھا کر اسے جی بھر کے دیکھ رہا تھا۔

”شکر کرو تمہارے ساتھ اس کمرے میں رہ رہی ہوں..... ورنہ تم نے جو میرے ساتھ کیا ہے وہ ناقابل معافی ہے۔ میں کبھی معاف نہیں کروں گی۔ اور ہاں آئندہ مجھے ہاتھ لگانے کی غلطی بھی مت کرنا۔“

”میرے ساتھ اجسی بن کر رہ رہی ہیں آپ اور کیا، کیا ہے میں نے آپ کے ساتھ؟ شکر کریں اس دو نمبر چیئر آدمی سے آپ کی جان چھوٹ گئی۔ امریکا میں بھی اس نے خبیث شادی کر رکھی تھی۔“ اقصم غصے میں بولتا ایک سائڈ پر ہٹ گیا۔

”تمہیں تو خدا واسطے کا میر ہوگا ہی ولی سے..... اس جیسی محبت جو نہیں دی تمہیں، الزام تو لگاؤ گے ہی تم اس پر..... مگر ایسا کر کے مجھے خود سے قریب ہرگز نہیں کر سکتے سنا تم نے۔“ زہرا گلے لفظوں سے اسے چھلنی کرتے ہوئے وہ اس کے قریب سے گزری..... اقصم نے غصے میں اس کی کلائی پکڑ کر ایک جھٹکے سے اسے پھر خود سے قریب کیا۔ اس کی باتوں نے اقصم کا میٹر گھما دیا تھا۔

”آئندہ کے بعد میرے سامنے اس گھٹیا شخص کا نام مت لیجیے گا اور مجھے اس چیئر شخص پر الزام لگانے کی کوئی ضرورت نہیں ہے، یہ حقیقت ایک دن خود آپ پر کھل جائے گی۔ کیونکہ جھوٹ کبھی نہیں چھپتا..... اور رہی بات آپ کو قریب لانے کی تو..... آپ کو اپنے قریب لانے کے لیے ولی تو کیا اس کا باپ بھی مجھے نہیں روک سکتا..... آپ بیوی ہیں میری..... میں جب چاہے اپنی مرضی سے آپ کو اپنے قریب لاسکتا ہوں..... اور اس کے لیے مجھے آپ کی اجازت کی بھی ضرورت نہیں ہے۔ یہ میری ہی شرافت ہے کہ میں آپ کو آپ کی اجازت کے بغیر.....“ اس نے بات ادھوری چھوڑی..... اور ایک جھٹکے سے اس کی کلائی چھوڑ کر اسے خود سے دور کرتے ہوئے مزید کہا۔

”آئندہ مجھے غلطی سے بھی یہ وارننگ مت دیجیے گا کہ میں آپ کے قریب نہ آؤں، آپ کو ہاتھ نہ لگاؤں کیونکہ اس کے لیے مجھے آپ کی اجازت کی ضرورت نہیں۔“ مناب اپنی کلائی سہلاتے ہوئے واش روم میں گھس گئی۔ مناب نے اس کا یہ جارحانہ روپ پہلی بار دیکھا تھا۔ وہ اندر سے خوفزدہ ہو گئی تھی۔ وہ اس پر شروع ہی سے رعب جھاڑتی آئی تھی لیکن اب بات دوسری تھی وہ یہ بھول رہی تھی کہ اب وہ اس کا شوہر ہے۔

جان بوجھ کر واش میں زیادہ دیر لگا کر جب کمرے میں آئی تب تک وہ بازو آنکھوں پر رکھے بیڈ پر لیٹ چکا تھا..... وہ چند لمحے اسے دیکھتی رہی اور پھر دوسری سائڈ سے اپنا تکیہ اٹھا کر کمرے سے نکل گئی..... پہلی بار اس نے اقصم کو اس قدر جارحانہ روپ میں دیکھا تھا جیسے وہ کچھ بھی کر گزرے گا۔

آخری قسط انشاء اللہ اگلے ماہ

## اوپن میرٹھ

فسر ح ط ا ہ ر ت س ر ی ش

نوٹس اور کتابوں کے بے ترتیب ڈھیر کے بیچ  
کتاب میں سر دیے اپنے اطراف سے بالکل بے خبر  
بیٹھی وہ بڑی شد و مد سے صفحے پر بکھرے لفظوں پر نظر  
جمائے ملتے ہونٹوں کے ساتھ سوال یاد کرنے کی کوشش  
میں بلکان ہو رہی تھی..... جب صالحہ بیگم نمازِ فجر کی  
ادائیگی کے بعد اسے جگانے کی نیت سے اس کے  
کمرے میں داخل ہوئیں تو اسے اس طرح کتاب پر  
جھکے دیکھ کر مسکراتی ہوئی اس کی طرف بڑھیں۔



”جانتی ہوں مگر اس کے باوجود بھی میں یہ چاہتی ہوں کہ تم اس وقت تھوڑی سی نیند لے لو.....“ یہ کہنے کے ساتھ اس بار انہوں نے ہاتھ بڑھا کر اس کے ارد گرد سجے نوٹس اور کتابوں کے ڈھیر کو سمیٹ کر اس کے قریب آتے ہوئے اسے کندھوں سے پکڑ کر بیڈ پر لٹا دیا تھا۔

”خدا جانے کہاں سے یہ جاب کا بھوت تم پر سوار ہو گیا ہے..... جس کی وجہ سے ہر وقت پڑھ، پڑھ کر خود کو تھکا کر رہتی ہو۔“ وہ ان کی اکلوتی اولاد تھی اور انہیں حد درجہ عزیز بھی..... اس لیے وہ ہرگز نہیں چاہتی تھیں کہ وہ اس طرح خود کو مشقت میں ڈالے..... مگر اسے تو جیسے جنون ہو چلا تھا۔ اس لیے دن رات کافرق مٹائے ہر وقت پڑھائی میں جتی رہتی۔

”امی!“ اس نے ہلکے سے احتجاج کے ساتھ اٹھنا چاہا تھا مگر انہوں نے ایک سخت سی گھوری کے ساتھ اسے واپس لٹایا۔

”کہا ناں تھوڑی سی نیند لے لو.....“ ذرا سا جھک کر انہوں نے کمبل کی تہ کھول کر اس کے اوپر پھیلا دیا..... کمبل کی گرامہٹ نے منٹوں میں اسے اپنے حصار میں لیا تھا..... نیند تو پہلے ہی کب سے پلکوں کی باڑ پر اٹکی تھی..... اب جو گرم بستر کا سکون ملا تو اس کی آنکھیں بند ہونے لگیں..... اس نے تیز، تیز آنکھیں جھپک کر نیند کو جھٹانے کی کوشش کی مگر اس سے نیند کی دیوی نے اس قدر منہ زوری کی کہ وہ مل میں نیند کی واوی میں اتر کر بے خبر ہو گئی..... صالحہ بیگم نے اسے سوتے دیکھا تو سکون کی سانس لے کر لائٹ آف کرتی کمرے سے نکل آئیں۔

☆☆☆

ایگز امز کے تقریباً ہفتہ بھر بعد سے سیکنڈ سمسٹر کی کلاسز اشارت ہوئی تھیں..... فرسٹ ڈے ہونے کی وجہ سے آج اسٹوڈنٹس کی تعداد بہت کم تھی..... اسی وجہ سے کوئی لیکچر بھی پروپر طریقے سے نہیں ہو پارہا تھا..... پروفیسرز کلاس میں آتے ان کے پیپرز کو ڈسکس کرتے اور اسٹوڈنٹس کی غیر حاضری کی وجہ سے لیکچر کے لیے

”میں تمہیں جھٹانے آئی تھی مگر تم تو پہلے سے ہی جاگ چکی ہو.....“ اس کے قریب بیٹھتے ہوئے انہوں نے پیار سے اس کی طرف دیکھا۔

”میں سوئی کب ہوں امی! جو مجھے جاگنے کی ضرورت پڑتی؟“ اُن کی بات سن کر ذرا دیر کو جھکے سر کو اٹھا کر اس نے ان کی بات کا جواب دیتے ہوئے ان کی طرف دیکھا..... جو اس کی بات سن کر حیران ہونے کے ساتھ، ساتھ اس کے لیے متفکر بھی ہوئی تھیں۔

”کیا تم رات سے پڑھ رہی ہو..... مطلب تھوڑا سا بھی نہیں سوئیں؟“ انہوں نے فکر میں ڈوبی نظروں سے استفہامیہ اس کی طرف دیکھا۔

”جی.....“ اس نے مختصر جواب دے کر دوبارہ نظریں کتاب کی طرف مرکوز کر دیں۔

”علیٰ زے! ابھی تمہارے پیپر میں دو دن باقی تو ہیں..... پھر کیوں اتنا اسٹریس لے رہی ہو؟“

”یہی سوچ کر اگر ریلیکس ہوتی رہی تو میں کبھی اچھی تیاری نہیں کر سکوں گی امی.....“

”اب میں تمہیں اتنا بھی ریلیکس ہونے کو نہیں کہہ رہی کہ پیپر کی تیاری ہی ڈسٹرب ہو جائے..... میں بس یہ چاہتی ہوں کہ تم تھوڑی سی نیند لے لو تا کہ نیند کے بعد فریش ہو کر مزید اچھی طرح تیاری کر سکو.....“

”بس ایک آخری پیپر ہی تو رہتا ہے اس کے بعد جی بھر کر آرام کر لوں گی ناں.....“

”ہاں، میں جانتی ہوں کتنا آرام کرو گی تم..... پیپرز کے اختتام کے اگلے روز سے ہی تم سیکنڈ سمسٹر کی تیاریوں میں جت جاؤ گی.....“ وہ اس کے لیے حد درجہ فکر مند تھیں مگر وہ ان کی فکر محسوس کرنے کے باوجود ہنوز اپنی ہی بات پراڑی ہوئی تھی۔

”امی..... اگر تیاری نہیں کرو گی تو پھر اچھا جی پی کیسے حاصل کر سکوں گی..... آپ اچھے سے جانتی ہیں کم جی پی کے ساتھ مجھے کہیں کوئی جاب نہیں ملنے والی۔“ اس بار اس نے ذرا سنجیدہ ہوتے ہوئے ان کو سمجھا کر ان کی فکر کم کرنے کی کوشش کی۔



حضرات نے کہا ہے کہ ہمیشہ دیر کر دیتا ہوں میں ہر ایک کام کرنے میں.....“ فریحہ دانت گلو سے اس کا دل بری طرح جلا گئی تھی۔

”مروتھ، طنز کی مشین.....“ اس نے ذرا سا ہاتھ بڑھا کر اس کے ہاتھ سے اس پیپر کو چھینا جسے وہ ہوا میں لہرا لہرا کر اس کا خون جلا رہی تھی۔ مگر اس سے پہلے کہ وہ اس کاغذ کو توڑ موڑ کر اچھالتی..... تھینہ نے ایک دم تیزی سے ہاتھ بڑھایا۔

”علیزے! ذرا سنبھل کر، اس پیپر کو کچھ مت کرنا.....“ اس نے آگے ہو کر اس کے ہاتھ سے وہ پیپر لینا چاہا تھا۔ مگر علیزے نے ہاتھ بلند کر کے کاغذ کو اس کی دسترس سے دور کیا۔

”کیوں؟ کیا خاص بات ہے اس پیپر میں؟“ وہ تنگ کر بولی۔

”یہ (فلاں) اسکول کی سیٹس کا فارم ہے.....“ اس کے غور کرنے سے پہلے ہی اس نے بتایا تو وہ ایک دم سیدھی ہوتی اس کی طرف مڑی۔

”اسکول کا فارم.....؟ مگر تم اس کا کیا کرو گی.....؟“ اس نے استفہامیہ نظروں سے اس کی طرف دیکھا۔

”فارم اپلائی کرنے کے لیے دیتا ہے.....“ فریحہ نے حسب معمول اپنے انداز میں جواب دیا مگر علیزے کی توجہ اس بار اس کے انداز کی طرف کم اور کاغذ کی طرف زیادہ تھی۔ اس لیے اسے نظر انداز کر گئی۔

”مگر ہم ابھی کیسے اپلائی کر سکتے ہیں ابھی تو ہمارے ماسٹر کافر سٹ ایئر ہے.....“ وہ اسی پر اٹک گئی تھی۔

اس بار یہی تو کمال ہوا ہے ان سیٹس کے لیے کوالیفیکیشن ڈیمانڈ صرف نی ایس سی ہے۔“ ثمرین نے کہا تو وہ خوشگوار حیرت میں گھر گئی۔

”ارے واہ..... یہ تو گڈ نیوز سنائی تم نے..... پھر تو ہم سب اپلائی کر سکتے ہیں۔“ علیزے نے فارم کو احتیاط سے بک کے نیچے دبایا۔

”ہاں..... اور اس سے بھی زیادہ گڈ نیوز یہ ہے

ٹیکٹ ڈے کا کہہ کر چلے جاتے..... باقی بچے تو اب خود بھی اپنے آنے پر پچھتاتے لگے تھے..... اسی لیے منہ لٹکائے فائل اور بیگ سنبھالے وہ کلاس روم سے باہر آئے..... ان کا ارادہ کینٹین کی طرف جانے کا تھا جب سست روی سے چلتے ہوئے علیزے کو ایک دم ہی کچھ یاد آیا..... تو وہ اپنی فرینڈز کی طرف مڑی۔

”مجھے لائبریری سے ایک بک ایٹو کروانی ہے..... تم لوگ کینٹین چل کر کچھ آرڈر کرو..... بس میں بک لے کر آتی ہوں۔“ کندھے سے پھلتے بک کو پھر سے کندھے پر چڑھاتے ہوئے اس نے انہیں کہا اور تیزی سے لائبریری کی طرف بڑھ گئی..... جبکہ اس کی فرینڈز نے کینٹین کی طرف قدم بڑھا دیے..... پھر جس وقت علیزے بک لے کر لوٹی تو انہیں کولڈ ڈرنک اور برگر سامنے رکھے اپنا منتظر پایا۔

”سوری، میں تھوڑا لیٹ ہو گئی.....“ بیگ اور فائل ٹیبل پر ایک طرف رکھتے ہوئے اس نے اپنے لیٹ ہو جانے پر ایکسکوز کیا۔

”یہ تو تمہاری پرانی عادت ہے، پانچ منٹ کا کہہ کر جاتی ہو اور آدھا آدھا گھنٹا غائب رہنے کے بعد آ کر معصوم سی شکل بنا کر سوری کرنے لگتی ہو۔ اس لیے اب یہ بات چھوڑ دو اور کوئی نئی بات کرو.....“ فریحہ نے ہاتھ میں پکڑے پیپر کو ہوا میں لہراتے ہوئے ناک پر بیٹھی مکھی کی طرح اس کی سوری کو ہوا میں اڑایا۔ اس کے انداز پر جہاں باقی سب کی ہنسی چھوٹی وہاں علیزے کی ناک چڑھ گئی۔

”شرم تو نہیں آرہی ناں تمہیں اس طرح دوست ہو کر دشمنوں کی طرح طنز کرتے ہوئے بالکل تمہارے ہی جیسے لوگوں کے لیے بڑے بوڑھے، دوست نما دشمن..... جیسے محاورے بول گئے ہیں۔“ اس نے جوانی وار کر کے جیسے اس سے بدلہ لیا تھا مگر وہ فریحہ ہی کیا جو کسی کی بات پر کان دھر لے اس لیے وہ نیوز اسی انداز میں مسکراتی رہی۔

”ہاں اور تمہارے جیسے لوگوں کے لیے شاعر

ذہن سے بالکل ہی محو ہو گئی..... پھر جب وہ لوٹی تو انٹرویو کو گزرے دو دن بیت چکے تھے۔

لوٹنے کے بعد جب اسے خبر ملی تو وہ بری طرح افسوس میں گھر گئی۔

”کیا ہوتا جو اگر تم میں سے کوئی ایک مجھے فون کر کے یاد کر دیتا.....“ افسوس کی حالت میں اسے اور کچھ نہ سوچھا تو وہ اپنی دوستوں پر ہی چڑھ دوڑی۔

”فون تو ہم تمہیں اس صورت میں کرتے ناں جب ہمیں معلوم ہوتا کہ تم اتنی اہم بات بھول گئی ہو۔“ ثمرین نے اپنی طرف سے صفائی پیش کرنے کی کوشش کی تو وہ لب بھینچ کر رہ گئی۔ اس کو اس طرح مسلسل افسوس میں ڈوبا دیکھ کر فریجہ نے اسے مشورہ دیتے ہوئے کہا۔

”اب اس طرح افسوس کرتے رہنے سے کیا ملے گا۔“ فریجہ کو اس کی اس حالت پر افسوس ہوا۔

”اس سے تو بہتر ہے کہ تم ایک بار خود ہی ای ڈی او (EDO) آفس جا کر بات کرو، کیا معلوم کوئی راستہ نکل آئے.....“ اس کی بات میں دم تھا۔

علیزے کی ٹوٹی آس نے ہلکی سی سانس لے کر جڑی رہنے کی کوشش کی تھی..... اس لیے وہ اگلے دن یونیورسٹی سے چھٹی کر کے اپنی امی کے ہمراہ EDO کے آفس کے لیے نکلی تھی..... اس طرح کی کسی بھی جگہ پر آنے کا یہ اس کا پہلا تجربہ تھا اس لیے کیفیت ہوتے ہوئے وہ اس بڑی سی عمارت میں داخل ہوئی جس کے بیرونی گیٹ پر EDO آفس کے نام کا بڑا سا سائین بورڈ آویزاں تھا..... گیٹ سے اندر داخل ہونے کے بعد وہ نہیں جانتی تھی کہ اب اسے کس طرف جانا چاہیے..... اس لیے ایک طرف کھڑے شخص سے آفس کا معلوم کرتے ہوئے اسی طرف بڑھی..... مگر جب وہ آفس کے دروازے پر پہنچی تو ایک بار پھر مایوسی کا سامنا کرنا پڑا تھا کیونکہ EDO صاحب سیٹ پر موجود نہیں تھے۔ یہ بات ان کے سیکرٹری نے بتائی۔ منہ لٹکائے اس نے اپنی ماں کی طرف دیکھا جو پہلے سے ہی اس کی

کہ اس بار کسی قسم کی کوئی دھاندلی نہیں ہوگی سب کچھ اوپن میرٹ پر ہوگا۔“

فریجہ کی اس بات نے تو اسے مزید خوش کر دیا تھا..... اس سے ان سب کے چہروں پر امید بھری چمک دار..... خوشی بڑی واضح تھی۔

”مجھے بھی اس فارم کی ایک کاپی دینا.....“ علیزے نے فریجہ سے کہا۔

”یہ کاپی تم ہی رکھو میرے پاس گھر میں دوسری کاپی موجود ہے۔“ فریجہ نے سخاوت کا مظاہرہ کرتے ہوئے فارم اس کی ملکیت میں دیا تو وہ شکر یہ کہہ کر فارم کو تہ کے بیگ میں رکھنے لگی۔

”دوستی میں کوئی ٹھینکس و پیٹکس نہیں چلتا..... اس لیے تکلف چھوڑو اور اب اس بوتل اور برگر کو بھی توجہ سے نواز دو ورنہ بیچارے یونہی پڑے، پڑے مزید باسی ہو جائیں گے.....“ اس کے احساس دلانے پر ان سب نے مسکراتے ہوئے کولڈ ڈرنک کی طرف ہاتھ بڑھایا تھا۔

☆☆☆

لاسٹ ڈیٹ سے دو روز قبل فارم جمع کروانے کے بعد اب انہیں انٹرویو کے دن کا انتظار تھا جو ایک مہینے بعد ہونا تھا..... فرسٹ ٹائم کسی سیٹ کے لیے اپلائی کر کے وہ بہت زیادہ ایکسائٹڈ تھیں ہی ساتھ ہی پُر امید بھی کہ بی ایس سی ان سیکنڈ ڈویژن ڈیمانڈ پر ان کا سلیکشن آسانی سے ہو جائے گا۔

ایک کے بعد ایک دن گزرنے لگے۔ تو ان کی مصروفیت میں جیسے، جیسے اضافہ ہونے لگا تو انٹرویو کے شوق میں ٹھہراؤ آ گیا..... اب بھی پہلے کی طرح انہیں انٹرویو کے دن کا انتظار تو تھا مگر وہ اتنا دلہ پن اب نہیں رہا تھا..... لیکن ان میں علیزے نے جو سب سے زیادہ ایکسائٹڈ تھی..... یونیورسٹی میں کسی وجہ سے اسٹرائیک کے باعث اچانک چھٹیاں ہو جانے کی وجہ سے وہ اپنی امی، ابو کے ساتھ پنڈی میں میٹیم اپنے تایا کے گھر چلی گئی..... جہاں جا کر انٹرویو کی ڈیٹ اس کے

ماہنامہ پاکیزہ 180 ستمبر 2016ء

تج میں اس کا نام ڈھونڈ رہا تھا۔ اس کا نام ملنے پر پین سے نکل گیا پھر اس کی طرف متوجہ ہوا۔

”جی! کہاں سے آئی ہیں آپ؟“ اس کا سوال انتہائی بے ٹکا تھا..... اس نے سر اٹھا کر حیرت سے اس شخص کی طرف جو انتہائی سنجیدگی سے اسی کی طرف متوجہ تھا۔

”صدر سے.....“ سوال عجیب لگنے کے باوجود بھی اس نے جواب دے دیا تھا۔

”دعائے قنوت سنائیں.....“ اب کی بار شاید فرمائش ہوئی تھی جو اسے پہلے سے کہیں زیادہ عجیب محسوس ہوئی تھی۔ وہ سائنس سیٹ پر انٹرویو دینے آئی تھی اور وہ شخص اس سے اس طرح کے سوالات کر رہا تھا۔ وہ بالکل چپ بیٹھی تھی جب اس طرف سے سوال ہوا تھا۔

”کیا دعائے قنوت نہیں آتی؟“

”جی آتی ہے.....“ ہلکی سی آواز میں جواب دیتے ہوئے اس بار اس نے بغور اس شخص کی طرف دیکھا جس کے چہرے پر بھی داڑھی اس کی شخصیت کے

وقار کو بڑھا رہی تھی..... تو دوسری طرف اس کے چہرے پر بھی سنجیدگی اس کے رعب میں اضافہ کر رہی تھی۔ اس نے ہلکی سی سانس خارج کی اور ذہن میں آئی سوچوں کو جھٹک کر وہی آواز میں دعائے قنوت

سنادی..... جب وہ سنا چکی تو اس نے وہ تج (صفحہ) قائل سمیت اس کے سامنے کرتے ہوئے اسے وہاں دستخط کرنے کو کہا..... پھر جب وہ دستخط کر چکی تو اس نے قائل کو بند کر کے ایک طرف رکھ دیا..... وہ منتظر تھی کہ وہ

اس کے اور بیجنل ڈاکومنٹس چیک کرے گا مگر دوسری طرف سے اس سے ڈاکومنٹس کا مطالبہ نہیں ہوا تھا۔

اسے حیرانی ہوئی تھی، وہ سمجھ نہیں پا رہی تھی کہ آخر یہ کس طرح کا انٹرویو لیا گیا تھا جس میں نہ تو اس کے سبکیٹ کے متعلق سوال ہوا تھا..... نہ ہی اس کے ڈاکومنٹس

چیک کر کے یہ جاننے کی کوشش کی گئی تھی کہ آیا وہ واقعی ریکل کینڈیڈیٹ ہے بھی یا کوئی دوسرا کسی کی جگہ یہ

انٹرویو دینے آیا تھا..... حیران ہوتی وہ کرسی پیچھے دھکیل

طرف متوجہ تھیں۔

”مائیوس نہیں ہوتے بیٹا..... جب خدا نے یہاں تک کا سفر کروایا ہے تو وہ آگے بھی ہماری مدد کرے گا.....“ انہوں نے اس کا حوصلہ بڑھانے کی سعی کی۔

”تو پھر اب کیا کریں امی.....“ اس نے استفہامیہ نظروں سے اُن کی طرف دیکھا تو انہوں نے چند بل کے لیے کچھ سوچا پھر اسے ساتھ لیے..... دوسرے کاؤنٹر پر براجمان شخص کی طرف

بڑھیں..... پھر جب انہوں نے اس سے انٹرویو کے متعلق بات کی تو وہ انہیں اپنے ہمراہ لیے کارڈور سے

گزر کر ایک بڑے اور کھلے کمرے میں لے آیا..... یہ شاید کلرک روم تھا..... جہاں ہر کوئی سر جھکائے اپنے سامنے پڑی قائل میں کام کرنے میں مصروف تھا۔ اس شخص نے رک کر ایک نظر وہاں موجود سبھی افراد کو دیکھا

پھر انہیں لیے ایک طرف کو بڑھا..... اور چند قدم چل کر دائیں طرف موجود دوسری ٹیبل پر موجود شخص کے قریب پہنچ گیا۔

”بھئی صاحب! جن سیٹس کے لیے انٹرویو کی ڈیٹ میں دودن کی توسیع کا اعلان ہوا ہے، یہ انہیں سیٹ کی ایک کینڈیڈیٹ ہیں..... ان کا انٹرویو لے لیں.....“

اس کی بات سن کر علیزبے نے فوراً اپنی امی کی طرف دیکھ کر سکون کی سانس لی۔ انٹرویو کی ڈیٹ بڑھ جانے کا سن کر اسے بے تحاشا خوشی ہوئی تھی..... اسی لیے اس کی ڈوبتی ابھرتی امید کو فوراً یقین کا کنارہ ملا تھا..... اس نے سوچا تھا کہ اللہ اس کے لیے ہر راستے

میں آسانیاں پیدا کر رہا۔ تو وہ اس کی سلیکشن میں بھی یقیناً مدد کرے گا..... ان کو وہاں چھوڑ کر وہ شخص جا چکا تھا۔ ٹیبل کی اس طرف بیٹھے شخص نے اسے چیئر کی طرف اشارہ کرتے ہوئے بیٹھ جانے کو کہا تو وہ اپنی

ڈاکومنٹس قائل کو سنبھالتی بیٹھ گئی تھی..... اسے بیٹھے دیکھ کر صالحہ بیگم بھی ایک طرف پڑے بیچ پر جا بیٹھیں..... ماں کو بیٹھے دیکھ کر مطمئن انداز میں وہ اب

سامنے بیٹھے شخص کی طرف متوجہ ہوئی جو قائل میں لگے

سائے بیٹھے شخص کی طرف متوجہ ہوئی جو قائل میں لگے

ڈال دی تھی..... چدرہ دن گزرنے کے بعد ان کے ایگزامز اشارت ہو گئے..... اس دوران فائل لسٹ لگنے کی نوید ملی..... مگر ان میں سے کوئی بھی لسٹ دیکھنے جانے کے چکر میں اپنا ایک دن ضائع کرنا نہیں چاہتا تھا۔ اس لیے ایک دوسرے کو جانے کے لیے راضی کرنے کی سعی کرتے رہے تب ان میں سے ثمرین جانے کو راضی ہو ہی گئی۔ ثمرین لسٹ دیکھ آئی تھی اور ان کے لیے شاکنگ نیوز یہ تھی کہ ان میں سے کسی کا نام بھی لسٹ میں نہیں آیا تھا۔ ان کی حیرت کسی صورت کم نہیں ہو رہی تھی۔

”ایسے کیسے ہو سکتا ہے، فرسٹ کلاس ڈیڑھ دن کے باوجود ہمارا نام لسٹ میں کیوں نہیں آیا.....؟“ سب سے پہلے علیزے نے اپنی حیرت کو لفظوں کا روپ دیا۔ کیونکہ ساری ایپلنٹ ماسٹر یا ایم فل والوں کو دے دی گئی ہیں۔“ ثمرین نے بڑے مایوس انداز میں اس کی حیرت کا جواب دیا تھا۔

”ارے..... یہ کیا بات ہوئی..... جب یہ سٹیس ساری بی ایس سی لیول کے لیے تھیں تو پھر ماسٹر اور ایم فل والوں کی سلیکشن کیسے ہو گئی.....؟“ اس بار فریحہ نے سوال اٹھایا۔ ثمرین چونکہ خود جا کر تلی کر آئی تھی اس لیے ان کے سوالوں کے جواب دے کر انہیں دلاسا دینے کی کوشش کر رہی تھی۔

”بے شک ان سٹیس کے لیے بی ایس سی ڈیماٹ تھی مگر یہ اس میں کہیں درج نہیں تھا کہ ماسٹر اسٹوڈنٹس اپلائی نہیں کریں..... حق تو ان کا بھی بنا تھا نا..... سو انہوں نے بھی اپلائی کیا.....“

”ہاں تو ان کے اپلائی کرنے پر کس کو اعتراض ہے.....؟ وہ اپلائی کریں مگر کم از کم اپنے لیول کی سیٹ پر اپلائی کریں..... اتنے چھوٹے اسکیل پر اپلائی کر کے تو وہ ہمارے جیسوں کا حق اڑا جائیں گے..... کیونکہ ان کے اپلائی کرنے کی وجہ سے میرٹ اتنا ہائی ہو جائے گا کہ بی ایس سی کی ڈگری رکھنے والا کنڈیڈٹ کبھی اس میرٹ تک رسائی حاصل نہیں

کر سکتی اور جانے کو مڑی مگر پھر کچھ سوچ کر وہ دوبارہ اس شخص کی طرف پلٹی۔

”ایکسکوز می سر.....“

”جی فرمائیں.....“ وہ جو رجسٹر کھولنے میں مصروف تھا۔ اس کی پکار پر فوراً اس کی طرف متوجہ ہوا۔

”کیا آپ مجھے آگے کے پروسیجر کے متعلق کچھ بتا سکتے ہیں.....؟ میرا مطلب ہے کہ اب آگے کیا ہوگا ہمیں ہماری سلیکشن کا کیسے پتا لگے گا.....؟“

”بی بی! ابھی سے آپ کہاں سلیکشن تک چلی گئی ہیں.....؟ ابھی تو میرٹ لسٹ لگے گی پھر اس کے بعد تین چار لٹیں مزید لگیں گی تب کہیں جا کر سلیکشن کا پروسیجر عمل میں آئے گا.....“ اس کا انداز اسے ہلکا سا مذاق اڑاتا ہوا محسوس ہوا تھا۔ اس لیے لب پہنچتی مزید کچھ پوچھے بنا وہ جانے کو پلٹی ہی تھی کہ اس شخص نے خود اسے پکارا۔

”آپ نے لگتا ہے پہلی مرتبہ اپلائی کیا ہے اس لیے کچھ نہیں جانتیں..... یہ میرا نمبر ہے اگر مزید کچھ جاننا ہو یا کوئی پرابلم ہو تو آپ اس نمبر پر کال کر کے مجھ سے رابطہ کر سکتی ہیں۔“ چٹ پرفون نمبر لکھ کر اس نے وہ چٹ اس کی طرف بڑھائی جسے اس نے ہاتھ بڑھا کر تھاما اور اپنی امی کے ساتھ اس کمرے سے نکل گئی۔

☆☆☆

اس شخص نے ٹھیک کہا تھا سلیکشن لسٹ سے پہلے بہت سی دوسری لٹیں لگتی تھیں۔ پچیس دن کے وقفوں کے ساتھ اب تک تین لٹیں لگ چکی تھیں۔ اس کے باوجود ابھی تک فائل لسٹ کے متعلق کوئی خبر سننے میں نہیں آرہی تھی..... گزرتے وقت نے ان کے شوق میں ٹھہراؤ پیدا کر دیا تھا..... سلیکشن کا انتظار تو انہیں اب بھی تھا مگر اب پہلے سا وہ جنون باقی نہیں رہا تھا..... چونکہ ڈٹرم کے ایگزامز کے لیے ڈیٹ فائل ہونے ہی والی تھی اس لیے وہ سب کچھ بھول بھال کر ایک دفعہ پھر اپنے پیپرز کی تیاری میں مصروف ہو گئیں۔ فائل لسٹ کا جو انتظار تھا پیپرز کی ٹینشن نے اب اس پر بھی ہلکی سی گرد



### دلہن مہرین ویسے کی تقریب میں

تک صرف دولہا ہی لگی تھیں۔ فائنل لسٹ گلنے سے پہلے ہی یہ سننے میں آ رہا تھا کہ ان سیٹوں پر بین لگ جائے گا..... علیزے تک جب یہ خبر پہنچی تو پریشانی کے عالم میں اپنی امی سے مشورے کے بعد اس نے اس شخص کو کال کی جس نے پچھلی بار انٹرویو کے موقع پر اسے اپنا نمبر دیا تھا..... سلام دعا کے بعد جان پہچان کے مراحل طے کر کے اس نے اس شخص سے اس خبر کی تصدیق چاہی تو وہ جواباً کچھ یوں بولا۔

”ہاں جی سائی میں تو میرے بھی یہی کچھ آیا ہے۔“  
 ”اوہ.....! تو پھر اب کیا ہوگا.....؟“ پریشانی کے عالم میں وہ بے ساختہ بولی۔

”آپ پریشان مت ہوں۔“ اس نے دلاسا دیتے ہوئے مزید کہا۔ ”اگر آپ چاہیں گی تو میں آپ

کر سکے گا۔“ علیزے نے ناک چڑھا کر تیز لہجے میں کہا تو ثمرین نے ہاتھ کے اشارے سے اسے ٹھنڈا کرنے کی کوشش کی۔

”اتنا ہائپر مت ہو علیزے..... ٹھنڈے دماغ سے سوچو تو اس میں ان بیچاروں کا تو کوئی قصور نہیں..... وہ چھوٹے اسکیل پر اپلائی کرنے کے لیے مجبور ہیں کیونکہ ان کے لیول اسکیل پر بھی تو پی ایچ ڈی کی ڈگری یافتہ اپلائی کر کے کا ان کا حق اڑا رہے ہیں اور تم اچھے سے جانتی ہو ہمارے ملک میں تو کھانے کا رواج کس قدر عام ہے مگر اس بار یہ سوچ کر تسلی ملتی ہے کہ سب کچھ اوپن میرٹ پر ہو رہا ہے دھاندلی کا کوئی امکان نہیں ہے۔ اس لیے غصہ اور ناراضی چھوڑ کر ہم اپنے ناسک پر فوکس کرتے ہیں کیونکہ ہمارا ماسٹر بس کچھ ہی عرصے بعد مکمل ہو جائے گا پھر ہمیں بھی ڈگری مل جائے گی۔ جس کی بدولت ہماری سلیکشن میں بھی آسانی ہو جائے گی.....“ خوش آئند سپنوں کا خوب صورت دلاسا دے کر اس نے ان سب کے افسوس کو کم کرنے کی سعی کی تھی اور اپنی اس کوشش میں وہ خاصی حد تک کامیاب بھی رہی تھی..... تمام بری سوچوں کو دماغ سے جھٹک کر وہ پیمپرز کی تیاری میں لگ گئی تھیں۔

☆☆☆

مڈرم کے بعد ان کے فائنل ایگزام بھی ہو گئے..... اب بس انہیں رزلٹ کا انتظار تھا مگر رزلٹ سے پہلے NTS کے اس ٹیسٹ کی ڈیٹ آگئی جس کو کلیئر کرنے کے بعد ہی وہ جاب کے لیے اپلائی کر سکتی تھیں..... یونیورسٹی کے بعد بھی وہ سب آپس میں رابطے میں تھیں..... اس لیے باہمی مشورے کے بعد انہوں نے NTS کے لیے فارم جمع کروا دیا..... ٹیسٹ اچھا ہوا تھا۔ اس لیے ان سب نے اچھے نمبروں سے ٹیسٹ کلیئر کر لیا تھا۔ جیسے ہی ان کا رزلٹ آؤٹ ہوا اس کے کچھ ہفتوں بعد ہی سٹیٹس کی اناؤنٹمنٹ بھی ہو گئی۔ پہلے سے کہیں زیادہ امید و یقین کے ساتھ ایک بار پھر انہوں نے اپلائی کر دیا..... سلیکشن لسٹ سے پہلے ابھی

”ہاں..... اور آج انٹرویو پوچھنے کے ساتھ یہاں آئی ہوں.....“ اس کو سو والٹ کا جھٹکا لگا کہ اس کی کیفیت سے بے خبر وہ اس سے سوال کر رہی تھی۔

”تم بتاؤ تم کیا کر رہی ہو؟ اسٹڈی ابھی تک جاری رکھی ہوئی ہے یا چھوڑ دی؟“ سوال کر کے علیز سے کا جواب سننے سے پہلے وہ اپنی ایک کولیگ کی پکار پر اس سے بعد میں ملنے کا کہہ کر آگے بڑھ گئی جبکہ وہ حیرت میں گھری ابھی تک اسی سوچ پر انگی تھی کہ سیکنڈ ڈویژن ہونے کے باوجود نتاشا کی جاب کیسے ہوگئی.....؟ اس کے سوال کا جواب بڑا سیدھا اور واضح ہو سکتا تھا۔ مگر اوپن میرٹ کا بڑا سائن بورڈ اس کی سوچ کو کسی دوسری طرف جانے نہیں دے رہا تھا۔ ورنہ نتاشا کے ابو کا آفیسر ہونا ہی اس کے سوال کا جواب تھا۔

مزید آدھے گھنٹے کے انتظار کے بعد جب بھٹی صاحب نے گیٹ سے اندر قدم رکھا تو وہ لپک کر ان کی طرف بڑھی۔

”سر، آپ اس قدر لیٹ آئے ہیں؟ انٹرویو کب سے شروع ہو چکا ہے۔“ وہ کافی اچھی ہونے کے ساتھ، ساتھ اب پریشان بھی تھی۔

”بی ریلیس، آپ کو پریشان ہونے کی ضرورت نہیں..... آپ کا انٹرویو ہو جائے گا۔“ ایک ہاتھ میں ہیلمٹ سنبھالے دوسرے ہاتھ سے سیل فون چیک کرتے ہوئے انہوں نے بنا اس کی طرف دیکھے اسے تسلی دی تھی۔

”مگر سر؟“ وہ کچھ کہنا چاہتی تھی مگر اس سے پہلے وہ بول اٹھے۔

”آپ چلیں! سب سے پہلے آپ کا ہی انٹرویو کروا دیتے ہیں.....“ بھٹی صاحب نے آگے کی طرف قدم بڑھائے تو وہ بھی چپ چاپ ان کے پیچھے چل پڑی..... صالحہ بیگم اس کے ہمراہ تھیں۔ سامنے بڑے سے کارڈور کو پار کرنے کے بعد دائیں طرف بنے ایک بڑے سے روم کے باہر بھٹی صاحب کے قدم رکھے تو وہ دونوں بھی اپنی جگہ ٹھہر گئیں۔

کی مدد کروں گا.....“ اس کی آفر پر وہ ایک پل کے لیے چپ ہو کر کچھ سمجھنے کی کوشش کرنے لگی مگر جب پوری طرح سمجھ نہ سکی تو وہ پوچھ بیٹھی۔

”آپ میری مدد کس طرح کر سکتے ہیں.....“ اس نے پوچھا تو دوسری طرف سے اس نے فوراً اپنا پلان اس کے گوش گزار کر دیا تھا۔

”جس دن آپ کا انٹرویو ہوا، مجھے ایک میج کر کے بتا دینا میں انٹرویو سینٹر پہنچ جاؤں گا.....“ اس کا پروگرام سن کر علیز کے من میں ایک دم بہت سے سوالوں نے سر اٹھایا تھا۔ سوالوں کو جھٹک کر اس نے آم کھا کر پیڑ نہ گننے کا فیصلہ کرتے ہوئے خود کو مطمئن کرنے کی کوشش کی تھی۔

☆☆☆

انٹرویو سے ایک دن پہلے اس نے بھٹی صاحب کو میج کر کے اپنے انٹرویو کے متعلق تمام ضروری معلومات سینڈ کی تھیں..... پھر انٹرویو کے دن اپنی امی کے ہمراہ انٹرویو سینٹر پہنچ کر وہ بھٹی صاحب کے انتظار میں گیٹ سے ذرا فاصلے پر کھڑی ہوگئی اس دوران اس کی نظر اپنی ایک کالج فیلو پر پڑی..... تو وہ تیز، تیز قدم اٹھاتی اس کے قریب آئی۔

”ہیلو نتاشا.....“ اس کی پکار پر اس نے پلٹ کر اس کی طرف دیکھا تو شناسائی کے تاثرات فوراً اس کے چہرے سے جھلکے..... جو اس بات کا ثبوت تھے کہ وہ اسے پہچان گئی ہے۔ اس نے بھی علیز سے جواب میں خیر خیریت پوچھی۔

”ارے نتاشا بی ایس سی کے بعد تو تم کہیں نظر ہی نہیں آئیں۔ کہیں شادی تو نہیں کرا لی.....؟“ وہ شوخی بھرے انداز میں اسے چھیڑنے لگی۔

”نہیں ابھی شادی تو نہیں ہوئی بی ایس سی کے بعد جاب ہوگئی تھی اس لیے جاب میں اتنا بزی ہوئی کہ نہ تو مزید پڑھ سکی نہ کسی سے رابطہ کر سکی۔“ مسکرا کر اس کی بات سنتی علیز سے بری طرح چوکی تھی۔

”تمہاری جاب ہوگئی؟“

بڑھادی..... جنہوں نے باری، باری سارے....  
ڈاکومنٹس چیک کرنے کے بعد اسے واپس کیے اور اس سے  
دستخط کروا کر انٹرویو کی فارمیٹی کو پورا کر دیا..... اس  
سارے پروجر سے فراغت کے بعد وہ مجبوراً ہی سہی مگر  
بھٹی صاحب کے ہمراہ باہر آئی تھی۔ جہاں اپنی ماں کو  
دیکھتے ہی وہ فوراً ان کے برابر آگئی تھی۔

”اچھا جی آپ کا کام ہو گیا..... اب میں چلتا  
ہوں۔ پھر کسی ہیلپ کی ضرورت ہو تو بتائیے  
گا۔“ رسٹ و ایج میں ٹائم دیکھتے ہوئے انہوں نے کہا  
اور وہ انہیں وہیں چھوڑے آگے بڑھ گئے تھے۔

☆☆☆

اللہ تعالیٰ نے عورت کو جن سات حسوں سے نوازا  
ان میں سے ایک حس ایسی بھی ہے جو کچھ غلط ہونے کا  
احساس عورت کے دل میں ڈال کر اسے محتاط کر دیتی  
ہے۔ علیزے کے دل میں بھی عجیب سے احساس نے  
سر تو اٹھایا تھا مگر وہ اپنے اس احساس کو پوری طرح سمجھ  
نہیں پار ہی تھی۔ انٹرویو دینے پندرہ روز گزر چکے تھے،  
اب کچھ دنوں تک سلیکشن لسٹ بھی لگ جانی تھی.....  
جیسے، جیسے دن گزر رہے تھے اس کی فکر میں اضافہ ہوتا  
جا رہا تھا..... ایک طرف جہاں آس و نراس کی سی  
کیفیت تھی وہیں دوسری طرف بھٹی صاحب کی مدد سے  
سب سے پہلے وہ بے گئے انٹرویو کے متعلق سوچ کر اپنی  
ڈر، ڈر کر سانس لیتی امید کو سلامت رکھنے کی سعی  
کرتی..... اس لیے جب فائنل لسٹ آتے ہیں دو دن  
باقی رہ گئے تو اس نے بھٹی صاحب کو فون کر دیا۔

دوسری طرف پہلی ہی ٹیل پر اس کی کال پک  
کر لی گئی تھی۔

”السلام علیکم سر! میں علیزے بات کر رہی  
ہوں.....“ وہی سی آواز میں اس نے اپنا تعارف پیش  
کیا تھا۔

”ہاں جی پہچان گیا ہوں..... کہیے آج کیسے یاد  
کر لیا.....؟“ ان کے انداز میں ہلکی سی طنز کی آمیزش  
نمایاں تھی۔

”دومنٹ آپ یہاں رکھیں میں ابھی آتا  
ہوں.....“ انہیں انتظار کا کہہ کر وہ اس روم میں داخل  
ہو گئے..... اس بار انہیں زیادہ انتظار کی زحمت اٹھانا  
نہیں پڑی تھی۔ کیونکہ چند سیکنڈ بعد ہی بھٹی صاحب  
مسکراتے ہوئے باہر آتے دکھائی دیے تھے۔

”آپ آجائیں.....“ اس نے کہا تو وہ اپنی.....  
ڈاکومنٹس فائل سنبھالتی ان کے پیچھے ہوئی..... اندر قدم  
رکھتے ہی وہ بری طرح چکرا گئی کیونکہ پورا کرائیوں  
سے کھپا کھپا بھرا تھا۔ کسی قسم کے بھی ڈسپلن کا خیال  
نہیں رکھا جا رہا تھا، وہ ایک دوسرے کو دھکیل کر آگے  
جگہ لینے کی کوشش کرتی لڑکیوں کو دیکھنے میں مگن تھی  
جب بھٹی صاحب کی آواز پر چونک کر وہ ان کی طرف  
متوجہ ہوئی تھی جو اس سے کہہ رہے تھے۔

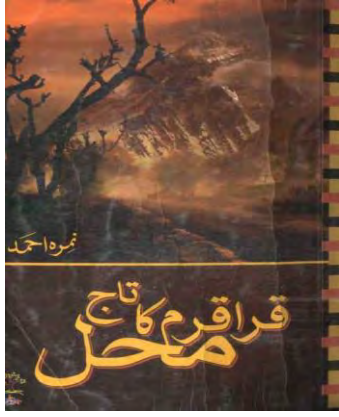
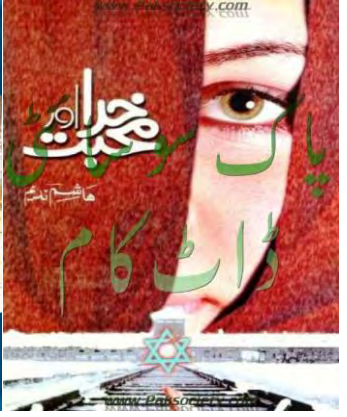
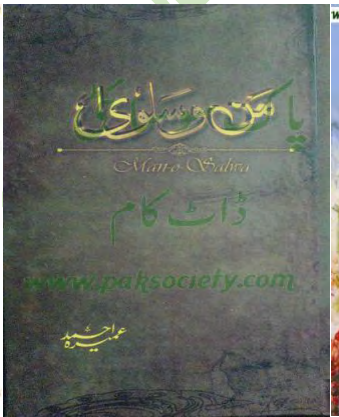
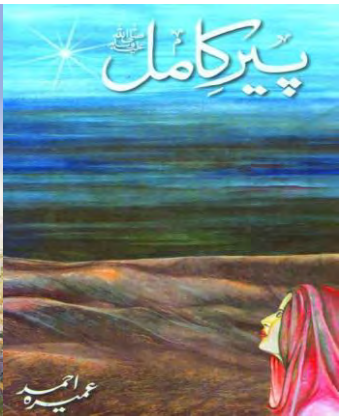
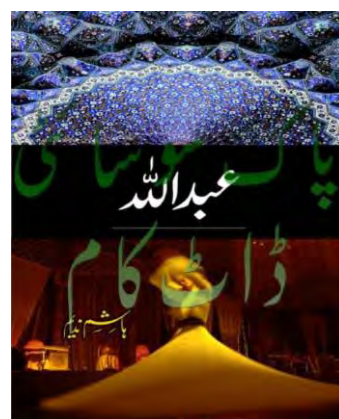
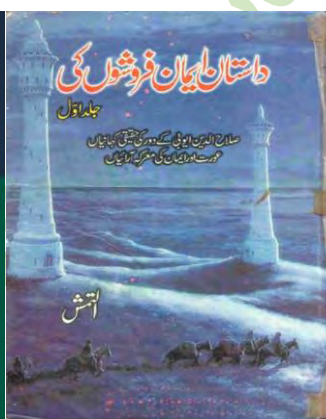
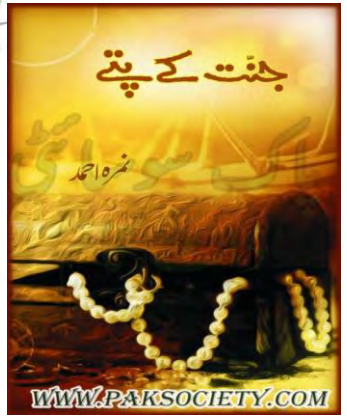
”آپ ادھر آجائیں، پہلے آپ کا انٹرویو  
ہوگا.....“ اسے اپنی طرف متوجہ کرتے ہوئے انہوں  
نے ہاتھ بڑھا کر اس کے بازو کو کچھ کرتے ہوئے اسے  
آگے کرنے کی کوشش کی تو وہ ایک دم خود میں سمٹ کر  
فائل کے گرد اپنے دونوں بازو لپیٹے ہوئے تیزی سے  
آگے ہوئی..... مگر بھٹی صاحب ہنوز اس کے پیچھے  
تھے..... ایک عجیب سے احساس نے اس کے اندر سر  
اٹھایا تھا اس نے پلٹ کر اپنی ماں کو دیکھنے کی کوشش کی  
تھی مگر اتنے رش میں وہ انہیں تلاش نہیں کر سکی تھی۔

”رشید صاحب.....!“ بھٹی صاحب نے  
انٹرویو پینل میں موجود افراد میں سے کسی ایک کو پکارا۔  
”جی بھٹی صاحب.....!“ وہ شخص فوراً ان کی پکار  
پر ان کی طرف متوجہ ہوا تھا۔

”ان کا انٹرویو دلوانا تھا.....“ اس نے مسکرا کر  
علیزے کی طرف اشارہ کیا۔

”ہو جائے گا انٹرویو..... آپ مجھے ان کے....  
ڈاکومنٹس چیک کروائیں.....“ رشید صاحب نے کہا تو وہ  
جو خود اپنی فائل ان کی طرف بڑھانے کو تھی..... مگر اس  
سے پہلے بھٹی صاحب نے بے تکلفی سے خود اس کے  
ہاتھ سے فائل لے کر رشید صاحب کی طرف

پاک سوسائٹی ڈاٹ کام پر موجود آل ٹائم بیسٹ سیلرز:-





اختتام پر وہ ایک بار پھر الجھن میں مبتلا ہوئی تھی۔ نہ جانے کس قسم کا جلیبی ٹائپ انسان تھا وہ.....؟ کبھی سیدھے طریقے سے بات کرتا ہی نہیں تھا۔

”دعا تو میں کرتی ہی ہوں..... باقی دوا کا آپ بتادیں، میں دینے کو تیار ہوں۔“ اس بار اس نے کھل کر بات کی..... اب اتنی سمجھ تو وہ رکھتی ہی تھی کہ ان کی اس بات کا کیا مطلب ہے اس لیے اس بار آسانی سے ان کی بات کی تہ تک پہنچ کر جان گئی کہ وہ ڈھکے چھپے لفظوں میں اس سے رشوت کا مطالبہ کر رہے ہیں۔

”اچھا..... تو پھر ٹھیک ہے پھر کل کا کوئی پروگرام سیٹ کر لیں مل کر کہیں چائے پانی پیتے ہیں.....“ اس سے مطالبہ کرتے ہوئے وہ مزید بولے۔ ”اور لسٹ کی طرف سے بے فکر ہو جائیں..... آپ کا نام لسٹ میں آجائے گا..... اور اگر نہ بھی آیا تو یہ میرا آپ سے وعدہ ہے کہیں نہ کہیں آپ کی جاب کروادوں گا۔“ اس کی رضامندی پا کر وہ کچھ زیادہ ہی پرجوش ہو گئے تھے۔

مگر..... دوسری طرف وہ ان کا مطالبہ سن کر دنگ رہ گئی تھی۔ آخر وہ اس کو کیا سمجھ رہے تھے؟ اس طرح کا مطالبہ کر کے وہ اس سے کیا چاہ رہے تھے؟ بس ایک بل لگا تھا اسے ساری بات سمجھنے میں..... اور جب سب کچھ اس کی سمجھ میں آیا تو ان تمام تر عجیب احساسات کو زبان مل گئی جو اتنے دنوں سے اسے پریشان کر رہے تھے..... کے بعد دیگرے بھٹی صاحب کی ساری باتیں، ان کی حرکتیں، اس کی سمجھ میں آ کر اسے سن کر پی چلی گئیں..... وہ شخص کیا تھا؟ اور وہ اسے کیا سمجھ رہی تھی؟ اس کی باپ کی عمر کے برابر کا وہ باریش شخص اس قدر گھٹیا شخصیت کا مالک بھی ہو سکتا تھا؟ اس کا اعتبار پنکھ لگا کر اڑان بھرتا اس سے دور ہوا تھا۔ اسے یقین نہیں آ رہا تھا کہ تعلیم جیسے مقدس شعبے میں بھی ایسی کالی بھیڑوں نے جنم لے لیا ہے جو اوپن میرٹ کے سائن بورڈ کے پیچھے لوگوں کی مجبور یوں کا فائدہ اٹھا کر من چاہی دھاندلی کر رہے تھے۔

”آپ نے کہا تھا کسی ہیپ کی ضرورت ہو تو آپ سے پہلے رابطہ کر لوں.....“ اس بار پہلے سے کہیں زیادہ دھیما انداز تھا اس کا۔

”ہاں کہا تو تھا..... کیسے اب کیسی ہیپ چاہیے آپ کو.....؟“ لفظوں کو کھینچ کھینچ کر ادا کیا گیا تھا۔

”پرسوں فائل لسٹ لگنی ہے تو اس لیے.....“ ابھی وہ اپنی بات مکمل نہیں کر پائی تھی کہ وہ ایک دم تیزی سے بولے۔

”پرسوں لسٹ لگنی ہے تو..... اس لیے آج آپ کو مجھ سے بات کرنے کا خیال آیا..... ہے ناں.....؟“ اس بار کھل کر طنز کیا گیا تھا۔ وہ بوکھلا سی گئی۔

”نہ۔ نہیں سراسی تو بات نہیں ہے۔“

”ایسی ہی تو بات ہے میڈم..... ورنہ آپ مجھ سے پہلے بھی تو رابطہ کر سکتی تھیں.....“ کس قدر روڈ انداز تھا ان کا..... وہ اپنے کال کرنے کے عمل پر پچھتاتے لگی تھی۔

”میں نے تو یہ سوچ کر آپ کو ڈسٹرب نہیں کیا کہ آپ بڑی ہوتے ہیں، میرا بار، بار کال کرنا آپ کو وقت میں نہ ڈال دے.....“ نہ چاہتے ہوئے بھی وہ وضاحت دے رہی تھی اور شاید یہ اس کی وضاحت کا ہی اثر تھا کہ وہ قدرے نارمل ہو کر بولے۔

”اب ایسی ہی بات نہیں ہے، میں جتنا بھی بڑی ہوں آپ مجھے کال کر کے بات کر سکتی ہیں“ میں ڈسٹرب نہیں ہوں گا.....“ نہ جانے وہ اس سے کیا چاہ رہے تھے۔ وہ بالکل بھی نہیں سمجھ پا رہی تھی کہ آخر وہ اس کو اس طرح، بار، بار کال کرنے پر زور کیوں دے رہے ہیں۔

”او کے سر! میں آئندہ خیال رکھوں گی.....“

اس نے یونہی جان چھڑانے کے سے انداز میں کہتے ہوئے آخر میں ایک بار پھر ہچکچاتے ہوئے یاد دہانی کرائی۔ ”میری سلیکشن تو ہو جائے گی ناں سر.....؟“

”سلیکشن تو ہو ہی جائے گی..... بس آپ دعا کے ساتھ کچھ دوا بھی کریں.....“ ان کی بات کے

ہمیں مارکیٹ میں گھومتے ہوئے بلکہ یہ کہنا زیادہ مناسب ہوگا کہ خوار ہوتے ہوئے یہ چوتھا گھنٹا شروع ہو چکا تھا۔ میرے تو پیر بھی اب دہائیاں دینے لگے تھے۔ جی چاہ رہا تھا فٹ سے رکشا ٹیکسی روکوں اور پٹ سے گھر پہنچ جاؤں۔ مگر میری ساس کا اب بھی کوئی ارادہ نظر نہیں آ رہا تھا گھر واپسی کا..... بلکہ وہ تو اب بھی یوں لپک، لپک کر ہر دکان میں گھس رہی تھیں جیسے ابھی ابھی مارکیٹ میں آئی ہوں۔ خوشی اُن کے چہرے سے پھوٹی پڑ رہی تھی اور ہوتی بھی کیوں نہ ہے آخر بیٹی کو عیدی کے طور پر دینے کے لیے شاپنگ کر رہی تھیں۔

## سہ سہرا کا مان

ہالہ احمد



انہیں خوش کرنے کو تو یہی خیال کافی تھا کہ جب ان کی بیٹی یہ سب چیزیں ان سے وصول کرے گی تو وہ کتنی خوش ہوگی۔ اور ان ہر دو خوشیوں کے چکر میں جو میرا حال ابتر ہوا جا رہا تھا، وہ میں ہی جانتی تھی۔ اب تو بیزاری میرے چہرے سے عیاں ہونے لگی تھی اور بات کرتے ہوئے لہجے میں بھی اترنے لگی تھی۔ خدا، خدا کر کے شاپنگ مکمل ہوئی یا اللہ جانے آنٹی (ساس) خود بھی تھک گئی تھیں۔ بہر حال انہوں نے گھر واپسی کا عندیہ دیا اور میں نے اگلا ایک سیکنڈ بھی ضائع کیے بغیر ٹیکسی کو ہاتھ دے دیا۔

اس وقت سہ پہر کے چارج رہے تھے۔ جب ہم گھر واپس پہنچے میاں جی کے آنے میں تو ابھی وقت تھا۔ لہذا اس وقت گھر میں صرف میں اور آنٹی ہی ہوتے تھے۔ میری صرف ایک نند آئیہ تھی وہ بھی شادی شدہ اور آج کی ساری شاپنگ اس کی عیدی پر ہی مشتمل تھی۔ خیر گھر پہنچنے پر میں نے فریج سے پانی کی بوتل نکالی۔ آنٹی کو پانی پلایا اور اپنا گلاس لے کر ان کے پاس ہی صوفے پر ڈھیر ہو گئی۔ اتنے میں فون کی گھنٹی بج اٹھی۔ انہوں نے فون اٹھایا۔ گفتگو سے مجھے کچھ اندازہ نہیں ہوا کہ کس کا فون ہے مگر اتنا ضرور جان گئی کہ کسی مہمان کی آمد، آمد ہے، جب فون بند ہوا تو میں رہ نہیں سکی۔

آنٹی کوئی آرہا ہے کیا؟

”ہاں، تمہاری امی کا فون تھا وہ لوگ پرسوں آنے کا کہہ رہے ہیں۔“ انہوں نے مسکراتے ہوئے بتایا۔ میں بھی خوش ہو گئی۔ جانتی تھی کہ میری امی، بھابی اور بہن بھی میری عیدی لے کر آ رہی ہیں۔

”کرن! میں سوچ رہی ہوں کہ اگر پرسوں تمہاری امی آ رہی ہیں تو ہم کل جا کر آئیہ کو عیدی دے آئیں؟“ آنٹی نے مجھ سے پوچھا تو میں نے فوراً کہا۔

”جی آنٹی جیسے آپ کہیں..... اب صرف پانچ چھ روز تو باقی ہیں عید میں۔“

”ہاں وہی ناں، میں بھی اسی لیے کہہ رہی ہوں، اچھا تم ایسے کرو یہ سب چیزیں نکالو اور انہیں

ذرا طریقے سے پیک کر دو..... کپڑے الگ، چوڑیاں الگ اور کھانے کا سامان الگ.....“ آنٹی نے فوراً ہی تیاری شروع کر دی۔ میں نے بھی مسکراتے ہوئے شاپنگ بیگ کھول کر سارا سامان نکالنا شروع کر دیا۔ دو سوٹ..... میرون اور سی گرین کلر کے خوب جھلمل کرتے ہوئے۔ ہم رنگ چوڑیوں کے سیٹ، آرٹی فیشل مگر بہت نفیس سا جیولری سیٹ..... میچنگ چپل، مہندی، سوٹیاں، ڈرائی فروٹ وغیرہ اور بہت کچھ اس کے علاوہ تھا۔ اچانک ہی پتا نہیں کیسے ایک خیال میرے ذہن میں گوندا سا بن کر لپکا..... جہاں آنٹی نے آئیہ کے لیے اتنے چاؤ سے ایک، ایک چیز خریدی ہے، وہ بھی میری ہمراہی میں..... وہاں بے شک ایک چھوٹی سی چیز ہی کسی مگر اپنی بہو یعنی میری عیدی کے نام پر ہی لے لیتیں..... کتنی خوشی ہوتی مجھے مگر شادی کے بعد تین سالوں میں آنے والی کوئی ایک عید بھی ایسی تو نہیں تھی جس پر آنٹی نے میری عیدی کے طور پر مجھے ایک چھلا بھی دیا ہو۔ ہاں میاں جانی نے تو جوڑا بنایا ہی تھا لیکن میں اس بات کو کبھی زبان پر نہ لائی تھی..... نہ ہی اس بات کو لے کر کبھی کوئی عداوت دل میں پالی تھی بلکہ ہر عید پر آنٹی کے ساتھ جا کر آئیہ کے لیے خوشی، خوشی شاپنگ بھی کرتی تھی۔ ہاں مگر جب میرے میکے سے میری امی، بہن اور بھابی وغیرہ میری عیدی لے کر میرے گھر آتے اور بہن اور بھابی بڑی جستجو سے مجھ سے پوچھتیں۔

”کرن تمہاری ساس نے تمہیں کیا عیدی دی؟“ تب میرے دل میں بھی یہ مصوم سی خواہش حسرت بن کر ابھرتی کہ کاش آنٹی نے بھی مجھے کچھ دیا ہوتا تو میں فخر سے اپنے میکے والوں کو دکھاتی کیونکہ میری امی بھی بڑی باقاعدگی سے میری بھابی کو عیدی کے طور پر کچھ نہ کچھ اپنی طرف سے دیتی تھیں اور وہ دکھاتے ہوئے بھابی کے چہرے پر جو مان ہوتا تھا..... جو خوشی ہوتی تھی وہ مجھے کبھی نہیں مل پاتی تھی۔

ایسی بات ہرگز نہیں تھی کہ میں اپنی بھابی یا اپنی نند



رفعت شبانہ اور ان کے دولہا (کراچی)

### میرے ساجن

چوڑی بھی کھلتی ہے  
 بندیا بھی چمکتی ہے  
 لیوں پر گہری لالی ہے  
 آنکھیں بھی متوالی ہیں  
 مگر یہ سب ہے بے مایہ  
 گرم آن کو نہ سرا ہو  
 اسی لیے تو کہتی ہوں  
 اس عید پر تو آ جاؤ  
 میرا جیون مہک اٹھے  
 میرے سینے چہک اٹھیں  
 دل کی کلی کھل جائے  
 زمانے کی ہر خوشی مل جائے  
 مراد بر آئے  
 زلف لہرا جائے  
 گرم اس عید پر آ جاؤ  
 میرے من کو مہکا جاؤ  
 اندیشے دفن ہو جائیں  
 خزاں دل سے رخصت ہو  
 بہاریں لوٹ کر آئیں  
 آ جاؤ، بس آ جاؤ  
 اس عید پر تو آ جاؤ

شاعرہ: جمیر انوشین، منڈی بہاؤ الدین

سے کسی قسم کی کوئی جیسی محسوس کرتی تھی۔ نہ ہی مجھ پر  
 شاپنگ کے معاملے میں کوئی پابندی یا روک ٹوک تھی مگر  
 بس میرا بھی دل چاہتا تھا کہ میں بھی اسی مان سے اپنی  
 عیدی اپنے گھر والوں کو یہ کہتے ہوئے دکھاؤں کہ یہ مجھے  
 میری ساس نے دی ہے۔ مگر..... ابھی تک یہ حسرت بس  
 حسرت ہی تھی۔ ہر طرح سے پیار، محبت کرنے اور خیال  
 رکھنے والی آنٹی کے دل میں یہ خیال پتا نہیں کیوں کبھی  
 نہیں آیا تھا۔ خیر میں سوچوں کے سمندر میں کچھ زیادہ ہی  
 غوطے کھانے لگی تھی۔ جب ان کی کسی بات نے میرا  
 ارٹیکلز توڑا..... میں جی بھی سر جھٹک کر چیزوں کی طرف  
 متوجہ ہو گئی اور پھر ان سے سے پوچھ کر سب سامان ان کی  
 مرضی کے مطابق سیٹ کر کے ایک طرف رکھ دیا۔

”جیتی رہو۔“ انہوں نے خوش ہو کر مجھے دعا دی  
 اور میں مسکراتے ہوئے کچن کی طرف بڑھ گئی۔  
 اگلے دن شام کو میں اور ساس، آسیہ کے گھر  
 جانے کے لیے تیار ہوئے۔ آسیہ کا گھر زیادہ دور نہیں  
 تھا۔ سو ہم جلد ہی پہنچ گئے۔ آسیہ کی ساس نے بڑے  
 تپاک سے ہمارا استقبال کیا۔ آسیہ خوب کھلی ہوئی تھی  
 اور آنٹی اس کو دیکھ کر نہال ہوئی جا رہی تھیں۔ چائے کا  
 پُر تکلف دور چلا..... پھر آنٹی نے آسیہ کو اس کی عیدی  
 دی۔ آسیہ نے فوراً ہی بیکنگ کھولنا شروع کر دی۔  
 میں اس کے پُر شوق مظاہرے پر مسکرائی۔ جونہی آسیہ  
 کی نظر میری طرف والے سوٹ پر پڑی وہ چلا آئی۔

”ارے یہ میری کلر..... بالکل اسی کلر میں ماما  
 نے بھی مجھے عید کا سوٹ بنا کر دیا ہے، رکیں میں ابھی  
 لے کر آتی ہوں۔“ وہ بھاگ کر اپنے کمرے میں گئی اور  
 ایک بیگ اٹھالائی۔ پھر اس نے چیزیں نکالنا شروع  
 کیں۔ میری کلر کا بے حد خوب صورت سوٹ،  
 میچنگ جیولری اور کچھ میک اپ کا سامان، اور ایسی ہی  
 چھوٹی، چھوٹی اور چیزیں..... اور یہ سب دکھاتے  
 ہوئے آسیہ کے چہرے پر میں نے وہی فخر اور وہی خوشی  
 دیکھی جو میں اپنی بھابی کے چہرے پر دیکھتی تھی۔ لمحے  
 بھر کو میرا دل بچھ سا گیا مگر میں نے کمال خوب صورتی

سے اپنے دل کو سنبھال ہی لیا۔ آنٹی نے آسیہ کی ساس کا شکریہ ادا کیا کہ وہ اُن کی بیٹی کا کتنا خیال رکھتی ہیں تو اس کی ساس دھیسے سے مسکراتے ہوئے بولیں۔

”بس بہن! یہ تو معمولی چیزیں ہیں، میرے لیے تو یہی بہت ہوتا ہے کہ میری بہو کو بھی پیار، محبت میں کمی محسوس نہیں ہو۔ اس کی ان چھوٹی، چھوٹی سی خوشیوں کا خیال رکھنا میری ذمے داری ہے..... بچیوں کو بڑا مان ہوتا ہے، سسرال سے ملنے والی ایک معمولی سی شے بھی بچیوں کو اُن کی اہمیت کا احساس دلاتی ہے۔ اور یہ احساس ہی سب کچھ ہے ورنہ تو انہیں اپنے ماں باپ کے گھروں میں بھی کوئی کمی نہیں ہوتی۔“ میں نے چونک کر اُن کی طرف دیکھا..... میرے دل کی آواز کو ان کی زبان الفاظ کا جامہ پہنارہی تھی۔ آنٹی اثبات میں سر تو ہلارہی تھیں مگر اُن کی توجہ آسیہ ہی کی طرف تھی۔ مجھے لگا جیسے انہوں نے آسیہ کی ساس کی بات سنی ہی نہیں ہے۔ میں قدرے مایوس ہوئی۔ پھر کچھ وقت مزید بیٹھنے کے بعد ہم نے واپسی کی راہ لی۔

اگلا دن کافی مصروفیت لیے ہوئے تھا۔ میاں کو آفس روادہ کرنے کے بعد میں نے کمر کس لی۔ سارے گھر کی صفائی سترائی کرنے کے بعد کچن کی خبر لی۔ میں چاہتی تھی سب کام کاج اور کھانے وغیرہ سے فارغ ہو کر امی وغیرہ کے آنے سے پہلے خود کو بھی تھوڑا تازہ دم کر لوں..... اور اپنی اس کوشش میں، میں کافی حد تک کامیاب بھی رہی تھی کہ جب امی، بھابی اور چھوٹی بہن شام کو آئے تو میں بہت فریش نظر آ رہی تھی..... اور بہت خوش بھی..... جب میں چائے وغیرہ بنانے کچن میں آئی تو بھابی اور بہن بھی میرے ساتھ ہی آ گئیں۔ میں جانتی تھی وہ کیا پوچھنے والی تھیں۔ اور یہی ہوا کہ کچن میں داخل ہوتے ہی بھابی نے سوال داغ دیا۔

”کرن آنٹی سے کیا ملا عیدی میں؟“

”بس بھابی آج کل میں ہی آنٹی مجھے عیدی دینے والی ہیں پھر نہ صرف بتاؤں گی بلکہ دکھاؤں گی بھی آپ کو.....“ میں نے مہارت سے انہیں ٹال دیا۔

چائے کی تیاری میں ان دونوں نے بھی میرا ہاتھ بنایا سو سب کچھ جلدی، جلدی تیار ہو گیا۔ بڑے اچھے ماحول میں گپ شپ کے ساتھ چائے پی گئی۔ امی نے مجھے میرے تحائف دیے اور بہت سارا پیار بھی..... میں بہت مسرت کے ساتھ سب سامان دیکھ رہی تھی۔ پھر اچانک سے میری ساس کی آواز آئی۔

”کرن! یہاں آؤ میرے پاس.....“ سب لوگ حیرت سے کبھی مجھے اور کبھی میری ساس کو تک رہے تھے۔ میں بھی ناگہی کے عالم میں چلتی ہوئی اُن کے پاس جا کر بیٹھ گئی۔ انہوں نے اپنی کلائی میں پڑے ہوئے دو عدد سونے کے کنگنوں میں سے ایک اتارا اور..... اسے میری کلائی میں ڈال دیا۔ میرا منہ کھلے کا کھلا رہ گیا۔ مجھے تو سمجھ میں ہی نہیں آ رہا تھا کہ یہ کیا ہو رہا تھا۔

”میں نے سوچا کرن نے خود بھی عید کی کافی شاپنگ کر لی ہے اور پھر آپ لوگ بھی بہت خوب صورت تحائف لے کر آئے ہیں تو مجھے اپنی پیاری سی بہو کو کچھ منفرد سی عیدی دینی چاہیے۔“ انہوں نے مسکراتے ہوئے امی سے کہا۔ امی تو بے پناہ خوش ہو گئیں، میں بڑھ کر آنٹی کے گلے لگ گئی۔

”آنٹی! یہ بہت زیادہ ہے۔“

”کوئی زیادہ نہیں بیٹا.....! یہ تو بچیوں کا مان ہوتا ہے۔ وہ اپنے ماں، باپ سے تمام عمر تحفے وصول کرتی ہیں..... مگر سسرال سے ملنے والا تحفہ انہیں ان کی اہمیت کا احساس دلاتا ہے۔“ میں نے جھٹکے سے سر اٹھا کر انہیں دیکھا..... گویا کل آسیہ کے گھر اس کی ساس کی بات سنتے ہوئے آنٹی بالکل بھی بے خبر نہیں تھیں۔ میں نے شکر گزاری سے نظریں جھکا لیں۔ جو خوشی اور مان میں بھابی اور آسیہ کے چہروں پر دیکھتی تھی آج وہی مان اور خوشی میرے چہرے پر تھی..... اور اس کا اندازہ میرے دل کے ساتھ، ساتھ امی، بھابی اور بہن کے چہروں سے بھی ہو رہا تھا جو مسکراتی نگاہوں سے میری طرف دیکھ رہی تھیں۔



## بغاوت کی چنگاری؟

سلسلی غنزل

جولائی کی گرم سہ پہر اور وہ بھڑکتی ہوئی آگ  
کے سامنے بسنے میں شرابور دپٹی میں چمچہ چلا رہی تھی۔  
گرمی کی حرارت دماغ تک جا پہنچی تھی اور اس پر  
بچوں کا شور دماغ پر جیسے ہتھوڑے برسار ہاتھا۔

”ہماری بھی کوئی زندگی ہے ہر وقت کی غلامی  
..... صبح فجر سے لے کر رات گئے تک کام ہی کام گویا  
عورت نہ ہوئی کوٹھوکا تیل ہو گئی۔“ ایسی ہی کئی سوچیں اس  
کے دماغ پر حاوی تھیں۔ وہ چولہا بند کر کے کمرے

ادھر کرنے لگی۔

”آپ کمرے میں چلیں، میں آتی ہوں۔“ پھر وہ بے چین ہو کر اس کے ساتھ ہی کمرے میں آگئی۔

☆☆☆

کھانا بہت مزیدار تھا مگر بریانی میں مرچیں کافی تیز تھیں خود علیزہ کی آنکھوں سے پانی بہہ رہا تھا۔ بچوں نے کھانے سے ہاتھ کھینچ لیا۔

”امی بریانی میں مرچیں حد سے زیادہ ہیں۔ ہم نہیں کھا پا رہے..... راتے میں بھی آپ نے زیادہ مرچیں کر دیں۔“ انشال کی بھی سی، سی جاری تھی۔

”آج مرچیں کچھ زیادہ ہی ہو گئی ہیں چلو میری تو خیر ہے مگر بچے نہیں کھا رہے۔ تم یوں کرو، علیزہ انہیں آلیٹ ڈیل روٹی دے دو.....“ انشال نے نرمی سے کہا اور علیزہ کے کانوں میں فضا باجی کی آواز گونج اٹھی۔

”کیا عورتیں صرف تنقید سننے کو رہ گئی ہیں۔“ اسے غصہ آ گیا۔ ”سارا دن کام میں لگی رہتی ہوں اور بچوں کے مزاج ہی نہیں ملتے۔“ پھر اس نے اسی پر اکتفا نہیں کیا بلکہ چیخ کر بولی۔

”لوٹھی ہوں ناں اس گھر کی..... باپ، بیٹے نقص نکالنے کے لیے ہر وقت تیار رہتے ہیں۔ دو لفظ تعریف کے تو کبھی منہ سے نکلتے نہیں۔“ اس کے منہ میں جو آیا وہ نظریں ملائے بغیر بولتی چلی گئی یہ دیکھے بغیر کہ اس کے تیز و تند جملوں کا بچوں پر کیا اثر ہو رہا ہے اور وہ کس قدر عجیب و غریب نظروں سے ماں کی طرف دیکھ رہے ہیں۔ انشال کی بے چین نظریں اس کے چہرے کا طواف کر رہی تھیں۔

”یہ میری علیزہ تو نہیں صبر و تحمل اور برداشت والی۔“ خود انشال کو بھی اونچی آواز میں بولنا اور چھوٹی، چھوٹی باتوں پر بھڑکنا اور بد مزگی پھیلا نا پسند نہیں تھا۔ علیزہ کی اس خوبی کا تو وہ بھی معترف تھا کہ عام عورتوں کی طرح گھر میں گھستے ہی اس کے سامنے مہنگائی کا رونا، کام کی زیادتی اور بچوں کی شکایتوں کا دفتر نہیں کھولتی تھی بلکہ وہ ہمیشہ انشال کا حوصلہ بڑھاتی اور قدم،

میں آ کر پسینہ سکھانے لگی۔ پکھے کی ہوانے ذہن کو سکون بخشا تو کارنس پر دھری اپنی اور انشال کی مسکراتی ہوئی تصویر نے پل بھر میں اس کا غصہ زائل کر دیا۔

”کتنے اچھے ہیں انشال، یہ سب فضا باجی کی فضول باتوں کا اثر ہے ورنہ انشال تو ہرگز بھی ایسے نہیں ہیں، صبح سے شام تک کولہو کا تیل بنے رہتے ہیں مگر مجال ہے جو ماتھے پر شکن ہو۔ کالج سے نکل کر کوچنگ سینٹر چلے جاتے ہیں پھر ٹیوشن پڑھا کر رات گئے جب گھر لوٹتے ہیں تو خوش باش ہنستے مسکراتے..... اور بغیر آرام کیے اپنے بچوں کو بھی پڑھائی میں مدد دینے بیٹھ جاتے ہیں۔ ہر ماہ پوری تنخواہ میرے ہاتھ پر رکھ دیتے ہیں۔ یعنی سیاہ و سفید کی مالک میں خود اور اپنی ضرورت کے لیے مجھ ہی سے پیسے مانگتے ہیں.....“ ذہن کو ٹھنڈک اور تازگی ملی تو اپنے منہ کی خیالات پر اسے شرمندگی ہونے لگی وہ بچوں کی آوازیں سن کر باہر آئی تو ان کی شرارتوں اور مصحوم مسکراہٹوں نے دل کا سارا غبار دور کر دیا۔ کچھ دیر ستانے کے بعد جب وہ دوبارہ کچن میں گئی تو دروازے کی گھنٹی بجنے لگی۔

”بیٹا آرزو دروازہ کھولو تمہارے ابو ہوں گے۔“ ہمیشہ وہ خود کیٹ کھول کر والہانہ انداز میں انشال کا استقبال کرتی تھی لیکن آج اس کے کانوں میں فضا باجی کی آواز گونج رہی تھی۔

”عورت خود بڑھ کر مرد کا استقبال کرتی ہے یہ ذہنی پستی اور غلامی کا سب سے بڑا ثبوت ہے۔“

”بیٹا! تمہاری امی کہاں ہیں؟“ انشال نے آتے ہی بے تابی سے پوچھا کیونکہ سوائے بیماری کے کبھی ایسا نہیں ہوا تھا کہ اس نے خود بڑھ کر دروازہ نہ کھولا ہو۔

”ابو، امی شاید کچن میں ہیں۔“ علیزہ کا دل چاہا کہ لپک کر کچن سے باہر نکل آئے۔

”کیا بات ہے میری جان! آج اب تک کچن میں ہو۔“ انشال نے وہیں اس کے کندھے پر ٹھوڑی نکاتے ہوئے پیار سے کہا وہ بے مقصد چیزیں ادھر سے

میں کسی نہ کسی طرح بیچ کر لوں گا مگر تم پر تو بھت کا بھوت سوار رہتا ہے اپنا گھر بنانے کے لیے..... گھر بھی انشاء اللہ... بن جائے گا مگر تم حوصلہ اور ہمت نہ ہارو ورنہ میں تھک جاؤں گا تم سے تو مجھے تو اتنا ہی ملتی ہے تمہارے بغیر تو میں کچھ بھی نہیں.....“ علیزہ کو لگا جیسے اس نے تھکے ہارے انشال سے کھانے کے دو لقمے بھی چھین لیے ہوں، کم ظرفی کی انتہا تھی کھانا بھی کسی نے سکون سے نہیں کھایا اور یہ صرف اس کے غصے کی وجہ سے ہوا۔ وہ شرمندگی کی اتھاہ گہرائیوں میں ڈوب گئی انشال کے الفاظ میں جادو تھا جس نے اسے شرمندگی سے دو چار کر دیا اور وہ انشال کے سینے میں منہ چھپا کر ندامت کے آنسو بہانے لگی۔ الفاظ ساتھ چھوڑ کے تھے لفظ گو نکلے ہو گئے تھے۔ صرف دھڑکنوں کی تال پر دونوں کے دل دھڑک رہے تھے۔

☆☆☆

وہ سالن بھون رہی تھی جب چھوٹی بہن رمشا جو اسی بلڈنگ کے سیکنڈ فلور پر رہتی تھی اس کے پاس آگئی۔ ”باجی، فضا باجی کے یہاں نہیں چلو گی، آج ان کے گھر مینگ ہے۔“

”نہیں رمشا اس وقت نہیں، میرے کام کا وقت ہے، بیچے اسکول سے آئیں گے اور تمہارے بہنوئی بھی دوپہر کو کھانا کھانے۔ گھر ہی آتے ہیں اور پھر رات تک مصروف رہتے ہیں۔“ علیزہ کے لہجے میں انشال کے لیے پیار چھلک رہا تھا۔

”حد ہے باجی تم تو بالکل گھر کی ”کھونس“ بن کر رہ گئی ہو میں نے تو صاف تمہارے بہنوئی سے کہہ دیا ہے کہ آفس سے آتے ہوئے کھانا لیتے آئیں خود بھی کھائیں اور بچوں کو بھی کھلا دیں۔ صاف کر دی میں نے تو اپنے میاں کی طبیعت آگے سے کچھ بولنے ہی نہیں دیا۔۔۔ آخر اپنی زندگی پر میرا بھی کچھ حق ہے۔“ رمشا کی زبان کے آگے تو خند تھی، اس نے علیزہ کو کچھ بولنے ہی نہیں دیا اور کھستی ہوئی گراؤنڈ فلور کے فلیٹ پر لے آئی جہاں سے فضا کی آواز گھر سے باہر تک آرہی تھی۔

قدم پر اس کا ساتھ دے کر اپنی محبت کا یقین دلاتی تھی حالانکہ شادی کے ابتدائی دن کچھ زیادہ پُر آسائش نہیں تھے۔ انشال کی والدہ حیات تھیں اور والد گزر چکے تھے۔ دو بہنیں ملک سے باہر بیہی تھیں لیکن مسقط اور دبئی اتنا بھی دور نہ تھا کہ سال میں ایک مرتبہ پاکستان نہیں آئیں اور علیزہ بہت اچھی مہمان نواز تھی۔ انشال کی تنخواہ محدود تھی۔ ایک سترہ گریڈ کے لیکچرار کو تنخواہ ملتی ہی کتنی ہے پھر ماں نے اس کی نوکری ہوتے ہی شادی کا غلطہ بچا دیا تھا۔ علیزہ ان کی پسند تھی، پڑھی لکھی، سلیقہ شعار، سکھڑ اور محنتی۔ مگر آج علیزہ کو جانے کیا ہو گیا تھا۔ انشال نے خاموشی کو زباں نہ دی اس پر علیزہ اور بھی چڑ گئی۔

”ہاں، ہاں میں تو پاگل ہوں جو بلا وجہ ہی چیخے چلی جا رہی ہوں۔ بچوں اور ان کے ابا کو تو جیسے سانپ سونگھ گیا ہو..... برستی گرمی اور تپتی دوپہر میں ایک دن بھی کھانا پکالیں تو ہوش ٹھکانے آجائیں، ایک میں ہوں کہ سارا دن پھر کی کی طرح گھر میں ناچتی رہتی ہوں۔ اس پر نہ کسی کو احساس ہے نہ میری قدر بس سب سے تنقید کروالو.....“ اس کی آواز بھرا گئی تھی وہ ابھی کچھ اور بھی کہنا چاہ رہی تھی کہ دو نرم گرم ہاتھوں نے اسے اپنے حصار میں لے لیا وہ گھبرا گئی، بچے جانے کب اس کے غصے سے ڈر کر بھوکے ہی میز سے اٹھ گئے تھے۔

”علیزہ میری جان مجھے دکھ ہے کہ تمہیں ہمارے لیے اتنی مشقت اٹھانی پڑتی ہے کوشش تو بہت کرتا ہوں آمدنی میں اضافے کی مگر وقت کی کمی ہے.....“ انشال کی نرم اور پُر خلوص آواز نے اسے ندامت کے پاتال میں دھکیل دیا۔

”علیزہ مجھے بے حد تکلیف ہوتی ہے جب تمہیں اتنی محنت کرتے دیکھتا ہوں اور وہ بھی ہمارے لیے..... گھر سنبھالنا، کھانا پکانا اور بچے پالنا صرف عورت ہی کی تو ذمے داری نہیں یقیناً مجھے بھی تمہارا ان کاموں میں کچھ نہ کچھ ہاتھ بٹانا چاہیے مگر کیا کروں، وقت ہی نہیں ملتا..... میں نے تمہیں بارہا کہا ہے فل ٹائم نوکمر کھ لو



تھی اپنے بچوں اور شوہر کے لیے جو گھر پر اس کا انتظار کر رہے ہوں گے تب ہی ریشا نے اس کا کندھا ہلایا۔  
 ”چلو باجی، گھر چلیں دیکھا تم نے فضا باجی نے کتنی اچھی تقریر کی..... میں تو متاثر ہو گئی ہوں ان کے فرمودات سے کس قدر عورتوں کی ہمدرد اور ان کے ساتھ مخلص ہیں۔“ علیزہ گم صم کھوئی، کھوئی حالت میں گھر پہنچی تو انشال اور نیچے بھوک سے بلبلا رہے تھے وہ شرمندہ، شرمندہ فوراً کچن میں گھس گئی۔

☆☆☆

شام کو نہادھو کر اس نے چکن کا نیا جوڑا پہنا۔ آج چھٹی کا دن تھا اور انشال بچوں کو زود کی پارک لے گئے تھے وہ گیلے بال سلجھا رہی تھی کہ نیچے ہنستے مسکراتے آگئے۔

”علیزہ ذرا آذر کو نہلا دو مٹی میں لوٹ پوٹ ہو گیا ہے.....“ علیزہ کو غصہ آ گیا اس نے کس کے ایک تھپڑ اس کے گال پر جڑوایا۔

”کیا کرتی ہو بلا وجہ اسے مارا۔ لاؤ مجھے دو، میں نہلا دیتا ہوں۔“ انشال کے لہجے میں ملاہمت تھی۔  
 ”بس رہنے دیں۔“ وہ غصے میں آذر کو کھینچتی ہوئی ہاتھ روم لے آئی جو اس کے غصے سے ہم گیا تھا کپڑے بدلوا کر جب وہ اس کے کنگھا کر رہی تھی تو وہ اس سے لپٹ گیا۔

”سوری امی، اب میں کبھی مٹی میں نہیں کھیلوں گا۔“ علیزہ تڑپ اٹھی اس کے دل پر گھونسا سا لگا اور وہ بے اختیار اس کو گلے لگا کر چومنے لگی اور خود پر ڈھیروں لعنت بھی بھیجی۔

فضا انصاری کو گراؤنڈ فلور پر آئے صرف دو ماہ ہوئے تھے مگر اس قلیل مدت میں وہ ہر دلچیز ہو گئی تھی؛ وہ عورتوں کے حقوق کی آواز بلند کرنے میں پیش، پیش تھی اور انہیں اپنے حقوق سے آگاہ کرنا اس کا مشن تھا۔ اس کے ساتھ دو ٹین ادھیڑ عمر کی عورتیں اور بھی تھیں جو خود کو سوشل ورکر کہتی تھیں۔ ہر وقت بنی سنوری ٹپ ٹاپ..... انگریزی ان کی لونڈی اور فیشن ان کا غلام تھا۔

”ہماری آزادی میں سب سے بڑی رکاوٹ بچے ہیں، مرد ہمیں بچوں کی نادیدہ زنجیروں میں جکڑ کر غلامی کا طوق پہنا دیتے ہیں۔ بچوں کی پیدائش ان کی دیکھ بھال اور ان کی تعلیم و تربیت ہمارے لیے مصیبت بن جاتی ہے، جوانی کب آئی کب رخصت ہو گئی پتا ہی نہیں چلتا اور ہم مرد کی غلامی میں خوش رہتے ہیں۔ بچوں کو دودھ پلانا..... جو تکوں کو خون چوسانے کے مترادف ہے ہماری رعنائی اور دلبرائی سب ان کی نذر ہو جاتی ہے پھر یہی میلے میلے ہاتھ اور اجڑے چہرے والی بیویاں انہیں زہر لگنے لگتی ہیں اور وہ پھر حسین، خوب صورت اور دلقریب چہروں کی تلاش میں دریافت کے پرندے کی طرح ڈال، ڈال... پات پات بھٹکتا شروع کر دیتے ہیں، ان سے کوئی پوچھے کہ آخر عورت کو اس مقام پر کس نے پہنچایا اور کیوں؟ زندگی صرف ایک ہار ملتی ہے اس کو ہم اپنی مرضی سے اپنی خوشی کے مطابق کیوں نہیں گزاریں۔“ وہ تو جیسے تقریر یاد کیے ہوئے تھیں۔ ”ہم عورتوں کا المیہ یہی ہے کہ ہمیں صرف اپنے فرائض یاد رہتے ہیں حقوق کا پتا ہی نہیں اور میں چاہتی ہوں کہ آپ اپنا مقام پہچانیں اپنے حقوق کے لیے آواز بلند کریں اور بچوں جیسی مصیبت سے دور رہیں جن کی موجودگی آپ کی جوانی کو پوپہ کی طرح چاٹ جاتی ہے۔“ فضا باجی کی آواز میں تھی نفرت اور حقارت تھی۔

”بچے اور مصیبت! تو بہ، تو بہ فضا باجی کو کیا ہو گیا ہے بچوں سے تو زندگی کا احساس اور زندہ رہنے کی امنگ پیدا ہوتی ہے۔ میرے دونوں بیٹے میرے پاس نہ ہوں تو زندگی کھنڈر کی طرح لگے ویران اور اداس..... ان کی معصوم پیاری پیاری باتیں تو جینے کا آسرا ہوتی ہیں اور پھر بزرگ کہتے ہیں کہ بچے تو میاں، بیوی کے رشتے کو اور مضبوط کرتے ہیں۔ پل بن جاتے ہیں۔ دونوں کے درمیان بھلا بچوں کے بغیر زندگی بھی کوئی زندگی ہے ادھوری اور نامکمل.....!“ یہ علیزہ کے اندر کی آواز تھی جس پر فضا کی تقریر بھاری پڑ رہی تھی مگر علیزہ بے چین

## بدگمانی کا زہر

چھوٹی چھوٹی باتیں بڑے بڑے رشتوں میں ایسے بدگمانی کے سوراخ کر دیتی ہیں کہ انسان ساری عمر ان سوراخوں میں وضاحتوں کی اینٹیں لگا کر بھی اپنے خوب صورت رشتے کو نہیں بچا پاتا۔

از: نگہت زیدی، بہارہ کبوتر



فریدہ افتخار (اسلام آباد)

سارے مردان سے متاثر تھے۔ یہ متوسط طبقے کا علاقہ تھا زیادہ تر آبادی اپارٹمنٹ پر مشتمل تھی۔ اس لیے ایک دوسرے کے دکھ سکھ میں سماجی اور شریک تھے۔ زیادہ تر مرد حضرات اپنے کام پر اور خواتین گھر میں مصروف رہتی تھیں اور انہیں ان خواتین سے خاص ہمدردی تھی جو حقوق کے لفظ سے نا آشنا تھیں اور خود کو گھر اور بچوں تک محدود کر رکھا تھا وہ انہیں بیدار کرنا چاہ رہی تھیں جس میں وہ کافی حد تک کامیاب بھی ہو گئی تھیں۔ علیزہ کی چھوٹی بہن رمشا تھرڈ فلو پر رہتی تھی طبعاً علیزہ کی ضد تھی بے حد باتونی، طرح دار اور فیشن کی دلدادہ دو بچوں کی ماں ہونے کے باوجود اس کا بچپنا نہیں گیا تھا اس کا شوہر انشال کا دوست ہونے کے ساتھ، ساتھ اسی کالج میں پڑھاتا تھا۔ بے حد سلجھا ہوا، متین اور سنجیدہ..... علیزہ کی طرح رمشا کو گھرداری یا بچے سنبھالنے سے قطعی دلچسپی نہیں تھی اکثر بھانجا، بھانجی علیزہ کے گھر ہی نظر آتے جن کی علیزہ کے دونوں بیٹوں سے بے حد دوستی تھی۔ جہاں علیزہ کا گھر اس کے سلیقے اور گھڑاپے کی منہ بولتی تصویر تھا وہیں رمشا کا فلیٹ اس کے پھوہڑپنے..... بدسلوکی اور بدانتظامی کا آئینہ دار..... آئے دن ان دونوں میاں، بیوی کے درمیان گھریلو معاملات میں جھگڑے ہوتے ہی ریح اور علیزہ کے سمجھانے کے باوجود وہ اس کی نصیحتوں کو چنگیلوں میں اڑا دیتی بلکہ اس کے گھڑاپے اور گھرداری کا مذاق بھی اڑاتی۔ جب تک علیزہ کی ساس زندہ رہیں اس کو خود بھی گھرداری کا اتنا پتا نہیں تھا کیونکہ وہ مزے سے ایک اسکول میں پڑھا رہی تھیں ساس جہاں طبعاً مشفق اور محبت کرنے والی تھیں وہیں علیزہ بھی ساس کی قدر دان اور احترام کرنے والی۔ ان کا گھر محبت، پیار اور امن و سکون کا گہوارہ تھا..... اس کا میکا حیدر آباد میں تھا مگر وہ کبھی عام لڑکیوں کی طرح بھاگ، بھاگ کر حیدر آباد نہیں گئی..... دونوں بچوں کی پیدائش پر بھی اس کی ساس نے اس کا پوری طرح خیال رکھا اور اسے ماں کی کمی محسوس نہیں ہوئی کہ ماں حیدر آباد سے سفر کرنے

سے معذور تھی۔ اس کا بھرا پڑا میکا تھا۔ تین شادی شدہ بھائی تھے مگر اس کے آنے پر بھابھیاں خندہ پیشانی سے اس کا استقبال کرتی تھیں کیونکہ وہاں پر بھی وہ ٹھکی نہیں بیٹھتی تھی بلکہ ان کے ساتھ ہر کام میں لگی رہتی تاکہ کسی کو اس کا آنا بوجھ نہ لگے۔ جبکہ رمشا کو دیکھ کر بھابھیوں کی تیوریوں پر بل پڑ جاتے تھے کیونکہ وہ وہاں مہمانوں کی طرح بڑے ٹھسے اور طمطراق سے رہتی تھی اور باوجود علیزہ کے سمجھانے کے لہ کر پانی بھی نہیں پیتی تھی۔

”میں یہاں آرام کرنے آئی ہوں کام کرنے نہیں۔ تمہیں اگر ”بندوڑ“ بننے کا شوق ہے تو ہنو مگر مجھے

”جی۔“ علیزہ کے لہجے میں فخر تھا۔

”تو پھر اپنے آپ کو گھرداری میں کیوں ضائع کر رہی ہو، اپنی صلاحیتوں کو آزماؤ، اپنے ٹیلنٹ سے فائدہ اٹھاؤ، یہ چولھا چکی تمہارا کام نہیں، یہ تو کوئی بھی ان پڑھ کر سکتا ہے۔“

”اصل میں جب تک میری مرحومہ ساس زندہ تھیں۔ میں جا ب کرتی رہی کیونکہ ان کی زندگی میں نہ مجھے بچوں کی فکر تھی نہ گھرداری کی، خدا انہیں کروٹ، کروٹ جنت نصیب کرے پورا گھر انہوں نے سنبھال رکھا تھا سچ پوچھیں تو ان کی وفات کے بعد مجھے آٹے وال کا بھاؤ پتا چلا اور مجھے نوکری چھوڑنی پڑی کیونکہ اب بچوں اور گھر کو میری زیادہ ضرورت تھی، بچے بڑے ہو جائیں گے تو پھر سوچوں گی۔“

”ہونہہ.....! تم حد درجہ بے وقوف ہو علیزہ!“ وہ بے تکلفی سے منہ بنا کر بولیں۔ ”تم خود اتنی اچھی ہو کہ ساس کے چلنے پھرنے کو پہچان نہیں سکیں انہوں نے ایک طرح سے پورے گھر پر قبضہ کر کے تمہیں دودھ کی کسی کی طرح باہر نکالا ہوا تھا، اچھا مجھے بتاؤ تمہارے شوہر تنخواہ کسے دیتے تھے؟“

”اماں کو..... آخر وہ پورا گھر چلاتی تھیں البتہ میری تنخواہ میرے پاس ہی رہتی تھی۔“ علیزہ کو فضا کے سوال جواب پر غصہ تو بے حد آ رہا تھا لیکن گھر آئے مہمان کی بے عزتی کرنا روایات کے خلاف ہے اسی لیے وہ سنتی رہی۔

”بس یہیں سے ان کی چالاکی کا پتا چلتا ہے۔ تم کمانی تھیں اس لیے اپنی تنخواہ پر تمہارا حق تھا لیکن شوہر کی تنخواہ کی بھی تم حقدار تھیں جس پر تمہاری ساس زندگی بھر سانپ بن کر بیٹھی رہیں اور تمہیں الو ہٹائیں۔“

علیزہ کا دل چاہ رہا تھا فضا کو کھری، کھری سنا دے وہ کون ہوتی ہے مرحومہ ساس کی برائیاں کرنے والی۔ اس کو اچھی طرح یاد تھا۔ دونوں بیٹوں کے داخلے کے وقت وہ دونوں میاں بیوی کتنا پریشان تھے، اچھے اسکول میں تعلیم دلانا دونوں کا خواب تھا مگر اسکول کی

معاف رکھو۔“ رمشا کی زبان کے آگے خندق تھی وہ بولتی زیادہ اور سنتی کم تھی جس سے ماں، باپ بھی عاجز تھے۔

آج کل علیزہ خود سے بھی پریشان رہنے لگی تھی پتا نہیں اسے کیا ہوتا جا رہا تھا۔ گھر کے کاموں میں اس کی دلچسپی ختم ہوتی جا رہی تھی اور شوہر سے تو حکا رہی ہونے لگی تھی۔ ہر کام محبت مانگتا ہے جس کام کو بھی پیار اور محبت سے عبادت سمجھ کر کیا جائے اس کا مزہ ہی کچھ اور ہوتا ہے اس کے ہاتھ میں لذت تھی۔ جس کے سب دیوانے تھے مگر آج کل بچوں کو یہی شکایت تھی کہ ”امی کھانا مزے کا نہیں بنا رہیں۔“

☆☆☆

آج کل وہ خود احتسابی کے عمل سے گزر رہی تھی۔ اسے اپنے رویے پر ندامت تو ماحول کی پراگندگی پر شرمندگی تھی۔ اس نے سوچ لیا تھا کہ اب فضا باجی کی باتوں پر کان دھر کر اپنی پرسکون زندگی کو آگ نہیں لگائے گی، نہ گھر کی جنت کو دوزخ بننے دے گی۔ اس روز اس نے دل لگا کر کھانا پکایا۔ بچے نیچے کی بلڈنگ کی چار دیواری میں دوستوں کے ساتھ کھیلنے گئے ہوئے تھے وہ ابھی نہانے جانے کا سوچ ہی رہی تھی کہ تیل کی آواز سے فلیٹ گونج اٹھا۔

”یہ کون بے وقت دوپہر کو آ گیا.....“ اس نے دروازہ کھولا تو فضا باجی کھڑی تھیں۔ بنی سنوری..... نوک پلک سے درست وہ بوکھلا گئی گھر تو صاف سہرا تھا مگر اس کا حال سر جھاڑ منہ پھاڑ..... اس نے فضا کو لا کر ڈرائنگ روم میں بٹھایا۔

”تمہارا فلیٹ بڑا خوب صورت اور صاف سہرا ہے۔“ انہوں نے کھلے دل سے تعریف کی اور علیزہ خوش ہو گئی۔

”تم سارا دن کیا کرتی رہتی ہو باہر نکلا کرو تاں.....“

”بس باجی وقت نہیں ملتا.....“

”حد ہے بھئی!“ ان کی آنکھوں میں حیرت تھی۔

”میں نے تو سنا تھا تم ایم اے انگلش ہو۔“

اگر مجھے لمبے بال پسند نہ بھی ہوتے تب بھی نہیں کٹوائی کیونکہ یہ میرے شوہر کی پسند ہے اور میں ہمیشہ اپنی پسند پر انشال کی پسند کو ترجیح دیتی ہوں۔ دراصل فضا باجی۔“ اس نے ہمدردی سے کہا۔ ”آپ کی شادی نہیں ہوئی ناں اس لیے آپ کو ان رفاقتوں، محبتوں اور چاہتوں کا کیا پتا..... میری مائیں تو آپ بھی شادی کر لیں پھر دیکھیں زندگی کا مزہ.....“ علیزہ نے خلوص سے مشورہ دیا مگر فضا کو تلوؤں سے لگی تو سر پر ہنسی۔

”خیر مجھے کوئی شوق نہیں ہے اپنی آزادی سلب کرانے کا..... یہ غلامی تمہیں ہی مبارک ہو۔ میں تو مردوں کو اپنی جونی کی نوک پر رکھتی ہوں۔“ پھر علیزہ کے لاکھ روکنے پر وہ غصے میں چلی گئیں۔

”ہو..... اس طرح کی عورتیں پتا نہیں خود کو کیا سمجھتی ہیں خدا جانے ان کے عزائم کیا ہیں جو پُرسکون زندگی میں لچل چل جاتی ہیں۔ ازدواجی زندگی میں زہر گھولنا شاید ان کا مشن ہے، شکر ہے مجھے وقت سے پہلے عقل آگئی اور ابھی کچھ نہیں بگڑا لیکن رمشا کو سمجھانا پڑے گا وہ بے وقوف فضا باجی سے بڑی متاثر ہے خدا نہ کرے کہ اس کا کوئی نقصان ہو جائے۔“

☆☆☆

اس دن فضا کی گفتگو نے علیزہ کو کافی محتاط کر دیا تھا اور وہ کچھ پریشان بھی تھی کیونکہ انشال کا رویہ روز بروز بُرا سا رہتا جا رہا تھا اکثر اس کی واپسی رات گئے ہوتی تھی، بچے بھی اس کی غیر موجودگی کو محسوس کرنے لگے تھے۔ گھر سے اس کا تعلق واجبی سارہ گیا تھا۔

نہ وہ چونچلے، نہ وہ چھیڑ خانی، نہ رات گئے تک علیزہ کے ساتھ مستی بھری سرگوشیاں کس سے اپنے دل کا حال کہتی رمشانے بھی گھر اور بچوں پر توجہ دینی شروع کر دی تھی۔ جس کی علیزہ کو بڑی خوشی تھی۔ اس کی بیرونی سرگرمیاں بھی محدود ہو گئی تھیں اور وہ بے حد سنجیدہ اور خاموش رہنے لگی تھی جو علیزہ کے لیے حیرت کا باعث تھا۔

آج تو حد ہو گئی تھی رات کا ایک بج رہا تھا اور

ایڈمیشن فیس ان کی بساط سے باہر تھی تب یہ اماں ہی تھیں جنہوں نے یکمشت پچاس ہزار روپے انہیں دے کر ان کی مشکل آسان کر دی تھی۔

”بیٹا..... میں گھر کے خرچے سے ہر ماہ کچھ نہ کچھ بچا لیا کرتی تھی تاکہ آڑے وقت میں کام آئے.....“ وہ دونوں خوشی سے اماں سے لپٹ گئے تھے۔

علیزہ کے چہرے پر ایک رنگ آ رہا تھا ایک جا رہا تھا فضا نے اس کے چہرے کے تاثرات سے اندازہ لگا کر موضوع ہی بدل دیا تھا۔

”علیزہ تمہارے بال کتنے خوب صورت ہیں۔“ علیزہ نے نہانے کے لیے بال کھول رکھے تھے جو آبشار کی طرح پوری کمر پر پھیلے ہوئے تھے یوں تو وہ خود بھی خوش شکل اور اسماٹ تھی لیکن بال نظر لگ جانے کی حد تک خوب صورت تھے، لمبے گھنے سیاہ چمکیلے اور سلکی..... انشال تو دیوانہ تھا اس کے بالوں کا..... اکثر رات کو شرارت سے اس کی زلفوں میں منہ چھپا کر کہتا۔

”علیزہ جان ان زلفوں کی چھاؤں میں مجھے نیند بڑی اچھی آتی ہے۔ تم انہیں میری امانت سمجھ کر سنبھال کر رکھا کرو.....“ اور حقیقتاً علیزہ کو انشال کی ہی وجہ سے اپنے بال... بے حد عزیز تھے نہ جانے کون، کون سے ٹونے ٹونے استعمال کر کے وہ ان کی حفاظت کرتی تھی۔

”انشال کو میرے بال بے حد پسند ہیں۔“ وہ فخر اور پیار کے ملے جلے تاثرات کے ساتھ بولی۔

”لیکن آج کل کس کے پاس وقت ہے ان گھنے جنگلوں کو سنبھالنے کا۔“ فضا منہ بنا کر بولی۔

”آج کل تو لمبے بالوں کا فیشن بھی نہیں تم نے خواہ مخواہ در دوسر پال رکھا ہے۔ پینڈور کتے ہیں لمبے بال، تم تو بڑھی لکھی ہو میری مائوں تو کٹوالو..... میرے ساتھ چلو پوھیپ میں کٹوادوں گی آفت لگوگی۔“ علیزہ کی آنکھوں میں حیرت دیکھ کر وہ جلدی سے گویا ہوئیں۔ ”پیسوں کی فکر نہیں کرو ہوئی پارلر میری دوست کا ہے مفت میں کاٹ دے گی۔“

”مگر میں نے آپ سے بال کٹوانے کو کب کہا؟

انشال کا کوئی پتا نہیں تھا۔ کئی واہموں اور خدشوں نے اسے گھیر لیا تھا۔ آج بھی معمولی بات پر وہ بھڑک اٹھی تھی اور انشال بھی بغیر کچھ کہے غصے میں باہر چلا گیا تھا۔  
 ”اصل میں سارا قصور میرا ہی ہے۔“ جب علیزہ نے ٹھنڈے دل سے سوچا تو ساری غلطی اپنی نظر آئی۔

”سارا دن بیچارے کو لھو کا تیل بنے رہتے ہیں۔ پڑھانا کوئی آسان کام تو نہیں۔ پھر کالج سے نکل کر کوچنگ سینٹر جانا، رات گئے تک دوسرے دن کے لیے لیکچر تیار کرنا..... آخر وہ یہ سب کس کے لیے کرتے ہیں میرے اور بچوں کے لیے اتوار کو بھی کسی پرائیویٹ کالج میں کلاس لینے چلے جاتے ہیں تاکہ ہماری ضروریات زندگی سکون سے پوری ہو سکیں۔ اور میں نے کیا، کیا؟ فضا باجی کی باتوں کے سحر میں آ کر اپنی جنت کو آگ کے شعلوں کی نذر کرنے کی کوشش کی۔ انشال اور بچوں کے بغیر بھی کوئی زندگی ہے پھر یہ تو میرا پتا گھر ہے جس کی میں بغیر کسی کے دخل کے مالک ہوں۔ مہارانی ہوں اس گھر کے تخت و تاج کی سیاہ و سفید کی مالک پھر غلامی کیسی یہ تو حکمرانی ہے۔ مجھے تو دو گھڑی پھر بھی کمرنگانے کا موقع مل جاتا ہے لیکن انشال کو تو چھٹی کے دن بھی آرام نہیں پھر بھی ہمیشہ مسکراتے رہتے ہیں کبھی میں نے انہیں چڑچڑاتے، جھنجھلاتے یا غصہ کرتے نہیں دیکھا۔ پتا نہیں کس مٹی کے بنے ہوئے ہیں۔“

رات کے سناٹے میں اچانک باؤنڈری وال سے شور کی آوازیں آنے لگیں۔ علیزہ نے گھبرا کر فلیٹ کی بالکونی سے جھانکا ہر فلیٹ سے کوئی نہ کوئی لٹکا ہوا تھا اور نیچے شور ہی شور تھا۔ اس کا دل بھر آیا۔ انشال کا اب تک کوئی پتا نہیں تھا اس کا دل چاہا اور پررمشا کے پاس جا کر دل کا بوجھ ہلکا کرے مگر بچے سو چکے تھے اتنی رات کو اوپر جانا ٹھیک تھا نہ بچوں کو تنہا چھوڑنا..... اچانک دروازہ ناک ہو اس نے گھبرا کر دروازہ کھولا اور انشال کو دیکھتے ہی بے تابی سے بولی۔

”آپ کہاں رہ گئے تھے، میں بے حد پریشان تھی۔“  
 ”بیگم صاحبہ آپ کو پریشانی سے بچانے کے لیے

ہی تو یہ خادم آج کل بے حد مصروف تھا۔ گراؤنڈ فلور کے ایک فلیٹ میں چند خواتین نے این جی او کی آڑ میں فحاشی کا اڈا بنایا ہوا تھا ایسی ہی خواتین تو مخلص خواتین کے کام کو داغدار کرتی ہیں۔ ان خواتین کا مقصد ہی ازدواجی زندگی گزارنے والوں کا سکون تباہ کرنا تھا کیونکہ خود ان کی شادی ہوئی نہیں اس لیے وہ چاہتی ہیں خود نہ بس سکیں تو کسی اور کو بھی نہ بسنے دیں۔“ وہ پھر شرارت سے علیزہ کی ناک دباتے ہوئے شوخ ہوا۔

”تمہارے لیے ایک سر پر از یا خوش خبری ہے۔ میں تو خیر تمہاری زلفوں کے بیچ وچم میں اس طرح الجھ گیا تھا کہ بقول شاعر.....

”اب رہائی ملے گی تو مرجائیں گے..... والا حساب تھا اس سے مجھ پر تو ان خاتون کا جو میڈم فضا کہلاتی ہیں جادو چل نہ سکا لیکن ہمارے بے وقوف دوست جو اتفاق سے تمہارے بہنوئی بھی ہیں اس کا شکار ہوتے، ہوتے بیچ گئے، وہ شادی کرنے والے تھے ان سے اور میں بغیر ٹھوس ثبوت کے انہیں سمجھا نہیں سکتا تھا اس لیے آج ان سرگرمیوں سے انہیں آگاہ کیا پولیس کا چھاپا پڑوایا اور یوں اسے اسیری سے بچایا۔ رمشا کو یہ سب بتانے کی ضرورت نہیں مگر اسے سمجھانا ضرور کہ میاں بیوی کے درمیان رشتہ محبت، اعتماد، وفا، اخلاص اور قربانی سے ہی قائم رہ سکتا ہے میاں، بیوی کے درمیان خلا نہیں آنا چاہیے ورنہ اس خلا کے پُر ہونے میں دیر نہیں لگتی۔ محبت اور غلامی میں بڑا فرق ہے اس بے وقوف کو یہ ہی نہیں معلوم کہ آزادی کے نام پر وہ کیا کچھ لٹانے جا رہی تھی۔“ آخر میں انشال کا لہجہ سنجیدہ ہو گیا تھا۔ علیزہ کا سر تشکر کے مارے جھک گیا شرمندگی کی وجہ سے الفاظ لیوں پر آنے سے پہلے ہی دم توڑ گئے بغاوت کی پرچھائیاں نظروں سے اوجھل ہوئیں تو ہر چیز واضح ہو گئی اس نے انشال کا ہاتھ مضبوطی سے پکڑتے ہوئے اپنی خوشیوں کی دعا کی ابھی تو اسے شکرانے کے نفل بھی پڑھنا تھے۔





رستی

عقید حق

میں خاموش وجود کو کھینچتی آگے بڑھی..... میری  
نظر خالی بیڈ پر پڑی..... میرے بڑے بھیا کا بیڈ خالی  
تھا..... وہ اسپتال میں تھے..... وہ دل کے مریض تھے۔  
میں نے دوسرے کمرے میں دیکھا..... بکھرے  
بال اور اجڑے وجود کے ساتھ دیوار سے ٹیک لگائے جو  
عورت بیٹھی تھی میرا دل ماننے کو تیار نہیں تھا کہ وہ میری

میرے قدم نہیں اٹھ رہے تھے..... بڑی مشکل  
سے اپنے وجود کو کھینچتی میں دروازے تک پہنچ ہی گئی اور  
آہستگی سے دروازہ کھول کر اندر داخل ہو گئی یہاں گھر  
پر ایک عجیب اداسی کی چادر تھی ہوئی تھی۔ میں نے ایک  
لمحے کے لیے درو دیوار کو دیکھا..... کہیں میں غلط جگہ تو  
نہیں آ گئی۔

ماہنامہ پاکیزہ 199 ستمبر 2016ء

## پاک سوسائٹی پر موجود مشہور و معروف مصنفین

عُمیرہ احمد	صائمہ اکرام	عشنا کوثر سردار	اشفاق احمد
نمرہ احمد	سعدیہ عابد	نبیلہ عزیز	نسیم حجازی
فرحت اشتیاق	عفت سحر طاہر	فائزہ افتخار	عنایت اللہ التمش
قُدسیہ بانو	تنزیلہ ریاض	نبیلہ ابراراجہ	ہاشم ندیم
نگہت سیما	فائزہ افتخار	آمنہ ریاض	ممتاز مفتی
نگہت عبداللہ	سباس گل	عنیزہ سید	مستنصر حسین
رضیہ بٹ	زُخسانہ نگار عدنان	اقراء صغیر احمد	علیم الحق
رفعت سراج	اُمِ ہریم	نایاب جیلانی	ایم اے راحت

## پاک سوسائٹی ڈاٹ کام پر موجود ماہانہ ڈائجسٹس

خواتین ڈائجسٹ، شعاع ڈائجسٹ، آنچل ڈائجسٹ، کرن ڈائجسٹ، پاکیزہ ڈائجسٹ،  
حناء ڈائجسٹ، ردا ڈائجسٹ، حجاب ڈائجسٹ، سپنس ڈائجسٹ، جاسوسی ڈائجسٹ،  
سرگزشت ڈائجسٹ، نئے آفاق، سچس کہانیاں، ڈالڈا کا دسترخوان، مصالحہ میگزین

## پاک سوسائٹی ڈاٹ کام کی شارٹ کٹس

تمام مصنفین کے ناولز، ماہانہ ڈائجسٹ کی لسٹ، کڈز کارنر، عمران سیریز از مظہر کلیم ایم اے، عمران سیریز از ابنِ صفی،

جاسوسی دنیا از ابنِ صفی، ٹورنٹ ڈاؤنلوڈ کا طریقہ، آن لائن ریڈنگ کا طریقہ،

ہمیں وزٹ کرنے کے لئے ہمارا ویب ایڈریس براؤزر میں لکھیں یا گوگل میں پاک سوسائٹی تلاش کریں۔

اپنے دوست احباب اور فیملی کو ہماری ویب سائٹ کا بتا کر پاکستان کی آن لائن لائبریری کا ممبر بنائیں۔

اس خوبصورت ویب سائٹ کو چلانے کے لئے ہر ماہ کثیر سرمایہ درکار ہوتا ہے، اگر آپ مالی مدد کرنا چاہتے ہیں تو ہم سے فیس بک پر رابطہ کریں۔۔۔

بڑی بھابی ہیں..... میری نظریں دوبارہ بھابی کے وجود پر تنگ کنیں.....“

”بڑی بھابی.....“ میرے منہ سے کپکپاتا ہوا نکلا۔

☆☆☆

”بڑے بھیا کی انجم کو طلاق ہوگئی۔“ میں جو آنکھیں بند کیے لیٹی تھی..... میں نے گھبرا کر موبائل کی جگمگاتی اسکرین کو دیکھا۔

اور پھر دوبارہ فون کان سے لگا لیا..... اس امید کے ساتھ جو بھی سنا وہ غلط ہوگا..... دراصل منزه کچھ اور کہہ رہی ہوگی..... میں نے سنا کچھ اور ہے۔

”کیا کہہ رہی ہو.....؟“ میں نے پھنسی پھنسی

آواز میں پوچھا۔

”بڑے بھیا کی انجم کو طلاق ہوگئی.....“ میری چھوٹی بہن منزه نے اپنی بات کو ڈہرایا۔

”بڑے بھیا کی انجم کو.....؟“ میں شدید حیرت زدہ سی تھی۔

”ہاں بھئی، بڑے بھیا کی انجم.....“ منزه کا لہجہ کچھ جتنا ہوا سا تھا۔

☆☆☆

”گھر میں ہمارے آئی دہن سکھی پھول برساؤ.....“

گھر میں ہمارے آئی دہن سکھی پھول برساؤ.....“

بڑے بھیا کی دہن، نیلو فر بھابی گھر میں داخل ہو رہی تھیں..... ان کا پھولوں سے استقبال ہو رہا تھا۔

سب لڑکیاں گارہی تھیں اور ان آوازوں میں سب سے نمایاں آواز میری تھی۔

بڑے بھیا ہم چار بہنوں کے ایک ہی تو بھائی تھے۔ محبت کرنے والے، پڑوقار، بڑے بھیا..... ہم

چاروں بہنیں بڑے بھیا کو دل و جان سے چاہتے تھے تو بڑے بھیا بھی ہم کو بہنوں سے زیادہ بیٹیوں کی طرح

ٹریٹ کرتے، میں ساتویں جماعت میں تھی جب بڑی بھابی نیلو فر ہمارے گھر کا حصہ بنیں۔ بڑی آپا کی شادی

ہو چکی تھی اور چھوٹی آپا بی اے کر رہی تھیں، میں تیسرے نمبر کی اور سب سے چھوٹی منزه..... جب سرخ گاؤ

ماہنامہ پاکیزہ ﴿ 200 ﴾ ستمبر 2016ء

تکے سے ٹیک لگاٹے بیٹھی بھابی کے برابر میں بڑے بھیا جا کر بیٹھے تو منزه ان کی گود میں تھی اور میں..... بڑے بھیا کے گھٹنے سے لگی چھک، جھک کر بڑی بھابی کو پُرشوق نظروں سے دیکھ رہی تھی۔

☆☆☆

”بھابی میں آپ کے کمرے کی صفائی کروں؟“ مجھے سانولی سلونی سی بڑی بھابی بہت اچھی لگتی تھیں۔ اور اچھا لگنے کی ایک وجہ یہ بھی تھی کہ وہ میرے بڑے بھیا کی دہن تھیں۔

”ہاں، ہاں کرو..... بلکہ روز ہی کر دیا کرو..... لیکن آہستہ، آہستہ کیونکہ میرے سر میں درد ہو رہا ہے۔“ بڑی بھابی کا لہجہ روکھا سا تھا۔

لیکن مجھے لہجوں کی کہاں پہچان..... میں تو ان کی بات مکمل ہونے سے پہلے ان کے لیے سر درد کی دوا لینے بھاگی..... اور پھر کمر صاف کرنے کے بعد جب تک بڑی بھابی سو نہیں گئیں میں ان کا سر دباتی رہی۔

بڑی بھابی مزاجاً کافی نخرے والی تھیں۔ ذرا الگ تھلگ سی رہتیں۔ اپنے کام سے کام رکھتیں..... جب بڑی آپا اپنی سرال سے آئیں تو

انہیں بڑی بھابی کا اس طرح لیے دیے رہنا بہت کھلتا..... وہ اکثر امی سے شکایتا کہتیں۔

”ضروری تو نہیں جو تمہاری سرال میں ہوتا ہے وہی ہم بھی کریں۔“ جواب میں امی کا ایک جملہ بڑی

آپا کو خاموش کر دیتا کہ اپنی سرال میں صبح سے شام تک وہ کاموں میں الجھی رہتیں اور جو ایک آدھ دن

کے لیے میکے آئیں تو امی کو اکیلے کام کرنا دیکھ کر ان کے ساتھ لگ جاتیں۔

☆☆☆

میں نے ہاتھ میں پکڑی آکس کریم کو دیکھا..... بڑے بھیا روز آفس سے آ کر مجھے اور منزه کو آکس

کریم دلوانے لے کر جاتے۔ میں بہت شوق سے بڑے بھیا کا ہاتھ تھامے آکس کریم کھاتے، کھاتے

گھر آتی۔ لیکن اب..... اب بڑے بھیا میری آکس کریم

WWW.PAKSOCIETY.COM ONLINE LIBRARY FOR PAKISTAN



PAKSOCIETY1

f PAKSOCIETY



انجم پیدا ہوئیں بھابی کا خرہ اور مزاج آسمان سے باتیں کرنے لگا۔

بڑی بھابی کبھی گھر کا فرد نہیں بن پائیں۔ شاید انہوں نے کوشش ہی نہیں کی تھی۔ بڑے بھیا چپ چپ سے لگتے..... میرا دل چاہتا میں بڑے بھیا کے گلے لگ کر پوچھوں۔

”بڑے بھیا پہلے کی طرح ہنستے کیوں نہیں..... ہاتھ پر ہاتھ مار کر قہقہہ کیوں نہیں لگاتے.....“ لیکن اب میں بڑی ہو گئی تھی لحاظ..... اور شرم آڑے آتی..... میں اب بڑے بھیا کے پاس جاتی تو وہ خاموشی سے میرے سر پر ہاتھ رکھ دیتے..... اور میں بہت ساری باتیں کہنے کی خواہش رکھنے کے باوجود ان سے کہہ نہیں پاتی۔ میں اسکول سے کالج میں آگئی..... چھوٹی آپا کی بھی شادی ہو گئی۔ ابا اکثر بیمار رہنے لگے۔ امی خاموش رہیں اور بڑے بھیا..... اپنی دنیا میں مگن مگر خاموش.....

☆☆☆

”خواہ مخواہ آپ کے گھر والے ڈرامے بازی کرتے ہیں، کوئی آپ سے محبت و جنت نہیں ہے کسی کو..... ارے محبت ہوتی تو اس طرح بیوروں میں زنجیریں باندھ کر تو نہیں رکھتے..... آپ کی دونوں بہنیں سسرالوں میں بیٹھ کر رہی ہیں اور میں دو، دو بچوں کے ساتھ ایک کمرے میں رہتی ہوں..... رات دن چولھے میں گھسی رہتی ہوں۔ ارے دونوں بڑی تو بڑی آپ کی تو چھوٹی بہنیں بھی بہت زبان دراز ہیں، سارا دن پڑھتی ہیں اور نہ لکھتی لیکن دکھانے کے لیے کتابوں میں سر دینے بیٹھی رہتی ہیں۔“

”لیکن.....“ بڑے بھیا نے کچھ بولنا چاہا۔

”لیکن ویکن بند کریں..... ارے یہ سب ڈراما ہے، آپ کو دیکھتے ہی اس طرح کاموں میں لگ جاتی ہیں جیسے سارا دن بیچاریاں یہی کام کرتی رہی ہیں۔“ انہوں نے ٹھنڈی سانس بھری۔

”سچ کہتے ہیں لوگ ساس، ساس ہوتی ہے اور

.... خود ہی لے آئے۔

”کھا لو بیٹا.....“ امی نے مجھے جربز ہوتے دیکھ کر کہا۔ اب بڑے بھیا روز شام کو بڑی بھابی کو لے کر واک پر چلے جاتے تھے۔ اور واپسی پر آکس کریم لیتے آتے تھے۔

”بیٹا بھابی اکیلے جانا چاہتی ہیں، بڑے بھیا اگر ان کی بات نہیں سنیں گے تو وہ ناراض ہو جائیں گی۔“ امی نے مجھے بہلایا۔ اور میں نے سر جھکا کر آکس کریم کھانا شروع کر دی کہ دل مانے یا نہ مانے لیکن بڑے بھیا کو کسی قسم کی پریشانی ہو، یہ بات مجھے کیا گھر میں کسی کو بھی برداشت نہیں ہو سکتی تھی۔

☆☆☆

شاید کچھ لوگوں کا خیر ناشکری سے اٹتا ہے اور بڑی بھابی کا شمار اسی قسم کے لوگوں میں ہوتا تھا..... بڑی بھابی کا سب بہت خیال رکھتے..... وہ گھر کے کسی کام کو ہاتھ نہیں لگاتیں..... بڑے بھیا کے آفس جانے کے بعد یا تو وہ فون پر لگ جاتیں یا پھر اپنے میکے چلی جاتیں اور بڑے بھیا کے آنے سے پہلے واپس آ جاتیں۔

امی خاموش رہیں اور ہم سب کو چپ رہنے کی تاکید کرتیں..... وقت کچھ آگے سر کا تو بھابی رات کے کھانے میں امی کے ساتھ ہاتھ بٹانے لگیں کہ بھیا بھی موجود ہوتے تھے پھر بڑی بھابی کی گود میں بھی سی گلابی سی پری آگئی۔ بڑے بھیا کو اپنی بہنوں سے بہت پیار تھا۔ شاید اللہ نے اسی لیے انہیں اوپر تلے دو بیٹیاں دے دیں..... بڑی بھابی کو اللہ سے بڑی شکایت تھی اور ہمارے گھر کا بچہ، بچہ بہت خوش.....

لیکن حقیقت میں کچھ لوگ ناشکرے ہی ہوتے ہیں اور بڑی بھابی کا شمار بھی ان ہی لوگوں میں ہوتا تھا۔ ہم سب بہت خوش تھے اور بھابی مسہری سے نیچے پیر نہیں اتارتی تھیں۔

پہلے تو بڑی بھابی امی کے ساتھ کام میں تھوڑا بہت میں ہاتھ بٹا بھی لیتی تھیں لیکن جب سے مریم اور

بڑے بھیا میرے لیے کیا تھے..... یہ تو بڑے بھیا بھی نہیں جانتے تھے۔

ابا نے بڑے بھیا کے الگ رہنے کو سہنا چاہا لیکن وہ ابا کے دوست بھی تو تھے۔ لاشعوری طور پر بڑے بھیا کی واپسی کے وقت ابا کی آنکھیں وال کلاک پر ٹھہری جاتیں اور پھر ایک رات سینے میں اٹھنے والا درد، ہم سے ہمارے ابا کو چھین کر لے گیا۔

☆☆☆

بڑے بھیا کی آمدنی معقول تھی لیکن بڑی بھابی کے شاہانہ خرچوں کی وجہ سے وہ ہر وقت پریشان رہتے۔ ابا کے انتقال کے بعد بڑے بھیا نے بہت چاہا کہ ہم سب ایک بار پھر ایک چھت تے مل کر رہیں لیکن بڑی بھابی نہیں مانیں۔

☆☆☆

کچھ عورتیں دل میں سسرال والوں کے لیے ایک نہ کچھ میں آنے والی کدورت لے کر ہی آتی ہیں اور اس کدورت کو سسرال والوں کے اچھے روئے، مخلصانہ برتاؤ اور صلح جوئی کے باوجود کم کرنے کے بجائے اپنے دلوں میں رانگی کا پہاڑ بنائے رکھتی ہیں۔ اور وہ اپنے دلوں کا میل اور کدورت اپنی اولادوں میں ضرور منتقل کرتی ہیں اور اولادوں کے دل میں زہر اتارتے وقت وہ یہ بات بھول جاتی ہیں کہ سسرال والوں کی مخالفت میں وہ اولاد کو چھری بنا رہی ہیں..... اور چھری کا کام ہے کاٹنا..... پھر چھری یہ نہیں دیکھتی کہ وہ کس کو کاٹ رہی ہے۔

اور بڑی بھابی کا شمار بھی عورتوں کے اس طبقے سے تھا..... جو گندی کھسی کی طرح صرف زخم پر ہی آٹھٹھتی ہے۔ بھابی کو بھی سفید کاغذ پر صرف ایک کالا نقطہ نظر آتا..... بڑا سفید کورا کاغذ نہیں کبھی نظر نہیں آیا۔

بھابی رات دن چھوٹی، چھوٹی بچیوں سے بڑی، بڑی برائیاں کرتیں..... ان کی ننھی، ننھی سماعتوں میں ڈھیروں زہرا نڈھیلیں ہمارا کبھی بڑی بھابی سے جھگڑا نہیں ہوا کیونکہ جھگڑا وہاں ہوتا ہے جہاں دو فریق اپنے،

ماں، ماں ہوتی ہے۔ آپ کی امی جان کے فرمودات میرے بارے میں کچھ اور ہیں اور اپنی بیٹیوں کے بارے میں کچھ اور.....“

”امی آپ رہنے دیں..... میں نے کوفتے کا سالن پکا دیا ہے، شامی کباب بھی تیار کر کے ڈیپ فریزر میں رکھ دیے ہیں کچھ اور بتادیں وہ بھی پکادوں گی تاکہ آپ کو کچھ سہولت تو ہو جائے۔“ بڑی آپا جو سارا دن کے لیے آئی ہوئی تھیں امی سے مخاطب تھیں۔

بڑی آپا اور چھوٹی آپا جب بھی ایک دوسرے کے لیے رہنے آئیں امی کے ڈھیروں کام نمٹا جاتیں۔ چھوٹی آپا مشین لگائیں، کپڑے دھوئیں، الماریاں صاف کرتیں تو بڑی آپا کچن سنبھال لیتیں۔ اور میرے اور منزہ کے مزے آجاتے۔ ہم دونوں آرام سے اپنے ادھورے اسائنمنٹ مکمل کرتے لیکن.....

”سن رہے ہیں ناں آپ۔“ بڑی بھابی کی آواز مجھ کو حقیقت کی دنیا میں سمجھ لائی۔ ”اب یہ نہیں ہو سکتا ان دونوں چھوٹی نکلیوں کے ساتھ، ساتھ میں ان دونوں بڑی مہارانیوں کے سامنے بھی کھانا ٹرے میں لگاؤں۔ حد ہوتی ہے زیادتیوں کی بھی.....“ میں جو بڑے بھیا اور بھابی کو کھانے کے لیے بلانے آئی تھی۔ ان کے کمرے سے آتی آوازوں کو سن کر جیسے پتھر کی ہو گئی۔ اور پھر میں خاموشی سے پلٹ گئی..... کبھی کبھی دل چاہتا ہے ناں کہ کاش ہم اندھے، گونگے اور بہرے ہو جائیں..... ہے ناں.....!

☆☆☆

”رک جاؤ..... کھانا کھا کر چلی جانا.....“ بڑی بھابی نے مجھے چادر اوڑھتے دیکھ کر اوپری دل سے کہا۔ پتا نہیں کیسے دل اتنے تنگ ہوئے کہ ابا کا گھر بڑی بھابی کو چھوٹا لگنے لگا..... بڑے بھیا کی اوپر تلے دو بیٹیاں ہو گئیں..... تو پھر بڑی بھابی نے الگ گھر کی ضد باندھ لی..... امی اور ابا نے خاموشی سے بڑے بھیا کو الگ کر دیا۔ جس دن بڑے بھیا کا سامان ٹرک پر لدا..... اس دن میں بہت پھوٹ، پھوٹ کر روئی.....

ماہنامہ پاکیزہ ﴿ 202 ﴾ ستمبر 2016ء

جندھی ہوئی ہے کہ انہیں اور کچھ نظر ہی نہیں آتا۔ حتیٰ کہ اپنی اولاد بھی انہیں نظر نہیں آتی۔“ بھابی نے میری نظروں کے سوال کا بڑی تفصیلی جواب دیا۔

”لیکن پھر بھی بھابی، اللہ کا شکر ہے، ہمارے پاس سب کچھ ہے، آپ یہ جوڑا کسی غریب کو دے دیجیے گا۔“ لاکھ کوشش کے باوجود میں ضبط نہیں کر سکی اور میں نے آہستگی سے کہتے ہوئے جوڑا واپس شاہر میں ڈال کر بھابی کو تھما دیا۔

## قارئین متوجہ ہوں

پرچا  
نہیں ملتا

کچھ عرصے سے بعض مقامات سے یہ شکایات مل رہی ہیں کہ ذرا بھی تاخیر کی صورت میں قارئین کو پرچا نہیں ملتا۔ ایجنٹوں کی کارکردگی بہتر بنانے کے لیے ہماری گزارش ہے کہ پرچا نہ ملنے کی صورت میں ادارے کو خط یا فون کے ذریعے مندرجہ ذیل معلومات ضرور فراہم کریں۔

- ☆ بک اسٹال کا نام جہاں پر چاڑھیا ہے نہ ہو۔
- ☆ شہر اور علاقے کا نام۔
- ☆ ممکن ہو تو بک اسٹال کا PTCL یا موبائل نمبر۔

رابطے اور مزید معلومات

شمار عباس 0301-2454188

جاسوسی ڈائجسٹ پبلسیشنز

سپینس جاسوسی پبلسیشنز، سرگزشت

63-C، سینیٹر سید سید علی شاہ، گلبرگ، اسلام آباد

مندرجہ ذیل ٹیلی فون نمبروں پر بھی رابطہ کر سکتے ہیں

35802552-35386783-35804200

ای میل: jdpgroup@hotmail.com

اپنے موقف پر ڈٹ جاتے ہیں..... اور ہم نے کبھی بڑی بھابی سے بحث نہیں کی..... اور یوں بڑی بھابی ہمیشہ اپنے خیال میں حق پر ہیں۔

☆☆☆

ابا کے بعد بڑے بھیا اکثر آفس سے گھر آجاتے، گھر کی حالت لاکھ اُن سے چھپاتے لیکن بڑے بھیا تو ہمارے بڑے بھیا ہی تھے ناں..... وہ ہر ممکن کوشش کرتے کہ امی کو کسی قسم کی پریشانی نہ ہو۔

میں نے ٹیوشنز لگالی تھیں..... میں اور منزہ مل کر شام کو ٹیوشنز سنبھالتے..... بڑی بھابی کے شاہانہ خرچوں کے باوجود بڑے بھیا ہمارا خیال کرتے اور جو کبھی بڑی بھابی کو بھنگ بھی پڑ جاتی تو وہ رکھ، رکھ کر اتنا سنا تیں کہ دل چاہتا کہ کاش میں فوت سماعت سے محروم ہوتی۔

بڑی بھابی جب بھی آتیں وہ اور بچیاں بہترین کپڑوں میں ملبوس ہوتیں..... بڑی بھابی ہر وقت سچی سنووری رہتیں..... ہمیں اچھا لگتا لیکن پتا نہیں کیوں جب کبھی میں بڑی بھابی کے کپڑوں، جوتوں یا کسی جیولری کی تعریف کرتی تو ان کے لبوں پر ایک عجیب سی مسکراہٹ ٹھہر سی جاتی..... جسے میں کوئی نام نہیں دے پاتی۔

☆☆☆

سرخ پڑھ کا شن کی ٹیس جس کے دامن کارنگ پلچ کی وجہ سے کٹ گیا تھا اور گھسے ہوئے پانچوں کی مسٹر ڈرنگ کی شلوار.....

میں نے حیرت سے دوبارہ اس جوڑے کو دیکھا..... اور پھر بھابی کو.....

”ارے لے لو، پہن لینا..... تمہارے بھائی کو تم لوگوں کی بہت فکر رہتی ہے۔ ہر وقت تم لوگوں کی فکر..... تمہاری سوچ، اس طرح تو وہ بیمار ہو جائیں گے..... کل کہہ رہے تھے کہ عاصمہ اور منزہ کے پاس، ڈھنگ کے کپڑے نہیں ہیں۔ ان کے کپڑے بنوانے ہیں..... مجھے تو تم دونوں ہمیشہ ہی ایک سے بڑھ کر ایک جوڑے میں نظر آتی ہو..... لیکن ابھی، تمہارے بھائی کی آنکھوں پر نہ جانے تم لوگوں کی محبت کی کون سی پٹی

گئی..... ماں کے دودھ کے ساتھ سسرالی رشتوں سے نفرت اور بغض اس کی رگوں میں دوڑ رہا تھا۔

لوگ، حسد اور غصے میں سب سے زیادہ نقصان اپنا ہی کرتے ہیں، بڑی بھابی نے بھی نہ جانے کیوں.....؟ ہم لوگوں سے ہمیشہ ایک حسد کا تعلق رکھا..... اور جب یہ شکایت، بغض اور حسد اپنے دلوں میں لے کر یکے بعد دیگرے ان کی دونوں بیٹیاں بیاہی گئیں تو مریم کا تو یہ حال تھا کہ ساس نہ سسر..... خالی شوہر تھا لیکن کیونکہ بدزبانی اس کی سرشت میں تھی تو اگر مہینہ بھر شوہر کے ساتھ رہتی تو دو مہینے باپ کے گھر آ کر بیٹھ جاتی..... پھر بڑے بھائیوں کا بندل اسے تھماتے اور وہ اپنے شوہر کے پاس چلی جاتی۔ سب بھینس بڑی بھابی اور ان کی بیٹیوں کے رویے کی وجہ سے بڑے بھیا کے گھر تک نہیں جاتی تھیں لیکن میں..... اکثر بڑے بھیا کے گھر چلی جاتی۔

بھابی بظاہر اچھی طرح ملتیں لیکن اب میں ساتویں جماعت میں پڑھنے والی بنی تو نہ تھی، اب میں خود دو بچوں کی ماں تھی..... محبت اور تعلق کا فرق سمجھتی تھی..... لیکن سبھی انجم اس کا رویہ ہمیشہ بہت چنگ آمیز ہوتا۔ اسے ساری دنیا سے شکایتیں تھیں..... وہ بات، بات پر مجھے جتاتی کہ اس کے باپ (بڑے بھیا) نے کیونکہ ساری زندگی اپنی کمائی، اپنی بہنوں پر لٹائی ہے اس لیے وہ کبھی جمع نہیں کر سکے۔

میرا دل چاہتا ہے بتاؤں کہ ہم نے تکلیف کا ایک طویل دور گزارا لیکن کبھی بھرم سے بندھی منھی کسی کے سامنے حتیٰ کہ بڑے بھیا کے سامنے بھی نہیں کھولی۔ ہاں بڑے بھیا خود سے خیال ضرور رکھتے تھے۔ لیکن ان جگہوں پر جو چھپائی نہیں جاسکتیں۔ جیسے ابا کی بیماری یا ہماری شادیاں..... بڑے بھیا کی کمر توڑنے والی مصیبت بڑی بھابی کی جھوٹی شان و شوکت اور فضول خرچی تھی لیکن میں خاموش رہتی کہ جب چھوٹے بدتمیز ہو جائیں تو بڑوں کو اپنی عزت کا خود ہی خیال رکھنا پڑتا ہے۔

بڑے بھیا جو ہمارے گھر کے بڑے بھیا تھے.....

کچھ لوگ ایسے ہوتے ہیں کہ جب بھی ان سے ملو تکلیف ہی ہوتی ہے اور بڑی بھابی کا شمار ان ہی لوگوں میں ہوتا تھا۔

☆☆☆

”ارے تم کیا کہہ رہی ہو، ساری زندگی تمہارے باپ نے ایک دن میری نہیں سنی لیکن جو ان کی اماں، بہنیں کہہ دیں بس وہی صحیح ہے باقی ساری دنیا جائے بھاڑ میں..... ارے صبر کرو..... صبر۔“

آج جب مریم کو اس کی دوست کے گھر سے واپسی میں دیر ہونے پر بڑے بھیا نے ڈانٹا تو بھابی نے دونوں بیٹیوں سے کہا۔

بھابی رات دن اپنی بچیوں کو اپنے اوپر ہونے والے خود ساختہ مظالم کی کہانیاں سناتی رہتیں..... ان کی دونوں بیٹیوں کو اس بات کا یقین ہو گیا تھا کہ ان کی دادی، پھوپھیاں بہت بری اور ظالم ہیں۔ اور پھر ایسا ہوا کہ وہ چھری بن گئیں..... گئی، بدگمانی، بدتمیزی ان کی شخصیت کا حصہ بن گئی۔

سسرال کی خود ساختہ مخالفت میں، مظلوم اور اچھی بننے کے شوق میں بڑی بھابی نے دونوں لڑکیوں کی شخصیت مسخ کر دی۔ اب نہ وہ ماں کی مانتی تھیں اور نہ ہی باپ کی سنتی تھیں۔

میری اور منزہ کی شادی کے بعد ایک دن چپکے سے امی بھی ابا کے پاس چلی گئیں۔

ہم بہنوں کے پاس صرف بڑے بھیا رہ گئے۔ کبھی کسی نے ان بہنوں کے بارے میں سوچا ہے جن کے سروں پر سے باپ کی چادر اتر چکی ہوں اور مائیں مٹی کی چادر اوڑھ کر سو چکی ہوں..... ان کے لیے بھائی اور بھائیوں کا گھر کیا حیثیت رکھتا ہے۔

لیکن بڑی بھابی کے رویے اور ان کی بیٹیوں کی تکلیفوں نے ہمارے قدم پتھر کے کر دیے۔

☆☆☆

بڑے بھیا کاروبار اور اپنے گھر بار میں مصروف ہو گئے یا کر دیے گئے۔ ان کی بڑی بیٹی مریم بیاہی

## صبر کا پھل

☆ اپنی روح کے باغ میں صبر اور برداشت کی کھیتی کاشت کرو، بے شک اس کا بیج کڑوا ہے لیکن پھل میٹھا ہے۔ اللہ ہم سب کو صبر، شکر اور برداشت جیسی عظیم نعمت عطا فرمائے، آمین۔

از: انجم طاہر، کراچی

اس ماں کے سامنے سینہ تان کر کھڑا ہو جاؤں..... ان بہنوں سے بدتمیزی کروں جو میرا ہاتھ پکڑ کر روز اسکول لے کر جاتی تھیں۔ میں نے غلطی کی..... میری ماں نے پہلے کہا تھا..... بیٹا جس لڑکی کی ماں ساری زندگی سسرال سے کٹ کر رہی ہو..... وہ لڑکی ہمارے گھر کو کیسے جوڑ کر رکھے گی..... لیکن میں کیا کرتا میں جو تمہاری منحوس شکل پر عاشق تھا، میری ماں نے میری محبت سمجھ کر تمہیں اپنایا..... اور تم چاہتی ہو میں اپنی ماں کو چھوڑ دوں..... معاف کرنا انجم صاحبہ..... ہر کسی کو اپنے باپ کی طرح نہیں سمجھتا..... تم جیسی عورتوں کو گھروں میں نہیں رکھا جاتا باہر پھینک دیا جاتا ہے۔ میں نے اور میرے گھر والوں نے تمہاری بدزبانی صرف اس لیے برداشت کی کہ بدتمیزی سے تم میرے بچوں کی ماں ہو..... میں اپنے بچوں کے لیے تم کو..... تمہاری جھوٹی فطرت اور کسی زبان کو برداشت کرتا رہا..... لیکن اب بہت ہو گیا۔“ آج جب انجم کی نند آئی تو اس کے بچے سے غلطی سے انجم کی نیل پالش اس کے ڈیرنگ روم کے کارپٹ پر گر گئی اور انجم..... انجم میں تو برداشت کا مادہ ہی نہیں تھا اور پھر سسرالی رشتے.....

پہلے تو اس نے ایک زوردار طمانچہ اس بچے کے منہ پر مارا اور پھر زبان اور غصے پر کنٹرول نہ ہونے کی وجہ سے اس قدر خراب زبان استعمال کی کہ صائم (انجم کا شوہر) جو اتفاقاً دفتر سے جلدی گھر آ گیا تھا۔ جب وہ گھر میں داخل ہوا تو اس کی بوڑھی ماں، بہو کی منٹیں کر رہی تھیں کہ وہ آہستہ بولے۔ کہیں محلے والے نہ بن

ان کی اپنے گھر میں بہت معمولی حیثیت تھی کیونکہ عورت..... گھر کی عورت..... بیوی، وہ اگر چاہے تو کیا کچھ نہیں کر سکتی..... لیکن وہ چاہے بھی تو..... ان کی بیٹیاں باپ سے دو بدوزبان چلا تیں..... بدتمیزیاں کرتیں اور ہم کو تو جوتی کی نوک پر رکھتیں۔ میں اکثر سوچتی اتنی نفرت..... اتنی شکایت..... پھر جب خود ماں بنی تو سمجھ میں آیا، مائیں، اپنے دودھ کے ساتھ اولاد کے دل میں محبت اور نفرت اتارتی ہیں..... تو کیا بڑی بھابی نے بھی.....؟

مجھے سوچتے ہوئے تکلیف ہوتی تھی۔

میری سمجھ میں یہ بات نہیں آتی کہ باپ کے گھر کچھ سال گزار کر لڑکی جس گھر میں آخری سانس تک رہتی ہے وہ اس گھر کو اپنا گھر اور اس کے مکینوں کو آخر اپنا کیوں نہیں سمجھتی۔ ہمیشہ ہی تو سسرال والے غلط نہیں ہوتے ناں.....

☆☆☆

انجم..... بھری پڑی سسرال میں بیاہ کر گئی تھی۔ ابھی چند سال پہلے ہی تو بڑے بھیمانے اسے رخصت کیا تھا۔ ایسا کیا ہوا تھا؟ سوچ، سوچ کر میرا دماغ ماؤف ہو رہا تھا..... میری نگاہیں، رو، رو کر سوچی ہوئی آنکھوں والی بڑی بھابی سے ٹکرائیں..... پہلی دفعہ مجھے ایسا لگا جیسے بڑی بھابی ٹوٹ گئی ہوں۔ پشیمانی، پریشانی، تاسف، ملال، شرمندگی ان کی آنکھوں سے آنسوؤں کی شکل میں..... ان کے رخساروں کو تر کر رہی تھیں۔

”ایسا کیا ہوا تھا؟“ میری آنکھوں نے پھر

سوال ڈھرایا۔

”کیا ہوا تھا؟“ بھابی نے جیسے منہ ہی منہ میں کہا۔

☆☆☆

”تم..... تم انتہائی بدتمیز اور بد زبان لڑکی ہو..... میری سمجھ میں نہیں آتا..... تم جیسی لڑکیاں کس قماش کی ماؤں کی گودوں میں پرورش پاتی ہو۔ تم چاہتی ہو جس ماں نے پچیس سال مجھے خون جگر پلا کر بڑا کیا..... تمہاری خاطر، میں اس ماں کو چھوڑ دوں.....

”مجھے معاف کر دینا..... زندگی بھر میں نے بہت ناشکری کی..... تم لوگوں کی قدر نہیں کی..... زندگی بھر تم پر تمہاری محبتوں پر بدگمان رہی۔“ وہ سسک رہی تھیں۔

”مریم کے میاں نے دوسری شادی کر لی۔ یہاں گھر آئی تو تمہارے بھائی نے واپس کر دیا..... میری بچی سوکن کے بچے پال رہی ہے۔ اور انجم، انجم کو صائم نے طلاق دے دی اور بچوں کو لے کر ملک سے باہر چلا گیا، یہ بھی نہیں پتا کہاں..... میری بچیاں برباد ہو گئیں۔ ان کی زندگیاں میری جہالت کی بھینٹ چڑھ گئیں۔“

اب وہ زور، زور سے بین کر رہی تھیں۔

”زندگی بھر میں تم سب کو ستاتی رہی..... اور خوش ہوتی رہی، میں بھول گئی تھی کہ اللہ کی لاشی بے آواز ہوتی ہے..... وہ گناہ گاروں کی رسی دراز تو ضرور کرتا ہے لیکن رسی اسی کے ہاتھ میں ہوتی ہے۔ اس نے میری رسی سمجھ لی..... ہاں دیکھو..... اس نے میری رسی سمجھ لی ہے۔“

بڑی بھابی مجھ سے لیٹ کر پھوٹ، پھوٹ کر رو رہی تھیں اور انجم ہنس رہی تھی کیونکہ اس کا دامنی توازن بگڑ گیا تھا۔

میں نے ایک بازو ہلکتی ہوئی بڑی بھابی کے گرد پھیلا یا اور دوسرے بازو سے چھینچی کو سمیٹ لیا۔ اور میرے کانوں میں صرف ایک ہی جملہ گونج رہا تھا۔

”رسی کتنی ہی لمبی کیوں نہ ہو، اس کا سر اللہ ہی کے ہاتھ میں ہوتا ہے اور وہ جب چاہے رسی کو کھینچ لیتا ہے۔ بے شک وہ بے حد انصاف کرنے والا ہے۔“

میرے دل سے ایک ٹھنڈی آہ نکلی۔

اور پھر میں بھی رو دی..... کہ لاکھ شکایتوں کے باوجود اپنوں کی تکلیف پر تکلیف تو ہوتی ہی ہے ناں اور..... میرے والدین کا بخشا خوف خدا تو میرے اندر موجود تھا ناں..... سو میں نے بھابی کو معاف کیا۔ بڑے بھیا کی کھٹی کھٹی سسکیاں مجھے تڑپا رہی تھیں۔



لیں اور اس کی بہن..... جو اپنے گھر میں لٹکوں کی طرح رہتی تھی..... وہ کارپٹ پر کارپٹ کلیئر ڈال کر جلدی، جلدی کارپٹ صاف کرنے کی کوشش کر رہی تھی..... اس کے بچے سہمے ہوئے ایک طرف کھڑے تھے اور ادھر انجم..... وہ کسی کی نہیں سن رہی تھی۔ اس کی ساس جتنا اس کو خاموش ہونے کو کہہ رہی تھیں وہ اتنا ہی چیخ رہی تھی..... اور پھر وہ ہو گیا جو کسی کے وہم و گمان میں بھی نہیں تھا۔



”بات اتنی بڑی تو نہیں تھی..... مجھے غصہ شاید اس بچے پر نہیں آیا تھا مجھے غصہ اس رشتے پر آیا تھا جو میرا اس کے ساتھ تھا۔“

”سسرال بری ہوتی ہے۔“

”سسرال والوں کو منہ نہیں لگانا چاہیے۔“

”ساس، تندوں سے زیادہ برا کوئی رشتہ نہیں۔“

”کسی سے دب کر نہیں رہنا۔“

”انہی خطوط پر میری تربیت ہوئی..... تو میں ان کی اچھائیاں کیا دیکھتی۔ اور پھر.....“ انجم کی ڈبڈبائی آنکھوں سے آنسوؤں نے باہر نکلتا شروع کر دیا۔

میرا دل کا نپا وہ میری بچی تھی، میرے بڑے بھیا کی بیٹی..... ہم سب کی وہ لاڈلی تھی۔

میرا وجود پتھر کا ہو گیا..... فاصلے اتنے تھے کہ سمٹ نہیں رہے تھے..... بڑی بھابی اچھے بال، چہرہ نڈھال..... رو، رو کر سوچی آنکھیں، خالی، کلائیاں چہرے پر ایک دم پیدا ہونے والا جھریوں کا جال.....

”گھر میں ہمارے آئی دلہن کسکی پھول برساؤ“

ہنستی مسکراتی، کھلے ہوئے لمبے، لمبے بال..... ڈیزائنرز کا سوٹ پہنے میری آنکھوں میں بڑی بھابی کا سجا سجا یا جگمگاتا سراسر پالہ لہرایا۔

”تو پھر..... یہ اجڑی ہوئی عورت کون ہے؟“

کسی نے مجھ سے پوچھا۔

اور میں جواب دینے کے بجائے بڑی بھابی کے گلے لگ گئی۔



## وہ کیسے...؟

عسارہ حسان

سات بار ایک دوسرے سے کرتے ہیں۔  
”وہ ہے.....؟“

☆☆☆

فاخر گھر کے ایک کونے سے دوسرے کونے تک  
جلے پاؤں کی ہٹا۔ اوہ سوری جلے پاؤں کے بلے کی طرح

چلچلاتی ہوئی دھوپ، شدید جس، سورج مانوسوا  
نیزے پر، ساتھ ہی ہو کا عالم..... ہوا کو بھی جیسے کسی نے  
قید میں ڈال رکھا ہو۔ مجال ہے جو کوئی پتا بھی مل  
جائے۔ اس بلا کی گرمی میں ملک عزیز کے شہریوں کا  
ایک ہی مشترکہ سوال ہوتا ہے جو دن میں کم از کم چھ

ماہنامہ پاکیزہ 207 ستمبر 2016ء

فارمولے نقل کرانا ہے۔“ سہیل نے جاندار قہقہہ لگایا تو فاخر کے چہرے پر بھی مسکراہٹ پھیل گئی۔

”ہاں یہ تو ہے اور پھر مشکل کے اس پل ہم بھی ایک دوسرے کے کام نہیں آئے تو کون آئے گا۔“ سہیل نے مزید تسلی کرا کے فون رکھا تو فاخر نے بھی خوشگوار موڈ میں سلمان عرف سلو کو دوبارہ کال کی۔

”تیار ہو جا، سہیل کی طرف چل کے نہ صرف پروجیکٹ بنالیں گے بلکہ کچھ پل سکون کہ بھی گزار لیں گے۔“

”اوہ..... شکر یہ یار..... میں تو پریشان ہو گیا تھا۔ صبح سے یہ وقت ہو گیا۔ نہ ہی وہ اور نہ ہی کوئی آثار ہے رات سے پہلے آنے کے۔“ سلو نے باپوسی سے جواب دیا اور بند پنکھے کی طرف دیکھ کے افسوس سے سر ہلایا کہ کل ہی تو وہ ٹیوشن کی فیس ملنے والے سارے پیسوں سے بجلی کا بل بھر کے آیا تھا اور پھر بھی بجلی کی یہ صورت حال تھی۔

☆☆☆

اولیس نے گھر میں داخل ہوتے ہی اپنے کمرے کی راہ لی اور پنکھا کھولا ہی تھا کہ اماں بی کی پاٹ دار آواز سے بوکھلا گیا۔

”یہ کس نے پنکھا کھولا ہے؟ بند کرو فوراً.....“  
 ”یا الہی، یہ اماں بی کو برآمدے میں بیٹھے، بیٹھے کس طرح معلوم ہو گیا کہ میں نے پنکھا کھولا ہے۔“  
 اولیس نے پنکھے کا سوچ بند کرتے ہوئے خود کلامی کی اور جھلا کے کمرے سے باہر نکلا۔

”اب اس سڑی گرمی میں انسان کو چنگ سے آکے ایک پنکھا بھی نہ کھولے کیا؟“  
 ”ارے میرے چاند، ذرا سی دیر کو رک جا، وہ آنے والی ہے بس۔ پھر سیدھا اے سی ہی کھول لیو میرا کا کا..... یو پی ایس ختم ہے۔“

”ہیں..... وہ آئی ہی نہیں ابھی تک۔“ اولیس نے حیرت سے کلائی موڑ کر وقت دیکھنا چاہا۔  
 ”اماں بی وقت تو ہو گیا نا اس کے آنے کا؟“

پھر رہا تھا۔ ایک سیکنڈ کے لیے رکتا، شرٹ کو چنگلی سے پکڑ کر آگے کی طرف کرتا، منہ سے پھونکیں مار کے جیسے سینے کو خشک کرنے کی کوشش کرتا پھر فریج کے آگے رک کے بوتل نکالنے کے بعد منہ کو ذرا سی دیر کے لیے فریزر کے اندر ڈال کر ٹھنڈک محسوس کر کے سکون کے دوپل گزارتا۔ آخر کار غصے اور جھنجھلاہٹ میں سینے سے بھیگی شرٹ اتار کر گولا بنایا اور کسی ماہر فٹ بالر کی طرح اس گول مول شرٹ کو ایک زوردار کک لگا کے دور پھینکا۔ شرٹ اڑتی ہوئی اس کے موبائل کے پاس گری تو ایک خیال بجلی کی طرح دماغ میں کوندا۔ فوراً بڑھا۔

”ہیلو ہاں ہیلو.....“

”ہاں.....“

”یار وہ ہے؟“

”نہیں، صبح سے نہیں آئی آج تو..... جینا محال کر دیا ہے تم سے۔“ سلو عرف سلمان بھی بھرا بیٹھا تھا شاید۔

”اجہا، اجہا، چل اوکے.....“ فاخر نے مایوس ہو کے فون رکھا تو سہیل کا دھیان آیا وہ ایک پوش ایریا میں رہتا تھا، جہاں کوئی یہ سوال نہیں کرتا تھا کہ وہ ہے.....؟ سہیل کا خیال آتے ہی فاخر نے اسے کال ملائی۔

”یار سہیل.....“

”ہاں، ہاں مجھے معلوم ہے، آج پھر وہ نہیں ہوگی اور تو نے بیچر کی تیاری کرنی ہے نا.....؟“  
 ”ہاں یار.....“ فاخر نے شرمندہ سی مسکراہٹ سے جواب دیا۔

”آ جا پھر..... میں بس پروجیکٹ بنانے ہی لگا تھا۔ اجہا ہے مل کے بنالیں گے۔ usb لے آنا بس۔“

سہیل نے یاد دہانی کرائی، میٹرک ہو یا اولیول سب کے امتحانات سر پر تھے اور اسٹوڈنٹ کے یہ قیمتی لمحات ایسے ہی سوالات کی نذر ہو جاتے تھے۔ وہ ہے؟ وہ کب آئے گی؟ وہ کب گئی؟

سلو کو بھی لے آؤں ناں۔“ فاخر نے جھجک کر پوچھا۔  
 ”ہاں، ہاں یار، پوچھنے کی کیا بات ہے، بھول گیا ہر میٹھس کے بیچر میں کیسے جان چھٹی پر رکھ کے ہمیں



وہ ہے...؟

بجلی والوں کی شاہی سواری آئے گی تو پی ایم ٹی لگا کر جائے گی۔" عالیہ جھلا کر بیٹی کے برابر بیٹھتے ہوئے بولی۔ اس کا میٹر آن ہو چکا تھا، اب بجلی کے بل سے لے کر سبزی کے مہنگے ہونے تک کے دکھ..... ایک کے بعد ایک یاد آتے چلے گئے اور آخر میں سر درد..... دوسری طرف سارہ جلدی، جلدی اپنا بکھرا پھیلا واسیٹ رہی تھی کہ اندھیرا ہونے کو آیا تھا۔

☆☆☆

نہ صرف پورا گھر بلکہ گلی تک رنگ برنگے قہقہوں سے بچی الگ ہی بہار دکھا رہی تھی۔ اور کیوں نہ دکھاتی آخر کو محلے کی بااثر شخصیت جبار صاحب کی بیٹی کی شادی تھی کوئی مذاق تو نہیں تھا۔

گھر کے اندر جہاں ایک طرف ڈھولک کی تھاپ یہ تالیوں کی تال تھی تو دوسری طرف بڑے، بڑے اسپیکرز کی بدولت پوری گلی میں شور و غل مچا ہوا تھا۔ جگمگ کرتی لائٹس کی وجہ سے دن ہے یا رات فرق کرنا مشکل تھا۔

پورا ایک ہفتہ ہو گیا تھا، ان لائٹس کی بدولت اور چار، چار اے سی دن رات چلنے کی بدولت جبار صاحب کی واہ، واہ ہو رہی تھی اور وجہ.....؟ وجہ کنڈے کی وہ بجلی تھی جو ماہانہ دو سے تین ہزار روپے کے حاصل کی گئی تھی۔ اور اسی کنڈے کی بدولت پورے علاقے کی لوڈ شیڈنگ کے اوقات میں کسی خاطر خواہ اضافہ ہوا تھا کیونکہ نہ صرف جبار صاحب بلکہ آس پاس کے کافی گھرانے بھی اس سہولت سے مستفید ہو جاتے تھے، یہ سوچے سمجھے بغیر کے ان کی اس حرکت سے محلے کی پی ایم ٹی پر اضافی بوجھ کی بدولت وہ آئے دن ٹرپ کر جاتا تھا اور لوگ جس ذہنی اذیت کا شکار ہوتے تھے اس کا اندازہ مشکل تھا۔

☆☆☆

فیصلہ ہمارے ہاتھ میں ہے..... دو ہزار کے "کنڈے" سے فائدہ اٹھانا ہے یا 24 گھنٹے کی لائٹ سے کہ جس سے تمام لوگ ہی بلا امتیاز فائدہ اٹھا سکیں۔



ماہنامہ پاکیزہ 209 ستمبر 2016ء

"ہاں ہو تو گیا بس کیا بولیں اس نامراد کو، بے وقت کی گئی ہے۔ اب تو پو پی ایس بھی آخری سانسیں لے رہا ہے۔ جیسی تو تجھے منع کیا تھا فالٹو پنکھانہ چلا، ابھی ہاتھ کے ہاتھ ہی نہ رک جائے یہ بھی۔"

اماں بی نے اویس کی تسلی کرائی۔ جس کے ماتھے پر چمکتے سینے کو دیکھ کر اماں بی دل ہی دل میں بجلی کی شان میں قصیدہ پڑھ رہی تھیں۔

☆☆☆

"سارہ یہ ترپائی کب کرو گی؟ ابھی وہ بنگلے والی آجائے گی تو بائیس سنائے گی۔" عالیہ نے بازار سے آ کر اپنی بیٹی سارہ سے جواب طلبی کی۔

"وہ بس اماں یہ ذرا اپنی شرٹ پر بشن ٹانگ رہی تھی پھر ترپائی کرتی ہوں۔" سارہ نے اپنی شرٹ ذرا سی آگے کرتے ہوئے گویا ماں کو دکھایا۔

"اچھا، اچھا کر لو، میں بھی جب تک کپڑے دھولوں پھر....." عالیہ نے اندر کی طرف قدم بڑھائے اور پھر رک کے مزید بولیں۔

"اور یہ تم شام ڈھلے کیوں صحن میں بیٹھی ہو، کتنی بار کہا ہے مغرب کے وقت سے پہلے ہی کمرے میں آ جایا کرو۔"

"وہ امی، شمن خالہ آگئی تھیں کپڑے دیئے تو بس ادھر ہی لے بیٹھی اور پھر وہ....."

"آئے ہائے وہ ناس بیٹی ابھی تک نہیں آئی؟"

عالیہ کی چیخنی ہوئی آواز صحن تک آئی تو سارہ نے مسکراتے ہوئے بات کھل کی۔

"وہی بتا رہی تھی امی کہ لائٹ بھی نہیں تھی تو ہم ادھر ہی بیٹھ گئے اور بجلی آنے کے کوئی آثار بھی نہیں ہیں۔"

"وہ کیوں.....؟"

"کیونکہ دھماکے سے گئی ہے۔"

"کم بخت نے زندگی اجیرن کر دی ہے، جب جی چاہتا ہے چلی جاتی ہے جب موڈ ہوتا ہے آ جاتی ہے۔ اب آواز (دھماکے) سے گئی ہے یعنی پی ایم ٹی اڑی ہوگی..... مصیبت بیٹھے رہو اب انتظار میں کب

محبت کے سہمندر سی ہوں  
فاحر گل

دوسرا اور آخری حصہ



”ایسا کیا کہا ہے انہوں نے؟ وہ تو بہت اچھی اور سلجھی ہوئی لڑکیاں ہیں سب..... آپ کو اتنی عزت دے رہی تھیں پھر بھی آپ نے اُن کو غلط سمجھا۔“  
”اچھا تو غلط میں ہوں؟“ اپنا موبائل جیب سے

”عجیب چھجوری سی ہیں..... تمہاری کزنز.....“ گھر پہنچ کر کمرے میں جاتے ہی تو قیر کا پہلا جملہ ہی ایسا تھا کہ اسے بہت برا لگا..... مگر خاموش رہنے کے بجائے اس دفعہ بول اٹھی۔

ماہنامہ پاکیزہ ﴿ 210 ﴾ ستمبر 2016ء



ٹن ٹن کی آواز آتی رہتی ہے..... میں ذرا سکون پسند  
بندہ ہوں یہ چوڑیاں، مہندی بالکل نہیں پسند مجھے۔“  
کو کو نے بہ مشکل نظر اٹھا کر اسے دیکھا۔ ورنہ  
آنکھوں کے جزیروں میں پانی کا بہاؤ اس قدر تھا کہ  
قریب تھا کہ بند باندھنا مشکل ہو جاتا مگر اس نے رخ  
موڑ لیا اور چوڑیاں اتارنے لگی۔

”تمہیں پتا ہے شادی کے بعد اس مہندی نے ہی  
اب تک تمہیں مجھ سے اتنا دور رکھا ہوا ہے اس کی جو  
خوشبو ہوتی ہے ناں I just hate it“ وہ ہمیشہ  
اپنے متعلق ہی بتاتا رہتا تھا، اسے بس اپنی باتیں  
کرنے کا شوق تھا، کو کو کے بارے میں نہ تو اس نے کبھی  
کچھ پوچھا اور نہ ہی اسے بتانے کا موقع دیا۔ اول تو وہ  
اب تک کو کو کو اپنی باتوں سے اس قدر ہرٹ کر چکا تھا  
کہ اس کا دل ہی نہیں چاہتا تھا کہ وہ تو قیر سے اپنے  
بارے میں کچھ بات کرے اور اگر وہ کبھی کرتی بھی تو  
اس کے سننے کا انداز اتنا عجیب ہوتا کہ اسے لگتا وہ صرف  
اپنے آپ سے باتیں کر رہی ہے، نہ ہوں نہ  
ہاں..... اور کو کو..... خوشی اور خوش مزاجی جس کا پہناؤ  
تھی، اوڑھنا بھوننا تھی چند ہی دنوں میں بجھے ہوئے  
کوٹلوں کی طرح سرد اور بے جان سی ہو گئی تھی۔

شادی کے بعد گزرنے کی سنائی ہوئی باتیں،  
شوہروں کی دائرگلیاں، ناز انداز اٹھانے کے سلسلے،  
تخنے، تحائف، خلوت میں جلوت اور جلوت میں خلوت  
کے مزے..... ایسا تو کچھ بھی نہیں تھا۔ اس کی زندگی  
کیسی عجیب سی تھی۔ بظاہر کسی چیز کی کمی نہیں تھی لیکن حقیقتاً  
اسے اپنا آپ خالی محسوس ہونا، تو قیر کے ساتھ ہوتے  
ہوئے بھی وہ بور ہوا کرتی، چلا جاتا تو بھی تنہا محسوس  
کرتی..... سہولت اور آسائشوں کی بھی کوئی کمی نہیں تھی،  
ٹھنڈے کمرے میں رچی ارفریشر کی خوشبو اسپرٹ کی  
طرح اسے یوں ناک میں گھستی معلوم ہوتی کہ لگتا  
سانس بند ہو جائے گی۔ اکثر تو وہ گھبرا کر عین دوپہر میں  
اپنے کمرے کا اسے سی بند کر کے کھڑی کھول دیتی،  
جہاں سے دور تک تانبے کی طرح چمکتی سڑک اور اس

نکال کر فوری طور پر چارج پر لگاتے ہوئے وہ بولا۔  
”یہ کوئی طریقہ ہے کہ ایک اجنبی کے سامنے بیٹھ  
کر کھی، کھی کرتی رہیں، بے تکلف ہونے کی کوشش  
کریں اور میں کہتا تو نہیں چاہتا لیکن تمہارے بڑے  
بھی اُن سب کو کھلی اجازت دے کر خود ادھر ادھر  
ہو گئے..... ایسا میں نے تو کبھی کہیں نہیں دیکھا۔“

اگر وہ اس وقت اس کے شوہر کی حیثیت میں نہ  
ہوتا تو یقینی طور پر اب تک اس کے منہ پر ایک طمانچہ تو  
مار ہی چکی ہوتی۔ کیونکہ اس وقت یہ بات اسے بے پناہ  
دکھ دے گئی تھی۔

”آپ ان کے لیے اجنبی نہیں ہیں  
تو قیر..... میرے حوالے سے اب ان کے ساتھ آپ کا  
بھی رشتہ ہے۔“ اپنے لہجے کو حتی الامکان دھیما اور  
مناسب رکھتے ہوئے وہ بولی۔

”آپ یہ بات تب کہہ سکتے تھے اگر وہ اس  
طرح کسی راہ چلتے مرد کے ساتھ ایسی مذاق کر رہی...  
ہوتیں..... اور آج کل تو کالجوں میں کوا بجو کیشن ہے۔  
لڑکے، لڑکیاں کلاس فیلوز ہوں تو وہاں بھی بے تکلفی ہو  
ہی جاتی ہے ناں..... اپنی فریج کی بھی ہوگی۔“ نہ جانے  
کیسے بات کرتے، کرتے اس کے منہ سے اپنی چوٹی  
نند کا نام نکل گیا تھا اور جس طرح باہر کی طرف الٹی  
آنکھوں سے تو قیر نے اسے دیکھا تھا وہ اپنی جگہ پر  
خوف سے سمٹ کر رہ گئی تھی۔

”فریج کو اُن کے ساتھ ملا کر تم فریج کی بھی تو ہیں  
کر رہی ہو اور میری بھی..... اور دوسری بات یہ کہ فریج اپنا  
اچھا برا جانتی ہے یوں ہر ایک کے ساتھ بے تکلف ہونا نہ ہم  
نے سکھایا اور نہ ہی اسے خود پسند ہے۔ سمجھیں تم.....!“  
اور سمجھ تو وہ ان چند ہی دنوں میں بہت کچھ گئی تھی  
مگر پھر بھی خاموش ہی رہی اور چپ چاپ بیٹھی اپنی  
جیولری اتارتی رہی۔

”سنو..... یہ چوڑیاں بھی اتار دینا، ہر وقت کی  
کھن، کھن..... جیسے بھینسوں کے گلے میں لوگوں نے  
گھنٹیاں باندھی ہوتی ہیں جہاں سے بھی گزریں اُن کی

پر ملاقات ہوا کرتی، ساس صاحبہ ڈانٹنگ ٹیبل پر بیٹھتے ہی کہیاں میز پر نکاتیں اور پلاسٹر آف پیس کے بنے ہاتھوں کی انگلیاں ایک دوسرے میں پھنسا کر ان پر ٹھوڑی نکاتیں اور اس کا حال احوال پوچھتیں..... ایک دوسرے کے کمروں میں جانا شاید برا محسوس کیا جاتا تھا۔ کم از کم کوکو، کو تو ایسا ہی لگا جب وہ ایک دو بار اکیلے پن سے تنگ آ کر ان کے پاس گئی تو بڑی سرد مہری کا مظاہرہ کیا گیا اور بن کہے ہی یہ باور کروایا گیا کہ وہ انہیں ڈسٹرب کر رہی ہے..... اور وہ اپنا ٹھنڈا کمر اچھوڑ کر یہاں وہاں گھومتی رہتی۔

اور کبھی ڈرائنگ روم میں بیٹھ کر شیشے کی بڑی سی کھڑکی سے لان میں موجود پھول پتوں کو دیکھتے ہوئے سوچا کرتی کہ اس کے میکے اور سسرال کے ماحول میں زمین آسمان کا فرق ہے۔ یہاں سب کے چہرے مسکراتے مگر دل کسی سوکے تالاب کی طرح خشک اور بے رونق تھے اور وہاں اگر کبھی کسی نے ناگواری سے منہ بنا بھی لیا تو شام تک اندر باہر سے خوش باش نظر آتے، باتوں کے میدان میں ایک دوسرے کو پچھاڑنے پر تل جاتے اور کبھی تو ایک وقت میں سبھی یوں بولنے لگتے کہ کسی ایک کی بھی بات سمجھ نہیں آتی اور پھر کسی بڑے کو بڑا پن دکھانا پڑتا تا کہ سب اپنی، اپنی باری پہ ہی بات کریں..... ذرا کوئی بیمار ہوتا تو ہر ایک یوں تیار داری پر تل جاتا کہ بیمار خود شرمندگی محسوس کرتا۔ جبکہ یہاں کا زیادہ سے زیادہ خلوص ڈاکٹر کے پاس جانے کا مشورہ اور اس کے بعد کھانے کی میز پر طبیعت کا پوچھنا تھا۔ وہاں ذرا جو کسی پر مشکل وقت آتا تو سب دانٹوں کی طرح جڑ جاتے مگر یہاں ساری انگلیاں انفرادی حالت میں اپنی تمام مشکل حل کرتیں..... جس کا مقصد یہ بتایا جاتا کہ زندگی کی تمام اونچ، نیچ سمجھ آئے اور کسی کی طرف مدد کے لیے دیکھنا نہ پڑے۔

یہاں سب کے اپنے، اپنے سکھ تھے اور انفرادی دکھ..... جبکہ کوکو کے میکے میں تو چونکہ تین چار فیملیز ایک ساتھ رہتی تھیں تو اس بات پر بھی گھر کی خواتین مل، جل

کے دونوں اطراف کبھی چپ چاپ اور کبھی لوکی شدت سے تھکے ماندے درختوں کو وہ اتنی دیر تک دیکھتی کہ کبھی تو لگتا یہ سب سراب ہے۔

اس کا اپنا اطالوی طرز کا بیڈ روم تھا۔ دبیز پردوں کے پیچھے چھپی دیواریں انگریز بچوں کی جلد کی طرح صاف، ملائم اور بے داغ تھیں۔ اس کی الماریاں، ڈرائنگ ٹیبل، فیلف، بیڈ حتیٰ کہ روم صوفہ بھی صرف اس لیے سفید تھا کہ تو قیر کو پسند تھا۔ ایسے میں کبھی تو ان سنان دو پہروں میں کوکو، کو یہ سب کفن اوڑھے محسوس ہوا کرتا تو اس کا دم گھٹتا۔

ساتھ والا بیڈ روم اس کی ساس کا تھا۔ جو شاید ہاٹ ہاؤس کے سفید گلاب کی طرح دنیا جہاں کے گرم، سرد سے بے نیاز صرف اور صرف سجنے ستورنے کے لیے ہی اس دنیا میں آئی تھیں۔ جنہیں دیکھ کر ہمیشہ کوکو، کو لگتا جیسے یہ گوشت پوست کی نہیں بلکہ پلاسٹر آف پیس کی بنی ہوئی مونا لیزا ہیں جب بھی کسی کو دیکھتیں بس ہلکی سی اسائل کر کے اپنے آپ کو تمام ذمے داریوں سے بری الذمہ خیال کر لیتیں۔ ان کی تفریح صرف اور صرف ٹی وی، فلمیں اور فیشن میگ تھے۔

فریجہ کالج سے آ کر رسالوں کی ایک الگ ہی دنیا آباد کر لیتی، دن ہوتا یا رات کالج کا کام ختم ہونے کے بعد اس کے ہاتھ میں کوئی نہ کوئی رسالہ ہی نظر آتا۔ جسے پڑھنے کے دوران وہ کسی کی بھی مداخلت برداشت نہیں کرتی۔ اور یقیناً ہیرو، ہیروئن کی نفسیات کے متعلق تو قیر نے جو باتیں کی تھیں وہ انہی رسالوں کی بدولت تھیں۔

سروٹ کوارٹر کی طرف قدم بڑھانا گناہ کبیرہ تصور کیا جاتا اور اپنے زیادہ تر رشتے داروں سے وہ لوگ ویسے ہی کٹ چکے تھے۔ کیونکہ اب ان کا اٹھنا بیٹھنا ایسے سوشل سرکل میں تھا کہ جو لوگ ملیں تو بے شک روز لیکن پھر بھی کوئی کسی کو نہ زیادہ جانتا اور نہ ہی زیادہ جاننے کی خواہش رکھتا ہے۔

گھر میں کسی نے بھی نئی بہو سے راہ و رسم بڑھانے کی کوشش نہیں کی تھی۔ ویسے بھی کھانے کی میز

## یہ شمارہ پاک سوسائٹی ڈاٹ کام نے پیش کیا ہے

### پاک سوسائٹی خاص کیوں ہیں:-

ہائس کو الٹی پی ڈی ایف  
ایڈ فرس لنکس  
ایک کلک سے ڈاؤن لوڈ  
ڈاؤن لوڈ اور آن لائن ریڈنگ ایک پیج پر  
کتاب کی مختلف سائزوں میں اپلو ڈنگ  
ناولز اور عمران سیریز کی مکمل ریجنج

Click on <http://paksociety.com> to Visit Us

<http://fb.com/paksociety>

<http://twitter.com/paksociety1>

<https://plus.google.com/112999726194960503629>

پاک سوسائٹی کو فیس بک پر جوائن کریں

پاک سوسائٹی کو ٹویٹر پر جوائن کریں

پاک سوسائٹی کو گوگل پلس پر جوائن کریں

ہمیں وزٹ کرنے کے لئے ہمارا ویب ایڈریس براؤزر میں لکھیں یا گوگل میں پاک سوسائٹی تلاش کریں۔

اپنے دوست احباب اور فیملی کو ہماری ویب سائٹ کا بتا کر پاکستان کی آن لائن لائبریری کا ممبر بنائیں۔

اس خوبصورت ویب سائٹ کو چلانے کے لئے ہر ماہ کثیر سرمایہ درکار ہوتا ہے، اگر آپ مالی مدد کرنا چاہتے ہیں تو ہم سے فیس

بک پر رابطہ کریں۔۔۔

ہمیں فیس بک پر لائک کریں اور ہر کتاب اپنی وال پر دیکھنے کے لئے امیج پر دی گئی ہدایات پر عمل کریں:-

**Dont miss a singal one of your Favourite Paksociety's Update !**

- i. Open Paksociety Page.
- ii. Click Liked.
- iii. Select Get Notifications.
- iv. Select See First.

All Done

Like Message

Get Notifications  
Add to Interest Lists...

Unlike

IN YOUR NEWS FEED

See First  
See new posts at the top of News Feed

Default  
See posts as usual

Unfollow

کر دکھی ہوتیں جس پر تہا کڑھ لینا کافی ہوتا۔ اسے بتائے کہ زندگی اس کے لیے کس حد تک متضاد

صورت حال لے کر آئی ہے۔

پتا نہیں قصور اس کی توقعات کا تھا حساسیت کا، میسے کے ماحول کا، کزنز کے سنائے گئے قصوں کا یا اس کا اپنا..... بہر حال جو بھی تھا سارا آنگن ہی ٹیڑھا تھا۔ جس میں وہ بغیر کسی بھی ذہنی تیاری کے ناپسنے کی کوشش میں ملکان ہو رہی تھی۔ اور بالآخر وہ ہوا کہ کوکو کے لیے تو اپنی آنکھوں پر یقین کرنا مشکل ہو گیا۔ بڑی چچی نے فون پر کسی سرپرائز کا تو کہا تھا لیکن اسے کیا پتا تھا کہ یہ سرپرائز اتنا خوب صورت ہوگا۔

اس دن اتفاق سے اُن کے گھر میں کوئی نہیں تھا۔ آدھا گھنٹا پہلے تو قیر آیا تھا کہ اب اچانک ملازم نے مہمانوں کی اطلاع دی۔ کوکو حیران ہوئی کیونکہ اُن کے گھر اور ملنے ملانے والوں میں بغیر بتائے کسی کے گھر جانے کا رواج نہیں تھا اسی لیے تو قیر کے ماتھے پر بھی ہل پڑنا قدرتی بات تھی۔ اور ڈرائنگ روم میں جا کر اس وقت کوکو کی حیرت کی انتہا نہ رہی جب اماں اور بڑی چچی کے ساتھ کیک اور تازہ پھولوں کا بڑا سا بو کے لیے ارمغان، ہاں ارمغان خود موجود تھا۔

وہ تقریباً بھاتے ہوئے اماں اور بڑی چچی کے گلے لگی اور ارمغان سے ہاتھ ملانے کے لیے اس کی طرف ہاتھ بڑھایا مگر خلاف توقع ارمغان نے اس سے ہاتھ ملانے کے بجائے اس کے سر پر ہاتھ رکھا۔

”آج تمہاری برٹھ ڈے مگی ناں..... ارمغان نے کہا سرپرائز دیں گے اچانک جا کر.....“ اماں نے اپنے بغیر بتائے آنے کی وجہ بتائی تو خوشی سے کوکو کی آنکھیں بھیگ گئیں۔

”میں جانتی ہوں چاہے ساری دنیا میری سالگرہ بھول جائے لیکن ارمغان بھائی کو پھر بھی یاد رہے گی اس لیے تو کہتی ہوں آپ کے جیسا ساری دنیا میں کوئی نہیں۔“ اماں نے فوراً اپنی سامنے رکھے ٹیبل کا قاعدہ اٹھاتے ہوئے اس کے پاؤں پر اپنا پاؤں رکھا نہیں بلکہ پاؤں سے اس کا پاؤں مسل ہی دیا۔ گمان

مثلاً درزی کو گول گلا کہا تھا اس نے کالر بنا دیا تو یوں پورا دن وہی بات ڈسکس ہوتی کہ کس چاؤ سے خریدا تھا۔ کون سی دکان سے خریدا، دکاندار سے کیسے بھاؤ تاؤ کیا، کپڑوں کا ڈیزائن کہاں سے دیکھا..... لیس میچ کرنے کے لیے کتنے پاڑے بیلے، کس گرمی میں جا کر خریدا، کون سے موقع کے لیے خریدا اور درزی نے کیا بنا دیا، گول گلے سے کالر.....!

گھر میں کسی کو دانت میں درد ہوتا یا داڑھ نکلوانا پڑتی تو ہر بندہ اپنے منہ میں تکلیف محسوس کر کے اٹھتے بیٹھتے کم از کم ایک دن تک دانت منہ میں نہ ہونے کے نقصانات اور دانت کے درد کی تکلیف کو بیان کرتا نظر آتا۔

صبح جس کے ہاتھ میں اخبار آتا وہ سب سے دلخراش خبریوں یہ آواز بلند سنا تا کہ سبھی گھر کے مختلف گوشوں سے ت، ت، ت کرتی ہوئی نکل آتیں اور چند لمحوں میں بیٹھ کر تو بہ تا عجب ہونے کے بعد پھر اٹھ کر اپنے کاموں میں لگ جاتیں۔

جبکہ یہاں اخبار اتنی خاموشی سے پڑھا جاتا کہ لگتا نظریں اخبار پر تو ہیں لیکن روح پرواز کر چکی ہے اور سب سے بڑھ کر کوکو کے لیے وہاں ارمغان تھا اور یہاں نہیں تھا۔ یہاں اس کی دلچسپی کے لیے کچھ بھی نہیں تھا..... سب صرف اپنے لیے جیتے تھے، اپنی باتیں کرتے تھے، اس کی باتیں سننے کے لیے کسی کے پاس وقت نہیں تھا اور نہ ہی اس کے بارے میں جاننے کے لیے کسی دل میں خواہش تھی، حتیٰ کہ تو قیر کو بھی نہیں.....

ایسے میں اسے اپنا میکا اور میسے میں کزنز کی شادیوں کے بعد رہ جانے والا اکلوتا کزن جسے وہ اپنی سہیلی بھی کہتی تھی بے حد یاد آتا..... ارمغان ہمیشہ کتنے دھیان اور دلچسپی سے اس کی باتیں سنا کرتا تھا..... اور اپنی بھی ایک، ایک بات شیئر کرتا تھا..... اماں نے بتایا تو تھا کہ وہ واپس آچکا ہے لیکن ارمغان نے اس سے ایک بار بھی رابطہ نہیں کیا تھا..... جبکہ وہ منتظر تھی کہ کب اس سے بات ہو اور وہ

ہوئے گزارا تھا اور یہ بھی کہ وہ اب تک اس کی کمی محسوس کرتی ہے۔ تو قیر کا مزاج، اس کی مصروفیت، سسرال کا احوال، کسی بچپن کی سہیلی کی طرح اس نے ایک، ایک بات ارمغان کے ساتھ شیئر کی تھی جبکہ ارمغان نے ایک، ایک بات پر روک کر اسے سمجھانا چاہا تھا کہ وہ جن باتوں کو اپنا دکھ سمجھ رہی ہے وہی اسے آج سے چند سال بعد اپنے سکھ کی ابتدا لگے گی۔ اور تب وہ اپنی آج والی اس فیلنگ پر بسے گی اور آئینے میں دیکھے گی تو اسے خود محسوس ہوگا کہ وہ کب ایک گوشت پوست والی زندہ لڑکی سے پلاسٹک آف پیرس سے بنی بیگمات میں شامل ہوئی کہ اسے خود ہی پتا نہیں چلا۔

اور جب وہ تینوں واپس گئے تو اسے اندازہ ہوا کہ ارمغان سے ملنے کے آخری روز سے لے کر اب تک کا درمیانی عرصہ تو شاید اس نے بے جان گزارا تھا۔ معلق اور غیر حاضر رہی تھی..... اور دراصل روح تو اسے آج دوبارہ لوٹائی گئی ہے اور وہ بھی ارمغان سے ملنے اور اس سے باتیں کرنے کی صورت میں..... اور اس نے ارمغان سے وعدہ لیا تھا کہ روز نہ سہی لیکن کبھی کبھار وہ اسے فون ضرور کیا کرے گا۔

☆☆☆

”یہ ارمغان کون ہے؟“ ان کے جانے بعد تو قیر گھر آیا اور اسے پہلی مرتبہ میوزک سنتے دیکھ کر پوچھا تو وہ اس کا کوٹ لینے کو صوفے سے اٹھ کھڑی ہوئی اور میوزک بند کیا اور سادگی سے بولی۔

”ارمغان بھائی میرے تایا کے بیٹے ہیں اور میرے سب سے اچھے دوست.....“

”دوست؟“ کوٹ اتار کر اسے پکڑاتے ہوئے اس نے حیرت سے کہا۔

”کچھ عجیب ہی سسٹم ہے تم لوگوں کا..... کیا لڑکیوں کی آپس میں نہیں بنتی جو لڑکوں کو دوست بنایا جاتا ہے؟“ ریموٹ لے کر اس نے اڑکنڈیشنر کی ٹھنڈک میں اضافہ کیا۔

”اس دن میں تمہارے گھر گیا تو تمہاری کزنز

غالب تھا کہ اگر جوتا آگے سے بند نہ ہوتا تو کوکو کی انگلیاں ضرور پکلی جاتیں۔

”بہتر ہوتا اگر آپ لوگ آنے سے پہلے بتا دیتے کیونکہ ہم ابھی کہیں جانے ہی والے تھے اگر چلے جاتے تو خواہ مخواہ آپ کو پر اہلم ہوتی۔“ اب کے تو قیر نے کہا تھا۔

”بتا دیتے تو بھلا سر پر ائز کیسے رہتا؟ اور میں نے کوکو سے فون پر اتنا تو پوچھ ہی لیا تھا کہ آج وہ گھر پر ہی ہے یا کہیں جانا ہے۔“ بڑی چچی کی وضاحت پر تو قیر نے سرد نظروں سے کوکو کو دیکھا جس کے انگ، انگ سے خوشی پھوٹ رہی تھی اور وہ حیران تھا کہ اتنی خوش تو وہ شادی کے بعد اس سے پہلی دفعہ باتیں کر کے ہوئی نہ میکے کا پہلا، پہلا چکر لگا کے... پھر آج ایسا کیا ہوا کہ اس کے چہرے کی روشنی اس کے دل کا احوال بتانے پر تلی ہے۔ آج ایسا کیا تھا جو آج سے پہلے کبھی نہیں تھا۔ اور تو قیر کو اپنی یہ الجھن زیادہ دیر چھپائی نہیں پڑتی کہ خود کو کوکا ارمغان سے بات کرنے میں اس قدر بے تابی کا اظہار کرنا تو قیر کو بہت کچھ سمجھانے کے لیے کافی تھا۔

”اگر آج آپ اماں اور بڑی چچی کے ساتھ نہ آتے تاں تو یقین کریں ارمغان بھائی میں نے آپ سے بالکل بھی بات نہیں کرنی تھی..... اس دن ایسا گئے کہ میری شادی پر بھی نہیں پہنچے، جانتے بھی ہیں میں نے کتنا انتظار کیا تھا آپ کا.....؟“ وہ زروٹھے سے انداز میں بولی تو ارمغان نے ایک نظر سامنے بیٹھے تو قیر کو دیکھ کر محتاط انداز میں جواب دیا۔

”بس کام کی نوعیت کچھ ایسی بن گئی کہ نہ چاہتے ہوئے بھی اتنا عرصہ رکنا پڑ گیا۔ ورنہ ارادہ تو بس ایک دو روز کا ہی تھا۔“

تو قیر کو کسی ضروری کام سے جانا پڑا تو اسے لگا جیسے کسی نے اس کے پنجرے کا دروازہ کھول دیا ہو۔ بڑے ہی ہلکے پھلکے انداز میں دیر تک باتیں ہوتی رہیں۔ اس نے ارمغان کو بتایا کہ کس طرح اس نے ایک، ایک پل اس کے انتظار میں دروازوں کو کھلتے



”چلو ٹھیک ہے مذہب کو چھوڑو، معاشرے کی بات کر لیتے ہیں..... تم بتاؤ کیا میاں، بیوی کو ایک دوسرے کے ہوتے ہوئے کسی دوست کی ضرورت پڑنی چاہیے؟ ایک عورت اپنے شوہر کے ہوتے ہوئے کسی بھی دوسرے مرد کی طرف متوجہ ہو ہی کیوں؟“

”آپ بات کو مکمل طور پر غلط رنگ دے رہے ہیں جبکہ ایسا کچھ نہیں ہے۔“ وہ رو ہانسی ہو گئی تھی۔

”میں نے تو جو محسوس کیا وہ سمجھیں کہہ دیا..... باقی اپنے اعمال کی تم خود ذمے دار ہو۔“ ڈنر کا وقت ہو رہا تھا اس نے وال کلاک پر نظر ڈالی اور فوراً کمرے سے نکل گیا اور وہ نڈھال سی بیٹھی رہ گئی کہ یہی اس گھر کا قانون تھا۔ ہر بندہ اپنے مزاج کے نہیں بلکہ گھڑی کے مطابق کام کرتا تھا اور ہر گھڑی آنے والی گھڑی کے لیے تیاری میں رہتا۔

☆☆☆

”کیا میاں، بیوی کو ایک دوسرے کے ہوتے ہوئے کسی دوست کی ضرورت پڑنی چاہیے؟“

”ایک عورت اپنے شوہر کے ہوتے ہوئے کسی بھی دوسرے مرد کی طرف متوجہ ہو ہی کیوں؟“ تو قیر کی باتیں صبح اس کے افس کے جانے کے بعد بھی رہ رہ کر کوکو کے کانوں میں گونج رہی تھیں۔ اور وہ سوچ رہی تھی کہ آخر وہ تو قیر کے سامنے چپ کیوں رہتی ہے؟ اس نے کیوں نہ کہہ دیا کہ اگر بیوی کے ہوتے ہوئے شوہر کسی دوسری عورت کی طرف متوجہ ہو تو قصور وار اس کی بیوی ہے جبکہ اگر اسی صورت حال میں بیوی اپنے شوہر کے ہوتے ہوئے کسی مرد کی طرف متوجہ ہو تو اس میں قصور تو اس کے شوہر کا ہوا کہ اس نے اتنا موقع کیوں دیا؟ زندگی میں ایسی کون سی کمی رہ گئی جس نے شوہر یا بیوی کو کسی دوسرے کی طرف نظر اٹھانے کا موقع دیا.....؟ لیکن یہ اور اس طرح کی تمام باتیں وہ صرف سوچ ہی سکتی تھی۔ کیونکہ وہ بخوبی جانتی تھی دوسروں کے کیے گئے غلط اقدام ہمارے لیے سند ہرگز نہیں ہوتے کہ جو انہوں نے کیا وہی ہم بھی کرنے لگیں۔ کیونکہ

میرے پیچھے پڑ گئیں اور تم اس کے پیچھے پڑی ہو۔“

”پیچھے پڑنے سے آپ کا کیا مطلب ہے؟ ہم بچپن سے دوست ہیں..... وہ مجھے سے تھوڑے بڑے تو ہیں لیکن بہت خیال رکھتے ہیں شروع سے.....“ اس نے خود کو تلخ ہونے سے روکا۔

”دوست؟ یہی تو میں پوچھ رہا ہوں تمہارے خاندان میں کیا لڑکیوں کی لڑکیوں سے دوستی معیوب سمجھی جاتی ہے جو لڑکے، لڑکیاں ایک دوسرے کے دوست بن جاتے ہیں؟“

”دیکھیں خاندان میں موجود تایا، چاچا، خالہ، پھوپھو وغیرہ کے بچے صرف اور صرف کزنز ہوتے ہیں اور دوست ہوتے ہیں، جنس سے بالاتر ہوتے ہیں کیونکہ کوئی بھی کسی کو لڑکا یا لڑکی سمجھ کر اس نظر سے نہیں دیکھتا، جس طرح آپ سمجھ رہے ہیں۔“ اسے سمجھ نہیں آ رہا تھا کہ تو قیر کی بے سرو پا باتوں کے جواب میں آخر کہے تو کیا کہے..... کیونکہ اس کی باتیں ہی ایسی تھیں اس کا دل چاہ رہا تھا کہ وہ اپنا سر دیوار میں نہ مارے بلکہ دیوار اپنے سر پر مار دے۔

”اچھا؟ ہوتا ہوگا..... لیکن پھر کزنز کے درمیان لو میرج کیسے ہو جاتی ہے جبکہ انہوں نے تو ایک دوسرے کو جنس سے بالاتر صرف اور صرف کزن سمجھا ہوتا ہے، دوست سمجھا ہوتا ہے؟“ کچھ بھی کہنے کے بجائے کوکو نے خاموش رہ کر اسے بال کی کھال اتارنے کا موقع دیا۔

”ایک بات اپنے دماغ میں بٹھا لو کوکو ب لڑکا اور لڑکی کبھی دوست نہیں ہو سکتے۔ ہو سکتا ہے ہمارے... گھرانوں جیسی فیملیز میں اس بات کی اجازت ہو، معیوب تصور نہ کیا جاتا ہو۔ لیکن میرے لیے کم از کم قابل قبول نہیں ہے اور نہ ہی تم اس معاملے میں مذہب کی سمجھت تلے پناہ لے سکتی ہو کیونکہ وہاں تو صرف یہ کہ اس کا تصور بھی ممنوع ہے بلکہ سزا بھی متعین ہے۔“

”آپ ایک عام سی گھریلو بات میں مذہب کو بیچ میں نہ لائیں پلیز.....“ وہ زچ ہو گئی تھی۔

شادی کے بعد بیٹیوں کو سسرال کو اپنا گھر سمجھنے کی تاکید کرتی ہیں، جو ساس، سسر کو ماں، باپ سمجھنے کی نصیحت کرتی ہیں اور ساری غلطی ہی یہیں سے شروع ہوتی ہے کیونکہ ساس، سسر کو ماں، باپ سمجھ کر لڑکیاں اُن سے توقعات بھی وہی ماں، باپ والی لگاتی ہیں جو کہ پوری نہیں ہوتیں..... البتہ میں تو کہتی ہوں کہ ساس، سسر کو ماں، باپ نہ سمجھو مگر انہیں ہر صورت ماں، باپ کا ہی درجہ دو۔ ان کے ساتھ روٹی ایسا رکھو جو تم چاہو کہ کوئی دوسرا تمہارے والدین کے ساتھ رکھے۔ ویسا روٹی جو تمہارے شوہر کے والدین ہونے کے ناتے تم پر فرض ہے مگر انہیں اپنے حقیقی والدین نہ سمجھو ورنہ ہر موقع پر دل سے یہی حسرت نکلے گی کہ انہوں نے تو میرے ساتھ ایسے کیا، میرے اماں، ابا ہوتے تو کیا ایسے کرتے؟ جو رشتہ جیسا ہے اس کی اسی کی طرح تعظیم ہے، گھٹنا بڑھا کر ہم اپنے لیے خود مشکل پیدا کرتے ہیں۔“ وہ چونکہ مکمل تفصیل کے ساتھ اپنے دکھڑے سنا چکی اسی لیے اماں بھی کچن سے اٹھ کر اپنے بیڈروم میں بیٹھی اسے بڑے پیار سے سمجھانے کی کوشش کر رہی تھیں۔

”اسی طرح سسرال کو اپنا گھر سمجھ کر اگر وہی میکے والی عادات و اطوار اپنائے رکھو گی تو پھر بھی مسئلہ ہوگا..... اسی لیے یہ ذہن میں رکھو کہ یہ اماں ابا کا گھر نہیں سسرال ہے سسرال..... جو صرف نکاح کے دو بولوں سے شوہر کی طرح اپنا نہیں بن جاتا بلکہ سسرال کو اپنا گھر بنانے کے لیے اماں، ابا کے گھر کے ناز، نخرے عیش و آرام کم از کم شروع کے کچھ وقت کے لیے چھوڑ کر ان سب کی عادات و اطوار اپنا کر اُن میں گھلنا ملنا پڑتا ہے..... تب بنتا ہے سسرال اپنا گھر..... ورنہ سسرال میں آ کر بھی اماں، ابا کے گھر کی عادتیں سینے سے لگائے رکھنے والی وہ لڑکیاں جو سسرال میں الگ تھلگ رہنے میں انفرادیت سمجھتی ہیں ناں، چائے پر آئی ملائی کی طرح سب سے الگ رہی لگتی ہیں جنہیں کوئی بھی پسند نہیں کرتا اور اس کے برعکس چینی کی طرح گھل مل کر رہنے والی لڑکیوں کے بغیر سب اپنا آپ ادھورا خیال کرتے ہیں۔“

اپنے اعمال اور ان پر ملنے والی سزا اجزا کا... ہر بندہ انفرادی طور پر ذمے دار اور جوابدہ ہے۔ اس نے ماں کو فون ملا کر اپنا حال دل بیان کر دیا۔

”کوکو، میری جان..... جن باتوں کو تم اس قدر سر پر سوار کر رہی ہو یہ تو بہت معمولی باتیں ہیں۔ ساس، سسرال، مصروف ہوتی ہیں، تم سے بات نہیں کرتیں تو بتاؤ اس کا گلہ میں کس طرح تمہاری سسرال میں آ کر کروں؟ یہ تم لوگوں کا معاملہ ہے۔ تو قیر کو اگر لڑکے، لڑکی کے بیچ دوستی بری لگتی ہے تو ایسا انوکھا کیا؟ بیشتر مرد اس بات کو پسند نہیں کرتے کہ اُن کی بیوی کسی دوسرے، خواہ کزن ہی کیوں نہ ہو کے ساتھ بیٹھ کر کپکپیں ہانکے..... اور بقول تمہارے تو قیر تمہیں وقت نہیں دیتا تو یہ میں کیسے مان لوں جبکہ وہ صرف آفس ٹائم میں ہی گھر سے باہر ہوتا ہے۔“ اماں نے اٹا اس کی کلاس لے لی تھی۔

”لیکن اماں..... وہ گھر پر ہونے کے باوجود میرے ساتھ نہیں ہوتے، مجھ لگتا ہی نہیں کہ وہ میرے شوہر ہیں، اوپری، اوپری روٹی ہے ان کا..... ہماری دوستی ہی نہیں ہے آپس میں۔“ وہ جھنجھلا ہی تو گئی تھی کہ آخر اماں اس کی بات سمجھ کیوں نہیں رہی تھیں۔

”اوہ میرے بچے، اس سب کا حل تو تم نے خود نکالنا ہے ناں میری جان..... خود سوچو کیا میں آ کر تو قیر سے کہوں کہ ہاں بھئی تم کیوں گھر میں ہونے کے باوجود اس کے ساتھ نہیں ہوتے؟ میری بیٹی کو یہ محسوس نہیں کروا تے کہ تم اس کے شوہر ہو؟ اور تم نے اب تک میری کوکو سے دوستی کیوں نہیں کی؟ ماں صدقے، شوہر کو اپنے قریب لانا اور اپنے قریب رہنے پر مجبور کرتے رہنا ہی بیوی کا امتحان ہے اور کامیابی بھی۔“ وہ سمجھ رہی تھیں کہ کوکو ہر بات کو حساسیت کی عینک پہن کر دیکھ رہی ہے اور وہ یہ بھی جانتی تھیں کہ شادی کے شروع میں خود پر حساسیت طاری کر لینے والی لڑکیاں بالآخر قنوطیت کی شکار ہو کر تنہا اور چڑچڑی ہو جاتی ہیں اور وہ یہی کچھ اس کے ساتھ ہوتا نہیں دیکھنا چاہتی تھیں۔

”دیکھو کوکو، میں ان ماؤں میں سے ہرگز نہیں جو

”پہلے اور اب میں بہت فرق آ گیا ہے  
 کوکو..... نہ تم اب پہلے والی کوکو ہو اور نہ ہی میں.....“  
 ”یہ کیا بات ہوئی بھلا..... میں تو وہی ہوں بالکل  
 نہیں بدلی..... لیکن آپ سب بدل گئے ہیں۔“

”میرا مطلب تھا کہ اب تم صرف کوکو نہیں رہیں  
 مسز کوکب تو قیر بن چکی ہونا..... اور تمہارے ساتھ،  
 ساتھ ہمیں بھی تمہارے اس نئے رشتے کا لحاظ رکھنا  
 ہے۔ تاکہ تم خوش رہو۔“ ارمغان خود کو اس قدر مضبوط  
 محسوس نہیں کر رہا تھا کہ زیادہ دیر تک اس سے باتیں  
 کرتا..... زخم بھرتے، بھرتے پھر سے چھل جائے تو  
 زیادہ تکلیف دیتا ہے، وہ خدا حافظ کہنے ہی والا تھا کہ کوکو  
 کی بات پر چونک گیا۔

”میں خوش نہیں ہوں..... بالکل بھی خوش  
 نہیں ہوں، سب سمجھتے ہیں کہ میرے پاس ہر آسائش  
 ہے لیکن کوئی یہ نہیں سمجھتا کہ میرا دل خالی ہے۔ شادی  
 کے بعد سے اب تک میں عجیب الجھنوں میں ہوں لیکن  
 کسی کو اس بات کا احساس ہی نہیں ہے..... آپ خود ہی  
 بتائیں کیا جانور کے آگے صرف روٹی ڈال دینا ہی کافی  
 ہوتا ہے؟ وہ روٹی توے کی ہو یا اپورٹڈ براڈ کی  
 پلاسٹک کے لفافے میں بند..... لیکن وہ جانور بھی تو دم ہلاتا  
 ہوا ہمارے آس پاس منڈلاتا رہتا ہے نا کہ ہم اسے  
 پیار سے دیکھیں، اس پر ہاتھ پھیریں، اپنے لس کا  
 احساس دلائیں۔ جانوروں کے حقوق میں صرف  
 انہیں خوراک دینا تو نہیں ہے نا..... وہ توجہ بھی تو  
 چاہتے ہیں نا کہ نہیں؟“

”کوکو، یہ سب تم کیا کہہ رہی ہو؟ کیا تم تو قیر کے  
 ساتھ خوش نہیں ہو؟ اس کا تمہارے ساتھ رویہ.....“  
 ارمغان کو لگا جیسے اس رات چھت پر ملنے والا لمبے بھر کا  
 قرب پھر سے تازہ ہو گیا ہو..... زندہ رہنے کا احساس،  
 شدت سے چاہنے کا جذبہ، سارا ماحول، موسم، باتیں  
 گویا ایک پرزم دکھائی دینے لگی تھیں۔ ایسے لگتا جیسے  
 آنکھوں کے آگے ایک زوم لینس لگ گیا ہو جس میں صرف  
 اور صرف کوکو دکھائی دیتی ہو، ہاتھ ملتی ہوئی..... آنکھوں

امی نے بڑی اچھی مثالیں دے کر اسے سمجھایا تھا مگر  
 کوکو، کو افسوس تھا کہ اماں اس کے محسوسات تک پہنچنے  
 کے بجائے صرف معاشرتی حد تک اسے سمجھا رہی تھیں۔  
 وہ کیوں نہیں سمجھ رہی تھیں کہ آخر وہ کس کے ساتھ کھلے  
 ملے جب یہاں ایسا کوئی ہے ہی نہیں جس کی یہ خواہش  
 ہو اور تو قیر کے پاس اس کے ساتھ وقت گزارنے کے  
 لیے کچھ تھا ہی کب..... جب گھر میں ہوتا بس اپنی ہی  
 باتیں..... آفس کی، اپنی ذات کی، ٹی وی کی، ملک  
 کی..... کوکو کہاں تھی اس کی لائف میں؟

اماں کو خدا حافظ کہہ کر اس نے ارمغان کو کال  
 کی..... کیونکہ وہ جانتی تھی کہ ارمغان کے علاوہ اور کوئی  
 بھی اسے نہیں سمجھ پائے گا۔ یا کبھی کبھار اسے لگتا کہ وہ  
 تو قیر میں ارمغان کو کھوجتی رہتی ہے۔ تو قیر کے کہے گئے  
 ہر عمل، ہر بات پر نہ جانے کیوں لاشعوری طور پر وہ اس کا  
 مقابلہ ارمغان سے کرتے، کرتے الجھ سی جاتی، ارمغان  
 کے فون پر مسلسل تیل ہونے کے باوجود جب اس نے  
 ریسیو نہیں کیا تو وہ اٹھی اور اپنے کمرے میں رکھے لینڈ  
 لائن نمبر سے اس کے فون پر کال کی اور غیر متوقع طور پر  
 فون ریسیو ہو گیا۔ کوکو کی آواز سن کر وہ بے حد حیران تھا  
 کیونکہ اس کے پاس کوکو کی سسرال کا نمبر نہیں تھا۔

”میرا فون کیوں ریسیو نہیں کر رہے تھے اور اب  
 یہ اجنبی نمبر تو فوراً ریسیو کر لیا؟“ اس نے شکوہ کیا۔

”ارے نہیں، دراصل میں ذرا مصروف ہوں  
 اس وقت..... اس لیے ورنہ اور تو کوئی بات  
 نہیں۔“ ارمغان نے بات بنائی ورنہ حقیقت تو یہ تھی کہ  
 اس دن بھی اگر اماں اور بڑی چچی کو ٹرانسپورٹ کا پرابلم  
 نہ ہوتا تو وہ کبھی ان کے ساتھ بھی نہ جاتا کیونکہ وہ اب  
 کوکو کا سامنا نہیں کرنا چاہتا تھا۔ وہ نہیں چاہتا تھا کہ وہ  
 کوکو کو دیکھے اس سے بات کرے اور پھر سے بکھر  
 جائے..... اور اس کے کسی بھی جذبے کی حدت کو کو تک  
 چاہنے اور خاص طور پر اب جبکہ وہ شادی شدہ ہے۔

”یعنی اب میرے لیے بھی آپ مصروف ہوا  
 کریں گے؟“

لیکن پھر بھی ایسا لگتا تھا جیسے آہستہ، آہستہ اس کا دل بغاوت کر رہا ہو، ایسا دل جو ایک قیدی جسم میں رہ کر ہی باغی ہو سکتا ہے۔

ادھر کوکو، ارمغان کے سامنے سب کچھ بیان کرنے کے بعد خود کو کسی پتنگ کی طرح ہلکا محسوس کر رہی تھی۔ اس کے سامنے رونے سے لگتا تھا جیسے کوئی غم، غم نہیں رہا تھا۔ خود ترسی کی کیفیت مٹ گئی تھی۔ اس کے چھوٹے، چھوٹے دکھوں کا دھارا نشیب کے بجائے فراز کی جانب چلنے لگا تھا۔ ارمغان کی سماعتوں نے گویا اسے سمیٹ ہی تو لیا تھا..... پتا نہیں اس کی غلط فہمی تھی یا کہ حقیقت..... لیکن اسے لگتا تھا شاید تو قیر کے ساتھ رہ کر وہ ارمغان جسے وہ بانگ و دل ارمغان بنائی کہا کرتی تھی ان سے محبت کرنے لگی ہے۔

”تو قیر تمہارا شوہر ہے کوکو..... ایک ایسا شخص جسے مجازی خدا بنایا گیا ہے تمہارا..... اور..... خدا کے بعد ممکن ہوتا تو..... وہ واحد شخص ہوتا جسے سجدہ کرنے کا حکم ہوتا۔ وہ تم سے پیار تو کرتا ہے ناں تو تم بھی.....“ ارمغان کو لگا شاید اس لمحے وہ خود غرضی کی اوپری منزل پر کھڑا ہوا ہے خود اپنے الفاظ سے محض اس لیے بھی ڈر لگ رہا تھا کہ کہیں خدا نخواستہ کوکو اس کی باتوں پر یقین ہی نہ کرے..... کیونکہ شاید وہ دل سے نہیں چاہتا تھا کہ کوکو اس بات پر یقین کرے کہ دنیا میں اس کے علاوہ بھی کوئی اسے اس حد تک پیار کر سکتا ہے۔

”وہ نہیں کرتے پیار مجھ سے..... اگر کرتے ہوتے تو ان کا رویہ مختلف ہوتا اور اگر وہ مجھ سے پیار نہیں کرتے تو بھلا میں کیوں کروں.....“

”ہوں.....“ ارمغان نے گہری سانس خارج کی۔  
”بس مجھ سے اب مزید اس سونے کے پنجرے میں نہیں رہا جاتا۔ میں واپس آرہی ہوں اپنے اسی گھر میں۔“ چند لمحوں میں اس نے وہ فیصلہ کر لیا تھا جس پر اکثر اوقات اس کا دل اکسایا کرتا۔

ارمغان کی آواز اور اس کے ساتھ نے گویا کوکو کے لیے اگلی تمام منزلیں آسان کر دی تھیں۔

میں آنسو لیے، سر جھکائے۔

”پھول، پودے ہوں یا انسان سب توجہ چاہتے ہیں..... یہاں تک کہ ہماری خوراک، اگر اسے ہم سونے، چاندی کے برتنوں میں بھی رکھ دیں تو بھی وہ خراب ہو کر گلنا سڑنا شروع کر دے گی۔ جب تک اسے بھی توجہ سے، دھیان سے مناسب درجہ حرارت پر نہ رکھیں..... لیکن میں.....“ اس کی آواز بتا رہی تھی کہ وہ رو رہی ہے اور ارمغان کا..... ذرا، ذرا سی بات پر مسکرانے والی آنکھوں کو روتا دیکھنے کے تصور سے ہی عجیب عالم تھا۔

”میں خوش نہیں ہوں..... یہاں کسی کو میری پروا نہیں، کوئی مجھ پر توجہ نہیں دیتا، کسی کو میرے ہونے یا نہ ہونے سے کوئی فرق ہی نہیں پڑتا..... تو قیر نے کبھی آپ کی طرح دلچسپی سے میری کوئی بات سنی ہی نہیں..... نہ ہی اس نے کبھی آپ کی طرح مجھے یہ بتایا کہ میں انہیں کس طرح اچھی لگتی ہوں..... ان کی کوئی فیڈبک ہی نہیں ہے، کوئی جذبات ہی نہیں ان میں..... بس ایک مشین کی طرح زندگی گزار رہے ہیں اور دوسروں کو بھی مشین ہی سمجھتے ہیں۔“

”دیکھو کوکو بہر..... بندے کا مزاج الگ ہوتا ہے..... نہ ہر لڑکی کو کو ہو سکتی ہے اور نہ ہی ہر لڑکا تو قیر یا ارمغان..... لیکن.....“

”نہیں ہو سکتا تو کیا..... بن تو سکتا ہے ناں..... میں نہیں رہ سکتی کسی ایسے بندے کے ساتھ جو میری چھوٹی، چھوٹی خوشیاں، چوڑیاں، مہندی تک چھین لے اور جسے میری باتیں سننے میں مجھے جاننے میں کوئی دلچسپی نہ ہو۔“ آخر کار وہ باقاعدہ رونے ہی لگی تھی۔ اور اس کے آنسو ارمغان کے دل پر گر رہے تھے۔ ایسے لگتا تھا جیسے کوکو کی ہر سسکی کے ساتھ ارمغان کے اندر کوئی چتھاق رگڑی جاتی اور جسم کے اندر ننھی، ننھی چنگاریاں چمڑنے لگتیں۔ ایسے لگتا تھا جیسے وہ کوکو کی مزید سسکیاں برداشت نہیں کر پائے گا۔ جب جسم معاشرتی اقدار کا قیدی ہو تو دل کو سمجھانا آسان نہیں ہوتا

اولاد میں سے اس بچے کے ہی منتظر رہتے ہیں جو ان کے پاس بیٹھتا ہو، ان کی چھوٹی موٹی پر ابلجڑ سنتا ہو یا ان کی روٹین سے باخبر رہتا ہو۔

وہ دونوں اپنی ہی دھن میں باتوں میں اتنے مصروف تھے کہ ارمغان ایک دم اچانک سے نمودار ہو کر سامنے سے گزرنے والے کتے کو دیکھ نہ پایا اور اسپڈ میں جاتی موٹر سائیکل کو جو ایک دم روکا تو کوکو اور ارمغان کے بیچ اچھڑاؤ کا فاصلہ بھی سمٹ گیا۔ اسپڈ سے ایک دم بریک لگی تو نیچے گرنے سے بچاؤ کے لیے کوکو نے دوسرا ہاتھ بھی ارمغان کے کندھے پر رکھ دیا تھا۔ اپنی گاڑی میں بیٹھا تو قیر یہ تمام منظر نہایت واضح طور پر دیکھ رہا تھا۔ اور وہ جو کہ لڑکے اور لڑکیوں کی دوستی کے بھی خلاف تھا۔ اپنی بیوی کو کسی اور کے اس قدر قریب دیکھ کر طیش میں آ گیا۔ قریب تھا کہ وہ گاڑی سے نکل کر اُوھر ہی کوکو کو سنبھال کر اپنی گاڑی میں ڈالتا اور گھر جا کر اس سے باز پرس کرتا کہ موٹر سائیکل اشارت ہوئی اور یہ مشکل خود پر ضبط کرتے ہوئے تو قیر نے بھی گاڑی نیوٹرل سے نکال کر میٹر میں ڈالی۔

☆☆☆

سراں سے میسکے تک کا وہ سفر کوکو نے مکمل طور پر انجوائے کیا تھا۔ یوں گھر سے چلے آنے کی سکیپٹی کا احساس کیے بغیر دستے میں ایک جگہ ارمغان کو روکا کر ٹھیلے والے سے دودھ کی کھوپڑی گلی قلفی نہ صرف خود کھائی بلکہ اصرار کر کے ارمغان کو بھی کھلائی۔

سگنل پر کھڑے ہونے پر موتیوں کے گجرے لے کر دونوں ہاتھوں میں پہنے اور حسب سابق ہاتھ ارمغان کے کندھے پر رکھ دیا۔ یہ سگنل کوکو کے گھر سے یہ مشکل پانچ دس منٹ کے فاصلے پر تھا۔ اور یہیں آ کر تو قیر کا ذہن بدل گیا۔

اسے لگا کہ اگر وہ ابھی اس کے تعاقب میں میسکے جا کر شور مچا کرے اسے لعن طعن کرے اور اس کے بڑے معافی مانگ کر کوکو، کو سمجھاتے بچھاتے ہوئے دوبارہ اس کے ساتھ بھیج بھی دیں تو اس طرح ان کے

”تم اتنی سخت دوپہر میں کیسے آؤ گی؟ بہت سخت گرمی ہے باہر۔“ اسے پتا تھا اسے کتنی سخت گرمی لگتی تھی۔ ”کوئی بات نہیں، رکشا کر لوں گی لیکن اب میں تو قیر کے آنے تک گھر میں نہیں رہوں گی۔“

”اچھا تم رکو..... میں آتا ہوں تمہیں لینے۔“ اور کچھ ہی دیر میں اپنا ضروری سامان سمیٹ کر بیگ میں ڈالنے کے بعد جب وہ بائیک پر بیٹھ کر ہمیشہ کی طرح ارمغان کے کندھے پر ہاتھ رکھے ہوئے تھی تو جہاں تو قیر نے رستے میں ایک جگہ ان دونوں کو اس طرح بیٹھے اور کسی بات پر سنتے ہوئے دیکھا تھا وہیں شیطان کا چیلہ بھی اپنی کارکردگی پر پھولا نہیں سما یا تھا کہ میاں، بیوی کے تعلق میں دراڑ ڈالنے والے ہر چیلے کو شیطان کی طرف سے اقربا میں شامل کیا جاتا۔

تو قیر نے ان دونوں کو دیکھا تو جس کام کے لیے جا رہا تھا اسے چھوڑ کر گاڑی بڑے ہی غیر محسوس طریقے سے ان دونوں کے تعاقب میں لگا دی۔

☆☆☆

ارمغان کے ساتھ موٹر سائیکل پر بیٹھی کوکو، کو اپنا آپ اس شہزادی جیسا محسوس ہو رہا تھا جو کسی غار سے اپنے شہزادے کے ساتھ نکل آنے میں کامیاب ہو گئی ہو۔ ایسا لگتا تھا گویا اس کا چپ کار روزہ آج ہی ٹوٹا تھا۔ زبان تالو سے لگنے کا نام ہی نہیں لے رہی تھی۔ ارمغان ہمیشہ کی طرح اس کی تمام باتیں بے حد دھیان سے سننے کے ساتھ، ساتھ وقت ضرورت خود بھی جواب دے رہا تھا۔

اور اگر یہ کہیں تو کیا غلط ہو گا کہ ہم کسی کا بھی بہترین سامع بن کر اسے اپنے قریب لاسکتے ہیں۔ اس کی توجہ حاصل کر سکتے ہیں، اس کے دل میں اپنی جگہ بنا سکتے ہیں۔ والدین، بہن، بھائی، دوست، میاں، بیوی کوئی بھی اور رشتہ ہو جس کسی کی بھی بات مکمل توجہ اور دلچسپی سے سنی جائے گی وہ اپنا ہر دکھ سکھ شیمیر کرنے کے لیے صرف اور صرف اسی کے پاس جائے گا..... باقی رشتے تو ایک طرف خود والدین بھی اپنی

متضاد بات کرتے ہوئے جانے کیوں ارمغان کو، کوکو کے چہرے پر بکھری بغاوت دیکھ کر سکون ملا تھا۔

”ظاہر ہے جب وہ مجھے گھر پر نہیں دیکھیں گے تو لینے آ ہی جائیں گے یا شاید بغیر پوچھے، بغیر بتائے میرے یہاں آنے پر پنکا بھی کھڑا کر دیں۔ لیکن خیر جو کچھ بھی ہو میں اب کبھی واپس نہیں جاؤں گی۔ ہاں کبھی نہیں۔“ اس کا لہجہ مضبوط تھا اور ارادہ اٹل۔

”اچھا ابھی تو اندر جاؤ ناں پھر جو بھی ہوگا دیکھا جائے گا تم پریشان نہ ہو..... میں سب سنبھال لوں گا.....“ ارمغان کی یقین دہانی، الفاظ کی مضبوطی اور لہجے کی سچائی نے کوکو، کو ایک نیا حوصلہ، ایک نئی امید عطا کر دی تھی اور وہ جان گئی تھی کہ وہ اسکی نہیں ہے بلکہ ارمغان ہر موقع پر اس کا ساتھ دینے کو تیار ہے۔ اس یقین دہانی سے ملنے والا سکون آواز میں بھی نمایاں ہوا۔

”اچھا ٹھیک ہے، آپ اپنے کمرے میں جا کر ہاتھ منہ دھولیں، میں آپ کے لیے ستونا کر لاتی ہوں۔“

”نہیں، ابھی مجھے کچھ نہیں چاہیے، تم جاؤ چچی کو اپنے آنے کی اطلاع دو۔“

”ٹھیک ہے جیسے آپ کی مرضی.....“ کوکو نے اس کی ہدایت پر عمل کرتے ہوئے اپنے پورشن کی طرف رخ موڑا۔ جہاں اماں اس کے ہی کمرے میں موجود تھیں اور بیٹھی اس کی شادی کا فوٹو البم دیکھ رہی تھیں۔ یوں اچانک بغیر بتائے بنا کسی اطلاع کے اسے اپنے سامنے دیکھ کر حیران رہ گئیں۔

”کوکو، تم اس وقت؟ اچانک؟ سب خیر تو ہے ناں؟“

”جی اماں..... بالکل خیر ہے اور کیا اپنے گھر آنے کے لیے کوئی وقت دیکھتا ہے؟“ بیک وہیں دروازے کے پاس ہی رکھ کر وہ ان کے قریب چلی آئی تھی۔

اماں نے البم سرکا کر اٹھ کر اسے گلے لگایا اور دروازے کی طرف سوالیہ انداز میں دیکھتے ہوئے بولیں۔

”تو قیر نہیں آیا کیا؟“

”نہیں، وہ تو آفس گئے ہوئے تھے۔ میں ہی آئی ہوں۔“ کھلے ہوئے فوٹو البم کو بند کرتے ہوئے

بیٹھے اور اس کے آنے کا بھلا کیا فائدہ.....

وہ زبردستی اگر اس کا وجود لا کر اپنے کمرے میں رکھ بھی دے پر اس کا دل اس کی روح اس کی خوشی یہیں رہ جائے تو پھر کیا فائدہ ایسی ملکیت کا جو صرف جسم پر ہو..... اور کیا وہ کسی ایسی کے ساتھ زندگی گزارے گا جس کے لیے یہ تعلق اور رشتہ کوئی معنی نہ رکھتا ہو۔

دل کا دل سے ملاپ نہ ہو سکے تو ایسا تعلق کس کام کا.....؟ میاں، بیوی کا تعلق ایک ساتھ ہنسنے اور رونے سے مضبوط ہوتا ہے۔ اس رشتے میں انا اور اکر دونوں کی جگہ نہیں ہوتی جبکہ وہ دونوں ہی خودداری اور نام نہاد عزت نفس کے پتکے تھے۔

شاید ان دونوں کو ہی ایک دوسرے کے جذبات سے زیادہ اپنی خوشی سے سروکار تھا۔ تو قیر نے ایک نظر خوشی سے چمکتی کوکو اور بار بار گردن موڑ کر اس کی باتوں کا جواب دیتے ارمغان کو دیکھا اور دل ہی دل میں دونوں کے لیے آزادی کا پروانہ جاری کرتے ہوئے گاڑی واپس موڑ لی۔

کوکو اپنا چھوٹا سا بیگ اٹھائے گھر میں داخل ہوئی تو دوپہر کا وقت ہونے کی وجہ سے فوری طور پر کسی سے سامنا نہ ہوا اور وہ خاموشی سے بڑا سا مہن کر اس کے اپنے پورشن کی طرف چلی آئی۔ کتنا اپنا پن تھا اس گھر میں، مہن میں چھٹی دھوپ، درو دیوار پر پھیلی ہوئی سکون خاموشی..... یہاں تک کہ گرم ہوا سے مہن میں گھرے پتے بھی اسے اپنے، اپنے لگ رہے تھے۔

وہ جو ہر سال مارچ کے اوائل میں ہی گرمی، گرمی کا شور مچا دیا کرتی تھی۔ اب اسے گرم دوپہروں میں آوارہ گردی کرتی لو سے بھی کوئی شکایت نہیں تھی۔

”تم ابھی تک یہاں کیوں کھڑی ہو گرمی میں.....“

موٹر بائیک کو چھاؤں میں شیڈ کے نیچے کھڑا کر کے ارمغان اپنے پورشن کی طرف مڑتے، مڑتے اسے دیکھ کر چونکا۔

”جاؤ اور کمرے میں جا کر آرام کرو..... ہو سکتا ہے

شام تک تو قیر تمہیں لینے آجائے۔“ خواہش اور خواب کے

اس نے سائڈ ٹیبل کی دراز میں رکھ دیا۔ اور خود پاؤں اوپر کر کے آلتی پالتی مارتے ہوئے گود میں تکیے لے کر بیٹھ گئی۔  
 ”وہ تو سب ٹھیک ہے لیکن ابھی دو ڈھائی گھنٹے پہلے ہی میری تم سے بات ہوئی ہے، اس وقت تو نہ تم نے اپنے آنے کا بتایا اور نہ ہی تمہارا کوئی ارادہ تھا۔ پھر یہ ایک دم اچانک.....؟“ فون پر کوکو کا انداز الجھا، الجھا سا تھا۔ لیکن اس وقت اماں خود مکمل طور پر الجھی ہوئی تھیں۔  
 ”حیرت ہے اماں..... آپ خوش نہیں ہوئیں میرے آنے سے؟“

”ارے پاگل لڑکی..... خوش تو ہوں..... لیکن سچ کہوں تو تمہارا یوں تو قیر کے بغیر اچانک آنا مجھے ذرا عجیب بھی لگ رہا ہے۔“ انہوں نے بغیر کسی لگی لپٹی کے سچائی بیان کی۔

”آپ کا خیال ہے کہ میں جن قدموں پہ آئی ہوں انہی پر واپس چلی جاؤں..... ہے نا؟“  
 ”تمہارا تو دماغ خراب ہو گیا ہے، اچھا یہ بتاؤ کھانا کھاؤ گی؟ اتفاق سے آج تمہارے پسندیدہ کالے چنے اور ابلے ہوئے چاولوں کے ساتھ شامی کباب بنے ہوئے ہیں۔“

”نہیں اماں، ابھی نہیں..... شام کو ہی کھاؤں گی بلکہ کالے چنوں کے سالن کے ساتھ تو صبح پراٹھا بھی بنا کر کھاؤں گی..... اور وہ آپ کے ہاتھ کا تیل دار خستہ پراٹھا.....“ اس نے چٹخارہ لیا۔

”یعنی تم شام کو واپس نہیں جاؤ گی؟ کتنے دنوں کے لیے آئی ہو؟“ کوکو کا دل تو چاہ رہا تھا کہ سیدھے اور صاف لفظوں میں اماں کو بتا دے کہ وہ اب ہمیشہ کے لیے آگئی ہے لیکن اُن کی گھبراہٹ نے اس کی زبان پر آئے سچ کو وہیں روک دیا۔

”بہت سارے دنوں کے لیے آئی ہوں اماں..... تو قیر کو کہیں جانا تھا تو میں نے سوچا کہ اس قبرستان میں رہنے سے بہتر ہے کہ میں اپنے گھر چلی جاؤں، جہاں صبح شام چہل چہل، باتیں، آوازیں، قہقہے، شور اور پتا نہیں کیا، کیا ہوتا ہے۔“

”چلو ٹھیک ہے جتنے دن چاہو رہو لیکن اپنا گھر تو اب تمہارا وہی ہے ناں جہاں تمہارا شوہر ہے۔ عقل مند بیٹیاں وہی ہوتی ہیں جو سسرال کو سسرال سمجھتے ہوئے اپنے گھر کا درجہ دس۔ اُن کے سکھ میں سکھی اور ان کے غم میں غمگین ہو جائیں ایسی بیٹیاں ماں، باپ کا بھی فخر بنتی ہیں اور سسرال کا بھی غرور کھلاتی ہیں۔ البتہ وہ لڑکیاں جن کے دل میں ان کی ذات کا مقبرہ حقیقی خوشیوں سے کہیں زیادہ بلند ہوتا ہے ناں..... انہیں بھرے پُرے گھر بھی قبرستان لگتے ہیں جس میں وقتاً فوقتاً وہ اوروں کے رویوں کی قبر ان کے نام کے ساتھ بناتی چلی جاتی ہیں..... اور خود سوچو کبھی قبروں کے درمیان بھی خوشی نمودار ہوتی ہے کیا.....؟“

”لیکن اماں میں نے تو ایک عام سی بات کی تھی۔“  
 ”جانتی ہوں.....“ وہ مسکرائیں۔ ”جانتی ہوں کہ میری بیٹی ایک باشعور لڑکی ہے اور وہ سمجھتی ہے کہ اچھی بیٹیاں وہ ہوتی ہیں جو اپنی خواہشات اور جذبات کے تند و تیز بہاؤ کے سامنے بھی ہمیشہ والدین کی عزت اور خوشی کو ہر چیز سے اہم اور بڑھ کر خیال کرتی ہیں۔“  
 سمجھ تو وہ گئی تھی کہ اماں ان ڈائریکٹ وے میں اسے کسی بھی ممکنہ غلط اقدام یا منفی رویے سے باز رکھنا چاہ رہی ہیں لیکن پھر بھی انجان بنی مسکراتی رہی۔ ان کی ہاں میں ہاں ملاتی رہی اور ان کی جذباتی بلیک میلنگ کو ان کے سامنے کامیاب قرار دیتی رہی۔

سخت دھوپ اور گرمی میں آنے کی وجہ سے انہوں نے اسے آرام کرنے کا کہا اور خود لائٹ آف کر کے اپنے کمرے میں چلی گئیں۔ باتوں، باتوں میں انہوں نے یہ تو پوچھا ہی نہیں تھا کہ وہ کس کے ساتھ آئی ہے۔ اور نہ ہی کوکو نے انہیں بتانا مناسب سمجھا کہ کہیں وہ مزید سوالات کی زد میں نہ آجائے۔ لیکن ہاں اتنا ضرور تھا، اسے یقین تھا کہ وہ ایک دو دن بعد آرام سے بیٹھ کر اماں کو اعتماد میں لے گی اور ارمان کے فون سمیت اس کے ساتھ گھر آنے اور تو قیر کے رویے تک ہر بات ان کے ساتھ شیئر کرے گی کیونکہ بچپن سے آج.....

بھی اسی طرح اپنا دل ہلکا کر لے جیسے کوکو نے میج میں کیا۔

شادی کے بعد سے اب تک یہ اس کا پہلا اور یقیناً آخری میج تھا اور وہ بھی زہر خند، ترش..... گھر میں مچی سے وہ اس معاملے پر بات کرنا نہیں چاہتا تھا کہ ان کے نزدیک رشتے بھی ریڈی میڈ لباس کی طرح فوراً بدلے اور دوسرے پسند کیے جاسکتے ہیں۔ وہ زندگی کی آسانیاں دیکھنے کی قائل تھیں۔ ان کے نزدیک کسی بھی ایک رشتے کے ساتھ روتے، بلکتے چنے رنے سے کہیں بہتر ہے کہ اس کا کوئی نہ کوئی متبادل تلاش کر کے ہنسی خوشی زندگی کے چار دنوں کو انجوائے کیا جائے۔ اور آخر کار جب وہ شہر کی سڑکوں پر گاڑی بھگاتا تھک گیا تو وہ ایک فیصلے پر پہنچ چکا تھا۔

شادی کے شروع کے ہی عرصے میں کوکو کی طرف سے کیے گئے اتنے بڑے فیصلے کو وہ کسی کے بھی سامنے چیلنج نہ کرنے کی شان چکا تھا۔ اور میج میں جن باتوں کو جواز بنا گیا تھا وہ بھی تو قیر کے نزدیک اتنی بڑی نہیں تھیں جن کی بنیاد پر وہ اتنا بڑا اور سنجیدہ فیصلہ کر پاتی لہذا صاف ظاہر تھا کہ ضرور اس کے دل میں کوئی اور ہے۔

تو قیر نے کوکو، کو یہ میج ٹائپ کرتے ہوئے نہیں دیکھا تھا۔ اس کی آنکھیں نہیں دیکھی تھیں لیکن آخر وہ ایک مرد تھا۔ اس کے لکھے الفاظ کو نظروں سے چھو کر محسوس.... کر کے بتا سکتا تھا کہ ان حروف کو طاقت کس جذبے نے بخشی ہے۔ اس گھرے میٹر کی طرح جو اندھوں کی انگلیوں میں چھپا رہتا ہے اور جس کی مدد سے وہ ٹٹول کر چھو کر محسوس کر کے کپڑوں کی رنگت بتا دیتے ہیں۔ احساسات کے اسی گھرے میٹر نے تو قیر کو، کوکو کے دل کے اندر پہلے سے چھپے کسی جذبے کا پتا بتا دیا تھا۔ اور اس نے کوکو، کو ایک پہنے ہوئے کپڑے کی طرح اتار پھینکنے کا فیصلہ کر لیا تھا۔

☆☆☆

دوپہر کی نیند لینے کے بعد سب اپنے، اپنے کمروں سے نکلے تو کوکو کے آنے کا جان کر ایک خوشگوار

ماہنامہ پاکیزہ 223 ستمبر 2016ء

تک اس نے اپنی زندگی کی ہر چھوٹی، بڑی بات ان کے ساتھ شیئر کی تھی۔ اور چاہتی تھی کہ اب بھی اگر کوئی معاملات قابل قبول نہیں ہیں تو وہ ان کے ساتھ ڈسکس کرے..... البتہ ایک بات کا خوف ضرور تھا کہ اگر تو قیر اسے لینے آ گیا تو کیا ہوگا.....؟ اور اگر اس نے آتے ہی اپنے مزاج کے مطابق کوئی لگی لپٹی رکھے.... بغیر ہی کہہ دیا کہ وہ اس سے پوچھے اور بتائے بغیر آئی ہے تو کیا ہوگا؟

اور بالآخر کافی دیر تک ہر پہلو پر سوچنے کے بعد اس نے فیصلہ کیا کہ وہ خود تو قیر کو میج کر کے صاف لفظوں میں بتا دے کہ وہ اپنی مرضی سے اپنے میکے واپس آ گئی ہے اور بڑے مہربانی وہ اسے لینے آنے کا تکلف نہ کرے..... اور وہ بھی ایسی صورت میں جب ان کے درمیان محبت تو دور دوستی نام کی بھی کوئی چیز نہیں ہے اور یہ اس کی انا گوارا نہیں کرتی کہ وہ صرف اور صرف اپنے شوہر کی جسمانی ضرورت کے طور پر گھر میں موجود ہے۔

☆☆☆

تو قیر سگنل سے گاڑی واپس موڑ لینے کے بعد آفس ٹائم ہونے کے باوجود یونہی ادھر ادھر گاڑی گھماتا رہا تھا۔ اسی دوران اسے کوکو کا تفحیک آمیز میج ملا۔ شادی کے اول روز سے وہ اس کی عادات اور انداز نوٹ تو کر ہی رہا تھا لیکن اس کی طرف سے تو قیر کو چھوڑنے کا اعلان اس کی انا پر تازیا نہ بن کر لگا تھا۔ ایکسی لیر میٹر پر پاؤں کی شدت بڑھتی جا رہی تھی اور سوچوں کا غبار تھا کہ اب اپنے حصار سے نکالنے پر تیار ہی نہیں ہوتا۔

”میں آپ کے ساتھ نہیں رہنا چاہتی، اس لیے مجھے لینے آنے کا تکلف بھی مت کیجیے گا۔“ میج کی آخری سطر تو گویا ذہن سے چپک کر رہ گئی تھی۔

بھی سوچتا کہ اس کے اماں اور ابا کے سامنے جا کر شور مچانے، واویلا کرے کیونکہ مزید تو اب وہ خود بھی کوکو کے ساتھ نہیں رہنا چاہتا تھا اس لیے کیوں نہ وہ



حسرت نے سب کا احاطہ کر لیا۔  
 جس کا جو دل چاہے اور جب دل چاہے بندہ خود بھی بنا لیتا ہے۔“ وہ گڑ بڑا گئی تھی کیونکہ یہ سوال مکمل طور پر خلاف توقع تھا اس لیے جیسا بھی جواب بن پڑا اس نے دیا۔  
 ”اس کا تو مطلب یہ ہے کہ ابھی تک ہماری کوکو کی سسرال میں کھیر بنانے کی رسم نہیں ہوئی۔“ چھوٹی بہو نے سب کی توجہ اس طرف مبذول کروائی تو گویا وہ جزبزی ہو گئی۔

”نہیں! وہاں خانساں ہے ناں تو وہی بنا لیتا ہوگا یا شاید ملازمہ..... اس لیے ان رسموں کی ضرورت ہی نہیں پڑی۔ ویسے بھی وہ لوگ ان رسم و رواج کے پابند نہیں..... فری اسٹائل لوگ ہیں وہ۔“ بات کرتے ہوئے اب وہ سنسجھل چکی تھی اس لیے ساتھ ساتھ مسکرانے بھی لگی۔

یوں بھی جس طرح سردیوں میں نہاتے ہوئے پانی کا صرف پہلاگ حواس میں کھلبلی مچا دیتا ہے اور بعد میں بندہ ذہنی طور پر ان محسوسات کا سامنا کرنے کے لیے تیار ہوتا ہے۔ اسی طرح جھوٹ بولتے ہوئے بھی محض شروع، شروع ہی میں گھبراہٹ ہوتی ہے، چوری پکڑے جانے کا ڈر ہوتا ہے، ضمیر کی سرگوشیاں کانوں میں پڑتی ہیں سو اگر تو شروع میں ہی اس قسم کے جذبات سے جان چھڑالی جائے تو بندہ پانی کی طرح جھوٹ بولتا ہے اور ایسے بولتا ہے کہ بعض اوقات خود بھی حیران رہ جاتا ہے۔ سو یہی کیفیت اب کوکو کی تھی جو ایک دم گھبرائی تو ضرور لیکن اب وہ مکمل طور پر جاگ چکی تھی۔ کسی کے بھی اور کسی بھی قسم کے سوال کا جواب دے سکتی تھی۔

”وہ تو سب ٹھیک ہے لیکن کیا دو لہا بھائی نے بھی تم سے کبھی کوئی فرمائش نہیں کی؟“ لائیبہ نے پوچھا۔  
 ”کیونکہ کاشف تو کھانا کھاتے ہوئے یہ ضرور پوچھتے ہیں کہ لائیبہ تم نے آج خاص طور پر میرے لیے کیا بنایا ہے کیونکہ وہ چاہتے ہیں کہ میرے ہاتھ کی بنی ہوئی ڈش سے ہی کھانا اشارت کریں۔“ لائیبہ کی بات پر حسب معمول سبھی اس کے نصیب اور اس کے اور

”ارے تم کب آئیں؟ کس کے ساتھ آئی ہو؟ کتنے دنوں کے لیے آئی ہو؟ واپسی کب ہے؟ اتنے دنوں رہنے کے لیے آخر منایا کیسے؟“ غرضیکہ سبھی کے الگ، الگ سوال تھے۔ جن میں سے اس نے محض چند منتخب سوالوں کے ہی جواب دیے اور باقیوں کو مسکرا کر ٹال دیا۔ صحن میں چار پائیاں اور کرسی ڈالے بیٹھے ان سب کی باتوں، قہقہوں اور چٹکوں کے درمیان اسے حقیقتاً اپنا آپ زندہ محسوس ہو رہا تھا۔ ورنہ اس وقت تو اس کے سسرال میں ساس اور نندکن مشاغل میں ہوتیں اسے کچھ علم نہیں تھا کہ اس کی ملاقات تو اُن سے ہمیشہ ہی صرف کھانے کے اوقات میں ہوا کرتی تھی۔

”اے لو..... مجھے تو لائیبہ کے لیے بغیر مرچھی کا کھانا بنانا یاد ہی نہیں رہا.....“ تائی امی صحن سے ہاتھ صاف کرتی آ کر بیٹھنے ہی لگی تھیں کہ سامنے بیٹھی لائیبہ کو دیکھ کر اچانک بولیں۔

”کوئی بات نہیں تائی امی، آج وہی کھالوں گی ناں۔“ لائیبہ کو شرمندگی ہوئی کہ اب صرف اس کے لیے کسی کو بھی دوبارہ کھانا بنانے کے لیے اٹھنا پڑے۔ اس کے ہاں نئے مہمان کی آمد متوقع تھی اس لیے ڈاکٹر نے اسے بغیر مرچھی کا کھانا کھانے کی ہدایت کی تھی کہ تاکہ ممکنہ تیز ابیت سے بچا جائے۔

”کوئی بات کیسے نہیں..... بعد کی تکلیف سے پہلے کی گئی احتیاط بہتر ہوتی ہے بیٹا۔“ انہوں نے بات کرتے ہوئے نظر دوڑائی تاکہ کسی کے ذمے بھی کھانا بنانا لگا دیں۔ اور پھر اپنی ہی منجھلی بہو سے جھنڈی کا صرف ایک پلیٹ سالن بنانے کی درخواست کی تو وہ بغیر ماتھے پر بل ڈالے مسکراتے ہوئے اٹھ کھڑی ہوئی۔

”تمہارے گھر میں کچن کون چلاتا ہے؟ آئی مین کھانا پکانا وغیرہ کون کرتا ہے؟“ تائی امی نے سب کے بیچ اس سے جو سوال کر لیا تھا اس کا جواب تو خود کوکو، کو بھی معلوم نہیں تھا۔

”کھانا پکانا تو..... ملازمہ کرتی ہے شاید اور ویسے

بہت اچھا کیا جو روز، روز سکنے سے ایک دفعہ ہی اس سونے کے پنجرے کو چھوڑ آئی۔“ کوکو نے خود ہی اپنے حق میں دلیل بھی دی گواہی بھی اور فیصلہ بھی سنا دیا۔

اسی دوران باہر سے ارمغان کی بانیک کی مخصوص آواز آئی۔ وہ آج کل جاب یا کاروبار کے بارے میں یہاں وہاں ہر ایک سے مشورے کر رہا تھا اور ابھی اپنے ایک دوست کی دکان سے اٹھ کر آیا تھا۔

”السلام علیکم گھر کی ستر فیصد آبادی.....“ سب کو ہنستے مسکراتے دیکھ کر وہ بھی خوشگوار لہجے میں بولا تو سبھی اس کی طرف سلام کا جواب دیتے ہوئے متوجہ ہوئے۔

”آؤ بھئی آؤ..... اب تو تم ہی گھر کے واحد کنوارے رہ گئے ہو..... شادی کر لو تا کہ ہماری آبادی میں مزید اضافہ ہو جائے۔“ بڑی بھائی نے شوخی سے کہا تو سبھی اُن کی ہاں میں ہاں ملانے لگے۔

”کیوں بھئی ارمغان، کوئی لڑکی نظر میں ہو تو ضرور بتانا ہم لمحہ بھر بھی دیر نہیں کریں گے۔“ چچی کا جوش بھی قابل دید تھا البتہ کوکو، کو جانے کیوں یہ ذکر بالکل بھی اچھا نہیں لگ رہا تھا اور یہ بات ارمغان نے بخوبی محسوس بھی کی تھی۔

”کوکو، تمہاری سسرال میں اگر کوئی لڑکی ہو تو بتانا..... یا ارے تمہاری تند بھی تو ہے اس سے ہی بات چلا لو۔“ بڑی چچی نے تو گویا بیٹھے، بیٹھے رشتہ بھی پکا کر دیا۔

”ارے چچی کہاں، وہ تو بہت جاب جاب اور اپنے آپ میں رہنے والی لڑکی ہے۔“ کوکو سنبھل کر بولی۔ ”اس گھر میں تو وہ لڑکی آئی چاہیے ناں جو انہیں اچھی طرح جانتی ہو گھر والوں کو سمجھتی اور اسی شور و غوغا اور رونق و مستی کی عادی ہو۔“

”ہاں بات تو کوکو نے بھی ٹھیک کی ہے لیکن خیر جو بھی ہے اب ارمغان کی شادی میں دیر بالکل نہیں کرنی چاہیے۔“ تانکی امی نے ارمغان کو دیکھا جو موٹر سائیکل کھڑی کرنے کے بعد اب مندھو کر تولیے سے پونچھ رہا تھا۔

کوکو نے حسب سابق لپک کر ٹھنڈا پانی فریج سے نکالا اور فوراً ارمغان کو دیا۔ اس سے پہلے کہ وہ پانی ختم کرتا

کاشف کے درمیان موجود اس محبت کو سراہ رہے تھے۔ اس جذبے کو مزید گھرنے کی دعا دے رہے تھے اور ان سب ستاکی جملوں میں اگر انہیں کوکو کا جواب لینا یاد نہیں رہا تھا تو یہ اچھا ہی ہوا تھا۔ کیونکہ اس طرح کم از کم وہ اس جھوٹ سے بچ گئی تھی جو اب وہ بولنے والی تھی۔

”تو قیر نے تو کبھی آج تک مجھ سے کسی بھی طرح کے کھانے تو دور چائے تک کی فرمائش نہیں کی اور نہ ہی کبھی یہ پوچھا کہ آیا..... مجھے کھانا بنانا آتا بھی ہے کہ نہیں.....؟ اور اگر آتا ہے تو کون سی چیز اچھی بنانی آتی ہے؟ یا شادی سے پہلے میں کون سی چیز خاص طور پر اس کے لیے بنانا سیکھی تھی۔“ کوکو نے ظاہری طور پر مسکراتے ہوئے بڑے ہی دکھ سے سوچا۔

اور اس میں کوئی شک بھی نہیں تھا باوجود اس کے کہ اماں جانتی تھیں سسرال میں اسے ہانڈی چولہا نہیں سنبھالنا پڑے گا مگر اس سب کے باوجود انہوں نے نہایت کم دنوں کا عرصہ ہوتے ہوئے بھی اسے چند خاص، خاص چیزیں بنانا سکھا ہی دی تھیں اور کچن میں دو کھڑکیاں اور ایگزاسٹ فین ہونے کے باوجود جب انتہائی گرمی میں پسینے سے اس کی قمیص تک چپک جایا کرتی تو وہ سوچتی کہ جب شادی کے بعد میاں جی اس کے ہاتھ کے بنے ہوئے کھانوں کی تعریف کیا کریں گے تو وہ یہ گرمی، جس، پسینہ سب کچھ بھول جائے گی۔ جب اس کا شوہر اپنے ہاتھوں سے تولہ بنا کر اس کے منہ میں ڈالے گا تو وہ تمام تھکن اور گرمی بھول جائے گی جو اس نے کھانا پکانے کے دوران محسوس کی ہوگی۔

”کتی چھوٹی، چھوٹی اور معمولی خواہشات تھیں جن کے لیے میں بس ترستی ہی رہی، ایک نئی نویلی دلہن ہونے کے باوجود.....“ لائبرے کے چمکتے ہوئے چہرے کو دیکھ کر اس نے سوچا۔

”جو شخص نوبیا ہتا دلہن کے ساتھ اس قدر کرجت، کھر درا اور خشک رو تیر رکھنے والا ہو اس سے اگلے چند برسوں میں بھلا کیا امید کی جاسکتی ہے..... میں نے

باہر کسی نے قتل پر ہاتھ رکھا تو گویا اٹھانا ہی بھول گیا۔

ارمغان اور کوکو نے ایک دوسرے کو دیکھا۔

کوکو کا تو دل رکنے لگا تھا کہ اگر تو قیر ہوا تو جانے سب کے سامنے کیا اول فول کہہ دے کہ مجھ سے بغیر پوچھے یا کسی کو بھی بغیر بتائے کیوں آگئیں۔ یا ہو سکتا ہے کہ سب کے سامنے ان باکس میں سے میچ نکال کر سب کو پڑھوائے کہ یہ دیکھیے آپ کی تربیت..... کیسے قید سے فرار ہو کر آئی ہے۔

تائی امی نے ارمغان کو پانی پیتے دیکھا تو خود آگے بڑھ کر دروازہ کھول دیا۔ سامنے تو قیر نہیں بلکہ ارمغان کا ہی کوئی دوست چہرے پر اڑتی ہوئیاں لیے کھڑا تھا۔

”عمیر بیٹا، آؤ اندر آ جاؤ، ارمغان گھر پر ہی ہے۔“ اس کے پوچھنے پر تائی امی نے اسے اندر بلا لیا تھا۔ اور تب تک صحن سے لڑکیاں اپنے کمرے میں جا چکی تھیں البتہ چچی وغیرہ موجود تھیں۔

”خیریت تو ہے ناں..... طبیعت تو ٹھیک ہے تمہاری؟“ ارمغان نے ہاتھ ملا کر اسے بیٹھنے کا اشارہ کرتے ہوئے پوچھا۔

”خیریت تو اوپر والے کا کرم ہے کہ پہلے ہی ہے لیکن ایک کام بڑ گیا ہے اور وہ بھی تم سے نہیں بلکہ تائی امی سے۔“ اس کی بات پر کبھی چونکے تھے۔ تائی امی نے بھی مروت بھائی اور اس کے یوں خصوصاً مخاطب کرنے پر اس کے سر پر ہاتھ پھیر ڈالا۔

”ہاں، بیٹا کیوں نہیں..... بچپن سے تم اور ارمغان اکٹھے کھیلتے اور پڑھتے بڑے ہوئے ہو ایسے میں یہ گھر بھی تمہارا اپنا ہوا اور ہم سب بھی۔“

”بہت، بہت شکر یہ تائی امی..... اور یہی وجہ تھی کہ میں آج ایک خوشخبری اور ضرورت لے کر آپ کے در پر آیا ہوں۔“ اس کی تمہید سبھی کو جس میں مبتلا کر رہی تھی مگر اس نے بات کو جاری رکھا۔

”دراصل آج سے دو چار مہینے پہلے ایک جاب کے لیے ٹیسٹ دیا تھا، اس کے بعد انٹرویو کی کال آئی تو

انہوں نے کہا کہ اب نتیجہ بعد میں بتایا جائے گا..... میں اب تک بھول بھال چکا تھا تو ایک دوست کے ذریعے لیٹر ملا جس میں مجھے مبارک باد دے کر بتایا گیا ہے کہ میں اس پوسٹ کے لیے موزوں شخص ہوں۔“

”واؤ یا راتنی بڑی نیوز..... واہ بھی کمال کر دیا۔“

”ماشاء اللہ، ماشاء اللہ جیتے رہو، خوش رہو، بہت، بہت مبارک باد.....“ تائی امی بھی اس بن ماں باپ کے لڑکے کے لیے بہت خوش ہوئی تھیں۔

”تو پھر اس میں مسئلہ کیا ہے؟“ ارمغان نے پوچھا۔

”دراصل مجھے دو مہینے تک ان کے ہیڈ آفس سے ریلیفڈ فرم میں کام کرنا ہوگا تاکہ میں ان کے طریقہ کار اور کام کی نوعیت کو اچھی طرح سمجھ لوں..... پھر ان کی مرضی کہ وہ مجھے واپس یہاں اپنی فرم میں لگائیں یا وہیں رکھ لیں..... تو اب مسئلہ دراصل یہ ہے تائی امی۔“ وہ مکمل رخ موڑ کر ان کی طرف متوجہ ہوا۔

”کہ یہ تو آپ کو پتا ہے ناں کہ میں اور میری چھوٹی بہن دادا والے گھر میں تائی کی فیملی کے ساتھ رہتے ہیں لیکن اب جبکہ میں دو مہینے تک گھر سے دور رہوں گا تو اسے میں حنا کو اکیلے وہاں پر چھوڑنا مجھے نہ تو مناسب لگ رہا ہے اور نہ ہی میرا دل اجازت دیتا ہے۔“

”بیٹا گھبراؤ نہیں..... کھل کر بات کرو.....“ وہ مکمل دھیان سے اس کی طرف متوجہ تھیں۔

”تائی امی وہ دراصل کہتے ہیں ناں کہ پیٹ پر سے تمہیں ہٹاؤ تو اپنا ہی جسم ننگا ہوتا ہے تو بس یہی سمجھ لیں کہ میرے ساتھ بھی یہی ہوا کہ.....“ وہ تھوڑا سا ہنسی بھرا لہجہ لگایا۔ کچھ حالات کا تو آپ کو اندازہ ہے ہی ناں کہ کس طرح ہماری تائی نے حنا کو گھر کی ملازمہ بنا کر رکھا ہے تو ابھی تو میں یہاں ہوں اسے تھوڑا بہت میرا سہارا ہے اور کچھ تائی بھی ذرا لحاظ کرتی ہیں، سوچ رہا ہوں کہ ایک دو دن نہیں بلکہ پورے دو مہینے کے لیے اگر میں کسی دوسرے شہر چلا گیا تو حنا کا کیا بنے گا، وہ کیسے رہے گی ان کے بیچ؟“

”ہوں.....“ تائی امی بات کی تک پہنچ چکی تھیں۔

کہتے کہ تائی امی یہ میرے آنے تک یہیں رہے گی اور بس..... پاگل پوچھنے کی بھلا کیا ضرورت تھی۔“

ارمغان نے بڑی محبت سے تائی امی کو دیکھا جنہوں نے نہ صرف عمیر کا مان رکھا تھا بلکہ اس کا سر بھی فخر سے اونچا کر دیا تھا کہ وہ ایک ایسے خاندان سے تعلق رکھتا ہے جہاں ابھی تک محبت، خلوص، رواداری اور سب سے بڑھ کر انسانیت زندہ ہے۔

☆☆☆

وہ گھر جہاں پر ہر کوئی ہر وقت اور ہر موضوع پر بولنے کو تیار ملتا ایسے میں وہ ایک ایسی بند کتاب کے مانند تھی جو اپنے خوشنما اور جاذب نظر کردار سے ہر ایک کو اپنی طرف متوجہ کر لیتی۔ اصرار کرتی کہ اسے پڑھا جائے اور قاری اس کی طرف بس کھنچا ہی چلا آتا۔ اسے کوکو کے کمرے میں ٹھہرایا گیا تھا۔ خوش باش، چہکتی اور یہاں وہاں اڑتی پھرتی۔ کوکو اس سے بہت جلد ادب گئی تھی۔ اسے لگتا کہ اس میں لڑکیوں والی تو شاید کوئی بات

”یہ بات میرے لیے باعث شرم تو ہے لیکن کیا، کیا جائے..... دوسروں کی جانب مدد طلب نظروں سے انسان بھی دیکھتا ہے جب اپنوں سے کوئی امید باقی نہ رہے تو بس میں بھی یہی چاہتا ہوں کہ اگر آپ مہربانی کر کے میرے آنے تک حنا کو یہاں رکھ لیں تو میں آپ کا یہ احسان ساری زندگی نہیں بھولوں گا۔“

ارمغان اور تائی امی نے ایک دوسرے کو دیکھا۔ پھر تائی امی نے وہاں موجود دوسری خواتین کے چہرے کے تاثرات بھانپے۔

”دو ماہ بعد فائل ہو جائے گا تو اگر مجھے وہاں رہنا ہوا تو حنا کو بھی اپنے ساتھ لے جاؤں گا ورنہ یہیں اس کے پاس آ جاؤں گا۔“

”پہلے تو مجھے اعتراض اس بات پر ہے کہ کیا تم ہمیں غیر سمجھتے ہو جو اپنوں کی طرف سے امید ختم ہونے کے بعد متوجہ ہوئے؟“ عمیر نے اُن کی بات پر سر جھکا لیا۔

”جیسے ارمغان ویسے تم..... اور یہ تمہارا اپنا گھر ہے، تمہیں تو چاہیے تھا تاں کہ حنا کو ساتھ لے آتے اور

**رخ تقدیر**  
بعض انسانوں کی تقدیر قدم قدم پر بڑے ڈرامائی انداز میں چونکاتی ہے..... جب مایوسی کے اندھیروں سے امید کی کرن بھونی تو وہ بھی تقدیر کی اس مہربانی پر حیران تھا۔ آخری صفحات پر **سلیم فاروقی** کا تحفہ

**ننگ و ناموس کی داستان**  
سحر انگیز تاریخی لمحات کی جھلک..... ایک ایسا تسلسل جو ورق در ورق ایک نئی داستان کا آغاز بھی ہے اور انجام بھی۔ **الیاس سینتاپوری** کے قلم کا جادو

**شیش محل**  
ماضی سے حال اور حال سے مستقبل کی جانب گامزن سفر کا دلچسپ پڑاؤ۔ جہاں پیار کرنے والے ایک دوسرے سے بے خبر پاس سے گزر جاتے ہیں۔ **اسماء قادری** کا دل فریب سلسلہ

**ماروی**  
ماورائی طاقتوں اور کائنات کے رمزی جانب اشارہ کرتے دلچسپ واقعات کا احوال۔ **محی الدین نواب** کے خیالات کی پرواز

**پھر یاد آئی**  
اندکی آزمائشوں سے گھبرانے اور خود فریبی میں مبتلا لوگوں کا قصہ جن کے لیے صرف اپنا سکھ اور دکھ اہم ہے، باقی کچھ نہیں، **طاہر جاوید مغل** کا خوب صورت سا تحفہ۔

ستمبر 2016ء کا دل فریب شاد ایک نظر میں

خوبصورت کتابوں کا مجموعہ

**سیر و سیرت**

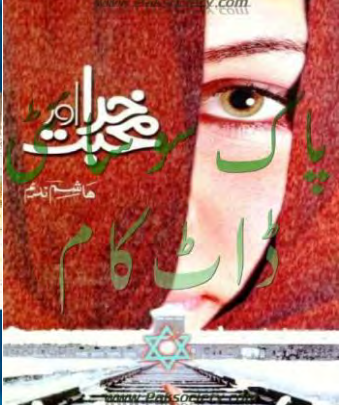
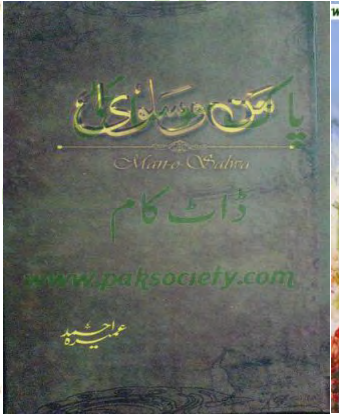
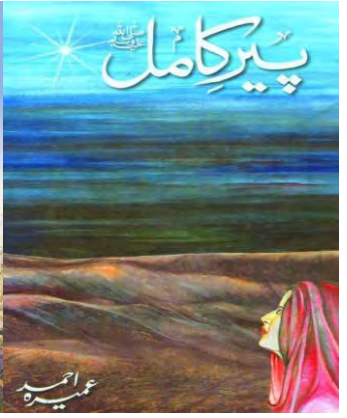
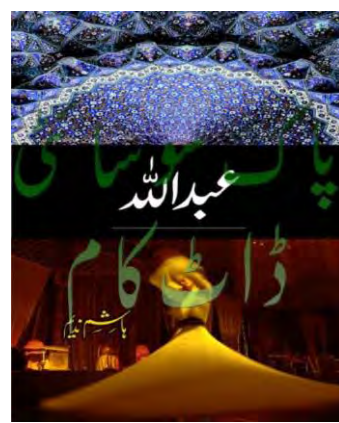
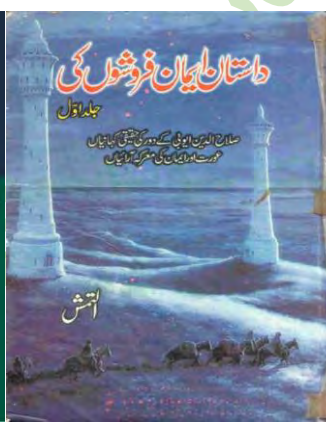
ماہنامہ

مزید

خلو طو کی محفل.....  
محفل شعر و سخن اور  
مرزا امجد بیگ کا مدلل انداز  
رس لے عداد

ڈاکٹر شہیر شاہ سید منظر امام  
ڈاکٹر عبد الرب بھٹی  
تنویر ریاض اور سلیم انور  
کی دلچسپ تحریریں آپ کی منتظر

پاک سوسائٹی ڈاٹ کام پر موجود آل ٹائم بیسٹ سیلرز:-



ہی نہیں جہاں سب بیٹھے ہوتے وہاں سے چپ چاپ غیر محسوس طریقے سے ایسے غائب ہوتی کہ کسی کو پتا ہی نہیں چلتا۔

اس کے اپنے گھر میں چونکہ اس کی تائی گھر کے اکثر کام اسی سے کروایا کرتی تھی اس لیے جب ایک دو، دن اسے کوئی کام نہیں کرنے دیا گیا تو وہ باقاعدہ روہانسی ہو گئی۔ سوتائی امی نے اسے گھر کے کام کاج کرنے کی اجازت کیا دی اس کے رخساروں کی لالی لوٹ آئی۔

سچ ہے کہ بچپن سے انسان کو جو عادت پڑ جائے وہ پھر چھوڑنا مشکل ہی ہوتا ہے اور یہاں تو وہ چھوڑنے کی نہ تو خواہشمند تھی اور نہ ہی اس پر رضامند..... ایسے میں کو کوجس نے صرف اس لیے اسے اپنے کمرے میں رکھنے پر فریاد لانا نہ اصرار کیا تھا کہ اس طرح اسے گپ شب کے لیے ایک اچھی دوست مل جائے گی، بے حد مایوس ہوئی، کچھ تو اس بات کا بھی غصہ تھا کہ تو قیر نے تو پلٹ کر خبر تک نہیں لی تھی اور وہ جو یہ سوچ، سوچ کر ہلکان رہی تھی کہ اگر تو قیر آگئے اور آ کر اس نے وہ میج سب کو پڑھو دیا تو کیا ہوگا..... ایسا کچھ بھی نہیں ہوا۔ اور یوں ثابت ہو گیا کہ تو قیر یا اس کے گھر والوں کو اس کی ذات میں کوئی دلچسپی تھی نہیں..... اور یہی وجہ تھی کہ انہوں نے اس کے ساتھ ایسا رویہ رکھا جیسے وہ کوئی گھر میں رکھی بے جان کی چیز ہے.....

اماں اور کسی نے اگر پوچھا تو اس نے بڑے ہی اعتماد سے بتا دیا کہ تو قیر تو آج کل چونکہ شہر سے باہر ہے اس لیے اس کے واپس آنے تک وہ یہیں رہے گی۔ وجہ مضبوط تھی۔ جس میں شک و شبہ کی تو کوئی گنجائش ہی نہیں تھی۔ لہذا سبھی مطمئن تھے اور وہ خود بھی اب اپنی زندگی میں اتنی مطمئن اور خوش تھی کہ اسے اندازہ بھی نہیں تھا کہ وہ تو قیر کو ٹھکرا کر کتنی بڑی غلطی کر چکی ہے۔ دوسری طرف تائی امی بھی بڑی جہاندیدہ خاتون تھیں، حنا کے ایک دو دن رہنے کے بعد اس کی عادات و اطوار جان چکی تھیں اور اس قدر خوش تھیں کہ انہوں نے

گھر کی بڑی پانچوں خواتین کا ایک خفیہ اجلاس کچن میں طلب کر لیا۔ طے یہ کیا گیا تھا کہ دوپہر کے کھانے کے بعد جب سب اپنے، اپنے کمروں میں ہوں تو خواتین کچھ دیر کے لیے کچن میں تشریف لائیں اور کچن کا انتخاب اس لیے کیا گیا تھا کہ اس گرمی میں سبھی لڑکیاں کچن سے پناہ مانگتیں۔ لہذا قیاس یہ تھا کہ اس طرح اس اجلاس کے خفیہ مقصد سے گھر کی لڑکیاں بھی بے خبر ہی رہیں تاکہ کسی مرد کے بھی کانوں تک بات نہ پہنچ پائے اور عین اس وقت جب سب اپنے، اپنے پورشن میں بنے کمروں میں پردے گرا کر لیٹے تھے، یہ ساری خواتین ایک، ایک کر کے برآمدے میں نکلیں اور ایک ساتھ کچن میں جا پہنچیں لیکن اندر داخل ہوتے ہی ٹھنک گئیں کہ سامنے حنا چوٹھا صاف کرنے میں مصروف تھی۔ انہیں دیکھا تو وہ بھی یوں سب کے ایک ساتھ آنے پر حیران ہو گئی۔ حنا کی آنکھیں مہاتما بدھ کی آنکھوں جیسی لمبی، لمبی تھیں۔ مسکراتے ہوئے بھی اداس سی آنکھیں۔

”بیٹا تم اس وقت.....؟“ بڑی چچی حیران ہوئیں۔  
”دیکھو بیٹا، ٹھیک ہے کہ آپا نے تمہیں گھر بلو کام پنپانے کی اجازت تمہاری خواہش پر دے دی ہے لیکن میری جان، یہ کوئی وقت ہے بجلا دوپہر کے برتن دھونے اور چوٹھے صاف کرنے کا.....“

”ہاں تو اور کیا..... ایک آدھ گھنٹا لیٹنے کے بعد جب سب اٹھتے تو ہو جاتا۔“ چھوٹی چچی نے بھی ان کی تائید کی۔

”دراصل مجھے عادت ہے نا، وہاں تائی امی کہتی تھیں کہ پہلے سارا کام پنپاؤ پھر لیٹو..... تو میں نے سوچا کہ وہاں بھی تو کرتی ہی تھی ناں یہاں بھی کر دیتی ہوں۔“ وہ رسائیت سے بولی۔

”چندا، کام کرو بے شک کرو..... لیکن وقت پر اور اپنے آرام کا بھی خیال رکھو۔“ تائی امی نے بڑی محبت سے اس کا گال تھپتھپایا۔

”جاؤ شاباش..... جیسے باقی سب اس وقت

اپنا ارمغان ہے بہت گھنا..... اس کے دل میں کیا چل رہا ہے، نہ تو پہلے اس نے بتایا اور نہ اب بتائے گا۔ اس لیے بہتر ہے کہ آپ کچھ اور دن دیکھ لیں پھر اسے اپنا فیصلہ سنا دیں کہ ہم نے تمہارے لیے یہ سوچا ہے اور بس.....“

”نہیں صنوبر، وہ گھنا نہیں ہے کیونکہ کوکو کے معاملے میں اس کی پسندیدگی کسی سے چھپی ہوئی نہیں تھی اور پھر اس نے خود بھائی صاحب سے کوکو کے ساتھ شادی کرنے کی خواہش کا اظہار کیا تھا اب اگر کوکو نے ہی صاف لفظوں میں انکار کر دیا تو اس میں ارمغان کا کیا قصور.....؟“ تائی امی نے وضاحت کی۔

”کوکو، میری بیٹی ہے اور آپا ٹھیک کہہ رہی ہیں کہ ارمغان کی خواہش ضرور تھی لیکن کوکو نے ہی اس رشتے کو قبول نہ کیا۔ ایسے میں ارمغان نے بڑی ہی معاملہ نہیں سے اس کے سامنے ایسے بات سنبھالی کہ وہ اب تک ارمغان کو اپنا سب سے اچھا دوست سمجھتی ہے۔“ منجھلی چچی نے بڑی ہی غیر جانبداری سے سچ کا ساتھ دیتے ہوئے بات واضح کی تو خواتین کی اس کانفرنس میں طے یہ پایا کہ حنا اور ارمغان کو ایک دوسرے کو جاننے کا موقع فراہم کیا جائے تاکہ دونوں کے احساسات کا بخوبی اندازہ لگانے کے بعد ہی کسی بھی قسم کے فیصلے سے آگاہ کیا جائے۔

سب کے چہرے پر خوشی کے آثار تھے جیسے لمبے عرصے بعد گھر میں کسی کی شادی کی تقریب ہونا ہو۔ حالانکہ ایسا ہرگز بھی نہیں تھا۔

☆☆☆

کوکو، پہلے کی طرح خوش اور مطمئن تھی۔ اسی طرح ارمغان سے گپ شپ ہوتی اور وہی پہلے کی طرح کی آؤ بھگت، تو قیر کا خیال بھولے سے بھی کہیں ذہن میں نہیں آتا تھا بلکہ وہ تو اس بات پر بے حد خوشی تھی کہ تو قیر نے پلٹ کر اس سے رابطہ ہی نہیں کیا اور نہ گھر بھر میں خوب شور مچتا، سب کزنز کے سامنے اس کی بے عزتی ہوتی اور آخر میں پھر بھی ہوتا جواب ہو رہا ہے۔ اب اسے کبھی کبھار محسوس ہوتا جیسے ارمغان سے متعلق اماں نے سچ کہا تھا کہ وہ اسے پسند کرتے

ریسٹ کر رہے ہیں تم بھی کرو۔“ تائی امی کے کہنے پر وہ فرمانبرداری سے سر ہلاتے ہوئے اسٹیل دول اور اسٹینج دیں چھوڑ کر سنک پر ہاتھ دھونے لگی۔

کبھی خواتین نے ایک دوسرے کو بڑی ہی سراہتی نظروں سے دیکھا۔ ان سب کی آنکھوں میں محبت تھی، تعریف تھی اور سراہا جانا تھا۔

حنا کچن سے جا چکی تھی۔

”کیا تم سب بھی وہی سوچ رہی ہو جو میں سوچ رہی ہوں؟“ تائی امی نے شرارت سے مسکراتے ہوئے ان سب کو دیکھا۔

”سوچ تو ہم بھی کچھ نہ کچھ رہے ہیں لیکن آپا پہلے تو آپ یہ بتائیں ناں کہ آپ کیا سوچ رہی ہیں؟“ بڑی چچی نے ہونٹوں کے کونوں پر مسکراہٹ دہرائی۔

”حنا ایک اچھی، سکھز اور سلیقہ مند بچی ہے، اس سے بے شک یہ ہماری پہلی ملاقات ہے لیکن ارمغان کے دوست کے حوالے سے عمیر کو ہم سب ہی اچھی طرح جانتے ہیں کہ کس طرح محنت سے اس نے اپنی تعلیم مکمل کی اور بہن کو بھی پڑھایا..... کیا ہی اچھا ہوا اگر ہم عمیر کے دو مہینے کے بعد آنے پر بھی حنا کو یہاں سے جانے نہ دیں۔“ تائی امی نے رک کر ان سب کو بولنے اور اپنی رائے دینے کا موقع دیا۔ اور گو کہ کبھی ان کی تمہید کا مطلب سمجھ چکی تھیں سوائے چھوٹی چچی کے سوتائی امی نے پرجوش انداز میں اپنا خیال ظاہر کیا۔

”دراصل صاف، سیدھے اور مختصر لفظوں میں بتاؤں تو مجھے حنا اپنے ارمغان کے لیے بہت پسند آئی ہے۔ اسی لیے میں سوچ رہی تھی کہ اگر ہم ان دونوں کو تھوڑا سا قریب آنے کا موقع دیں تو وہ بھی ایک دوسرے کو ذرا جان پہچان لیں۔ ان دونوں کو اگر کوئی اعتراض نہ ہو جو کہ مجھے یقین ہے کہ نہیں ہوگا تو ہم عمیر کے آنے پر یہ تجویز اس کے سامنے بھی رکھ سکتے ہیں۔“

”بات تو آیا آپ کی ٹھیک ہے لیکن.....“ چھوٹی چچی کے غیر متوقع ”لیکن“ نے ان سب کو چونکایا۔

”اس بات سے تو آپ بھی اتفاق کریں گی ناں کہ

لیے فالودہ لے آئے، سو اس وقت یقینی طور پر ارمغان  
آچکا تھا۔ جیسی پیالوں اور چمچوں کی آوازیں آرہی  
تھیں اور ساتھ ہی ارمغان سمیت دو چار آوازیں مل کر  
اسے بھی پکارنے لگیں۔ بالوں سے ربڑ بینڈ کھینچ کر  
اتارنے کے بعد اس نے گردن پر آئے ہوئے بالوں کو  
بھی سمیٹا اور دوبارہ سے انہیں بینڈ میں ڈال کر باندھا  
اور پونی جھلاتے ہوئے کمرے سے نکل کر برآمدے  
سے ہوتی صحن میں آئی تو جسے دل خوش ہو گیا۔

تین بڑے پیڈل فین ایک مناسب فاصلے کے  
ساتھ ایک ہی قطار میں موجود تھے۔ اور ان کی ہوا کی سمت  
عین سامنے چار پانچ چار پائیاں چمھی تھیں۔ ساتھ ہی  
کرسیاں بھی رکھی ہوئی تھیں۔ ساتھ ساتھ ٹینڈا فالودہ.....  
”واؤ فالودہ.....“ اس نے اتنے جوش سے کہا  
جیسے فالودہ نہیں بلکہ اس نے اتنی گرمی میں برف گرمی  
دیکھ لی ہو اور اس کے اسی انداز پر سب نے گردن موڑ  
کر اسے دیکھا ہی تھا کہ ارمغان کو فالودے کا پیالہ  
پکڑاتی حنا کے ہاتھ سے ذرا سا پیالہ سلپ ہوا اور فالودہ  
ارمغان کی پیٹ اور شرٹ پر آگرا۔ یہ صورت حال  
سب کے لیے عجیب تھی۔

خصوصاً حنا کو اس وقت بے حد شرمندگی ہو رہی  
تھی۔ سارے گھروالوں کی نظریں اب اس پر تھیں اور  
اسے اور تو کچھ نہ سو جھابس جلدی سے اپنے دوپٹے کے  
لٹکتے کونے سے اس سے پہلے کہ کچھ صاف کرتی، کوکو  
تیزی سے اس کی طرف بڑھی۔

”تم رہنے دو حنا، میں کر لوں گی۔“  
”کوئی بات نہیں، میرا دوپٹا بھی گندا ہی ہے،  
ابھی ڈریس چھینج کر لوں گی۔“ اس نے اپنے شلوار کے  
نچلے حصے کو دیکھا جہاں پانچوں پر بھی فالودہ گرا ہوا تھا۔  
”تمہارا دوپٹا گندا ہے اسی لیے تو کہہ رہی ہوں  
ناں کہ رہنے دو..... میں کوئی صاف کپڑا لاتی ہوں.....  
اس سے تو مزید شرٹ گندی ہو جائے گی بلکہ آپ جا کر  
جلدی سے واش روم میں ڈریس چھینج کر لیں اور یہ کپڑے  
اُدھر ہی چھوڑ دیں، پھر دھل جائیں گے۔“ کوکو نے وہ

ہیں اور اس سے شادی کرنا چاہتے ہیں لیکن شکوہ اسے  
یہ تھا کہ اگر وہ اتنا ہی اسے پسند کرتے تھے تو اپنی بات  
منوا کیوں نہ لی؟ کیا مرد بھی اتنے کمزور ہوتے ہیں کہ اپنی  
محبت چھوڑ دیں۔ کپروما تیز کر لیں اگر اس نے ایک  
لڑکی ہو کر اسٹینڈ لیا تھا کہ وہ ان سے شادی نہیں کرنا  
چاہتی تو پھر وہ ایک مرد ہو کر اس بات پر ڈٹ کیوں نہ  
گئے کہ کوکو میری محبت ہے اور میں کسی اور کو اپنی محبت  
نہیں سونپ سکتا..... وہ کیا کر لیتی..... آخر کار تو سمجھ ہی  
جاتی ناں..... لیکن انہوں نے اتنی جلدی ہتھیار  
کیوں ڈالے..... اور کیا جو کچھ وہ سمجھ رہی ہے ٹھیک بھی  
ہے یا کہ وہ خود اپنے جذبہ کی عینک لگائے دیکھ رہی ہے۔

چند دن سکے میں گزرے تھے کہ اسے ایک عجیب  
سی بے چینی نے آگھیرا تھا۔ سب اسے تو قیر کا نام لے  
کر مذاق کرتے، اس کے متعلق ڈسکس کرتے، اس کی  
عادات کا پوچھتے، وہ بتاتے، بتاتے زچ ہو گئی تھی۔ اب  
تو اس کا دل چاہتا کہ جو بھی اس کے سامنے تو قیر کا نام  
لے وہ اس کا سر پھوڑ ڈالے کہ ان کے سوالات کی وجہ  
سے اسے کس قدر جھوٹ بولنا پڑتا ہے صرف اس لیے  
کہ انہیں مطمئن کر سکے۔

☆☆☆

صحن سے قہقہوں اور باتوں کی آوازیں آرہی  
تھیں۔ بچوں کی چاں پاں بھی ساتھ ہی تھی۔ ارمغان  
چونکہ اب تک کوئی بھی مستقل جاب حاصل کرنے  
میں کامیاب نہیں ہو پایا تھا اس لیے اکثر گھر پر ہی ہوتا۔  
باہر کے تمام کاموں کی ذمہ داری اس پر آگئی تھی۔ جو  
وہ بخوشی سرانجام دیا کرتا۔ ویسے بھی اسے بہت امید تھی  
کہ زیادہ سے زیادہ ہفتے بھر میں اسے ایک متوقع جاب  
کالیں یا نو معلوم ہونے ہی والا ہے۔ لہذا موٹر بائیک  
پاس تھی جو بھی کوئی کام کہتا وہ فوراً سے بائیک نکالتا اور  
سب اسے دعائیں دینے لگتے۔

آج بڑی چچی کی بہو سمیرا کا فالودہ کھانے کو جی  
چاہ رہا تھا سو بڑی چچی نے ارمغان سے ہی درخواست  
کی تھی کہ اگر اس کا موڈ ہو تو وہ جا کر سب گھروالوں کے



”ڈونٹ وری، کوکو نے جو کچھ کہا وہ سب بالکل بے اختیاری طور پر کہہ دیا۔ ورنہ یہاں تمہیں کوئی نہیں ڈانٹے گا کیونکہ یہ سب تو چلتا رہتا ہے ٹینشن نہ لو۔“  
اس نے یوں بے یقینی سے دیکھا تھا جیسے یقین ہو کہ وہ جھوٹ بول رہا ہے۔

”بلکہ کوکو کی طرف سے میں تمہیں سوری کہتا ہوں..... وہ بس ایسی ہی ہے ذرا جذباتی سی۔“

”ڈونٹ وری..... کوکو نے جو کچھ کہا وہ سب بالکل بے اختیاری طور پر کہہ دیا..... ورنہ مجھے یقین ہے کہ مجھے یہاں کوئی نہیں ڈانٹے گا اور یہ سب تو چلتا رہتا ہے ناں..... آپ ٹینشن نہ لیں۔“  
حنا نے کسل طور پر ارمان ہی کے انداز میں الفاظ کو تھوڑا سا بدل کر اپنی بات کی تو اس کے لیے یہ صورت حال بڑی ہی دلچسپ تھی۔

اسی دن ارمان پر انکشاف ہوا کہ اس کی بیسی، بیسی آنکھیں مسکراتے ہوئے کنپٹیوں کا رخ کرتی ہیں اور جب یہی مسکراہٹ ذرا گہری ہونے لگے تو اس کی آنکھوں کی جگہ سیاہ پلکوں کی ایک لائن سی دکھائی دیتی ہے اور بس.....

اور جب مسکراتے ہوئے اس کی آنکھوں کی جگہ ایک گہری سیاہ لائن نے لے لی تو پتا نہیں کیوں ارمان کا شدت سے جی چاہا کہ وہ جلدی سے آنکھیں کھول دے کہ ان آنکھوں کو قریب سے دیکھنے کی ایسی تمنا کا سامنا کرنا بڑا تھا کہ اگر بس میں ہوتا تو وہاں سے بھاگ جاتا لیکن وہ نہیں بھاگا، وہیں کھڑا رہا، جب تک کہ اس کی آنکھیں دوبارہ نظر نہ آنے لگیں۔

وہ زیادہ سے زیادہ دو تین سیکنڈ کے لیے اس قدر بھرپور مسکرائی تھی کہ اسے لگا چہرے پر آنکھیں ایک سیاہ لائن چھوڑ گئی ہوں لیکن وہ دو تین سیکنڈز..... صرف اور صرف دو تین سیکنڈز..... سورج طلوع ہونے کا منظر بھی کیا ہی حسین ہوگا مگر جس طرح حنا نے مسکراتے ہوئے آنکھیں بند کیں اور پھر کھولیں۔ یہ منظر تو جیسے ارمان کے دل پر نقش ہو کر رہ گیا تھا۔ دل چاہتا کہ وہ بار بار، بار بار ایسی باتیں کرے جن پر حنا مسکرائے اور اتنا گہرا

پیالہ جو حنا کے ہاتھ سے سلب ہونے کے بعد فوراً ارمان نے اپنے ہاتھ میں لے لیا تھا، اس سے لے کر اٹھنے کا حکم نامہ جاری کیا تو ارمان مسکراتا ہوا کندھے اچکا کر کھڑا ہو گیا اور پھر مچھلی چچی اور پھر کوکو، کوئی مخاطب کیا۔

”حکم تو ایسے چلاتی ہے جیسے میں کوئی چھوٹا بچہ ہوں..... حالانکہ تم مجھ سے چھوٹی ہو۔“

”دوست، دوست ہوتا ہے چھوٹا بڑا نہیں ہوتا.....“ وہ بچوں کی طرح اترائی۔ ”اگر دوستوں میں بھی چھوٹے بڑے ہونے کا چکر شروع ہو جائے ناں تو بڑوں کا تو ہر وقت ادب آداب کرنا پڑے اور چھوٹے..... چھوٹے ہر وقت چاہیں گے کہ بس انہیں پیار کیا جائے..... اب بتائیں میں چھوٹی ہوں یا دوست.....؟“

کوکو کی باتوں پر بھی جزب دکھائی دے رہے تھے کہ ایک تو اس نے حنا سے بدتمیزی سے بات کی اور پھر اب کسی عجیب باتیں کر رہی ہے۔ خود ارمان بھی شرمندہ دکھائی دے رہا تھا۔

”تم میری دوست ہو..... اچھی والی..... سمجھیں.....!“  
اس کی پونی کھینچ کر وہ واش روم کی طرف بڑھ گیا لیکن سب کے قہقہے کس طرح ایک دم ختم گئے یہ بات کوکو نے قطعی طور پر نوٹ نہیں کی تھی۔

☆☆☆

حنا کمرے سے ڈریس چینج کر کے دوبارہ صحن میں جا رہی تھی کہ ارمان بھی اپنے کمرے سے نکل کر وہیں جاتا نظر آیا۔

”آئی ایم سوری.....!“ ایک دم غیر متوقع طور پر حنا نے اسے دیکھا تو گڑبڑا گئی اور فوراً معذرت کر لی۔

”سوری فوراً واٹ.....؟“ ارمان کو حقیقتاً سمجھ نہیں آیا تھا کہ وہ کس بات پر معذرت کر رہی ہے۔

”اچانک میرے ہاتھ سے پیالہ سلب ہوا اور آپ کے کپڑے گندے ہو گئے..... پتا نہیں یہ میرے ہاتھوں میں ایسا کیا ہے کہ اتنی چیزیں گرتی ہیں، وہاں تائی امی سے بھی اسی بات پر ڈانٹ پڑتی تھی۔“ اس نے منہ بسورا۔

مسکرائے کہ وہ ایک بار پھر سے وہ منظر دیکھ پائے جو اس نے ابھی دیکھا۔ انہی چند لمحوں میں اس کی حنا سے متعلق رائے تبدیل ہوئی۔

پہلے تو وہ اسے ایک سنجیدہ، آدم بیزار اور زندگی سے دور بھاگنے والی لڑکی سمجھتا تھا لیکن اب..... اب ان کا ذہن مکمل طور پر بدل گیا تھا..... اسے لگتا کہ حنا ایک خوش نما جزیرہ ہے جو اسے اپنی طرف کھینچ رہا ہے، پکار رہا ہے کہ اسے جانا جائے، اسے کھو جا جائے اور شاید پھر سنجیدہ کر لیا جائے۔

اسی وقت پہلی مرتبہ اسے پتا چلا کہ حنا کے بال کافی لمبے ہیں، کمر پر لہرائی سیاہ چٹیا دیکھ کر اسے اس بات پر یقین واثق ہو گیا تھا کہ لڑکیوں کے حسن میں آدھا حصہ ان کے بالوں کا بھی ہوتا ہے۔ چلتے ہوئے حنا کی چٹیا دائیں، بائیں اٹکھیلیاں کرتی جاتی تھی۔

یہاں تک حنا اتنی حسین تھی بھی یا نہیں لیکن ایک بات تو طے تھی کہ ارمغان مانتا لیکن یقینی طور پر وہ حنا کو پسند کرنے لگا تھا۔

غضب ہو جتوئے دل کا یہ انجام ہو جائے کہ منزل دور ہو اور راستے میں شام ہو جائے ابھی تو دل میں اک ہلکی خلش محسوس ہوتی ہے بہت ممکن ہے کل اس کا محبت نام ہو جائے اور جن سے محبت ہو جائے ان کے چہرے کے نقوش تو ایک طرف، ان کے گھر کو جانے رستے تک اچھے لگنے لگتے ہیں، بالکل اسی طرح جیسے کسی نے مجھوں سے پوچھا کہ تم لیلیٰ کی گلی میں بیٹھ کر اوپر ستاروں کو کیوں دیکھتے رہتے ہو؟ اس نے جواب دیا سب ستاروں کو نہیں بلکہ صرف ان ستاروں کو جو لیلیٰ کے گھر کے اوپر ہیں کیونکہ مجھے لیلیٰ کی نسبت اب ان سے بھی پیار ہے۔

اور شاید یہی وجہ تھی کہ ارمغان کو حنا کی چٹیا تو نظر آئی لیکن یہ احساس ہی نہیں ہوا کہ وہ جا چکی ہے اور نہ ہی یہ پتا چلا کہ برآمدے میں چونکہ لائٹ آن تھی اس لیے جالی لگی ہونے کے باوجود باہر سے تائی امی کی گہری نظر اس پر ہے اور تائی امی نے بھی موقع غنیمت

ماہنامہ پاکیزہ ﴿ 232 ﴾ ستمبر 2016ء

جانا جیسے ہی حنا برآمدے سے نکل کر صحن میں آئی اور جھلی چچی کے سمجھانے پر کوکو اس سے اپنے رویے کی معافی مانگنے لگی، انہوں نے اپنا پیالہ سامنے میز پر رکھا اور اس سے پہلے کہ ارمغان بھی صحن میں آتا فوراً اسے اپنے ساتھ لیا اور کمرے میں آگئیں۔

”فکر نہ کرو، تمہارا فالوڈہ فریج میں رکھو دیا تھا۔ گرم نہیں ہوا ہوگا ابھی جاؤ گے تو کھا لینا آرام سے۔“ تائی امی نے پتکھا آن کیا اور بیٹھتے ہوئے بولیں۔

”ابھی تو میں تم سے ایک بہت ضروری بات کرنا چاہتی ہوں بیٹا، اسی لیے کمرے میں تمہارے آئی ہوں۔“

”جی تائی امی حکم کریں.....“ وہ ہمیشہ کی طرح بڑی فرمانبرداری سے بولا۔

”جیتے رہو میری جان، سزا خوش رہو۔“ چند لمحوں کے لیے وہ خاموش ہوئیں پھر بولیں۔

”بیٹا، ساجدہ کے انتقال کے بعد سے جس طرح تم نے مجھے اپنی ماں کا درجہ دیا ہے۔ اس حوالے سے یقیناً میرے کچھ فرائض ہیں..... اور اب جبکہ گھر میں کبھی بیچ، بچیاں بیاہے جا چکے ہیں تو میری خواہش ہے کہ تمہارے لیے ایک پیاری سی لڑکی کا نام تجویز کروں جو تمہیں حقیقی خوشی دے کر ہمیشہ کے لیے ایک مثالی زندگی کا وسیلہ بن جائے۔“ ایک لمحے کے لیے ارمغان کے ذہن میں پھر سے ہنستے ہوئے بند ہو جانے والی آنکھیں ابھریں مگر اگلے ہی پل کو کو اپنی تمام تر شوخی و شرارت کے ساتھ پونی جھلاتی سامنے آگئی۔

اور شاید تائی امی اس کے ذہن میں ہوتی اس آنکھ چھولی کو سمجھ گئی تھیں یا یوں ہی انہوں نے بات کو واضح کرنا چاہا۔

”کوکو کے لیے تمہاری پسندیدگی سے کوکو کے علاوہ شاید سارا ہی گھر واقف تھا لیکن اس نے بچپنا دکھایا اور اس رشتے سے ایسا انکار کیا جیسے اگر ہم نے اسے اس رشتے پر آمادہ بھی کرنے کی کوشش کی تو اس کے ساتھ بہت ہی بڑی زیادتی اور نا انصافی کے مرتکب ہو جائیں گے۔“ ان کی بات سو فیصد درست تھی ارمغان تائید میں سر ہلاتے ہوئے

خود کو بدلنا ہوتا ہے۔ اور اس معاملے میں اکثر سسرال والے تو کوئی رعایت نہیں دیتے کہ چلو مہینہ دو میں اپنی عادتیں بدل لو بلکہ وہ تو ویسے کے دوسرے روز سے ہی نئی نویلی دلہن کو اپنے گھر کے مزاج، عادات و اطوار اور رسم و رواج میں ڈھلا ہوا دیکھنا چاہتے ہیں..... ایسے میں تو قیر کے گھر والوں نے تو کبھی اس کی کسی بات، کسی کام میں روک ٹوک نہیں کی۔ اسے بھرپور وقت دیا کہ وہ ان کے گھر کے طور طریقے سمجھ جائے..... لیکن کوکو اور اس جیسی سب لڑکیوں کی ایک بہت بڑی غلطی یہ ہوتی ہے کہ وہ شادی کے بعد سسرال جا کر خود اپنے آپ کو نہیں بلکہ باقی تمام لوگوں کو بدلنا چاہتی ہیں..... اپنے مزاج اور رویے سے نہیں بلکہ خود کارسٹم کے تحت فوراً اور پھر سسرال میں ہر وقت میکا ڈھونڈنے والی لڑکیوں کو کبھی ذہنی سکون نہیں ملتا..... خصوصاً ایسی صورت میں جب وہ ایک بات میں یہ سوچتی رہیں کہ یہ کام ہم تو ایسے کرتے تھے، یہ ایسے کیوں کرتے ہیں؟ ہم ایسا کھاتے تھے، یہ ایسے کیوں کھاتے ہیں؟ ہم تو سیکے میں ایسا پہنتے اوڑھتے تھے ادھر سسرال میں تو بس ایویں ہی ہیں، میرا میکا تو فلاں، فلاں کام میں اتنا اچھا ہے اور یہ تو بس ہونہ.....

تائی امی مکمل طور پر ارمغان کی برین واشنگ کر رہی تھیں کیونکہ ارمغان کا اب تک یہی خیال تھا کہ کوکو کے ساتھ جلد بازی میں گھر والوں کی طرف سے ناانصافی اس لحاظ سے ہوئی کہ لوگوں کو ٹھیک طرح سے جانچا پرکھا نہیں گیا۔ لیکن اب تائی امی نے ایک نیا رخ دکھا دیا تھا۔

”دعا تو ہے کہ کوکو جلد از جلد اپنے گھر کو پلٹ جائے کیونکہ اگر تو قیر نے کوئی اتھائی قدم اٹھالیا تو بڑا مسئلہ ہو جائے گا۔“

”جی تائی امی یہ تو ہے..... لیکن اگر تو قیر کچھ ایسا ویسا کرتا ہے تو کوکو اکیلی نہیں ہے، ہم سب اس کے ساتھ ہیں..... اور خاص طور پر میں کوکو، کوکو، کوکو بھی مشکل میں اکیلا نہیں چھوڑوں گا۔“ ارمغان نے جس....

ان کی طرف متوجہ ہی رہا۔

”اب جبکہ وہ شادی شدہ ہے اور تم دونوں کے رشتے کی نوعیت بھی بدل چکی ہے گوکہ وہ اپنے شوہر کو بغیر بتائے اس دن تمہارے ساتھ وہاں سے چلی آئی اور میں جانتی ہوں کہ وہ جس نیچر کی لڑکی ہے کبھی واپس نہ جانے کے ارادے سے ہی وہاں سے نکلی ہوگی۔“ ارمغان ایک دم چونکا، تائید میں ہلتا ہوا سسرال ایک دم ایسا جامد ہوا کہ آنکھیں بھی آخری حد تک پھیل گئیں۔

”تائی امی آپ..... یہ کیا کہہ رہی ہیں؟“

”جو کہہ رہی ہوں جانتی ہوں کہ سو فیصد سچ کہہ رہی ہوں۔ تمہارا کیا خیال ہے شادی کے شروع وقت میں ہی کوئی شوہریوں اپنی بیوی کو اتنے دنوں کے لیے میکے جانے دے گا؟ اور کیا لڑکی خود آئے گی۔ وہ بھی اس طرح کہ شوہر کا نہ ہی کوئی فون آئے نہ وہ ملنے آئے..... اور نہ ہی سسرال والوں میں سے کوئی واپسی کا کہے۔“

”وہ سب تو ٹھیک ہے تائی..... لیکن آپ کے لہجے کا یقین بتا رہا ہے کہ یہ آپ کا تجربہ نہیں ہے بلکہ یہ سب آپ کو کسی نے کہا ہے، کیا تو قیر نے؟“

”ارے نہیں..... بلکہ تو قیر کو تو خود کوکو کی اماں نے فون کیا لیکن اس نے بات کرنے سے منع کر دیا تھا اپنی ماں کو..... یہ تو خود کوکو کی ساس نے فون کر کے شکایت لگائی تھی۔ اور بتایا تھا کہ چونکہ کوکو نے خود کوکو، کوکو اس دن تمہارے ساتھ موٹر سائیکل پر جاتے دیکھا..... ابھی چند دن کے لیے یہ بات اسی طرح چلنے دو جیسی ہے کیونکہ فی الحال کوکو اور تو قیر دونوں میں اکڑ ہے زبردستی سیدھا کرنے کی کوشش میں نقصان نہ ہو جائے اس لیے ہم سب کوکو کی ہی بات پر یقین کر رہے ہیں۔“

”کوکو، اس طرح کی سسرال ڈیزرو نہیں کرتی تھی.....“ ارمغان کا لہجہ بوجھل ہو گیا تھا۔

”میری نظر سے دیکھو تو وہ لوگ بہت اچھے ہیں بیٹا لیکن جب ایک لڑکی بیاہ کر سسرال جاتی ہے تو وہاں موجود تمام لوگ اس ایک نئی آنے والی کے لیے تو خود کو نہیں بدلیں گے نا، البتہ اس نئی آنے والی لڑکی کو ہی

ارمغان کے دل نے ان باتوں پر اثر بھی قبول کیا تھا۔  
”تمہیں حنا کیسی لگتی ہے؟“ اتنا بے دھڑک، غیر متوقع اور بے ساختہ سوال، ارمغان نے چونک کر سر اٹھایا۔

”مجھے حنا ہر لحاظ سے بہت اچھی لگی ہے اور میں چاہتی ہوں کہ اگر تمہیں کوئی اعتراض نہ ہو تو عمیر کے آنے پر اس سے تمہارے لیے بات کر لوں.....؟“  
تائی امی مشتاق نظروں سے اس کی جانب دیکھ رہی تھیں۔ وہ لمحہ فیصلے کا تھا۔

ایسا فیصلہ جو صرف ارمغان کی ہی نہیں بلکہ اس فیصلے سے جڑی کئی زندگیوں کے نکھرنے اور پکھرنے کا سبب بن سکتا تھا، جس پر خاص طور پر کوکو کے مستقبل کا دار و مدار نظر آتا تھا..... یہ حقیقت تھی کہ کوکو نے سمندر میں چھلانگ لگائی ہی اس بھروسے پر تھی کہ ارمغان اسے ڈوبنے نہیں دے گا، بجالے گا..... لیکن ایک حقیقت تو یہ بھی تھی کہ اس طرح خود ارمغان کے ساتھ ساتھ کوکو کے کردار پر بھی کئی سوال اٹھ سکتے تھے اور یہ بات بھلا ارمغان کو کیسے گوارا ہوتی۔

کوکو اس کی محبت تھی اور اس میں کوئی شک نہیں تھا لیکن اب مذہبی اور معاشرتی طور پر اس کا مقام اور تھا جو ارمغان کے الوالو ہونے کے بعد یقینی طور پر مشکوک ہو جاتا، لوگ جتنے منہ اتنی باتیں کرتے، اس کے متعلق، اس کے کردار کے بارے میں..... اور جس سے محبت ہو اسے رسوا نہیں کیا جاتا بلکہ عزت دی جاتی ہے۔ اس کی عزت کروائی جاتی ہے کیونکہ جس رشتے میں محبت کے ساتھ عزت نہیں ہوتی وہاں دونوں فریقین ایک اکائی نہیں بن پاتے، گیارہ کا ہندسہ ہی رہتے ہیں، جسے دنیا والے تو ایک ساتھ دیکھتے ہیں لیکن وہ خود اپنی، اپنی ذات میں اکیلے اور تنہا ہوتے ہیں تو پھر کس کام کی ایسی محبت جس میں بندہ ساتھ رہ کر بھی خود کو تنہا سمجھے۔

”اگر تمہیں کوئی اور پسند ہو تو بے شک اس کا نام بتادو، حنا کا نام صرف ایک تجویز ہے بیٹا، ورنہ جہاں تم کہو گے، جہاں تمہاری خوشی ہوگی، میں وہیں رشتہ لے جاؤں گی۔“

بے ساختگی اور مضبوطی سے کہا تھا وہ انداز تائی امی کو بہت کچھ سمجھا گیا تھا، اسی لیے انہوں نے بڑے ہی غیر محسوس طریقے سے اس پر بات واضح کی۔

”ہاں، ہاں کیوں نہیں ہم سب اس کے ساتھ ہیں اور تم بھی تو اس کے بھائی کی طرح ہونا اب اور اگر بہنوں پر کوئی مشکل وقت آئے تو انہیں والدین کے بعد سب سے پہلے بھائی ہی یاد آتے ہیں۔“  
ارمغان کو جانے کیا ہوا نظریں جھکا کر ایسے بیٹھا جیسے فرش میں سے کچھ نمودار ہونے والا ہو۔

”کوکو، کا تو مجھے یقین ہے کہ شادی جیسے مقدس بندھن میں بندھنے کے بعد وہ کسی میں بھی دلچسپی لینے کا سوچ بھی نہیں سکتی لیکن تو قیر کی ضمانت تو نہیں دی جا سکتی ناں.....“  
ارمغان کی طرف سے مکمل خاموشی تھی نہ تائید میں سر ہلا اور نہ ہی منہ سے کوئی ہنکارا ہی بھرا۔

”شادی شدہ مرد کا اپنی بیوی کے ہوتے ہوئے دوسری عورتوں میں دلچسپی لینا اور ان کی طرف متوجہ ہونا ایسا ہی ہے جسے کوئی شخص نہایت عمدہ، لذیذ، صاف ستھرا اور اشتہا انگیز کھانا چھوڑ کر بد بودار تعفن زدہ، گلی سڑی اور انتہائی غلیظ خوراک کی طرف متوجہ ہو اور سو فیصد یہی حالت ان بد قسمت بیویوں کی بھی ہے جو اپنے شوہروں کے ہوتے ہوئے کسی غیر مرد کی طرف متوجہ ہوں، میں ٹھیک کہہ رہی ہوں ناں ارمغان بیٹا۔“

”جی تائی امی.....“ وہی جھکا ہوا سر اور ایک دوسرے کے شانچے میں جکڑی انگلیاں.....  
”وہ تمہاری بات زیادہ سمجھتی ہے، کوشش کرنا کہ اسے کسی طریقے سے سمجھاؤ۔“

”جی انشاء اللہ، میں کوشش کروں گا۔“  
”لو، بھئی بات میں تم سے کیا کرنے آئی تھی اور لگ گئی کوکو کی باتیں کرنے۔“ وہ ہلکا سا ہنسی، ظاہری طور پر نہیں بلکہ مکمل گہرائی اور ایمانداری سے کیونکہ ارمغان اور کوکو کے حوالے سے جو خدشات ان کے ذہن میں اٹھ رہے تھے انہیں یقین تھا کہ وہ نہ صرف ارمغان کو اس کی اور کوکو کی حدود یاد دلا چکی ہیں بلکہ

نظروں میں بہت بونا سا لگ رہا تھا۔ سب سے نظر بچا کر وہ کوکو، کوڈی گئی شاعری کی اس کتاب میں اپنی لکھائی سے مزین وہ رقعہ بھی نکال لایا تھا جو اس نے بھئی آنکھوں اور بھاری دل کے ساتھ لکھ کر کوکو کے لیے رکھ چھوڑا تھا۔ وہ تو قیر کے رویتے پر بھی حیران تھا جو یقیناً یہ جاننے کے باوجود کہ کوکو اس کے ساتھ وہاں سے آگئی ہے بغیر کچھ کہے خاموش ہو گیا تھا اگر اس کی بیوی ایسا کرتی تو کیا وہ برداشت کر پاتا؟ تو قیر کی جگہ خود کو رکھ کر دیکھا تو مزید جھرجھری سی آگئی۔ اور اس نے فیصلہ کر لیا کہ وہ کوکو کے سامنے ہر عمل سے یہ ثابت کرے گا کہ اب ان دونوں کے درمیان محبت نہ کوئی تعلق نہیں ہے۔ ویسے بھی وہ اب تک اس لمحے سے بچتا آیا تھا جبکہ اس کی زبان سے کوکو کے لیے اظہار محبت نکلتا اور یہی بات آج اسے اطمینان دلا رہی تھی۔

”یہ میں کیا سن رہی ہوں؟ نیچے سب کیا باتیں کر رہے ہیں؟“ کوکو غصے میں پاؤں پٹختی اس کے عقب میں آکھڑی ہوئی تھی۔ وہ پلٹا تو اس کی آنکھوں میں... بیٹھنی اور شکوے دیکھ کر وجہ جان گیا۔ مگر پھر بھی انجان بنتے ہوئے پوچھا۔

”کیا ہوا؟ کیا باتیں کر رہے ہیں سب لوگ؟ میں تو اوپر ہوں، مجھے کیا معلوم، تم بتاؤ۔“

”آپ کی اور حنا کی بات سنی ہوگئی ہے اور عمیر کے آنے پر باقاعدہ منگنی ہوگی؟ یہ سچ ہے کیا؟“

”اگر سب کہہ رہے تو پھر سچ ہی ہوگا ناں..... زبان خلق کو تھارہ خدا سمجھو.....“ وہ جان بوجھ کر موڈ کو خوشگوار بناتے ہوئے بولا۔

”لیکن آپ یہ سب کیسے کر سکتے ہیں؟ آپ تو حنا سے محبت نہیں کرتے ناں پھر..... پھر اسی سے شادی کریں جس سے آپ محبت کرتے ہیں۔ ہو سکتا ہے وہ بھی آپ سے محبت کرنے لگی ہو، آپ اس سے پوچھیں تو سہی ناں.....“ انداز میں ایسی بے قراری تھی..... لگتا تھا ابھی رو دے گی۔

”تمہیں کس نے کہا کہ میں حنا سے محبت

”مجھے آپ کی تجویز پر کوئی اعتراض نہیں ہے تائی امی۔“ ارمغان نے تائی امی کو دیکھتے ہوئے گہری سانس لی اور کہا۔

”ماشاء اللہ، جیتے رہو، خوش رہو میرے بچے..... سدا سلامت رہو۔“ انہیں حقیقتاً ارمغان کی بات سے بے حد خوشی ہوئی تھی کہ ایک تو حنا جیسی پیاری لڑکی اب اس گھر کا مستقل حصہ بن جائے گی اور دوسرا یہ کہ اب وہ تمام خدشات دم توڑ گئے تھے جو کوکو اور ارمغان کے متعلق ان کے ذہن میں اٹھ رہے تھے۔

☆☆☆

کبھی نہ ختم ہوا زندگی کا پھیلاؤ  
کہیں بھی ختم غم عاشقی نہیں ہوتا  
نکل ہی آتی ہے کوئی نہ کوئی منجائش  
کوئی بھی پیار کبھی آخری نہیں ہوتا

ارمغان چھت کی منڈ پر پردوں ہاتھ رکھے نظر آنے والے آسمان کو اس کے آخری کناروں سے دیکھ رہا تھا۔ یہ آخری کنارے کسی کے نزدیک آسمان کا پہلا کنارہ بھی تھے۔ اور کون جانے کئی میلوں دور کوئی اور بھی رات کی سیاہی میں ٹھماتے ستاروں تلے ان کناروں کو پہلا کنارہ سمجھ رہا ہو۔ یہی حال اس وقت ارمغان کے دل کا بھی تھا۔

وہ جو یہ سمجھ بیٹھا تھا کہ کوکو کے بعد اب اس دل کی گہرائی میں اترنا تو دور کی بات سطح کو بھی کوئی چھو نہیں پائے گی تو اس کا اپنا ہی خیال اس قدر بودا نکلا تھا کہ وہ حیران تھا۔

اس دن حنا کے ساتھ اس کا پہلا تنہائی میں مکالمہ، اس کے دل میں اسے مزید جاننے اور ہنسنے، ہنسنے ان آنکھوں کے کھلنے اور بند ہونے کی حقیقت معلوم کرنے کی کھوج تو پیدا کر ہی چکا تھا لیکن وہ جذبہ محبت ہرگز معلوم نہیں ہوتا تھا کہ اس کا واضح جھکاؤ تائی امی کی باتیں سننے سے پہلے تک کوکو کی ہی طرف تھا لیکن جب سے تائی امی نے بغیر کچھ کہے بھی اتنا واضح کر دیا تھا تو اب اس کو اپنے آپ پر شرم آرہی تھی۔ اپنا وجود اپنی ہی

میں کبھی تو دل و دماغ سن ہو جاتے اور پھر کبھی کان کی لوہیں جلنے لگتیں اور پونے بھاری ہو جاتے ہیں۔ اسے لگ رہا تھا کہ وہ ساری دنیا سے بیزار ہو چکی ہے اور اب اس کے لیے زندگی میں کوئی کشش بھی باقی نہیں رہی لیکن اس تمام کیفیت میں بھی ایک بات واضح تھی کہ اسے تو قیر کے گھر سے یوں چلے آنے یا اسے چھوڑنے پر کوئی بھی پچھتاوا نہ تھا اور اب وہ ذہنی طور پر مکمل تیار تھی اس وقت کے لیے جب گھر والوں کو اس کے میکے آنے کی حقیقت بتا چلے۔

اب کوئی خوف باقی نہیں رہا تھا۔ اب اس کے ایک، ایک انداز سے بغاوت چھلکتی تھی، وہ خود کو ہر کام کے لیے تامل آزاد خیال کرنے لگی تھی۔

گھر کی خواتین سب کچھ جانتے بوجھتے ہوئے بھی انجان بنے رہنے پر متفق تھیں۔ کوکو کا زیادہ تر وقت اپنے کمرے میں گزرنے لگا تھا۔ ماں سے کہہ کر اس نے حنا کا کمرہ تبدیل کروا دیا تھا، اب اس کا دل ہی نہیں چاہتا تھا کہ وہ اس کی طرف دیکھے بھی۔

اس کا سارا دن یونہی گزرنے لگا، کبھی کتابیں پڑھنے لگتی تو کبھی سو جاتی۔۔۔ ایک دن یونہی اپنے کالج کی کتاب ہاتھ لگی تو کالج سے وابستہ کئی لوگ ذہن میں ابھر آئے اور ان سے بات کرنے کو جی مچلنے لگا۔ اور جب اس کی خوشی کی انتہا نہ رہی جب کتاب کے آخری صفحے پر دو تین فون نمبرز لکھے ہوئے ملے ان میں سے ایک اس کی بہت اچھی دوست اسما کا نمبر بھی تھا۔ سو آؤ دیکھانہ تاؤ اور فوراً اس کی آواز سننے کی خواہش دل میں لیے نمبر ملا تو لیا مگر اس وقت سخت مایوسی ہوئی جب اس کی چھوٹی بہن نے بتایا کہ اسما تو شادی کے بعد بیرون ملک جا چکی ہے۔

”اوہ..... تو پاکستان کب آئے گی؟“ اس نے پوچھا۔  
 ”ابھی ان کے ڈاکومنٹس میں کچھ پرابلیم ہے اس لیے پاکستان آنے کا میں کنفرم کچھ کہہ نہیں سکتی۔“ اسما کی چھوٹی بہن حوریہ نے کہا۔

”یعنی اس سے رابطہ کرنا تو پھر ممکن نہیں ہوگا“

نہیں کرتا؟“ وہ ٹھنکی..... گم صم آنکھیں اور ساکت چہرہ..... جھینگر بولنے کے علاوہ کوئی آواز بھی واضح نہیں تھی۔

”میں حنا سے محبت کرنے لگا ہوں کوکو اور تائی امی نے مجھ سے پوچھ کر ہی یہ قدم اٹھایا ہے۔“ گم صم آنکھیں بھیگنے لگی تھیں۔ ساکت چہرے پر بھی ہلچل تھی، ان بھیگی آنکھوں کا دکھ ارمان نے اپنے سینے میں محسوس کیا۔ جانے وہ کون سا احساس تھا جس کے زیر اثر اسے اپنا حلق بھی نمکین لگنے لگا۔ سامنے کھڑی کوکو اسے اس لمحے بے حد چھوٹی اور دلبرداشتہ نظر آئی۔ بالکل جنگلی قیدیوں کی طرح مجبور اور بد حال.....

”دیکھو کوکو، ہم دونوں کی دوستی ہمیشہ رہے گی کیونکہ میں اس جذبے کی عزت کرتا ہوں، جس احساس سے تم اس وقت گزر رہی ہو..... کل جب وقت گزر جائے گا تو خود ہی اس کیفیت پر ہنسا کرو گی۔“ اس نے آنسوؤں سے لبالب آنکھیں اوپر اٹھائیں اور نفی میں گردن ہلاتے ہوئے اس کی بات کی تردید کی۔

”مجھے افسوس ہے کہ اس دن تم اپنا گھر چھوڑ کر میرے ساتھ آئیں تو میں تمہیں سمجھانے کے بجائے خوشی، خوشی ساتھ لے آیا۔ لیکن وہ سب غلط تھا جو ہونے جا رہا تھا۔ اور یہ سب ہم دونوں کے حق میں اچھا ہے جو ہو رہا ہے۔“ ڈھکے چھپے لفظوں میں وہ اسے سمجھا رہا تھا۔  
 ”آپ کی زندگی میں آنے والے نئے لوگ اور

نئے فیصلوں کی مبارک باد..... لیکن مجھے امید ہے کہ آج کے بعد آپ میری زندگی میں کبھی کسی بھی طرح کا دخل نہیں دیں گے۔ میں جو چاہوں گی، وہ کروں گی۔“ اس کا جواب سن کر اس نے بھی کسی قسم کی بھیک مانگنے کے بجائے اپنا فیصلہ سنایا اور بڑے ہی مضبوط قدموں سے نیچے کی طرف جاتی میڑھیوں کی طرف بڑھی تو ایک دفعہ بھی پلٹ کر نہیں دیکھا۔

رات تو جس طرح گزری سو گزری صبح اٹھی تو اسے محسوس ہوا جیسے دماغ پر بخار کی سی کیفیت طاری ہو چکی ہے۔ Euphoria کی کیفیت! ایسا بخار جس

بعد دوبارہ پوچھا گیا۔

”جی فرمائیں، کوئی کام تھا آپ کو؟“

”جی ہاں کام تھا۔“

”کہیے..... ہو سکتا ہے میں آپ کے کسی کام

آ جاؤں.....“

”آپ ایڈھی ہیں یا انصار برنی؟ جو یوں ایک

دم کسی کے کام آنے کو تیار ہو گئے۔“

”محترمہ آپ نے خود پوچھا تھا کوئی ہے؟ میں

آن لائن تھا حاضر ہو گیا۔“ کوکو کو لگا وہ کچھ زیادہ ہی

تابعدار ہے۔

”اگر یہی اسٹیشن کوئی لڑکا لکھتا پھر بھی آپ اسی

طرح چراغ کے جن کے طرح حاضر ہو جاتے؟“

”میں تو حاضر ہو جاتا لیکن کوئی لڑکا ایک

دوسرے لڑکے سے چیٹ کر کے اپنا وقت کبھی ضائع نہ

کرتا۔ کیونکہ وہ چراغ کے جن کی نہیں بلکہ جمیل سیف

الملوک کی پریوں کی آس لیے بیٹھے ہوتے ہیں۔“

”یعنی آپ بھی جمیل سیف الملوک کی پریوں

کے انتظار میں تھے؟“

”نہیں، میں ایک حقیقت پسند آدمی ہوں، جانتا

ہوں کہ پریاں نہ جمیل سیف الملوک پر اترتی ہیں نہ فیس

بک پر ملتی ہیں..... آپ بتائیں کیا کام تھا آپ کو؟“

کوکو نے محسوس کیا کہ اس برجستہ گو کے ساتھ

گزرا کچھ وقت یقیناً ضائع نہیں ہوگا جیسی صاف،

صاف بولی۔

”میرا باتیں کرنے کا دل چاہ رہا تھا، بس اسی

لیے پوچھا تھا کہ کوئی ہے؟“

دوسری جانب سے جواب کے بجائے دو تین

حیرت زدہ کارٹون اسٹیکرز آن موجود ہوئے۔

”میں نے ایسا تو کچھ نہیں کہا کہ آپ کے الفاظ

ہی ساتھ چھوڑ گئے۔“ کارٹون اسٹیکرز کو اس نے بہت

انجوائے کیا تھا۔

”مجھے سمجھ نہیں آ رہا کہ آپ مجھ سے اتنی فریک

ہو کے کیسے بات کر رہی ہیں جبکہ آج پہلی مرتبہ بس

ماہنامہ پاکیزہ ﴿ 237 ﴾ ستمبر 2016ء

”کیا آپ فیس بک پوز کرتی ہیں آپنی؟“

”شادی سے پہلے کبھی کبھار لیتی تھی، اب تو

عرصہ ہوا لاگ ان نہیں کیا۔“ اس نے جواب دیا۔

”میں آپ کو ان کی آئی ڈی بتاتی ہوں، آپ

انہیں وہاں ایڈ کر لیں اور پھر ایک دوسرے سے رابطے

میں رہیے، کیا خیال ہے؟“

”ہاں زبردست آئیڈیا..... پتا نہیں یہ آئیڈیا

میرے ذہن میں پہلے کیوں نہیں آیا بلکہ میں اپنی باقی

کلاس فیلوز کو بھی سرچ کر لوں گی۔“

اور بس حور یہ سے بات کرنے کے بعد تو جیسے کوکو

کے ہاتھ ایک مصروفیت لگ گئی تھی۔

ایک، ایک کر کے اس نے اپنی تمام کلاس فیلوز کو

ڈھونڈنے کی کوشش کی۔ اسامیت کچھ تو مل گئیں جبکہ

باقی کا کچھ اتنا پتا نہیں چل سکا۔ جس کی ایک وجہ یہ بھی

تھی شاید وہ اپنے اصلی نام سے فیس بک استعمال نہیں

کرتی ہوں۔ یا پھر سرے سے ہی نہ کرتی ہوں آخر اس

میں بھی کچھ وقت صرف ہوتا ہی ہے۔ خیر جو بھی تھا لیکن

اس دنیا میں دوبارہ سے قدم رکھتے ہی کوکو، کو لگا جیسے وہ

کوئی ایسی طلسمانی دنیا ہے جہاں اکثر اوقات لوگ

ایک دوسرے کو دیکھے بغیر ہی گھنٹوں، گھنٹوں ان کے

ساتھ وقت گزارتے رہتے ہیں، جنہیں ملنے تو کیا

دیکھنے کی بھی کوئی واضح امید نہ ہو۔

دوستیں تو ایڈ تھیں ہی مگر اس نے خود بھی کئی

گروپس جو اُن کر رکھے تھے تاکہ اگر فرینڈز آن لائن

نہ ہوں تو یہاں ٹائم گزارا جاسکے۔

اس وقت وہ رات کا کھانا کھانے کے بعد اپنے

کمرے میں چلی آئی تھی۔ لیپ ٹاپ گود میں رکھ کر اپنی

سبھی فرینڈز کو آف لائن پایا تو ایک گروپ میں ”کوئی

ہے؟“ کا مختصر سا اسٹیشن لکھا اور ابھی وہ اسکرین سے

نظریں ہٹا بھی نہیں پائی تھی کہ جواب آیا۔

”جی فرمائیں۔“ ساتھ ہی کوکو کے ان باکس

میں بھی اسی بندے کی طرف سے سلام عرض کرنے کے

یونہی اتفاق سے ہی ہماری چیٹ اشارت ہوگئی نہ جان پہچان، ایسے ہی۔“

اور یہی وہ صورت حال تھی جو کوکو کے لیے ناقابل برداشت ہوئی۔ اس روز بھی ارمغان نے اس کی بنا کی ہوئی جائے پر حنا کے ہاتھ کی چائے کو ترجیح دی تو اس کا غصہ دیکھنے کے لائق تھا۔ لیکن کمال ضبط سے وہ کچھ دیر تو مسکراتی ہوئی بیٹھی رہی پھر چہرے پر اوپری جذبوں اور اداکاری کا نقاب چڑھانا ممکن نہیں رہا تو بڑے ہی غیر محسوس طریقے سے اپنے کمرے میں اٹھ کر آگئی اور اسی دن اس نے خود سے فیصلہ کیا تھا کہ آج کے بعد وہ ارمغان کے متعلق کچھ بھی سوچ کر نہیں نہیں ہوگی۔

خود کو کمپوز کرنے کے لیے اس نے فیس بک آن کی اور وہاں روزانہ کی بنیاد پر اسی ٹیک آئی ڈی والے نام کے بندے کے میسجز دیکھ کر حیران رہ گئی۔ تمام پیغامات میں سوری کی گئی تھی اور ساتھ میں جواب دینے کی درخواست بھی..... وہ تو اپنے تئیں یہ سب کچھ بھول بھال چکی تھی لیکن اب یہ پیغامات دیکھ کر اسے بہت اچھا لگا تھا کہ اس نے اپنی غلطی تسلیم کر کے معذرت کر لی تھی سو اس نے ایک مسکراتے ہوئے کارٹون کا اسٹیکر سینڈ کیا ہی تھا کہ جوٹ سے شکر یہ بھی موصول ہو گیا۔

”یعنی آپ ہر وقت چیٹ باکس میں بستر بچھا کر بیٹھے ہوتے ہیں۔“ کوکو نے مسکراتے ہوئے لکھا۔

”پہلے تو نہیں لیکن ہاں اس دن مجھے لگا کہ میں نے آپ کو کچھ غلط کہہ دیا جو مجھے نہیں کہنا چاہیے تھا بس اسی لیے پچھلے تین چار دنوں سے آپ کو متواتر سوری کیا..... اور ویسے بھی اس وقت میری چھٹی ہوتی ہے تو کچھ دیر فیس بک دیکھ لیتا ہوں۔“

اور یوں وہ دن ان دنوں کی دوستی کا پہلا دن تھا۔ ادھر ادھر کی بات چیت کے دوران نہ کوکو نے اس کے متعلق پوچھا اور نہ ہی اس نے کوکو کے بارے میں جاننے پر اصرار کیا۔ ہلکے پھلکے مذاق کے ساتھ دونوں بس یونہی ادھر ادھر کی باتیں کرتے گویا برجستہ گوئی کا مقابلہ کر رہے تھے اور دونوں ہی اس بات چیت کو اتنا انجوائے کر رہے تھے کہ کس طرح دو گھنٹے

”ہم..... پہلی بات تو یہ کہ مسٹر ٹیک آئی ڈی والے نام، میں اپنے اوپر غلاف نہیں چڑھا سکتی سب کے ساتھ اسی طرح بات کرتی ہوں سو آپ کے ساتھ بھی کر لی۔“

”مسٹر ٹیک آئی ڈی والے نام، ہا ہا ہا.....“ یقیناً وہ ٹائپ کرتے ہوئے بھی ہنس رہا ہوگا۔

”اور سب کے ساتھ اسی طرح بات کرتی ہیں یعنی آپ تو پھر ہر ایرے غیرے کے ساتھ ہر وقت چیٹ ہی کرتی رہتی ہوں گی نا۔“

”آپ کا دماغ تو خراب نہیں ہے..... جائیں جائیں اپنا کام کریں اور اپنے جیسے بکو اس لوگوں میں ہی رہیں اور میں وہ گروپ بھی چھوڑ رہی ہوں جس میں آپ جیسے فضول لوگ بھرتی کئے گئے ہوں..... اسٹو پڈ.....“ یہ لکھ کر اس نے فوراً وہ گروپ چھوڑا اور غصے میں لاگ آف ہوگئی۔ یہ بات تو سچ تھی کہ جان نہ پہچان لیکن یہ بھی حقیقت تھی کہ پھر بھی اسے اپنی انسلٹ محسوس ہو رہی تھی، سولیپ ٹاپ سچا اور سونے کی کوشش کرنے لگی۔

☆☆☆

ارمغان سے اب کوکو کا کم، کم ہی سامنا ہوا کرتا تھا گو کہ اب اس کا اپنا دل اچاٹ ہو چکا تھا لیکن اس کے ساتھ، ساتھ اس میں تالی امی کی حکمت عملی کا بڑا دخل تھا۔ وہ حنا سے بھی اس کی مرضی معلوم کر چکی تھیں اور ہر معصوم مشرقی لڑکی کی طرح اس نے بھی انہیں اپنا بڑا مانتے ہوئے بڑوں کے فیصلے کے آگے سر جھکا دیا تھا۔

اور اب جبکہ عنقریب وہ دونوں طے شدہ پروگرام کے مطابق منگنی اور پھر جلد ہی شادی کے بندھن میں بندھنے والے تھے تو دونوں کا ہی رویہ اس نئے رشتے کا عکس لیے ہوئے محسوس ہوتا۔ ارمغان نے اپنے دل میں موجود کوکو کی محبت کو مصلحت کی چادر تلے چھپا دیا تھا۔ اور نہیں چاہتا تھا کہ اس کا ذرا سا بھی اثر کوکو



کافی دیر انتظار کرنے کے بعد بھی اس نے میج مکمل نہیں کیا تھا۔

”اور شاید اسی لیے.....؟“ کوکو نے لکھا۔

”اور شاید اسی لیے مجھے لگتا ہے کہ مجھے تمہاری باتوں سے محبت ہوگئی ہے۔“

وہ احساس جو خود اس کے اندر پنپ رہا تھا اس کا یوں غیر متوقع اظہار سن کر کوکو، کو لگا جیسے اس کا دل سینے کے بجائے حلق میں دھڑکنے لگا ہو۔

”دل چاہتا ہے کہ بس ہر وقت تمہاری باتیں سنتا رہوں اور وہ موقع تو پتا نہیں نصیب ہو کہ نہیں لیکن میں تو تمہارے میسجز اتنی، اتنی دفعہ پڑھتا ہوں کہ قائد اعظم کے چودہ نکات کی طرح تمہاری لکھی ایک، ایک سطر کو حفظ بلکہ رٹ چکا ہوں۔“

کوکو کے لیے تو لگتا تھا کہ وقت تھم گیا ہے، ہر طرف سے بس یہی صدا آتی محسوس ہو رہی تھی کہ کسی کو اس سے، اس کی باتوں سے محبت ہوگئی ہے..... کوئی ہے جو اس کی باتیں بس سنتا ہی رہنا چاہتا ہے۔ جس کے لیے اس کی باتیں اس کے الفاظ، خیالات اہمیت رکھتے ہیں وہ کافی دیر تک جواب میں کچھ بھی لکھ نہیں پائی تھی۔

”بہت دفعہ سوچا کہ تم سے کہوں لیکن ایک تو میں اظہار کے معاملے میں کجیوں اور پھر ڈر بھی رہا تھا کہ ایسا نہ ہو کہ تم ناراض ہو جاؤ اور یہ بن دیکھی دوستی بھی ختم ہو جائے۔“

کوکو اب تک اس جملے کے سحر میں تھی۔ ”مجھے تمہاری باتوں سے محبت ہوگئی ہے۔“ دل چاہ رہا تھا کہ وہ بار، بار اس جملے کو پڑھتی اور سوچتی جائے اور پسند تو اسے بھی وہ تھا، اس کی باتیں بہت دلچسپ ہوا کرتی تھیں پھر سب سے بڑھ کر یہ کہ وہ کوکو کی باتوں کو اہمیت دیتا تھا، اسے سننا چاہتا تھا اس کے متعلق زیادہ سے زیادہ جانتا چاہتا تھا اور کوکو کی تو خواہش ہی یہی تھی کہ کوئی ایسا ہو جس کی زندگی کوکو کے بغیر ادھوری ہو، جو کوکو کے ساتھ کو انجوائے کرے اور اس کی غیر موجودگی کو محسوس کیا کرے..... جسے کوکو کی فکر ہو، پروا ہو..... جو

گزرے انہیں پتا ہی نہیں چلا۔  
کوکو تو صبح دیر تک سو سکتی تھی لیکن اسے صبح وقت پر جاگ کر کام پر جانا تھا لہذا اس نے ہی خدا حافظ کہا اور اس کے بعد بھی آدھا گھنٹا لگ ہی گیا۔

یہاں سے کوکو کی زندگی نے ایک نیا رخ اختیار کر لیا تھا۔ اسے اب اس فیک آئی ڈی والے کا انتظار رہنے لگا تھا، اس کے میسجز اچھے لگنے لگے تھے۔ اس کے بارے میں جاننے اور اپنے متعلق بتانے کا دل چاہنے لگا تھا۔ دونوں صبح شام ایک دوسرے کے متعلق باخبر رہا کرتے اور رات کو جب آن لائن ہوتے تو دن بھر کی روداد ایک دوسرے کو سنایا کرتے۔ دن بھر چلتے پھرتے کیے جانے والے میسجز پر ڈسکس کرتے اور کبھی تو اتنی دیر ہو جاتی کہ دونوں ایک دوسرے پر مصنوعی خفگی کا اظہار کرتے ہوئے فوراً لاگ آف ہو جاتے مگر چند ہی لمحوں بعد سوری کے تبادلے ہونے لگتے۔

”اچھا ایک بات تو بتائیں کہ آپ نے اپنا نام فیک آئی ڈی کیوں رکھا ہوا ہے؟“

”اس لیے کہ میں ہوں ہی فیک آئی ڈی۔“

”مطلب.....؟“

”مطلب یہ ڈیٹا فرینڈ کہ اگر میں اپنا نام ناصر، احمد، یا سیریا کچھ اور رکھ لوں جو کہ میں نہیں ہوں تو پھر بھی تو وہ فیک آئی ڈی ہی ہوگی نا..... بس اسی لیے میں نے پہلے ہی کلیئر کر دیا کہ جو بھی دیکھے اسے معلوم ہو یہ ایک فیک آئی ڈی ہے۔“

”ہم.....“

”ویسے تم نے بھی تو اپنا نام نہیں بتایا، ہو تو تم بھی فیس بک کی پرنس ناں۔“  
”میں صرف فیس بک کی ہی نہیں اصلی زندگی میں بھی پرنس ہوں اور میں آنے آج تک اپنے متعلق کبھی بھی جھوٹ نہیں بولا۔“

”ہاں مجھے یقین ہے کہ تم یہ سچ کہہ رہی ہو کیونکہ تمہاری باتیں اتنی خوب صورت اور معصوم ہیں کہ یہ جھوٹ ہو ہی نہیں سکتیں اور شاید اسی لیے.....“

چاہتا ہوں۔“

”آج آپ کیسی باتیں کر رہے ہیں؟ مجھے بالکل سمجھ نہیں آرہی ہیں۔“ وہ کنفیوز تھی۔

”دراصل مجھے ایسے لوگوں سے سخت نفرت ہے جو بس گپ شپ اور وقت گزاری کے لیے ان سوشل سائنس پر لڑکیوں سے دوستی کر لیتے ہیں، جب شروع میں ایک دو دن تمہارے ساتھ چیٹ ہوئی تو بس پتا نہیں کیوں۔ لیکن میرا دل تمہاری طرف کھینچنے لگا، تمہارے میسجز کا انتظار رہتا پھر میرے ایک دو طویل میسجز پر جس طرح تم نے اکتا کر مجھے یہ جواب دیا کہ صرف اپنے ہی متعلق بولتے رہنے والے لوگ بہت جلد اکیلے ہو جاتے ہیں، کسی کے دل میں جگہ بنانی ہو تو سب سے پہلے اس کے لیے ایک بہترین سامع ثابت ہوں، اس کی باتیں توجہ اور دلچسپی سے سنیں، اس کی پسند اور ناپسند ڈسکس کریں مگر ساتھ، ساتھ یہ بھی خیال رکھیں کہ ان سب باتوں میں آپ کا اپنا آپ اور شخصیت اور سوچ گھٹ کے نہ رہ جائے، دل او بنے نہ لگے کیونکہ جن لوگوں کے ساتھ وقت گزارتے ہوئے دل او بنے لگے، ان کے ساتھ دیر تک رہنے کو نہیں بلکہ دیر سے ملنے کو جی چاہتا ہے اور مسٹر فیک آئی ڈی، فیصلہ آپ کا ہے کہ آپ اس میں سے کیا منتخب کریں گے۔ یہی سب لکھا تھا ناں تم نے؟“

”جی بالکل۔“ کوکو کو یقین ہو گیا تھا کہ واقعی وہ اس کے لکھے ہوئے میسجز بار، بار پڑھتا رہا ہے اور یہی وجہ ہے کہ اسے حرف بہ حرف سب کچھ یاد تھا۔

”تو بس، میں تمہارے جیسی دوست، اتنے خوب صورت میسجز، اتنی پیاری باتیں اور اتنے زبردست سٹینس آف ہیومر کو کھونا نہیں چاہتا تھا۔ اس لیے تمہاری باتوں پر عمل کر کے تمہاری باتیں بھی پڑھیں اور بس پھر پڑھتا ہی چلا گیا..... اور اب تو تمہاری آواز سننے کی خواہش ہے لیکن وہ بھی ابھی نہیں۔“

”آپ خود بھی بہت اچھے ہیں مسٹر فیک آئی ڈی، ورنہ اپنی غلطی تسلیم کون کرتا ہے بھلا؟“

صرف اور صرف اپنی زندگی کے متعلق باتیں نہ کرتا چلا جائے بلکہ کوکو، کو بھی اپنی زندگی میں یوں شامل کرے کہ پھر اس کی ہر بات کو کوکو... کی ہی بات ہو اور کوکو کی ہر بات اس کی بات ہو۔ وہ جانتی تھی کہ مسٹر اپوزٹ کی خواہش کرنا اس کا بچپنا اور کم عقلی تھی، اکثر لڑکیاں کہتی ضرور ہیں کہ شوہر تو رعب والا ہونا چاہیے تاکہ شوہر کم از کم شوہر تو لگے، شوہر نہ لگے۔ لیکن یہ بھی حقیقت ہے کہ جب یہ خواہش کرنے والی لڑکیوں کو رعب دار شوہر مل جائے تو وہ اسے رعب دار نہیں بلکہ ایک سخت گیر شوہر ہی خیال کرتی ہیں۔ اور پھر ہائے اور کاش کے ساتھ اپنے ارد گرد موجود دوسری لڑکیوں کے شوہر دیکھ کر حسرت کا اظہار کرتے ہوئے سوچتی ہیں کہ فلاں کا شوہر اتنا فرینڈلی ہے اور فلاں کا اتنا کوآپریٹو.....

کوکو کی سمجھ میں یہ بات اب بہت اچھی طرح آگئی تھی کہ ایک کامیاب شادی کے لیے شوہر کا مسٹر اپوزٹ یا رعب دار ہونا اہمیت نہیں رکھتا بلکہ ہم خیال اور دوست ہونا اہم ہوتا ہے۔ اور اب تک کی تمام چیٹنگ سے وہ اپنے اس گم نام دوست کی ایک، ایک عادت کے بارے میں جان چکی تھی۔

”ناراض ہو؟“ جب بہت دیر تک کوکو نے جواب میں کچھ نہ لکھا تو اس نے پوچھا۔

”بالکل بھی نہیں.....“ وہ مسکرا دی۔

”بلکہ مجھے خوشی ہے کہ آپ کو میری باتوں سے محبت ہے، آپ نے آج تک مجھے دیکھا تو دور میرا نام تک پوچھنا ضروری نہیں سمجھا اور یہی اس بات کا ثبوت ہے کہ آپ صرف نام کی ہی فیک آئی ڈی ہیں۔“

”تمہارا نام بھی پوچھوں گا اور دیکھنے کی خواہش تو خیر کب سے ہے ہی..... لیکن ابھی نہیں صرف چند دن بعد.....“

”چند دن بعد میں بھی نہیں.....“

”دراصل میں نے آج تک تم سے جھوٹ نہیں بولا اور میں نہیں چاہتا کہ آئندہ بھی بولوں..... اور قبل اس کے کہ میں اس محبت کو کسی رشتے کا نام دینے کی درخواست کروں میں خود کو مکمل طور پر پرفیکٹ بنا لینا

### سنجاریے موتی

☆ دوست وہ رکھو جو سونے کی طرح ہونے کے شیشے کی طرح کیونکہ شیشہ ٹوٹ کر بکھر جاتا ہے جبکہ سونے کے جتنے بھی ٹکڑے کر دو اس کی قیمت کم نہیں ہوتی۔

☆ دوستی کی قدر دو وقتوں میں ہوتی ہے، ایک ملنے سے پہلے دوسری کھونے کے بعد۔

☆ قابلیت اور کردار زندگی میں ساتھ، ساتھ چلتے ہیں۔ قابلیت آپ کو بلندی تک پہنچاتی ہے جبکہ اچھا کردار آپ کو ہمیشہ بلند رکھتا ہے۔

☆ اچھا سوچنے اور اچھا بولنے کے نکتہ بدگمانی اور بدزبانی دو ایسے عیب ہیں جو انسان کے ہر کمال کو زوال میں بدل دیتے ہیں۔

مرسلہ: صباحت قاطمہ، نیو کراچی

صبح تک وہ اپنی کیفیت پر عمل طور پر قابو پا چکی تھی اور دل نے مسٹر فیک آئی ڈی کے حوالے سے جو دلائل دیے تھے اس میں سب سے مضبوط دلیل یہ تھی کہ اگر وہ شادی شدہ ہے تو کیا ہوا، غیر شادی شدہ تو وہ بھی نہیں اور یہ بات تو بلکہ خود اسے سوچنی چاہیے کہ آیا وہ اس کے میرٹھ ہونے کا جان کر بھی اسے اپنائے گا کہ نہیں۔ اور کیا تو قیر اسے یوں اتنی آسانی سے چھوڑ دے گا؟

مگر اس بات پر اسے زیادہ نہیں سوچنا پڑا کہ نہ ہا دھو کر ناشتا کرنے کے بعد ابھی وہ سوچ ہی رہی تھی کہ بڑی چچی کے کمرے میں جائے کہ ارمغان نے باہر سے آتے ہی اسے اور اماں کو کمرے میں بلایا۔ ارمغان سے اب اس کا تعلق واجبی ساتھ، نہ تو پہلے والی گرم جوشی تھی اور نہ ہی دوستی..... تائی امی کے سمجھانے کے بعد ارمغان نے کوکو کے ساتھ اپنا رویہ بڑا رسمی سا کر لیا تھا۔

ماہنامہ پاکیزہ 241 ستمبر 2016ء

”جو لوگ رشتہ نبھانا چاہتے ہیں وہ اپنی غلطی تسلیم کرنے میں دیر نہیں لگاتے پرنس اور دراصل میرے می، ڈیڈی شروع سے ہی بہت سوشل رہے، ان کے پاس اپنی اولاد کی باتیں سننے کے لیے کبھی وقت ہی نہیں ہوتا تھا..... یہاں بات شروع کی وہاں ختم..... اتنا کچھ تو بس دل میں ہی رہ جاتا تھا، اسی لیے جی چاہتا تھا کہ مجھے بھی کوئی بندہ مل جائے تو میں اپنے بارے میں ایک، ایک بات بتانا چاہتا تھا، شاید بچپن کی یہ کمی میری ذات کا حصہ بن گئی تھی۔“

”دکھی.....؟“

”ہاں، اب نہیں..... اب تو میں سب کی سننا چاہتا ہوں، شاید اس لیے بھی کہ میں سب کی باتیں سنوں گا تو ہی لوگ میری بھی سنیں گے نا، ہا ہا ہا۔“

میج کے ساتھ ہی دو تین قہقہہ لگاتے ہوئے اسٹیکرز بھی ظاہر ہوئے۔

”آپ شادی کر لیں نا، ساری عمر ایک سننے، سنانے والی مل جائے گی۔“ کوکو نے لاشعوری طور پر جلدی میں لکھ تو دیا تھا مگر پھر خود ہی پچھتائی کیونکہ ان دونوں کے درمیان آج تک اس طرح کی کوئی بات نہیں ہوئی تھی۔

”آئی ایم آل ریڈی میرٹھ.....“ اس کے جواب نے کوکو، کوہلق کر دیا تھا، یعنی وہ شادی شدہ ہے اور اس کے ساتھ یوں ہی رات، رات بھر نہیں مارتا ہے۔ اسے غصہ بھی آیا۔

”لیکن میری بیوی میرے ساتھ نہیں رہنا چاہتی اور اب تو میں بھی اس کے ساتھ رہنا نہیں چاہتا آج کل وکیل سے مل کر طلاق کے کاغذات تیار کروالوں گا..... اور پھر اللہ کرے کہ جس سے میں شادی کرنا چاہوں وہ بھی مان جائے۔“

کوکو اس کا اشارہ سمجھ چکی تھی۔ لیکن وہ شادی شدہ ہے یہ بات اسے چھپی گئی تھی۔ سورات بہت ہونے کا کہہ کر اس نے خدا حافظ لکھا اور لیٹ گئی۔

☆☆☆

## پاک سوسائٹی پر موجود مشہور و معروف مصنفین

عُمیرہ احمد	صائمہ اکرام	عشنا کوثر سردار	اشفاق احمد
نمرہ احمد	سعدیہ عابد	نبیلہ عزیز	نسیم حجازی
فرحت اشتیاق	عفت سحر طاہر	فائزہ افتخار	عنایت اللہ التمش
قُدسیہ بانو	تنزیلہ ریاض	نبیلہ ابراراجہ	ہاشم ندیم
نگہت سیما	فائزہ افتخار	آمنہ ریاض	ممتاز مفتی
نگہت عبد اللہ	سباس گل	عنیزہ سید	مستنصر حسین
رضیہ بٹ	زُخسانہ نگار عدنان	اقراء صغیر احمد	علیم الحق
رفعت سراج	اُمِ ہریم	نایاب جیلانی	ایم اے راحت

## پاک سوسائٹی ڈاٹ کام پر موجود ماہانہ ڈائجسٹس

خواتین ڈائجسٹ، شعاع ڈائجسٹ، آنچل ڈائجسٹ، کرن ڈائجسٹ، پاکیزہ ڈائجسٹ،  
حناء ڈائجسٹ، ردا ڈائجسٹ، حجاب ڈائجسٹ، سسپنس ڈائجسٹ، جاسوسی ڈائجسٹ،  
سرگزشت ڈائجسٹ، نئے آفاق، سچی کہانیاں، ڈالڈا کا دسترخوان، مصالحہ میگزین

## پاک سوسائٹی ڈاٹ کام کی شارٹ کٹس

تمام مصنفین کے ناولز، ماہانہ ڈائجسٹ کی لسٹ، کڈز کارنر، عمران سیریز از مظہر کلیم ایم اے، عمران سیریز از ابنِ صفی،

جاسوسی دنیا از ابنِ صفی، ٹورنٹ ڈاؤنلوڈ کا طریقہ، آن لائن ریڈنگ کا طریقہ،

ہمیں وزٹ کرنے کے لئے ہمارا ویب ایڈریس براؤزر میں لکھیں یا گوگل میں پاک سوسائٹی تلاش کریں۔

اپنے دوست احباب اور فیملی کو ہماری ویب سائٹ کا بتا کر پاکستان کی آن لائن لائبریری کا ممبر بنائیں۔

اس خوبصورت ویب سائٹ کو چلانے کے لئے ہر ماہ کثیر سرمایہ درکار ہوتا ہے، اگر آپ مالی مدد کرنا چاہتے ہیں تو ہم سے فیس بک پر رابطہ کریں۔۔۔

”بیٹا خیر تو ہے ناں کیا ہوا؟“ اماں نے پوچھا۔  
 کوکو البتہ خاموش رہی۔

یوں بھی جب سے اماں نے کوکو کو یہ بتایا تھا کہ وہ حقیقت جان چکی ہیں کہ وہ کیوں اور کس طرح میکے آئی ہے، کوکو ان سے دل ہی دل میں ناراض تھی کہ انہوں نے کوکو کی طرف داری کرنے کے بجائے اسے ہی مورد الزام کیوں ٹھہرایا۔

”پتا نہیں مجھے یوں براہ راست الفاظ میں کہنا چاہیے کہ نہیں لیکن تو قیر طلاق کے کاغذات تیار کروانا چاہ رہا ہے۔“

”ہائے میرے اللہ.....“ اماں نے ایک دم دل پر ہاتھ رکھا اور وہیں بیٹھ گئیں۔

”تمہیں کیسے پتا چلا میرے بیچے؟“ تھوک نکلنے ہوئے انہوں نے پوچھا جبکہ کوکو حیران تھی کہ جس کام کے لیے وہ اتنا پریشان تھی وہ اتنی جلدی بھلا کیسے ہو رہا ہے۔

”جس دلیل سے یہ پتہ چلا تیار کروانے کی بات کر رہا ہے وہ میرا دوست ہے اور وہ کوکو کی شادی پر بھی آیا تھا۔ وہ سلیمان انکل کا بڑا بیٹا.....“ ارمغان نے وضاحت کی۔

”میں نے فی الحال اسے کہا تو ہے کہ تو قیر کو ٹالے تاکہ.....“  
 ”کیوں ٹالے؟ میں نہیں رہتا چاہتی تو قیر کے ساتھ..... اور بہتر ہے کہ وہ خود یہ فیصلہ کر لے ورنہ کل کو ہم نے کہا تو پتا نہیں وہ کورٹ کچہری کے کتنے چکر لگوائے گا۔“

”تمہارا دماغ تو ٹھیک ہے کوکو، کیا بکواس کر رہی ہو؟“  
 ”اماں بکواس نہیں، حقیقت بیان کر رہی ہوں جو رشتے بوجھ بن جائیں انہیں اتار پھینکنا چاہیے ناں اور میں اس کے ساتھ ایک منٹ بھی نہیں رہنا چاہتی، آپ بس اسے کرنے دیں جو کر رہا ہے۔“

”یہ تم نہیں بول رہی ہو کوکو، یہ تمہارے اندر کسی اور کی دی گئی شہ بول رہی ہے اور..... اور مجھے ایسا کیوں لگ رہا ہے کہ تم کسی اور کو.....“

کوکو نے سر جھکا لیا تھا۔

”اماں، آپ بے فکر رہیں ایسا کچھ نہیں ہے لیکن یہ بھی تو سوچیں ناں کہ میں اس شخص کے ساتھ کیسے رہ سکتی ہوں جسے میری ذات میں کوئی دلچسپی ہی نہیں ہے، آخر میں بھی تو ایک زندہ اور جیتی جاگتی انسان ہوں کہ نہیں۔“ وہ.... ہاتھ ملتے ہوئے بولی دل بوجھل تو رہتا تھا اب اور ہو گیا ایسا کہ رونے کو جی چاہنے لگا۔ اماں جواب میں کچھ نہیں بولیں بس اٹھ کر باہر چلی گئیں۔ ارمغان نے سمجھانے کی کوشش کی لیکن کوکو نے بڑی سہولت سے انہیں اپنے مشورے، اپنے پاس رکھنے کا کہہ دیا کہ وہ صرف خود سے باتیں کرنا اور سننا چاہتی تھیں۔ گھر بھر میں جیسے ہی یہ خبر پھیلی ایک عجیب سوگ کا سا عالم ہو گیا تھا۔ اور وہ سب لوگ جو خوش تھے کہ بس چند ہی دنوں میں عمیر واپس آ رہا ہے بھرتا اور ارمغان کی چٹ مٹتی پٹ بیاہ کر دیا جائے۔ اب اپنے، اپنے کردار میں گھسے خاموش بیٹھے تھے اور سب سے بڑھ کر حیرت اس بات پر بھی تھی کہ کوکو خود اس رشتے کو توڑنا چاہتی تھی۔

☆☆☆

”اچھا اگر میں تم سے پوچھوں کہ شادی کرو گی مجھ سے تو؟“ مسٹر فیک آئی ڈی نے پوچھا تھا اور ویسے بھی اب تک تو ان دونوں میں کافی بے تکلفی ہو ہی چکی تھی سو خوشگوار موڈ میں لکھا۔

”اور اگر میں کہوں کہ آئی ایم آل ریڈی میرڈ..... تو؟“ کافی سوچ سمجھ کر کوکو نے جواب لکھا اور اس کا رد عمل حسب توقع ملا۔

”واٹ.....؟ آر یو میرڈ.....؟ یہ کیسا مذاق ہے، جسٹ ناں سینس.....“

”مذاق نہیں ہے یہ سب..... سو فیصد حقیقت ہے۔“  
 ”اور تم اپنے شوہر کے ہوتے ہوئے آئی مین.....“  
 ”میں ان کے ساتھ نہیں رہتی، میکے میں ہوتی ہوں۔“ اس کا رد عمل نوٹ کرتے ہوئے کوکو نے آج تمام بات کلیئر کر دی تھی۔

”اور اتنی حیرت کیوں مسٹر فیک آئی ڈی؟ آپ

اس کے میسج پڑھے جا رہے تھے اور وہ دل ہی دل میں اسے سراہ رہا تھا کہ وہ دوسری بہت سی اچھی باتوں کے ساتھ، ساتھ خود احتسابی کی خوبی سے بھی مالا مال ہے۔

”اور اسی لیے میں اس سے طلاق لے رہی ہوں کہ اپنی زندگی کے بارے میں کوئی بھی فیصلہ کرتے وقت نہ اپنے ضمیر کی مجرم بنوں اور نہ ہی کسی امانت میں خیانت کی مرتکب.....“

”یو آر گریٹ پرنس..... تم واقعی صرف نام کی نہیں بلکہ حقیقی پرنس ہو۔“ وہ واقعی بہت خوش تھا۔ ”ہم دونوں کے یوں ایک دوسرے کے قریب آنے کی وجہ بھی شاید یہی تھی کہ ہمارے درمیان بہت سی قدریں مشترک ہیں لیکن تم فکر نہیں کرو اور خود کو اکیلا نہ سمجھنا، میں ہمیشہ تمہارے ساتھ ہوں، سمجھیں ناں.....“ کوکو نے خوشی سے اچھلتا ہوا میسرورانہ کیا اور سکون سے مسکرائی۔

”اور ہاں کسی بھی معاملے میں میری ہیلپ کی ضرورت ہو تو بلا جھجک کہنا۔“ اس نے ساتھ ہی اپنا فون نمبر سینڈ کیا تھا۔ تم نے تو کہا ہی نہیں تھا اس لیے آج خود اپنا نمبر بھیج رہا ہوں، دل چاہے تو کبھی یوں ہی بات کر لیتا۔“ ایک مسکراتے ہوئے کارٹون کے ساتھ اس نے میسج کیا۔

”یہ..... کس کا نمبر ہے یہ؟“ وہ ایک دم سے چونکی تھی جیسے پیروں تلے سے زمین سرک رہی ہو۔

”ڈیزیز پرنس یہی نمبر ہے آپ کے مسٹر فیک آئی ڈی بنام تو قیر حسن کا..... اور اب جبکہ بہت جلد ہم دونوں ایک دوسرے کے حقیقی نام پوچھنے اور ایک دوسرے کو دیکھنے والے ہیں تو میں نے سوچا کہ پہل میں ہی کر دوں۔“ یعنی وہ تو قیر تھا..... اس کا شوہر جس کے ساتھ اب وہ ایک بھی منٹ نہیں رہنا چاہتی تھی۔ جس کے ساتھ گزرے وقت کے تصور سے ہی اس کا دل برا ہونے لگتا تھا اور جس سے اب وہ جلد از جلد طلاق لے لینا چاہتی تھی۔ اور صرف یہی نہیں بلکہ تو قیر کے دل پر قابض پرنس وہ ہی تھی جسے اب وہ کبھی اپنے گھر کی پرنس بنا لینے پر راضی نہیں تھا۔ جسے می کے

اپنی بیوی کے ہوتے ہوئے مجھ سے رابطہ رکھ سکتے ہیں تو پھر مجھے شوہر کے ہوتے ہوئے خود سے رابطہ رکھنے پر طعنہ دینا بنتا نہیں ہے آپ کا.....“

”نہیں، وہ میرا مطلب تھا کہ.....“ کوکو نے اتنا واضح اور کھرا جواب دے کر اسے آئینے کے سامنے کھڑا کیا تھا کہ وہ نظریں بھی نہ چراپایا۔

”آئی ایم سوری، میں یہ نہیں کہنا چاہتا تھا جو تم سمجھ رہی ہو۔“

”آپ کے یوں اپنی بیوی کے ہوتے ہوئے کسی دوسری لڑکی سے عشق و محبت کی پیٹنگیں بڑھانے کی وجہ سے ایسا نہیں ہے کہ میں اپنے اس عمل کو بھی درست مانتی ہوں، ایسا ہرگز نہیں ہے کیونکہ میرے دل پر تو اب بہت بوجھ رہنے لگا ہے گوکہ میرے شوہر کا مجھ سے محض ایک رسمی سا تعلق تھا مگر اس کے باوجود میں خود کو اس کی مجرم ہی سمجھتی ہوں، جانتی ہوں کہ آپ سے یوں دوستی کرنا معاشرتی، مذہبی اور حتیٰ کہ گھریلو سطح پر بھی کس قدر غلط ہے اور اسی وجہ سے میں خود کو بھی مورد الزام ٹھہراتی ہوں۔ شرمندہ ہوتی ہوں، میری ماں کا خیال ہے کہ میں ان سے ناراض ہوں اسی لیے سب سے الگ تھلگ رہنے لگی ہوں ورنہ حقیقت تو یہ ہے کہ میں ماں سمیت کسی سے بھی نظریں ملانے کی ہمت ہی نہیں کر پاتی۔ کیونکہ جانتی ہوں کہ جو کچھ کر رہی ہوں وہ انتہائی غلط ہے..... اور جب تک میں کسی کے نکاح میں ہوں مجھے زیب ہی نہیں دیتا کہ کسی اور مرد کی طرف آنکھ اٹھا کر بھی دیکھوں، کسی کی توجہ چاہوں اور ایک غیر مرد کے میسج یا اس سے رابطے کے لیے ایک، ایک پل کا انتظار کروں..... لیکن افسوس کہ میں ایسا کرتی ہوں۔ باوجود اس کے کہ ہمارا تعلق محض چیٹ باکس تک ہے نہ فون نمبرز کے تبادلے ہوئے اور نہ ہی ایک دوسرے کو دیکھنے کی خواہش کی لیکن پھر بھی..... پھر بھی میں اس سب کو اپنی نظر میں ایک ناقابل معافی جرم سمجھتی ہوں جس کے لیے شاید میں کبھی خود کو معاف نہ کر پاؤں۔“

دوسری طرف سے مکمل دھیان اور توجہ کے ساتھ

سمجھانے کے باوجود وہ اب ہر حال میں طلاق دینا چاہتا تھا کہ ایسی لڑکی جو اس کی بات تک سنتا پسند نہیں کرتی ہو اس کے ساتھ زندگی گزارنے کا خواب دیکھنا..... نری حماقت!

”بندہ مروت میں ہی جوابی طور پر اپنا نام اور نمبر بتا دیتا ہے لیکن تم تو میرا نمبر لے کر بس چپ ہی ہو گئیں۔ لگتا ہے فون کر کے ہی سر پرائز کرو گی؟“  
وہ اب اس سے فون نمبر ملنے کی امید میں بے صبرا ہو رہا تھا۔

”ویسے آپس کی بات ہے مسٹر فیک آئی ڈی..... آئی مین تو قیر حسن کہ اگر مرد گھر میں موجود اپنی بیوی کو ہی پرنس کا درجہ دے دیا کرے تو انہیں یوں ادھر ادھر موجود اصلی نقلی پرنس کے پیچھے نہ پلکنا پڑے۔ کیونکہ باہر لڈیکھا نا دیکھ کر منہ میں پانی بھی بھرتا ہے جب بندہ گھر سے بھوکا نکلے۔“ کو کو اب اس حیرت انگیز دھچکے سے ماہر نکل چکی تھی اسی لیے اب اس کے رد عمل کی پروا کیے بغیر چڑانے والے ایک اسٹیکر کے ساتھ یہ میسج لکھ کر گہری مسکراہٹ کے ساتھ مزید لکھنے لگی۔

”میں آپ کی پرنس ہوں اور ہمیشہ رہوں گی۔“  
اور اس سے پہلے کہ وہ جواب میں یقینی طور پر اپنی محبت کا اظہار کرتا خدا حافظ کہے بغیر لاگ آؤٹ ہو گئی۔ لیپ ٹاپ سائڈ پر رکھا اور تو قیر حسن المصروف مسٹر فیک آئی ڈی کے متعلق ایک نئے انداز میں سوچنے لگی۔ اسے احساس ہو رہا تھا کہ جب سے اس نے تو قیر حسن سے طلاق لینے کی بات کی ہے تمام گھر والوں کو گویا سانپ سونگھ گیا تھا۔

☆☆☆

خلاف معمول کو کو آج صبح جلدی جاگ گئی تھی۔ یک پارٹی ابھی تک سو رہی تھی۔ جبکہ گھر کی خواتین کچن میں ناشتے کی تیاری میں مصروف تھیں جب شاہد لینے کے بعد وہ بھی کچن میں داخل ہوئی۔ مرد صاحبان اپنے، اپنے آفس یا کاروبار پر جانے کے لیے تیاری میں لگے ہوئے تھے اس کے بعد سب کو ایک ساتھ ہی

ماہنامہ پاکیزہ ﴿244﴾ ستمبر 2016ء

بیٹھ کر ناشتا کرتا تھا۔

”چچی امی، پرائیٹے سارے بن گئے ہیں تو یہ ہاٹ پاٹ اور برتن وغیرہ وہاں رکھ دوں.....؟“ کو کو نے انہیں چولہا بند کر کے چٹائیں میں ڈالتے ہوئے دیکھ کر کہا تو اس کی آواز پر سبھی نے اپنے اپنے کام سے سر اٹھا کر یوں حیرت سے دیکھا جیسے اس کی مدہم ملائم آواز کی جگہ کہیں بادل گرے ہوں۔

”ارے میری جان..... تم آج اتنی جلدی کیوں جاگ گئیں؟“

”کس نے جگایا ہے تمہیں؟ نام بتاؤ اس کا؟“  
”اور یہ انہونی کس لیے؟ پہلے تو کبھی تم نے کچن میں یوں خوشی سے کسی کام کو کرنے کے لیے نہیں کہا؟“ ان سب کی حیرت بجا تھی اور یہ بات کو کو بھی دل ہی دل میں تسلیم کر رہی تھی مگر مسکرائی۔

”آپ سب تو یوں حیران پریشان ہو رہی ہیں جیسے کچن میں، میں نہیں کوئی ہاتھی گھس آیا ہوں۔“

”ارے نہیں بس ایسے ہی..... چلو ٹھیک سے تم ناشتے کے برتن میز پر سیٹ کرو، سب لوگ تیار ہو کر پہنچنے ہی والے ہوں گے۔“ ثانی امی نے آنکھ کے اشارے سے ان سب کو خاموش رہنے کا کہہ کر اسے ہاٹ پاٹ تھمایا۔ اماں بھی اس کے بدلے، بدلے رو دیتے پر حیران تھیں۔ وہ ان کی بیٹی تو تھی لیکن اگلے ہی لمحے وہ کیا کرنے والی ہے اس بات کی پیش گوئی خود وہ بھی نہیں کر سکتی تھیں۔ ان کا یوں اچنبھے سے دیکھنا خود کو کو نے بھی نوٹ کیا تھا مگر کچھ کہے بغیر ایک بھر پور مسکراہٹ کے ساتھ انہیں دیکھا اور اپنے مخصوص شرارتی انداز میں ناک چڑھا کر ایک ہاتھ میں ہاٹ پاٹ پکڑا اور دوسرے ہاتھ سے ٹرائی دھکیل کر کھانے کی میز کی طرف لے گئی۔ ٹرائی میں چچی امی نے ناشتے کے برتن سیٹ کر کے رکھے ہوئے تھے تاکہ بار، بار کچن میں نہ آنا پڑے۔ باقی سب تو ٹھیک تھا لیکن کو کو کا یوں جلدی جاگنا پہلے کی طرح چہرے پر شوخی نظر آتا..... سبھی بس سوالیہ نظروں سے ایک دوسرے کو دیکھتے ہی رہے۔

دیواری میں ہی اس کا حل نکال لیتا۔“

”جی تائی امی، انشاء اللہ آپ کو شکایت کا موقع نہیں ملے گا لیکن پلیز آج میرے ساتھ کوئی بھی جانے کی ضد نہ کرے۔“ اس کے لجاجت آمیز انداز پر آنکھوں ہی آنکھوں میں لمحہ بھربات کرنے کے بعد دعاؤں کے سائے میں اسے تیار ہونے اور پھر اپنی مرضی کے مطابق اکیلے جانے کی اجازت دے دی گئی۔

☆☆☆

اپنا چھوٹا سا بیگ اٹھا کر وہ ڈیڑھ کنال پر تعمیر شدہ خوب صورت کوشی کے دروازے پر پہنچی تو باہر کرسی پر بیٹھا چوکیدار اسے پہچان کر ایک دم کھڑا ہو گیا۔ اس کے ہاتھ سے بیگ لیا اور پوچھنے پر بتایا کہ اس وقت کھر پر کوئی بھی موجود نہیں ہے۔

”لیکن کہاں گئے ہیں سب کچھ معلوم ہے آپ کو؟“ ٹی ڈی لاؤنج میں داخل ہو کر انٹرکنڈیشنل کی خشک کو محسوس کرتے ہوئے اسے لگا جیسے تو قیر کہیں آس پاس ہی موجود ہے۔

”بیگم صاحب اور چھوٹی بی بی، اعظم صاحب کی بیٹی کی شادی میں اسلام آباد گئی ہوتی ہیں۔ پرسوں تک آجائیں گی۔“

”ہوں۔“ اس نے گہری سانس لی اور اسے جانے کا اشارہ کرنے کے بعد بیگ لے کر اپنے بیڈروم میں چلی آئی۔

وہی نفاست، وہی سکون اور وہی مخصوص خوشبو، اب ایک نئے ہی طرز کے احساسات کے ساتھ اسے زندگی کے بالکل منفرد جذبات سے آشنا کروا رہی تھی۔ عجیب بے خودی کے عالم میں وہ کمرے میں رہی ایک، ایک چیز کو ہاتھ لگا کر محسوس کر رہی تھی۔ ذہن میں تو قیر کے خوب صورت برجستہ جملے اور گفتہ انداز میں کی گئی دلچسپ گپ شپ گھوم رہی تھی۔ بیڈ کی سائڈ ٹیبل پر رکھالیپ ٹاپ جسے اب وہ دل سے اپنا محسن مان چکی تھی کتنی ہی دیر تک اس کی سوچ کا مرکز رہا۔ اور شاید وہ مزید کتنی ہی دیر ان چیزوں کو دیکھتی رہتی کہ

☆☆☆

”پاپا، آپ کتنے بچے گھر سے نکلیں گے؟“ کوکو نے انہیں چائے کا کپ تھماتے ہوئے مسکراتی نظروں سے دیکھا۔

”بس بیٹا، زیادہ سے زیادہ بیس منٹ بعد..... کیوں خیریت تو ہے ناں.....؟“ چائے میں چینی ملائے ہوئے انہوں نے پوچھا تو وہ بولی۔

”اماں، میں آج واپس گھر جانا چاہتی ہوں تو قیر کے پاس..... اگر آپ کو اعتراض نہ ہو تو بابا مجھے چھوڑ آئیں؟“

”تم واپس جانا چاہتی ہو؟ کیا واقعی؟“ اماں سمیت میز کے گرد بیٹھے بھی لوگ خوشی اور حیرت کے ملے جلے تاثر سے اس کی طرف دیکھ رہے تھے۔

”جی اماں..... بلکہ بابا آپ رہنے دیں، میں خود ہی آئی تھی ناں اب واپس بھی خود ہی جاؤں گی، اگلی.....“

”ارے نہیں بیٹا، میں خود جاؤں گا تمہیں چھوڑنے تم بس تیار ہو جاؤ جلدی سے۔“ بابا نے دل ہی دل میں اللہ کا بے شمار شکر ادا کیا تھا۔

”ہاں کوکو تمہارے بابا ٹھیک کہہ رہے ہیں، تمہارا اکیلے جانا کچھ مناسب نہیں لگتا بلکہ اگر کہو تو میں خود تمہارے ساتھ چلتی ہوں۔“ اماں کا جوش قابل دید تھا۔ ہاتھ میں پکڑا نوالہ بھی خوشی کے مارے منہ میں ڈالنے کے بجائے واپس پلیٹ میں رکھ دیا تھا۔

”ارے نہیں اماں..... آپ دونوں بلکہ آپ سب آئیے گا بلکہ ضرور آئیے گا لیکن بعد میں مجھ سے ملیے گا، ابھی مجھے اکیلے جانے دیجیے پلیز.....“ اس نے چچی امی اور تائی امی سمیت باقی سب کو دیکھا۔

”بیٹا تمہارے تو قیر کے ساتھ جو بھی معاملات ہوئے وہ تم دونوں کے بیچ کی بات تھی، جسے ایک بار پھر زیر بحث لانا مناسب نہیں لگتا لیکن میں اتنا ضرور کہوں گی کہ شادی کے بعد بیٹیاں اپنے میاں کے ساتھ ہی معتبر لگتی ہیں۔ اس لیے کوشش کرنا کہ خدا نخواستہ اگر آئندہ کوئی بات ہو بھی جائے تو وہیں چار



دروازہ کھلا اور تو قیر غوی بلیوٹراؤزر اور وائٹ شرٹ میں ملبوس بے دھیانی سے اندر داخل ہوا۔

اور ڈریسنگ ٹیبل کے سامنے رکھے اسٹول پر بیٹھ گئی۔

”آف تو بہ، اتنی بے چینی..... صرف دس منٹ ہی تو انتظار کیا ہے ناں آپ نے.....“ کوکو نے اس کے میسجز دیکھ کر رپلائی کیا۔

”دس منٹ صرف نہیں ہوتے، بہت زیادہ ہوتے ہیں، تمہیں کبھی انتظار کرنا پڑے تو میں پوچھوں۔“ فٹ سے جواب آیا تو وہ مسکرا دی۔

”میں تو کل رات سے انتظار کر رہی تھی کہ کب دوبارہ ہماری بات ہو..... بلکہ میں تو اب آپ کے سامنے بیٹھ کر آپ سے باتیں کرنے کے انتظار میں ہوں۔“

کارٹون کے ہاتھ میں پکڑے دل والا اسٹیکر سینڈ کرتے ہوئے اس نے آئینے میں عقب میں بیٹھے تو قیر کو دیکھا جو بڑے خوب صورت اور پُرکشش انداز میں مسکراتے ہوئے کچھ لکھ رہا تھا۔ اچانک غیر ارادی طور پر نظر اس پر پڑی تو کشادہ پیشانی پر ہل سے پڑ گئے۔

”آج کی رات تم اس کمرے میں گزار لو، میں نے می کوکل واپس بلا لیا ہے، صبح ہوتے ہی وہ پہلی فلائٹ سے ہمارے پاس ہوں گی اور میں ان کے سامنے ہی اپنی زندگی کا سب سے اہم فیصلہ کرنے والا ہوں۔“ روگے پھکے انداز میں کہتے ہوئے لپ ٹاپ اٹھائے وہ کمرے سے باہر نکل گیا تھا۔

”لگتا ہے آپ کی بیگم واپس آ گئی ہیں۔“ تو قیر کے باہر جانے کے بعد گہری سانس لے کر اس نے لکھا۔

”ارے واہ تمہیں کیسے پتا چلا.....؟ سچ مانو تو بندہ تمہارا مرید ہو گیا ہے پرنس.....“

”کیونکہ عام طور پر شوہر حضرات اپنی بیویوں کے سامنے محتاط رہتے ہیں ناں..... اس لیے سوچا کہ شاید آپ بھی اس لیے دیر سے رپلائی کر رہے ہیں۔“

”نہیں یار، ایسا کوئی تعلق نہیں ہے ہمارے بیچ..... اور (God know) خدا جانتا ہے کہ وہ کیوں ایک دم اچانک واپس آئی ہے مگر جو بھی ہے، صبح واپس آ رہی ہیں میں ان کے سامنے ہی سارا قصہ تمام کر کے اپنے اور تمہارے متعلق بات کروں گا۔“

کوکو کے وہم و گمان میں بھی نہیں تھا کہ وہ اس وقت گھر پر موجود ہوگا جیسی اس وقت اس کی وارڈروب کھولے سامنے کھڑی تھی کہ ایک دم بوکھلا کر پٹی۔

”تم؟ یہاں.....“ تو قیر بھی اب جبکہ وہ اسے طلاق دینے کے بارے میں حتمی فیصلے پر پہنچ چکا تھا۔ یوں اسے اپنے بیڈروم میں غیر متوقع طور پر دیکھ کر ٹھنک گیا۔

”اب کیا کرنے آئی ہو، یہاں؟ جس انداز میں تم گئی تھیں اب تمہاری اس گھر میں کوئی بھی جگہ نہیں ہے۔“ کوکو اس سے اسی رویے کی توقع کر رہی تھی۔ مگر

تو قیر کی امیدوں کے برعکس وہ ایک بھی لفظ کہے بغیر خاموشی سے وارڈروب بند کر کے واپس صوفے پر جا بیٹھی۔ تو قیر بڑی حیرت سے اسے دیکھ رہا تھا۔ اس کے

چہرے کا اطمینان یقینی طور پر تو قیر کے لیے ایک معرہ ہی تھا۔ چند لمحوں تک وہیں کھڑے ہو کر کوکو کے ردِ عمل کا انتظار کرنے کے بعد جھنجلاہٹ میں دروازہ بند کرتے ہوئے وہ باہر نکل گیا تھا۔ کوکو کے لبوں پر کھلی مسکراہٹ

اب اس معنی کے ڈراپ سین ہونے کا شدت سے انتظار کر رہی تھی۔

☆☆☆

دوپہر سے شام تک تو قیر واپس بیڈروم میں نہیں آیا تھا۔ کوکو نے ٹائم دیکھا، یہ ان دونوں کے آن لائن ہونے کا وقت تھا اس نے اپنی وارڈروب سے کپڑے نکالے اور شاور لینے کے لیے ہاتھ روٹ میں چلی گئی۔ جانتی تھی کہ اس کے موبائل میں آج کل فیس بک لاگ بھی نہیں ہو پارہا تھا اور وہ پرنس سے بات کرنے کے لیے ضرور اپنا لپ ٹاپ لینے کمرے میں آئے گا..... اور یہی ہوا۔

وہ نہما کر نکلی تو تو قیر گود میں لپ ٹاپ لیے بیٹھا تھا، دونوں نے ایک دوسرے کو یکسر نظر انداز کیا تھا۔

پرنس آن لائن نہیں تھی اور تو قیر کی بے چینی دیکھ کر اسے خود بڑا حزر آ رہا تھا۔ سو اس نے موبائل ہاتھ میں لیا

ہے؟“ تو قیر نے لکھا۔ اور اس سے پہلے کہ تم بھی کل کو مجھ سے شکوہ کرو کہ میں نے تمہارے بارے میں کچھ نہیں پوچھا تو آج بتا ہی دو کہ تم اپنے شوہر سے ناراض ہو کر میکے کیوں گئی تھیں تاکہ میں وہ غلطیاں نہ دہراؤں۔“

”کوئی بہت بڑی بات تو نہیں تھی لیکن میرے نزدیک یہ بات چھوٹی بھی نہیں تھی کہ وہ کبھی میری تعریف ہی نہ کریں..... انہوں نے کبھی مجھ سے اظہارِ محبت نہیں کیا جس سے مجھے احساس ہوتا کہ میں ان کے لیے اب کس قدر ضروری ہوں، انہوں نے کبھی یہ جاننے کی کوشش ہی نہیں کہ میری پسند ناپسند کیا ہے؟ میرا مزاج کیسا ہے؟ میں ان کی محبت کو پانے کے لیے دلہن بن کر اس گھر میں گئی تھی مگر ان کے لیے میرا وجود نہ ہونے کے برابر ہی تھا۔ اور پھر سب سے اہم بات یہ بھی کہ شاید وہ لاعلم تھے کہ اگر بیوی کے دل میں بچی محبت پانے کی خواہش ہو تو لازم ہے کہ پہلے اس کے میکے والوں سے محبت جائے یا کم از کم ان کی عزت ضرور کی جائے کیونکہ عورت سسرال میں سب کچھ برداشت کر جاتی ہے مگر میکے والوں کے لیے کسی کا بھی کہا گیا ایک غلط لفظ بھی سہہ نہیں سکتی۔“

”میں وعدہ کرتا ہوں بار کہ ان سب میں سے کوئی ایک بھی شکایت تمہیں کبھی بھی مجھ سے نہیں ہوگی، بس ایک بار مجھ سے ملو تو سہی..... میں بھی تو دیکھوں کہ اتنی خوب صورت اور محبت بھری باتیں کرنے والی لڑکی ہے کیسی؟ وہ جس کی باتوں نے مجھے حقیقی معنوں میں محبت کرنا سکھایا وہ اتنی محبت سے باتیں کرتی، مسکراتی ہوئی کیسی لگتی ہے، یقین کرو تصورات میں کتنی ہی دیر تمہیں اپنے کمرے میں بیٹھا، گھر میں گھومتا، پھرتا، دیکھتا رہتا ہوں، بس اب تو ملاقات ہو ہی جانی چاہیے۔“ کوکو نے بڑی ہی لگاؤ سے اس کے لکھے خوب صورت لفظوں کو پڑھا چند لمحوں کے بعد سوچا اور جوابی میسج ٹائپ کرتے کرتے اٹھ کھڑی ہوئی۔

”شیوروائے ناٹ..... آپ ذرا اسٹڈی روم

کا دروازہ تو کھولیں۔“

تو قیر کا میسج پڑھتے ہی اس کی ریڑھ کی ہڈی میں سنسنی سی دوڑ گئی تھی، اپنی نادانی اور بے وقوفی کے ہاتھوں وہ کیسے پھر سے اس بندے کو کھو دینے والی تھی کہ اللہ نے اسے سہارا دے کر پھر اسی کے ساتھ جوڑے رکھا۔

”آپ کو بنیادی طور پر شکایت کیا ہے کوکو سے؟

یہی نام بتایا تھا ناں آپ نے اپنی مسز کا؟“

”ہاں یہی نام تو ہے۔ لیکن سچ کہوں تو مجھ سے

زیادہ اسے شکایات تھیں مجھ سے یا شاید میں اسے پسند

ہی نہیں تھا کیونکہ اس نے کبھی میری باتوں کو تمہاری

طرح دھیان، توجہ اور محبت سے نہیں سنا۔ اس نے کبھی

خصوصی طور پر میرے لیے کچھ نہیں بنایا، کبھی میرے

لیے خصوصی طور پر تیار نہیں ہوئی۔ بس اس کا دل چاہتا

تھا کہ میں اس سے ہر وقت اس کے میکے کی

باتیں پوچھتا اور سنتا رہوں یا شاید اس کی تعریفیں ہی کرتا

رہوں۔ اب تم خود ہی بتاؤ کیا ایسا ممکن تھا؟ وہ کبھی اس

صورت میں جب میں پہلے سے اسے جانتا بھی

نہیں تھا۔ حالانکہ کسی کے بھی دل میں جگہ بنانے یا محبت

پیدا کرنے کا ایک انتہائی مفید گراس کی باتوں کو دھیان

اور توجہ سے سننا ہی ہوتا ہے..... تم خود بتاؤ میں سچ کہہ

رہا ہوں کہ نہیں؟“ میسج لکھ کر سینڈ کرنے کے بعد ہاتھ کا

مکانا کر اس نے ٹھوڑی انگلیوں پر ٹکادی تھی۔

”ہاں بس مانتی ہوں کہ کوکو نے جلد بازی

میں غلط فیصلہ کیا۔ لیکن ایک بات شاید آپ بھی بھول

گئے کہ کتابِ ماضی دلچسپ ضرور ہوتی ہے اگر اپنی ہو تو

..... اپنی باتیں سناتے، سناتے آپ اس کے متعلق

پوچھنا یا اس کی ذات کے بارے میں بات کرنا شاید

بھول گئے ہوں۔ کیونکہ بچپن سے اگر آپ کی می نے

آپ کو وقت نہیں دیا یا آپ کی کوشش کے باوجود آپ

کی کوئی بات نہیں سنی تو اس حقیقت سے وہ بچاری تو لاعلم

تھی ناں..... کیونکہ وہ تو آپ کے گھر میں بیوی کی

حیثیت سے آئی تھی۔ ماہر نفسیات کی شکل میں تو

نہیں ناں.....“

”تمہیں اس کی سائنڈ لیتے دیکھ کر حیرت ہو رہی

تھی ناں بلکہ تمہیں دلہن بنے جی بھر کر دیکھا بھی نہیں تھا۔  
لیکن شاید تب یہ سب کچھ بہت اور لگتا تھا مگر اب مجھے  
پتا چل گیا ہے کہ میری پرنس کو محبت میں اظہار اور اظہار  
میں گرجوشی ہی پسند ہے۔ تو اب تم دیکھنا میرے انداز،  
اظہار اور گرجوشی..... پسند نہ آئے تو تو قیر حسن سے نام  
بدل کر مسٹر فیک آئی ڈی رکھ دینا۔“

اس کی باتوں پر کو کو ایک دم کھلکھلا کر ہنسی تھی۔ اور  
وہ سوچ رہی تھی کہ ”شاید ہم کبھی کبھار لوگوں کو پہچاننے  
اور ان کے بارے میں رائے قائم کرنے میں بہت جلد  
بازی کا مظاہرہ کرتے ہیں اور جلدی کا کام تو ہمیشہ ہوتا  
ہی شیطان کا ہے اس لیے پھر پچھتاتے بھی ہیں۔“  
”چلو روم میں چلتے ہیں..... نہیں بلکہ سب سے  
پہلے اچھا سا کھانا کھا کر آتے ہیں اور ساتھ ہی میں می کو  
بھی فون کر دوں کہ وہ بے شک آرام سے آئیں جلدی  
کی کوئی ضرورت نہیں۔“

”ٹھیک ہے، میں آپ کے کپڑے نکال دیتی ہوں  
لیکن ذرا جلدی ہاں۔“ اسے نمبر ملاتے دیکھ کر کو کو نے کہا۔  
”واؤ یعنی تمہیں بھی جلدی ہے۔“ تو قیر نے اس  
کا کمال تحسین کیا تو وہ بلیش ہو گئی۔ اور وہ یہ بات اچھی  
طرح سمجھ چکی تھی کہ کچھ لوگوں کی محبت سمندر سی ہوتی  
ہے خاموش مگر لاجورد..... اظہار سے عاری مگر۔  
پھر پورا ایسے لوگ اظہار کی اس دنیا میں اپنا آپ لفظوں  
سے ثابت کرنے پر یقین نہیں رکھتے لیکن جب خدا  
دلوں کے حال جاننے کے باوجود حمد و ثنا اور اپنی تعریف  
بیان کرنے والوں کو پسند کرتا ہے تو پھر انسان تو یوں بھی  
صرف اور صرف الفاظ کے سہارے جیتا اور ان پر ہی  
یقین رکھتا ہے۔

اور ویسے بھی محبت جیسی بھی ہو اور جس رشتے سے  
بھی ہو، اظہار کے بغیر اس کی اہمیت دوا کے خالی ڈبے  
جیسی ہوتی ہے جو کسی کام آنے یا فائدے پہنچانے کے  
قابل نہیں ہوتا۔ اور یہ حقیقت اب تو قیر اور کو کو کو بخوبی  
جان چکے تھے۔

ختم شد

”اسٹڈی روم..... واٹ ڈو یو مین۔“  
”چلیں آپ رہنے دیں، میں خود کھول کر آپ  
کے پاس آتی ہوں۔“

حیران، ششدر اور مکمل طور پر سمجھ نہ آنے والی  
کیفیت میں دروازہ کھلنے کی آواز کے ساتھ ہی اس نے  
مڑ کر دیکھا تو ہاتھ میں موبائل پکڑے کو کو اس کے سامنے  
کھڑی تھی۔ وہ نہیں جانتی تھی کہ اس کا ریوئل کیا ہوگا۔  
دل ہی دل میں دعائیں مانگتی کو کو اسے دیکھ کر مسکرائی۔  
تو قیر تو کتنی ہی دیر تک کچھ کہنے کے قابل ہی نہیں  
رہا تھا۔ ذہن میں ایک ہی خیال آ رہا تھا کہ اگر وہ  
ناوائستگی میں اسے طلاق دے دیتا اور بعد میں پتا چلتا  
کہ جس کے بغیر اب ایک پل گزارنا مشکل ہو رہا ہے یہ  
وہی ہے جسے وہ صرف ایک پل میں اپنی زندگی سے  
نکال آیا ہے تو وہ اس وقت کو واپس کیسے لاتا.....؟ اپنی  
لفظی کا ازالہ بھلا کس طرح کر پاتا؟ اس کے جسم کا  
رواں، رواں اللہ کا شکر ادا کر رہا تھا۔

”تم، پرنس.....؟“ وہ اٹھ کھڑا ہوا تھا۔  
”جی مسٹر فیک آئی ڈی میں کو کو ب..... شاید اللہ کو  
ہمارا اس طرح ایک دوسرے کو ملوانا مقصود تھا۔“ اس کے  
ہونٹ مسکرا رہے تھے۔ وہ دونوں اب ایک دوسرے کو  
اتنے اچھے طریقے سے جان چکے تھے کہ ایک دوسرے  
سے شکوہ کرنے کے بجائے محض شکر ہی ادا کیے جا رہے  
تھے۔ کیونکہ شکر کرنے کی عادت ہو تو صبر کرنے کی نوبت  
نہیں آتی اور شکوہ کرنا تو ویسے بھی بنتا ہی نہیں تھا۔

نہ سوال جواب نہ وضاحتیں.....  
وہ دونوں ہی ایک دوسرے کو وہ تمام شکایتیں  
بتا چکے تھے جس کی وجہ سے ان میں دوریاں پیدا ہوئیں۔  
”سمجھ نہیں آ رہا کہ اس خوب صورت ترین اتفاق  
پر کس طرح اللہ کا شکر ادا کروں..... لیکن ہاں اتنا ضرور  
ہے کہ اب کم از کم ہم دونوں ہی سمجھ چکے ہیں کہ ہمیں  
کس طرح کا جیون سنبھالی اور اس سے کس انداز کی  
محبت چاہیے۔“ وہ اٹھ کر اس کے قریب چلا آیا تھا۔  
”اس دن تو میں نے تمہاری کوئی تعریف نہیں کی



## فسانہ نگار نہیں حقیقت نگار ہے

عالمگیر شہرت کی حامل صد کا ادب اور فن کا ادب

## نیو فریم جی جی سی کے دلیر بھارتی

رضوانہ پرنس

لیکن خیر اب تو مہینہ بھی ہفتے کے مانند ہو گیا ہے۔  
دیکھیں کتنی جلدی انتظار کی گھڑیاں ختم ہو گئیں تو آئیں۔  
ہم آپ کو اسی کمرے میں لیے چلتے ہیں جہاں پر ہم نیلو  
جی سے ان کا افسانہ سن رہے تھے۔ قارئین آپ نی وی  
ماہنامہ پلکیزہ ﴿ 249 ﴾ ستمبر 2016ء

ڈائری قارئین ہمیں امید ہے کہ آپ کو نیلو فریم جی جی  
کے افسانے کی پہلی قسط پسند آئی ہوگی۔ افسانہ چونکہ  
طویل ہے اس لیے ہمیں آپ لوگوں کو نیلو جی کی زندگی  
کے ایک اہم اور خوب صورت موڑ پر چھوڑ کر جانا پڑا تھا

ڈراموں کے ہیروز کے ساتھ نیلو فرجی کی شرارتیں تو پڑھ چکے ہیں اب ڈران کی زندگی کے اصل ہیروز کے متعلق بات کر لیتے ہیں۔

◆..... اچھا نیلو اب ڈرا بات ہو جائے آپ کے اصل ہیرو کی..... ہمارا مطلب قمر علی عباسی صاحب سے ہے۔ سب سے پہلے تو ہم جاننا چاہیں گے ان سے پہلی ملاقات کا احوال؟ ہم نے شرارت سے ان کو دیکھا تو وہ دھیسے سے ہنس دیں۔

نیلوفر عباسی ◆..... ”افسانہ نگار ہونا اس لیے افسانوی رنگ بھی میری کہانی میں ڈھونڈ رہی ہو اور مزے کی بات یہ ہے کہ وہ رنگ یقیناً تمہیں اس ملاقات میں کہیں جھلکتا نظر آجائے گا۔“ انہوں نے مسکرا کر کہا۔

◆..... اچھا! ہم نے بہت خوش ہو کر مجلس نظروں سے انہیں دیکھا۔

نیلوفر عباسی ◆..... ”رضوانہ وہ دن اب بھی پوری جزئیات کے ساتھ میری آنکھوں میں روشن ہے۔ یہ نومبر 1972ء کی ایک خوشگوار صبح تھی۔ میں ریڈیو پاکستان کے اسٹوڈیو سے اپنا پروگرام کر کے معروف علی صاحب کے کمرے میں پہنچی۔ اصل میں میری می ٹون خاتون، اپوا میگزین کی پروگرام کی انچارج تھیں اور انہوں نے اس پروگرام کے سلسلے میں اسکرپٹ دیا تھا جو مجھے اس پروگرام کے اسٹنٹ ڈائریکٹر معروف علی صاحب کو دینا تھا۔ اس زمانے میں ریڈیو پاکستان کراچی کے ایک کمرے میں دو اسٹنٹ ڈائریکٹر بیٹھے تھے ایک پروگرام کے اور دوسرے ایڈمنسٹریشن کے..... جب میں اندر داخل ہوئی تو ایک دم میری نظر معروف صاحب کے ساتھ والی رکھی میز کرسی پر بیٹھے ہوئے ایک نوجوان پر پڑی۔ سرخ و سفید رنگت، شرارتی موٹی، موٹی آنکھیں اور بہت فریش مسکراتا ہوا چہرہ.....“ وہ جیسے اس لمحے میں کھور ہی تھیں۔

◆..... اوہو یعنی پہلی نظر میں ہی وہ چپکے سے دل میں اتر گئے تھے؟ ہم نے انہیں چھیڑا۔

نیلوفر عباسی ◆..... ”نہیں اس وقت ایسا کوئی احساس دل میں نہیں جاگا تھا بس سرسری سی نظر میں ان کی شخصیت امپریو لگی تھی پھر معروف صاحب نے تعارف کروایا کہ یہ نیلو فر علیم ہیں بہت مشہور آرٹسٹ اور یہ قمر علی عباسی ہیں نئے اسٹنٹ ڈائریکٹر ایڈمنسٹریشن۔ ابھی کوئٹہ سے تبادلہ ہو کر آئے ہیں۔ اس رسی سے تعارف کے بعد ہی معروف صاحب سے می کے پروگرام کے بارے میں ڈسکس کرنے لگی کہ اچانک قمر علی عباسی مجھ سے مخاطب ہوئے۔“ وہ ایک لمحے کو رکیں۔

◆..... اچھا کیا کہا انہوں نے؟ ہم نے دلچسپی سے پوچھا۔

نیلوفر عباسی ◆..... ”انہوں نے مجھ سے پوچھا۔“ آپ کو اپنے پروگراموں کے چیکس وغیرہ سے کوئی دلچسپی نہیں؟“ ان کے اس غیر متوجہ سوال پر میں نے گڑ بڑا کر جواب دیا کہ مجھے اکاؤنٹ سیکشن میں جانے سے بہت گھبراہٹ ہوتی ہے۔ تب انہوں نے اکاؤنٹس کلرک کو کہہ کر میرے وہاں رکھے ہوئے ڈھیر سارے چیکس وہیں کمرے میں منگوا دیے۔“

◆..... اوہ نیلو فرجی یعنی پہلی ملاقات میں ہی لاشعوری طور پر آپ دونوں کے دلوں میں ایک بہت پیارا سا جذبہ جاگ اٹھا تھا جس کا احساس آپ لوگوں کو بعد میں ہوا؟ ہم نے فوراً ہی اپنا افسانوی تجزیہ پیش کیا جس پر وہ بے ساختہ ہنس دیں۔

نیلوفر عباسی ◆..... ”بھئی یہ تمہارا خیال ہے ورنہ اس وقت تو میں بس اپنے چیکس مل جانے پر خوش ہو رہی تھی اور مزے کی بات یہ کہ صفیہ کاظم جو ریڈیو پاکستان کا ایک بہت بڑا نام ہیں وہ ان دنوں قمر علی عباسی کے لیے بڑی شد و مد سے لڑکی دیکھنے میں مصروف تھیں۔ ایک دن وہ کہنے لگیں کہ ان کی ایک کزن جو بہت خوب صورت ہے وہ قمر علی عباسی کے لیے مناسب رہے گی۔ تب کسی اور نے اپنی دوست کی بہن کا ذکر کیا۔ میں نے بھی اپنی دوست کے لیے ان



نیلوفر عباسی اپنی بہن در شہداد کے ساتھ

◆.....واہ نیلو جی وہ اپنی پسندیدگی دل میں بسائے بیٹھے رہے اور آپ نے محسوس ہی نہیں کیا؟ ہم نے شرارت سے پوچھا۔

نیلوفر عباسی ◆.....”بھئی انہوں نے کبھی اپنے کسی رویے سے اپنی پسندیدگی ظاہر ہی نہیں کی تھی نہ کوئی ذومعنی جملے یا نظروں کا تبادلہ کچھ بھی ایسا نہیں ہوا تھا، وہ مجھ سے نارل انداز میں ایسے ہی باتیں کرتے جیسے اور کپیٹرز اور اناؤنسرز سے کرتے تھے ہاں البتہ پروپوزل انہوں نے انوکھے انداز میں دیا۔“

◆.....نیلو نے جیسے ہمارا تجسس بڑھا دیا اور ہماری تجسس نظروں کو اپنے چہرے پر مرکوز دیکھ کر انہوں نے اس دلچسپ کہانی کو آگے بڑھایا۔

نیلوفر عباسی ◆.....”قمر علی عباسی کا ان دنوں اخبار جہاں میں سوال و جواب کا کالم شائع ہوا کرتا تھا۔ ایک دن میٹنگ کے بعد جب ہم سب اٹھنے لگے تو انہوں نے ایک پرچہ ہاتھ میں تھما دیا۔ میں اس وقت پروگرام کرنے اور اسٹوڈیو جا رہی تھی اسی لیے سمجھی کہ پروگرام سے متعلق کوئی ہدایت ہوگی۔ بیڑھیاں چڑھتے

کے متعلق سوچا..... ہم سب کے منسوبے اکثر ان تک پہنچتے رہتے۔“

◆.....واہ گاڈ اور پھر آپ لوگوں کے لائے ہوئے رشتوں پر ان کا کیاری ایکشن ہوتا تھا؟ ہم نے ہنستے ہوئے انہیں دیکھا تو ایک خوب صورت سی چمک ان کی آنکھوں میں لہرائی۔

نیلوفر عباسی ◆.....”وہ اپنا ری ایکشن شو نہیں کرتے تھے بس ہمارے لائے ہوئے پروپوزل کو خاموشی سے سن لیتے تھے لیکن ایک دن انہوں نے صفیہ کاظم سے کہا کہ آپ لوگ نہ جانے کس، کس کے رشتے بتاتی رہتی ہیں لیکن کبھی مجھ سے میری پسند نہیں پوچھی..... صفیہ کاظم نے حیران ہو کر جب ان سے پوچھا تو انہوں نے میرا نام لے دیا۔ صفیہ کاظم بہت خوش ہوئیں اور شکوہ کیا کہ پہلے کیوں نہیں بتایا کہ نیلوفر علیم پسند ہے تو وہ مسکراتے ہوئے بولے۔ میں کیسے بتاتا وہ تو خود میرے لیے رشتے لے کر آتی ہیں۔“ یہ بتاتے ہوئے ایک پیارا سا تبسم نیلو کے ہونٹوں پر بکھر گیا جبکہ ہم لوگ بے ساختہ ہنس دیے۔

ہوئے پرچہ کھول کر پڑھا تو لکھا تھا۔ ہم آپ سے شادی کرنا چاہتے ہیں۔ نیلو فر بڑے مزے سے بتا رہی تھیں اور ہم لوگ بھی اس قصے کو بہت انجوائے کر رہے تھے۔

..... نیلو جی آپ تو یہ پڑھ کر شاکڈ رہ گئی ہوں گی؟ ہمارے سوال پر انہوں نے لٹی میں سر ہلایا۔ نیلو فر عباسی ؎..... "نہیں، میں سمجھی تھی کہ انہوں نے اخبار جہاں کے سوال و جواب والے کالم کا صفحہ غلطی سے مجھے تھما دیا ہے سو پروگرام ختم کر کے میں ان کے کمرے میں گئی اور وہ پرچہ واپس انہیں کرتے ہوئے کہا کہ یہ پرچہ آپ نے مجھے غلطی سے دے دیا تھا۔ نیلو کی اس بات پر ہمیں قمر علی عباسی پر بے اختیار ترس آ گیا۔

..... واہ نیلو جی انہوں نے کتنی محبت سے آپ کو پروپوزل دیا تو آپ کی اس ادا پر کچھ الجھن کچھ خنکی نظر آئی ان کے چہرے پر؟

..... نیلو فر عباسی ؎..... "ارے نہیں، ان کے چہرے پر ویسا ہی سکون تھا۔ انہوں نے بہت اطمینان سے جواب دیا کہ جی نہیں، یہ آپ ہی کے لیے ہے سوچ کر جواب لکھے گا۔" مجھے پھر بھی یقین نہیں آ رہا تھا..... خیر وہ کیا الجھتے میں زیادہ الجھن میں پڑ رہی تھی۔

تجھی میں نے ان سے کہا کہ پلیز مجھے ایسا مذاق پسند نہیں انہوں نے اسی سنجیدگی سے جواب دیا کہ یہ مذاق نہیں وہ بالکل سیریس ہیں، میں نے الجھ کر پوچھا کہ آخر میں ہی کیوں تو انہوں نے جواب دیا کہ آپ کی بہت سی باتیں ہمیں اچھی لگتی ہیں۔ آپ بلاوجہ کسی سے فری نہیں ہوتیں، پُر اعتماد ہیں، مہذب ہیں، پروگرام کے لیے بلاوجہ کے چکر نہیں لگاتیں اور چیک تک لینے کے لیے اکاؤنٹس سیکشن نہیں جاتیں۔" آخری جملہ کہتے ہوئے وہ ہنس دے۔ اپنی اتنی خوبیاں سننے کے بعد میں نے جھپکتے ہوئے اپنی ایک خامی بھی انہیں بتادی کہ دیکھیے میں بہت سکھڑ نہیں ہوں مجھے کھانا پکانا نہیں آتا ہے۔

..... واہ یہ تو بہت ہی اہم بات بتائی آپ نے

ماہنامہ پاکیزہ 252 ستمبر 2016ء

عباسی صاحب کو ہم بے ساختہ ہنس دے۔

نیلو فر عباسی ؎..... "اور میری اس خامی کو سن کر وہ ہنوز اسی اطمینان سے بولے کہ کوئی بات نہیں ہم سکھا دیں گے کیونکہ گھر سے دور رہنے کے باعث ہمیں ہر قسم کے کھانے پکانے آگئے ہیں۔" میں نے پھر ایک اور جواز ان کے سامنے رکھا کہ میرا تعلق شو بیز سے ہے اکثر لوگ اس کے لیے کچھ بہتر تاثر نہیں رکھتے بعد میں آپ کو کوئی افسوس یا پچھتاوا نہ ہو تو وہ بہت فراخ دلی سے بولے تھے کہ میں بھی اسی میڈیا سے ہوں اور میرے لیے یہ باتیں نئی نہیں ہیں۔ نیلو کی نظروں کے سامنے جیسے وہ منظر وہ لمحہ مجسم ہو کر سامنے آ گیا تھا۔

..... نیلو جی ہم تو سمجھے تھے کہ اس موقع پر آپ کچھ شرماسی گئی ہوں گی اور انہوں نے کچھ خوب صورت جملے بولے ہوں گے لیکن آپ دونوں نے تو بہت سہیل اور پریکٹیکل انداز میں بات چیت کی؟ ہمارے شرارت بھرے جملے پر انہوں نے اپنی اسی دلکش ہنسی کے ساتھ ہمیں دیکھا۔

نیلو فر عباسی ؎..... "عباسی صاحب بہت پریکٹیکل انسان تھے۔ رو میٹھک نہیں تھے بس جو کہنا ہوتا وہ سیدھے سادے انداز میں کہہ دیتے انہوں نے کوئی ایسی بات نہیں کی جس کی وجہ سے مجھے بلاوجہ شرمانا پڑتا۔ خیر پھر وہ تمام معاملات جو بڑوں کے درمیان طے ہوتے ہیں ہونے کے بعد میری شادی کی تاریخ طے ہو گئی۔"

..... واہ بھئی یہ تو اچھی بات ہوئی کہ کوئی ظالم سماج درمیان میں نہیں آیا۔ اچھا نیلو جی اب ہم اپنے قارئین کے ساتھ آپ کی شادی میں شرکت کرنا چاہیں گے، ذرا ہمیں شروع سے اپنی شادی کی تفصیل تو بتائیں؟ ہماری فرمائش نے جیسے انہیں ایک بار پھر ان حسین یادوں میں لوٹا دیا جو ایک لڑکی کی زندگی کا سب سے قیمتی اثاثہ ہوتی ہیں۔

نیلو فر عباسی ؎..... "میری شادی 2 دسمبر

1973ء کو بہت دھوم دھام سے ہوئی تھی اور اس میں

میرے دوستوں، رشتے داروں کے علاوہ شوہر کی دنیا کے ستاروں نے بھی حق دوستی نبھایا۔ اس زمانے میں پاکستان ٹیلی ویژن کے علاوہ کوئی اور چینل نہیں تھا لیکن ہر اخبار نے شادی کی خبر تفصیل سے شائع کی۔ شام کے اخبارات ڈیلی نیوز اور اشار تقریباً روز ہی شادی کے بارے میں کوئی نہ کوئی خبر ضرور لگاتے تھے اور یوں سب ہی لوگوں کو شادی کی تاریخ اور جگہ کا علم ہو ہی گیا۔

◆..... او ہو پھر تو، بن بلائے مہمانوں کا ہجوم ہو گیا ہوگا؟ ہمارے منہ سے بے اختیار نکلا۔

نیلو فر عباسی ◆..... ”ایسا ویسا“ وہ ہنستے ہوئے بولیں۔ ”یہ

میں تمہیں آگے چل کر بتاؤں گی۔ بہر حال شادی سے سات آٹھ دن پہلے ہی سے گھر میں شادی کی رونمائی اتر آئی تھیں۔ مہمانوں سے گھر بھر اہوا تھا می نے ان سارے دنوں میں شاندار مہمان نوازی کی۔ ناشتے سے لے کر دونوں وقت کے کھانے کا اہتمام وہ اس طرح کرتیں کہ ہر بار کا کھانا ایک دعوت کے مانند لگتا۔ میرے ماموں نے بھی اپنے دفاتروں سے دس، دس دن کی چھٹیاں لے لی تھیں۔ ہر شام معین اختر، طلعت حسین، گلگیر، جشید انصاری، زینت یاسمین، ذہین طاہرہ، عشرت ہاشمی، قربان جیلانی اور دیگر بہت سارے مشہور ٹی وی آرٹسٹ بہت مصروف ہونے کے باوجود ہمارے گھر جمع ہوتے۔ شادی بیاہ کے گیت گائے جاتے، ہنسی مذاق، قہقہوں سے گھر گونجا کرتا۔ روشنی بھی اپنی دوستوں کے ساتھ ہنگامہ چھائے

رکھتی۔ کزنز کی اپنی ٹولی تھی غرضیکہ تم سوچ نہیں سکتیں کہ گھر میں کتنی رونق اور ہنگامہ چھا رہتا تھا۔ اتنے سال گزر چکے ہیں لیکن ان یادگار لمحات اور سب لوگوں کی محبت اور خلوص کی گرمی آج بھی ویسے ہی محسوس ہوتی ہے۔ ”نیلو جس طرح ان دنوں کا نقشہ کھینچ رہی تھیں ہم تو جیسے اس میں بالکل ہی گم ہو گئے تھے۔

◆..... اچھا نیلو جی ذرا یہ تو بتائیں کہ آپ کی شادی کا جوڑا کیسا بنا؟

نیلو فر عباسی ◆..... ”شادی کا جوڑا سرخ رنگ کا تھا جس پر بہت نفیس گوٹے کا کام تھا اور ویسے کا جوڑا چٹاپٹی کا تھا اور یہ دونوں میری ممانی نگہت ارشد نے خود تیار کیے تھے کیونکہ بہترین سلائی کرنے میں ان کا کوئی ثانی نہیں تھا۔“

◆..... اور بھئی آپ کے دولہا میاں نے اس



دن کیا پہناتا تھا کچھ یاد ہے آپ کو؟ ہمارے سوال پر ایک شوخ سی مسکراہٹ ان کے لبوں پر بکھر گئی۔

نیلو فر عباسی ❖..... ”تم یاد کا کیا کہہ رہی ہو ان کا وہ روپ تو میری آنکھوں میں بسا ہوا ہے۔ انہوں نے ڈارک براؤن ڈبل بریسٹ کا سوٹ پہناتا تھا اور پگڑی میں بڑا سا چمکدار بروج ٹنکا ہوا بہت اچھا لگ رہا تھا۔ ان پر بڑا روپ چڑھا تھا دو لہا بن کر۔“ نیلو جی بڑے جذب سے تعریف کر رہی تھیں اسے شریک سفر کی۔ ”ارے ہاں یہ تو میں بتانا ہی بھول گئی کہ جب میری شادی کے کارڈ بھیجے جا رہے تھے تو اچانک ہی کسی نے مجھ سے پوچھ لیا کہ میں نصرت بھٹو کو کارڈ نہیں بھیج رہی کیا؟ میں نے ہنس کر کہا۔ ان کو کارڈ بھیجنے کا کیا فائدہ وہ خاتون اول ہیں، وزیراعظم کی بیگم ہیں بھلا وہ میری شادی میں کیوں آئیں گی لیکن میری کزن کا کہنا تھا کہ وہ تمہاری بہت بڑی فین ہیں، تمہیں گورنر ہاؤس میں بھی انوائٹ کیا تھا اور کتنا خوش ہوئی تھیں تم سے مل کر تو بھلا کارڈ بھیجنے میں کیا حرج ہے اور یوں ایک کارڈ پر خاتون اول کا نام اور پرائم منسٹر ہاؤس اسلام آباد لکھ کر بھیجے جانے والے کارڈوں میں رکھ دیا گیا۔“

❖..... اچھا پھر کیا وہ آئیں؟ ہم نے دلچسپی سے پوچھا۔

نیلو فر عباسی ❖..... ”ہاں خلاف توقع وہ اچانک ہی آگئیں۔ اصل میں جب پرل کا تعلق نیشنل کے کرے میں پاکستان ٹی وی کے سینئر میک اپ آرٹسٹ گوہر انوار میرا میک اپ کر رہے تھے تو مجھے برابر یہ اطلاعات مل رہی تھیں کہ ہال میں لوگوں کی تعداد بڑھتی جا رہی ہے اور میکوٹ نیجر می، ڈیڈی سے بار، بار پوچھ رہے تھے کہ پانچ سو مہمان ہی آئیں گے ناں..... حالانکہ اتفاق سے اس دن پٹرول کی عدم فراہمی کی وجہ سے رکشا، ٹیکسی سب بند تھے اور پٹرول کی قیمتیں بڑھ جانے کی وجہ سے ہڑتال بھی تھی لیکن پھر بھی مہمان تھے کہ انڈے پڑ رہے تھے۔ ہوٹل مینجمنٹ کی حالت اس وقت مزید خراب ہو گئی جب ان کے پاس فون آیا کہ

ماہنامہ پاکیزہ ﴿ 254 ﴾ ستمبر 2016ء

خاتون اول بیگم نصرت بھٹو خصوصی طور پر شرکت کے لیے تشریف لا رہی ہیں۔ کسی کو یقین ہی نہیں آ رہا تھا کہ محض ایک سادہ سا انویشن کارڈ اتنی اہم شخصیت کو شادی میں شرکت کرنے کے لیے لے آئے گا۔ حالانکہ وہ لاہور میں تھیں اور اپنی مصروفیات ترک کر کے کراچی تقریب میں شرکت کرنے پہنچی تھیں۔ میں جب دوستوں اور کزنز کے ہمراہ کمرے سے ہال میں جانے کے لیے نکلی اور لابی میں لفٹ کا دروازہ کھلا تو حیران رہ گئی۔ ہوٹل کے کارڈ ور لوگوں سے کچھ کھینچ بھرے ہوئے تھے اور مجھے ہال میں پہنچنے کے لیے راستہ نہیں مل رہا تھا۔“

❖..... یہ سب دیکھ کر آپ نروس تو نہیں ہوئیں؟ تصور کی آنکھ سے وہ منظر خود بخود ہمیں بھی نظر آ رہا تھا تبھی یہ سوال پوچھ بیٹھے۔

نیلو فر عباسی ❖..... ”ارے نہیں، زرق برق لباس میں ملیں وہ سب مہمان چہرے پر بے پناہ خوشی سجائے جس پیار سے دیکھ کر رہے تھے وہ مجھے بہت اچھا لگا تھا۔ ہال میں پہنچنے کے کچھ ہی دیر بعد بیگم نصرت بھٹو کی آمد نے ہال میں ایک بار پھر ہلچل مچادی۔ مجھے آج بھی ان کی ساڑھی کا کلر یاد ہے جو انگریزی رنگ کا تھا۔ بالوں کا جوڑا بنائے خوب صورت ساڑھی میں وہ بہت گریس فل لگ رہی تھیں۔ ان کو سیدھا اسٹیج پر لا کر ہم دونوں کے ساتھ بٹھا دیا گیا۔ انہوں نے مجھے فیروزے سے جڑی سونے کی انگوٹھی گفٹ کی اور ساتھ ہی اپنے اور ذوالفقار علی بھٹو کے ساتھ پرائم منسٹر ہاؤس میں اسلام آباد میں ڈنر کی دعوت کا کارڈ بھی دیا۔“

❖..... واہ بھئی نیلو جی آپ کی شادی تو کسی شہزادی کی شادی سے کم نہیں لگ رہی۔ ایسی شہرت اور عزت ہر کسی کو نصیب نہیں ہوتی۔ ہم واقعی دل سے معترف ہو رہے تھے۔

نیلو فر عباسی ❖..... ”بس رضوانہ یہ میرے اللہ کا کرم ہے، شادی کے اگلے دن ولیمہ تھا جو بیچ لگوری ہوٹل میں تھا۔ ویسے کے دن منظور جمال جو نہ صرف



بات پر وہ بے ساختہ ہنس دیں۔  
 نیلو فر عباسی ؎ ..... شادی کے ایک ہفتے بعد ہم  
 لوگ اسلام آباد چلے گئے اور پھر وہاں سے مری  
 جہاں ڈاک بنگلا چک کر وارکھا تھا لیکن رضوانہ وہ ڈاک  
 بنگلا کم اور بھوت بنگلا زیادہ لگ رہا تھا، بہت ویران سا  
 اور ڈروانا سا لگ رہا تھا۔ عباسی صاحب نے فوراً ہی  
 مال روڈ پر واقع مرحبا ہوٹل میں شفٹ ہونے کا فیصلہ  
 کر لیا۔ وہاں بے حد حسین وقت گزرا۔ ہم لوگ ایک  
 ریسٹورنٹ میں کھانا کھانے گئے اور چکن کڑا ہی منگوائی  
 لیکن پیر اس کے ساتھ فورمہ، بریانی اور سیخ کباب بھی  
 لے آیا۔ ہم لوگوں نے کہا ہم نے یہ آرڈر نہیں کیا تھا  
 تب منیجر صاحب خود اٹھ کر ہمارے پاس آئے۔ عباسی  
 صاحب سے ہاتھ ملایا اور کہا کہ سر یہ ہماری طرف سے  
 آپ کی شادی کی خوشی میں ہے۔ ہر اخبار اور رسالے  
 میں ہماری شادی کی تصویریں چھپی تھیں۔ جگہ، جگہ  
 لڑکیاں اور خواتین ہمیں روک، روک کر مبارک باد  
 دیتیں۔ ہم تین دن مری میں ٹھہرے اور ان تین دنوں  
 کے حسین رنگ میری زندگی سے کبھی نہیں نکل سکتے۔  
 مری سے واپسی پر اسلام آباد اور پنڈی میں دوستوں کی  
 جانب سے بے شمار دعوتیں ہماری منتظر تھیں۔ وہاں پر

ریڈیو پاکستان کے اسٹاف آرٹسٹ ہیں بلکہ کمرشل شووز  
 کروانے والے سب سے بڑے آرگنائزر بھی تھے  
 انہوں نے شاندار پروگرام ترتیب دیا۔ جس میں ایم  
 افرایم، نگہت سیما اور تاج ملتانی نے خوب رنگ جمایا۔  
 منی بیگم اس زمانے میں نئی، نئی آئی تھیں۔ لیکن  
 انہوں نے بھی اپنی غزلوں سے مہمانوں کو بہت محظوظ  
 کیا۔ اسماعیل نادر اور صلاح الدین طوفانی کے مزاحیہ  
 خاکوں سے بھی سب بہت لطف اندوز ہوئے اور یوں  
 میری شادی اور ویسے کی تقریبات اپنے اختتام کو پہنچیں  
 اور قمر علی عباسی ہمیشہ کے لیے میری زندگی میں شامل  
 ہوئے۔ نیلو نے مسکراتے ہوئے شادی کے خوب  
 صورت چھپڑ کا اختتام کیا۔

◆..... واہ نیلو جی آپ کے افسانے میں اس  
 افسانوی سی شادی کو ہمارے قارئین یقیناً انجوائے  
 کر رہے ہوں گے لیکن یہاں پر ہیرو ہیروئن کی شادی  
 پر افسانے کا اینڈ نہیں ہوگا بلکہ اصل کہانی تو اب شروع  
 ہوگی جسے عام فہم میں پریکٹیکل لائف کہا جاتا ہے لیکن  
 اس سے پہلے یہ بتائیں کہ آپ لوگ ہنی مون کے لیے  
 کہاں گئے تھے؟ بھی اتنے رومیٹک ماحول سے ایک  
 دم پریکٹیکل لائف میں نہیں جایا جاسکتا نا..... ہماری

## یہ شمارہ پاک سوسائٹی ڈاٹ کام نے پیش کیا ہے

### پاک سوسائٹی خاص کیوں ہیں:-

ہائس کو الٹی پی ڈی ایف  
ایڈ فرس لنکس  
ایک کلک سے ڈاؤن لوڈ  
ڈاؤن لوڈ اور آن لائن ریڈنگ ایک پیج پر  
کتاب کی مختلف سائزوں میں اپلو ڈنگ  
ناولز اور عمران سیریز کی مکمل ریجنج

Click on <http://paksociety.com> to Visit Us

<http://fb.com/paksociety>

پاک سوسائٹی کو فیس بک پر جوائن کریں

<http://twitter.com/paksociety1>

پاک سوسائٹی کو ٹویٹر پر جوائن کریں

<https://plus.google.com/112999726194960503629>

پاک سوسائٹی کو گوگل پلس پر جوائن کریں

ہمیں وزٹ کرنے کے لئے ہمارا ویب ایڈریس براؤزر میں لکھیں یا گوگل میں پاک سوسائٹی تلاش کریں۔

اپنے دوست احباب اور فیملی کو ہماری ویب سائٹ کا بتا کر پاکستان کی آن لائن لائبریری کا ممبر بنائیں۔

اس خوبصورت ویب سائٹ کو چلانے کے لئے ہر ماہ کثیر سرمایہ درکار ہوتا ہے، اگر آپ مالی مدد کرنا چاہتے ہیں تو ہم سے فیس

بک پر رابطہ کریں۔۔۔

ہمیں فیس بک پر لائک کریں اور ہر کتاب اپنی وال پر دیکھنے کے لئے امیج پر دی گئی ہدایات پر عمل کریں:-

**Dont miss a singal one of your Favourite Paksociety's Update !**

- i. Open Paksociety Page.
- ii. Click Liked.
- iii. Select Get Notifications.
- iv. Select See First.

All Done

Like Message

Get Notifications  
Add to Interest Lists...

Unlike

IN YOUR NEWS FEED

See First  
See new posts at the top of News Feed

Default  
See posts as usual

Unfollow

بھی بے حد پُر لطف وقت گزرا۔ میں سوچتی ہوں کاش ہم وقت کو ری وائینڈ کر سکتے۔“

◆..... آپ ٹھیک کہہ رہی ہیں نیلو جی لیکن اگر یہ انسان کے بس میں ہوتا تو پھر سب اپنے پسندیدہ وقتوں میں رہتے۔ دکھ نام کی کوئی چیز اس دنیا میں نہ ہوتی۔ خیر اب ہم اپنے افسانے کو آپ کی شادی کے بعد کی گھریلو زندگی کی طرف موڑتے ہیں۔ نئے لوگ، نئے گھر میں ایک اجنبی کو بالکل اپنا بنانے کے بعد زندگی کیسی لگ رہی تھی؟ ہماری بات پر انہوں نے مسکراتے ہوئے اثبات میں سر ہلایا۔

◆..... نیلو فر عباسی ”رضوانہ ایک عورت کی سب سے بڑی خوش نصیبی یہ ہوتی ہے کہ اسے ایک اچھا شریک سسر ملے۔ قر علی عباسی نے مجھے جس چاہ سے اپنایا تھا، اس کا بھرم انہوں نے ہمیشہ قائم رکھا۔ مجھے ان سے کبھی کوئی شکایت نہیں ہوئی۔ وہ بہت اچھے شوہر اور بہترین انسان تھے۔ کسی بات کو کبھی انا کا مسئلہ نہیں بنایا۔ وسیع القلب اور وسیع النظر انسان تھے۔ شادی کے بعد بھی جب مجھے ڈراموں کے لیے آفرز آرہی تھیں تو انہوں نے کبھی منع نہیں کیا۔ میں اگر مشہور آرٹسٹ تھی تو وہ بہت مشہور مصنف تھے۔ جن کے کریڈٹ پر پی وی کے مشہور سیریل بہت سے ڈرامے ریڈیو پر بے شمار پروگرام۔ مشہور کالم نگار و بہترین سفر نامہ نگار تھے۔ تمنّۃ امتیاز کے علاوہ بہترین ادب کا خصوصی ایوارڈ اے پی این ایس ایوارڈ اور دوسرے کئی ایوارڈ کے مالک تھے وہ۔“ اپنے شوہر کی کامیابیوں کا ذکر کرتے ہوئے فخر کا احساس ان کے چہرے سے عیاں تھا۔

◆..... آپ بہر حال اپنے ڈراموں اور سیریلز کی وجہ سے سب کی بے حد پسندیدہ آرٹسٹ تھیں تو عام شوہروں کی طرح وہ جلیسی تو نہیں قیل کرتے تھے؟ ہم نے تھوڑا چبھتا ہوا سوال کیا۔

◆..... نیلو فر عباسی ”ارے بالکل نہیں میں نے بتایا نا کہ ان میں حسد اور عناد قسم کی کوئی چیز نہیں تھی۔

ماہنامہ پاکیزہ ﴿ 256 ﴾ ستمبر 2016ء

شادی کے فوراً بعد حسینہ معین اور پروڈیوسر حسن علی ایک اسکرپٹ ”گڑیا“ کے نام سے لے کر آئے۔ یہ بڑا خوب صورت اور اثر انگیز ڈراما تھا لیکن میں نے صرف اس لیے انکار کر دیا کیونکہ اس میں ایک عورت شادی کے بعد جلدی بیوہ ہو جاتی ہے اور اپنی چھوٹی سی بچی کو تنہا پالتی ہے اور میرا دل ہی نہیں مانا کہ شادی کے بعد پہلے ڈرامے میں بیوہ کا رول کروں۔ قمر نے مجھے سمجھایا کہ یہ محض ڈراما ہے یقیناً جانوان کی پوری کوشش یہی تھی کہ میں یہ ڈراما کروں لیکن میں نہیں مانی.... وہ بے حد وسیع القلب اور وسیع النظر انسان تھے لیکن میری ہمیشہ خود یہ کوشش رہی کہ میں ان کے پیچھے رہوں۔ ہماری کامیاب شادی کی ایک بڑی وجہ یہ بھی ہے کہ ہم کبھی ایک دوسرے کے متبرقہ مقابل نہیں آئے۔“

◆..... اچھا نیلو جی بائی بیچر کیا وہ رومیٹک تھے؟ اتنے اچھے رائٹر بھی تھے یقیناً خوب صورت ڈائیلاگز آپ کی فکر کرتے ہوں گے؟ نیلو فر عباسی ”..... نہیں رضوانہ وہ بالکل رومیٹک نہیں تھے بلکہ دوسرے الفاظ میں بہت پریکٹیکل انسان تھے۔ چاہت سے شادی کی تھی چھٹی تو میری چھوٹی، چھوٹی سی خوشیوں اور پسندنا پسند کا ہمیشہ بے حد خیال رکھا لیکن رومیٹک ہونا انہیں نہیں آتا تھا۔“ وہ ہمیشہ ہی ہنس دین۔ ”انہیں میں سادگی میں اچھی لگتی تھی۔ شادی کے کچھ عرصے بعد ایک بار کسی تقریب میں جانے کے لیے میں نے اچھا سا میک اپ کیا اور کانوں میں بڑی، بڑی سی بجلیاں پہن لیں۔ جب میں تیار ہو کر ان کے سامنے آئی تو ایک نظر مجھ پر ڈال کر پوچھا کہ ”آپ ایسے جائیں گی؟“ میں نے بھی حیرت سے سوال کیا کہ ”کیا مطلب؟“ وہ بولے ”اتنی بڑی، بڑی بجلیاں پہن کر جائیں گی؟“

بس اس دن کے بعد سے میں ہمیشہ ان کی پسند کے مطابق تیار ہوتی تھی۔ مجھے مہندی بے حد پسند تھی لیکن انہیں پسند نہیں تھی اس لیے میں نے کبھی مہندی نہیں لگائی۔ رضوانہ ان کی بے پناہ چاہت کے سامنے



◆..... سچ نیلوجی واقعی قمر علی عباسی صاحب کا یہ روپ بھی بہت خوب صورت اور مثالی تھا۔ ذرا یہ تو بتائیں کہ کھوسنے پھرنے کے بھی شوقین تھے وہ؟ ہمارے سوال پر ایک بار پھر ان کی آنکھیں جگمگائیں۔ نیلوفر عباسی ◆..... ”بالکل تھے خاص طور پر میری وجہ سے انہوں نے فلمیں بھی دیکھنا شروع کر دی تھیں۔ اس زمانے میں ایک عرشی سینما ہوا کرتا تھا۔ یہاں ہم لوگ اکثر فلم دیکھنے جایا کرتے تھے۔ عرشی سینما کے اوپر ایک اور چھوٹا سا سینما بھی بنا ہوا تھا۔ کبھی کبھی ہم لوگ ”سٹی شو“ دیکھنے کے بعد اوپر جا کر چھ بجے والا شو بھی دیکھ لیا کرتے تھے۔ ایک فلم اشار نیلوی کی پنجابی فلم خطرناک جب گئی تو وہ فلم دیکھنے کو میرا دل چاہنے لگا لیکن مشکل یہ تھی کہ سب کہہ رہے تھے کہ خواتین کے لیے یہ فلم مناسب نہیں لیکن میرا دل چاہنے کی وجہ سے عباسی صاحب مجھے وہ فلم دکھانے لے گئے۔ ہال میں ایک بھی عورت نہیں تھی لیکن مجھے اطمینان تھا کہ میرے ساتھ قمر علی عباسی ہیں۔ لیکن اتفاق دیکھو کہ انٹروں میں کچھ لوگوں کے درمیان جھڑا ہو گیا۔ میں تو ڈر ہی گئی اور میرے کہنے پر ہم لوگ بس آدمی فلم دیکھ کر ہی واپس آ گئے۔ سچ رضوانہ آج میرا دل چاہ رہا ہے کہ میں قمر علی

یہ سب چیزیں ثانوی تھیں۔ مجھے بیٹھا اب تک بے حد پسند ہے۔ وہ روز فریسکو سے میرے لیے مٹھائی لے کر آتے۔ مجھے گڑیوں کا کرپز تھا شادی کے بعد بھی یہ کرپز قائم رہا اور قمر علی عباسی نے میرے اس شوق کی تکمیل کچھ اس طرح کی کہ جس ملک بھی جاتے وہاں سے میرے لیے ایک گڑیا کالانا بھی لازمی ہوتا۔ میرے پاس ہر ملک کی گڑیا موجود تھی۔ مجھے کرشن چندر اور فیض پسند ہیں اور ان کا بہترین کلکیشن بھی قمر علی عباسی کی وجہ سے ہی میرے پاس موجود ہے۔ ”شوہر کی محبت ایک پھوار بن کر جیسے ان کے سارے وجود کو بگور ہی گئی اور ہم بہت خاموشی سے ان کی خوب صورت یادوں میں ان کے ساتھ، ساتھ چل رہے تھے۔ ”شادی کے فوراً بعد مجھے پاکستان نیشنل سینٹر کی ریڈیڈنٹ ڈائریکٹر کی جاب کی آفر ہوئی۔ یہ ایک بہت اہم پوسٹ اور بہت بڑی ذمے داری تھی لیکن قمر علی عباسی نے قدم، قدم پر میرا ساتھ دیا۔ اس کے علاوہ ڈرامے بھی کبھی کبھار کرتی رہی۔ حسینہ معین کے لکھے ہوئے سیریل رومی میں بھی اس شرط پر کام کیا کہ مغرب کے بعد میں بالکل شوٹ نہیں کروں گی اور ان سب چیزوں میں بھرپور تعاون میں میرا ساتھ دیا۔“

میٹ تھے اس وقت ہمیں یہاں سے جانا پڑا۔ یہ مارچ 1999ء تھا جب امریکا جانے کا فیصلہ فائل ہو گیا۔

◆..... نیلو جی ایک لمحے کو خاموش ہو گئیں۔

ماحول پر ایک سکوت سا طاری تھا۔ ہمیں ایسا محسوس ہو رہا تھا... جیسے ابھی ان کی کہانی کا انٹروال ہوا ہے اور اس کے بعد ان کی کہانی کا نیا رخ ہمارے سامنے آئے گا۔ بھی کچھ پوچھے بنا ہم ان کے بولنے کے منتظر تھے۔

نیلو فرعباسی ◆..... ”رضوانہ اپنی یادوں کے البم میں جب میں جھانکتی ہوں تو اس دن کی تصویر جب ہم کراچی کے انٹرنیشنل ڈیپارچر لائونج میں بیٹھے اپنی فلائٹ کا انتظار کر رہے تھے اپنی پوری جزیات کے ساتھ میری آنکھوں کے سامنے آ جاتی ہے۔ دل بہت بوجھل ہو رہا تھا۔ کراچی نے مجھے وہ سب کچھ دیا جو میں نے اپنے رب سے مانگا۔ خوشیوں کے کامیابیوں کے دن، وہ ہنستے مسکراتے لمحات جیسے مجھے حیرت سے دیکھ رہے تھے لیکن ہمیں اب سب کچھ چھوڑ کر یہاں سے جانا تھا۔ ہم لوگ 1991ء میں پہلی بار امریکا جب گھومنے پھرنے گئے تھے تو اس وقت دل کتنا خوش تھا۔ سب نے بے حد آؤ بھگت کی تھی۔ خاطر مدارات کی حد ختم کر دی تھی۔ ایک خوشی اور سرشاری میں وقت گزرا تھا ہمارا۔ اب ہم لوگ مستقل طور پر وہاں شفٹ ہو رہے تھے تو دل ہزار و سوسوں کی آماجگاہ بنا ہوا تھا کہ اب تو رہنا ہی وہیں ہے۔ مصروف شہر الگ سی زندگی سب لوگ اپنی جاب میں بڑی بھلا کس کے پاس ہمارے لیے وقت ہو گا مگر آفرین ہے الہی نیویارک پر کہ انہوں نے قمرعلی عباسی کی ایسی پزیرائی کی اتنی عزت اور محبت دی جو کہ بے مثال تھی۔ ہر ویک اینڈ پر ان کے لیے تقریبات ہوتیں، ماشاء اللہ ہر تقریب کی صدارت قمرعلی عباسی کے ہی ذمے ہوتی تھی حتیٰ کہ ان کا نام الہی نیویارک نے صدرعلی عباسی رکھ دیا تھا۔ بین الاقوامی مشاعرے اور اردو کانفرنس کا انعقاد ہوتا اس میں نیلو فرعباسی اور قمرعلی عباسی کی شرکت لازمی ہوتی تھی۔ ہم جو کراچی سے چلتے وقت سوچ رہے تھے کہ یہاں کی

عباسی کی بس باتیں کرتی ہی چلی جاؤں۔“

◆..... ہاں، ہاں نیلو جی ان کی باتوں سے ہی تو یہ افسانہ دلکش ہوتا جا رہا ہے۔ آپ کی خوب صورت یادیں یقیناً قارئین کو بھی مسحور کر رہی ہوں گی۔ ہم نے ہنس کر کہا۔

نیلو فرعباسی ◆..... ”اللہ کرے ایسا ہی ہو۔ یہ یادیں میری زندگی کا سب سے قیمتی سرمایہ ہیں پھر میرے آنگن میں تین پھول ٹوبیہ، وجاہت اور ماریہ کے روپ میں کھلے تو زندگی مزید خوب صورت ہو گئی۔ پیار کرنے والا شوہر تین محبت کرنے والے فرمانبردار بچے مجھے ایسا محسوس ہوتا جیسے مجھے دنیا میں ہی اللہ نے جنت دے دی ہو۔ میری بیٹی ٹوبیہ 24 جولائی کو پیدا ہوئی۔ وجاہت 20 جولائی اور ماریہ 30 جولائی کو۔ تینوں بچوں کے دوست مشترک تھے اور سالگرہ بھی ایک ہی ماہ میں تھیں۔ سو ہم کسی ایک تاریخ پر تینوں کی برتھ ڈے بہت دھوم دھام سے کرتے۔ کیک بھی بڑے اہتمام سے بنوائے جاتے۔ خوب گیمز ہوتے مہمان بچوں کو تحفے دیے جاتے۔ قمرعلی عباسی کے دوست گلوکار مجیب عالم خوب ڈھیر سارے خوب صورت نغمے سناتے۔“ نیلو ایک جذب سے بتا رہی تھیں۔

◆..... لیکن قارئین انسان کی زندگی ایک جادوئی آئینے کے مانند منظر بدلتی رہتی ہے۔ ایسا ہی کچھ نیلو اور قمرعلی عباسی کے ساتھ بھی ہوا جو ہمیں نیلو بتا رہی تھیں آپ بھی سنیں۔

نیلو فرعباسی ◆..... ”یہ فیکٹ ہے کہ انسان کو ایسے اتار چڑھاؤ کا سامنا کرنا پڑتا ہے جس کے بارے میں کبھی اس نے سوچا بھی نہیں ہوتا، میں نے بھی کبھی نہیں سوچا تھا کہ ہماری فیملی کو کبھی یوں اچانک اپنا وطن چھوڑ کر امریکا شفٹ ہونا پڑے گا۔ بس عباسی صاحب کی ریٹائرمنٹ کے بعد کچھ حالات ایسے ہوئے کہ عباسی صاحب کی جان کو خطرہ ہوا زیادہ تفصیلات میں جائے بغیر اتنا کہتی ہوں کہ جب بچے ہمارے یہاں



روقیں محفلین دوست احباب، عزیز واقارب  
سب ہم سے چھوٹ جائیں گے نیویارک  
میں بھلا ہماری کیا مصروفیات ہوں گی تو اللہ کا  
احسان ہے کہ وہاں ہمیں سر کھجانے کی بھی  
فرصت نہیں مل رہی تھی۔ ماشاء اللہ بچوں کو بھی  
بہت اچھی جاب مل گئی۔ ماریہ نے کالج میں  
داخلہ لے لیا۔ ٹوبیہ بینک میں ہو گئی اور  
وجاہت کو اسٹیٹ کی جاب مل گئی۔ اللہ تعالیٰ  
نے کسی مشکل سے دوچار نہیں کیا۔ میں نے دو  
سال تک پاکستانی کیونٹی کے لیے ٹی وی شو  
Good morning Pakistan

بھی کیا۔ زندگی پھر سے جیسے خوب صورت  
راستوں پر گامزن ہو گئی اور پھر ہم جب  
بھی یہاں آتے دوست احباب اسی طرح  
محبت عزت اور پیار دیتے۔ لیکن رضوانہ  
زندگی اچھی گزرتی رہی کہ میری زندگی کا

ناشتے کے بعد میں اپائنٹمنٹ پر چلی گئی۔ بیٹی ماریہ اور بہو  
ارج ان کے پاس تھیں۔ اس زمانے میں انٹرنیشن کی  
تیا ریاں ہو رہی تھیں جب میں واپس آئی تو وہ اسی سلسلے  
میں ہونے والے ڈسکشنز ٹی وی پر دیکھ رہے تھے۔  
میرے آنے کے بعد کہنے لگے میں ذرا انٹرنیٹ اخبار  
دیکھنے جا رہا ہوں۔ وہ اٹھ کر کمپیوٹر روم میں چلے گئے۔  
میں نے انہیں لے جا کر انرجی ڈریک دی۔ اخبار پڑھ  
کر وہ اپنے کمرے میں جانے لگے۔ بیڈ روم سے ذرا  
فاصلے پر لابی میں وہ اچانک اپنا بیلیٹس کھونے لگے۔  
میں گھبرا کر چیخی۔ ”کیا ہوا، کیا ہوا؟“ میری آواز سن کر  
چکن سے ماریہ اور ارج بھاگتے ہوئے آئے اور انہوں  
نے ان کو پکڑ کر بستر پر لٹا دیا۔ ماریہ نے فوراً 911 کو  
کال کیا یہ پورے امریکا میں ایمرجنسی نمبر ہے کسی بھی  
مشکل وقت میں مدد کے لیے اس پر کال کی جاتی ہے۔  
911 والوں نے فون پر ہی بیٹی کو ہدایات دینی شروع  
کر دیں۔ کس طرح سینے پر دباؤ ڈال کے آرٹیفشل  
سانس دینی ہے۔ تین منٹ کے اندر ایمبولینس

ایک بہت بڑا امتحان میرا منتظر تھا۔ ایسا امتحان جس  
کے بارے میں کبھی میں نے سوچا بھی نہیں تھا۔“  
انہوں نے ایک گہری سانس لے کر ہماری جانب  
دیکھا۔

◆..... ہم جانتے تھے کہ وہ اب کیا بتانے جا رہی  
ہیں، ماحول میں ایک عجیب سی ادا سی آئی۔ جانتے  
تھے کہ افسانے کے آخر میں یہ تکلیف دہ ذکر ضرور آئے  
گا۔ نیلوجی پوچھنے کا نہ دل چاہ رہا ہے اور نہ ہمت ہو رہی  
ہے لیکن پھر بھی آپ کو اپنا افسانہ تکمیل تک تو پہنچانا ہی  
سے ناں.....؟ ہم نے دھیمے سے کہا تو انہوں نے  
آنکھوں میں آئی نمی کو چھپاتے ہوئے اثبات میں سر  
ہلایا۔

نیلوفر عباسی ◆..... ”وہ تیس اپریل 2013ء کا  
دن تھا۔ میری صبح ساڑھے آٹھ بجے Dentist سے  
اپائنٹمنٹ تھی۔ قر علی عباسی نے مجھ سے کہا کہ ابھی ابھی  
آپ کی reminder call آئی ہے جلدی سے  
تیار ہو جائیں۔ پھر ہم دونوں نے ساتھ ناشتا کیا۔

رات، میں اور میرا بیٹا و جاہت ان کے پاس تھے کہ انہیں دوسرا cardiac arrest ہو گیا۔ پھر سب کچھ صفر ہو گیا۔ دوبارہ انہیں آئی سی یو میں شفٹ کر دیا گیا۔ میری بیٹیاں ثوبیہ، ماریہ، بہوارج داماد ذکا، میں اور میرا بیٹا و جاہت سب ان کے کمرے کے باہر کھڑے دل و جان سے دعائیں مانگنے میں مصروف تھے۔ ساری رات اسی طرح گزری۔ صبح طلوع ہوئی مگر وہ ہماری امیدوں کی صبح نہیں تھی۔ بہت مشکل وقت تھا۔ ڈاکٹر زپوری کوشش کر رہے تھے خاص طور سے ڈاکٹر حسین خواجہ۔ یہ ایک پاکستانی ڈاکٹر تھے جو ہر لمحے عباسی صاحب کے ساتھ تھے اور پھر..... نرسنگ ہیڈ شیرن میرا ہاتھ پکڑ کر کمرے میں لے گئی اور بولی۔ ”وہ جا رہا ہے اب اس کو کوئی نہیں روک سکتا جاؤ اور اس کا ہاتھ پکڑ کر دل سے اسے گڈ بائی کہہ دو۔“ نیلو کی آواز آنسوؤں میں ڈوب گئی۔ قارئین اس وقت ان کا دروچھے ہمیں اپنے دل میں اترتا ہوا محسوس ہو رہا تھا۔ ایک انسان کے لیے بے بسی کی کتنی بڑی انتہا ہوتی ہے کہ موت اس کی آنکھوں کے سامنے اس کے پیارے کو لیے جا رہی ہوتی ہے اور وہ سوائے ہاتھ ملنے کے کچھ نہیں کر سکتا۔ ہم نے اپنے آنسو روکتے ہوئے نیلو کی طرف دیکھا جو کہہ رہی تھیں ”پھر میرا ہم سفر جو میری زندگی تھا ہمیشہ کے لیے مجھے تنہا چھوڑ گیا۔ وہ قمر جو میرے بچوں کا اور میرا چاند، سورج سب ہی کچھ تھا ہمیشہ کے لیے ڈوب گیا۔“

خیال و خواب ہوا برگ و بار کا موسم  
 چھڑ گیا تیری صورت بہار کا موسم“  
 قارئین کرام نیلو فرسیت ہم سب بے حد جذباتی اور افسردہ ہو گئے تھے مگر پھر اس سوچ کے ساتھ محفل برخاست ہوئی کہ جانے والوں کا دکھ تو بے شک کم نہیں ہوتا مگر ان کی خوشگوار یادوں کے ساتھ پیچھے رہ جانے والوں کے لیے زندگی کا بقیہ سفر کچھ آسان ہو جاتا ہے۔

☆☆☆

دروازے پر تھی۔ سیکنڈوں میں انہیں مسہری سے اتار کر نیچے کارپٹ پر لٹا کر آکسیجن لگا کر سانس بحال کرنے کی کوششیں شروع ہو گئیں پھر فوراً انہیں ایمرجنسی میں لے جایا گیا۔ بیٹا و جاہت اور داماد سب اسپتال پہنچ گئے۔ بڑی بیٹی ثوبیہ کی حالت خراب ہو رہی تھی۔ بڑا ہی تکلیف دہ اور کڑا وقت تھا وہ ہمارے لیے waiting area میں خاموش آنسوؤں کے ساتھ صدقِ دل سے ان کی زندگی کی دعائیں مانگی جا رہی تھیں۔ پھر ڈاکٹر نے آکر بتایا کہ ان کی اپنی سانس اور ہارٹ بیٹ بحال ہو گئی ہے آپ لوگ انہیں دیکھ سکتے ہیں۔ ہمیشہ چپکنے والے ڈھیروں باتیں کرنے والے قمر علی عباسی ساکت اور خاموش لیٹے تھے۔ ان کو اڑتالیس منٹ تک آبزرویشن میں رہنا تھا۔ یہ اڑتالیس گھنٹے ہمارے لیے قیامت سے کم نہیں تھے۔ دعاؤں کا لامتناہی سلسلہ جاری تھا۔ پاکستان فون کر کے دعاؤں اور صدقے کے لیے کہا گیا پھر دعائیں رنگ لائیں انہوں نے آنکھیں کھول دیں۔ ہم نے اللہ کا لاکھ، لاکھ شکر ادا کیا انہیں cardiac arrest ہوا تھا۔ ابھی انہیں اسپتال میں رہنا تھا ہر روز مختلف ٹیسٹ ہوتے رپورٹس بہتر سے بہتر ہوتی جا رہی تھیں۔ ڈاکٹر مطمئن تھے، ایک مہینہ گزر گیا۔ یہ 30 مئی کی صبح کی بات ہے کہ ڈاکٹر نے خوشخبری سنائی کہ قمر کو یہ گھر جاسکتے ہیں۔ مگر وہ گھڑی نہیں آئی۔“ اس بات کے ساتھ ہی نیلو کی آنکھوں میں بے شمار آنسو امنڈ آئے، ان کا دکھ ہم اچھی طرح سے محسوس کر رہے تھے۔ اپنی عزیز از جان ہستی کی دائمی جدائی کو سہنا بھلا کوئی آسان کام ہے۔ اپنے آنسوؤں کو پیچھے دھکیلتے ہوئے ہم نے بو جھل آواز میں پوچھا۔

◆..... لیکن اچانک اب کیا ہو گیا تھا نیلو جی کہ وہ ڈاکٹروں کے کہنے کے مطابق گھر واپس نہیں جاسکتے تھے؟ نیلو نے رخسار پر بہتے آنسوؤں کو پونچھا اور بھرائی ہوئی آواز میں بولیں۔

نیلو فر عباسی ❖..... ”جمرات 30 مئی کی



# شادی مبارک

پاکیزہ بہنیں



## میری بہن بنی دلہن

میری پیاری بہن اریبہ حسین کی شادی بہت دھوم دھام سے 3 اپریل 2016ء کو کراچی میں ہوئی۔ جس میں ہمارے تمام رشتے دار، ملنے جلنے والے اور میری بہن کی سہیلیاں وغیرہ شریک ہوئیں۔ ہمیں بہت مزہ آیا۔ مہندی، مایوں، نکاح، بارات اور پھر ویسے کی تمام تقریبات بہت اچھی رہیں۔ مارچ کا آخر اور اپریل کا شروع تھا۔ اس لیے کراچی کا موسم بھی بہت اچھا رہا اور سب کو تیار شیار ہونے کا مزہ بھی خوب آیا۔ ہم پاکیزہ رسالہ بہت شوق سے پڑھتے ہیں اور اس کا دلہن نمبر ہمیں بہت پسند ہے، اسی لیے

کرے، الہی آمین۔

میں نے یہ چھوٹا سا احوال اپنی بہن کی شادی کی خوشی میں لکھا ہے۔ میرے بہنوئی زاہد خان بہت اچھے اخلاق کے ہیں اور ان کے گھر والے بھی سب بہت اچھے ہیں۔ اللہ میری بہن اریبہ اور بہنوئی زاہد خان کو دنیا بھر کی خوشیاں عطا کرے، آپ سب بھی دعا کیجیے گا۔ اللہ آپ کے رسالے کو ترقی دے اور اس کے ارکان کو بھی ڈھیروں خوشیاں عطا

تحریر: حراحسین، کراچی

## لاڈلا بھیا بنا دولہا

سب بہنوں کی طرح مجھے بھی اپنے پیارے بھائی کی شادی کا بہت ارمان تھا۔ شاید ہر بہن کی بچپن سے ہی یہ خواہش ہوتی ہے کہ ”ویر“ کب گھوڑی چڑھے اور ہم ”واگ پھڑائی“ اور ”راستہ

ماہنامہ پاکیزہ ﴿261﴾ ستمبر 2016ء

کے طور طریقے سے واقف ہو گئے۔ بھابی کی فیملی بہت اچھی روایات کی مالک ہے، خوش اخلاق اور بے حد مہمان نواز سب لوگ ہیں۔ اللہ کا شکر ہے کہ کسی قسم کی پریشانی یا الجھن کا سامنا نہیں کرنا پڑا کہ سب باشعور اور اعلیٰ تعلیم یافتہ گھرانوں سے تعلق رکھتے ہیں۔ 4 مارچ سے شادی کی باقاعدہ تقاریب کا آغاز ہوا جس میں دلہن کے گھر مایوں پھر ہمارے گھر مایوں اور پھر مشترکہ مہندی کی تقریب وغیرہ..... دلہن کے مایوں والے دن ہی ہم لوگ بری لے کر چلے گئے تھے۔ میلا و پاک سے تقریب کا آغاز ہوا پھر رسمیں شروع ہوئیں معصومہ بھابی کے گھر کی پہلی تقریب تھی اس لیے ان کے ہاں بیرون ملک اور دوسرے شہروں سے بھی بہت رشتے دار آئے ہوئے تھے۔ اسلام آباد کا موسم تو ہوتا ہی خوشگوار ہے مگر شادی کے پورے ہفتے بارشوں نے ساتھ نہ چھوڑا ہم سب برستی پھوار میں ہی تمام

رکائی“ کا نیک وصول کریں۔ جی ہاں وہ وقت آخر 7 مارچ 2015ء کو آ ہی گیا تھا۔ ہم چار بہن بھائی ہیں، تین بہنیں اور ایک بھائی..... دونوں بہنوں کی شادی تو ہو چکی اب بھائی کی باری تھی جس میں مجھے تو خوب انجوائے کرنا تھا کیونکہ میں اب فرسٹ ایئر میں آگئی تھی اور سجنے سنورنے کا شعور بھی آ گیا تھا سو مجھے تو بہت ہی انتظار تھا۔ مارچ 2014ء میں بھائی ”حسن علیم“ کا نکاح ہوا تھا اور شادی ایک سال بعد ہونا قرار پائی کہ بھابی کا ایم بی اے رہتا تھا اور بھائی کی ملک سے باہر جا ب تھی، ویزے کا بھی کرنا تھا۔ سو یہ ایک سال کا عرصہ دونوں طرف تیاری میں گزارا، ہماری بھابی معصومہ بہت نازک، پیاری اور بے حد ملنسار ہیں۔ نکاح کے بعد کے پورے سال میں میری ان سے کافی دوستی ہو گئی تھی۔ یوں ہم ایک دوسرے کے گھروں میں جا آ کر اور مل ملانے کے بعد کافی حد تک ایک دوسرے کی عادات اور گھروں



دولہا حسن علی اپنی دلہن معصومہ علیم کے ساتھ



دلہن عبیرین تبسم اور دولہا وقار علی (کراچی)



رالجنہ عمران چودھری (رحیم یار خان)

تقریبات میں آتے جاتے رہے۔ انتظامات چونکہ بہت عمدہ تھے اس لیے کسی قسم کی بد مزگی یا بد انتظامی نہ ہوئی۔ اسلام آباد میں بھی اب بے انتہا خوب صورت بیکنگ اور مارکیٹ وغیرہ بن گئے ہیں ورنہ پہلے تو ہوٹلز کے بال رومز اور ہالز شادیوں کے لیے بیک کروائے جاتے تھے جہاں محدود گنجائش ہوتی تھی۔

بہر حال مہندی، شادی اور ولیمہ بہترین ہوئے۔ سردی کے موسم کی وجہ سے ویلوٹ، مچل اور سلک بنا رسی سوٹوں کی ہر طرف بہا تھی۔ بارات میں ہم سب نے خاص طور پر غرارے اور شرارے سننے کا اہتمام کیا تھا۔ مہندی میں تو سب کے رنگا رنگ شوخ کپڑے تھے۔ اور سب لڑکیوں اور خواتین نے ماتھا پٹی بھی لگائی تھی جبکہ شادی کے دن ماتھے پر ٹیکوں اور جھومر کا خاص اہتمام تھا۔ سردیوں کی شادی میں گرما گرم سوپ، چائیز اور باربی کیو نے مزہ دو بالا کر دیا۔ آج کل تو ہر ایک کے ہاتھ میں کیمرا ہوتا ہے اس لیے ہر وقت الرٹ بھی رہنا پڑتا ہے کب کون کس زاویے سے تصویر کھینچ لے۔ پیاری بہنو! لکھنے کو تو اور بھی بہت کچھ ہے مگر شاید اتنی زیادہ تفصیل آنہ سکے۔ غرضیکہ تمام تقریبات میں بہت مزہ آیا، مہندی کی ایک خاص بات..... گیندے کے خوب صورت پھولوں سے سچی چھتری تھی جو میں نے اور میری کزنز نے دلہن دولہا کے اوپر باری باری تانی ہوئی تھی۔ اب مووی دیکھتی ہوں تو بہت اچھا لگتا ہے۔ چھتری کے کناروں سے لگتی گیندے کی لڑیاں بہت خوب صورت دکھائی دے رہی تھیں۔ دلہن کو مہندی کے دن ہال میں سچی سجائی ڈولی میں بٹھا کر لایا گیا تھا۔ میں چونکہ سب سے چھوٹی بہن ہوں اس لیے سب موقعوں پر آگے آگے رہی، اللہ میرے بھائی بھائی کو ہمیشہ خوش آباد رکھے، الہی آمین!

تحریر: فاطمہ حسن، اسلام آباد



# بہنوں کی محفل

مدینہ

☆ عزیز ازجان بہنو! السلام علیکم رحمۃ اللہ وبرکاتہ!.....  
☆ حمد و ستائش اس ذات کے لیے جس نے کارخانہ عالم کو وجود بخشا اور درود و سلام حضرت محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم پر جنہوں نے دنیا میں حق کا پول بالا کیا..... اللہ پاک آپ کو ہمیشہ خوش رکھے اور اپنے خزانہ غیب سے وہ سب کچھ عطا فرمائے جو آپ کے حق میں بہتر ہو..... یا الٰہی دونوں جہاں میں ازل سے ابد تک سب کی خیر ہو اور تو ہم سے ہمیشہ راضی رہے..... الٰہی آمین۔

☆☆☆

☆ پیاری بہنو! آپ یقیناً یہ حقیقت جانتی ہی ہوں گی کہ شادی ایک سو دے کی طرح ہوتی ہے۔ یہ سودا منافع کا بھی ہو سکتا ہے اور گھائے کا بھی..... اکثر ہمیں ایسی شادی کی خبریں ملتی رہتی ہیں جو بالآخر بربادی اور بد مزگی پر منتج ہوتی ہیں۔ بی بی کے حملوں اور اخبارات میں طلاقوں کی سنسنی خیز خبریں دیکھی جاسکتی ہیں جو مار پیٹ سے شروع ہو کر کل تک بھی پہنچ جاتی ہیں..... ایسے میں ایک محتاط کنوارا انہیں پڑھ کر شادی کے خیال سے ہی متنفر ہو سکتا ہے اور پھر وہ صرف ایسے ہی خواب دیکھتا ہے کہ اس کے آنے والی بیوی ہر برائی سے متبرہ ہو۔ یوں بھی آج کل کے لڑکے بھی چاہتے ہیں (چاہے وہ خود کیسے بھی ہوں) بیوی خوب صورت، دولت مند، تعلیم یافتہ، لائق، نیک، چلن، فرمانبردار ہو۔ گھر کا سارا کام اور کھانا پکانا کر دے سر جھکا کر مزید جی حضوری کرنے کی بھی تمہنی ہو۔ ظاہر ہے ایسی بیوی کے لیے اسے ساری عمر صرف انتظار ہی کرنا پڑے گا۔ آپ کو اپنی پسند کے قریب ترین لڑکی تو مل سکتی ہے مگر تمام خوبیوں کا مجموعہ ایک گلدستے کی صورت میں وہ کسی، کسی کو ہی ملا کرتا ہے۔ اس لیے وہ لوگ جو لڑکی کی تلاش میں مارے، مارے پھرا کرتے ہیں وہ ایک نظر اپنی ماں اور بہنوں کو بھی دیکھیں..... اس کے بعد اپنے لیے لڑکی کا چناؤ کریں۔ اللہ تعالیٰ ہر لڑکے اور ہر لڑکی کی شادی کے بعد کی نئی زندگی اپنی رحمت سے کامیاب اور کامران رہے، آمین!

☆ پیاری بہنو! ان دنوں ہماری دو مصنفات بے حد غمزہ ہیں..... صاحبہ اکرم اپنے والد کے انتقال کی وجہ سے اور رضوانہ پرنس اپنے چھوٹے بھائی کی وفات کی وجہ سے۔ آپ اپنی ان دونوں مصنفات کے ساتھ غم گساری کیجیے..... اللہ انہیں صبر عطا فرمائے اور وہ یہ اندوہ ناک صدمہ جھیل جائیں، آمین!

☆ آئیے اب سرگرمیوں پر نظر ڈالنے سے پہلے صرف ایک بار درود ابراہیمی پڑھتے ہیں جو ہر نماز میں پڑھا جاتا ہے اور اس کے بعد صرف تین بار آیت کریمہ پڑھ کر اپنے لیے، اپنے ملک کے لیے اور عالم اسلام کی پریشانیوں کو رفع کرنے کے لیے ضرور دعا مانگیں۔

## مصنفات، شاعرات اور قارئین پاکیزہ بہنوں کی تازہ بہ تازہ سرگرمیاں

☆ ہماری معروف مصنفہ ساجدہ حبیب جنہوں نے کشمیر کے لیے ہمیشہ اس طرح لکھا..... جیسا کہ اس کا حق تھا۔ یہی وجہ ہے کہ ان کی تحریریں پڑھ کر آنکھ اور دل سے آنسو رواں ہو جاتے ہیں۔ آخر کب تک کشمیری قوم کے نوجوان اپنی زندگیوں کی قربانیاں دے، دے کر اپنے لہو کا نذرانہ پیش کرتے رہیں گے..... حال ہی میں پوسٹر یوائے برہان دانی شہید کی شہادت نے مزاحمت کا نیا باب کھول دیا ہے۔ قارئین کے بے پناہ اصرار پر ہماری یہ مصنفہ اپنی خوب صورت تحریروں کو کتابی شکل میں لے آئی ہیں۔ جس کا نام چنار کے آنسو ہے۔ انتساب میری ماں جی اور میرے کشمیر کے نام ہے۔ اس ضخیم کتاب کی قیمت صرف چار سو روپے ہے۔ جسے بہت اہتمام سے محمد علی قریشی نے شائع کیا ہے۔ یہ کتاب ہر لائبریری کی زینت ہونی چاہیے۔ کتاب منگوانے کے لیے رابطہ کیجیے..... القریشی پبلی کیشنز سرکلر روڈ، چوک اردو بازار، لاہور فون

نمبر (042.37668958...042.37652546)

☆ یونٹیا ایک آوارہ گرد کی نظر میں، سفر نامہ جب میرے پاس آیا تو میں نے سوچا کسی نئے لکھنے والے نے کوئی سفر کیا ہوگا۔ اور اس کا سرسری سا جائزہ شاید کتاب چھپوانے کے شوق میں لکھ مارا ہوگا اور جب میں نے کتاب پڑھی تو نہ صرف

میری معلومات میں اضافہ ہوا بلکہ معلوم ہوا کہ محمد زویب صدیقی تو بہت اچھے مصنف ہیں جو اتنے مشکل حالات میں گھرنے والے ملک کے بارے میں انتہائی اہل انداز میں لکھتے چلے گئے کہ ذرا برابر بھی بوریٹ نہیں ہوئی۔ پورے یوسنیا میں گھوم کر اور مختلف نسلی گروہوں کی نمائندگی کرنے والوں سے بات چیت کے بعد مصنف کا یہ نتیجہ ہے کہ جو آگ یہاں بیس سال پہلے لگی یا لگائی گئی تھی وہ آگ ابھی پوری طرح بجھ نہیں پائی ہے۔ اب بھی اس راکھ کے شعلے دکھائی دیتے ہیں اور ایسا لگتا ہے کہ ایک دفعہ پھر زور کی ہوا چلے گی اور یہ آگ پھر سے ضرور بجڑے گی اور اب کی بار یہ چھوٹا سا ٹکڑا بھی مسلمانوں سے چھین لیا جائے گا۔ یہ معلوماتی کتاب آپ کو ضرور پڑھنی چاہیے۔ اس کی قیمت صرف چار سو روپے ہے۔ خزینہ علم ادب الکریم مارکیٹ اردو بازار لاہور سے اسے حاصل کیا جاسکتا ہے۔ رابطہ پاکستان: (03112077769 اور رابطہ برطانیہ: 00447414114144)

☆ مصنفہ رفاقت جاوید اپنے شوہر کے ساتھ امریکا جانے والی ہیں اپنے لاڈلے بیٹے عمر کے پاس۔ (ماشاء اللہ)  
☆ ہماری مستقل تبصرہ نگار نسیم ماہارا، شکاگو سے اسی ماہ واپس کراچی آجائیں گی۔ (انشاء اللہ)  
☆ مصنفہ رضوانہ پریس اپنے بھائی سلیم کی رحلت کی خبر سن کر فوراً لندن چلی گئی ہیں۔  
☆ پچھلے دنوں نسیم احمد بشیر ایک نئی چینل پر مدعو تھیں جہاں انہوں نے مدح آواز میں گلوکاری کے جوہر بھی دکھائے۔  
☆ مصنفہ سمیرا شریف طور کے ہاں بیٹا تولد ہوا ہے۔ (مبارک)

☆ پاکیزہ کی مستقل قاری نیلو فرخان، بہارہ کہو کی بیٹیوں نے تعلیمی میدان میں نمایاں کامیابی حاصل کی۔ (مبارک باد)  
☆ مستقل قاری غزالہ طارق امریکا میں پاکیزہ کی تعریفیں سیٹ رہی ہیں اس میں شامل اسٹریو یوز اور مجھ سے ملنے کے خصوصی سلسلے وہاں کی بہنوں کو پسند آتے ہیں۔

☆ پاکیزہ کی مستقل قاری بشری رضوی، کراچی آج کل اپنی بڑی بہن کی شادی کی تیاریوں میں مصروف ہیں۔ (مبارک باد)  
☆ مستقل قاری فتنہ بتول، بہارہ کہو شمالی علاقہ جات میں تعطیلات گزار کر واپس آئیں۔  
☆ پاکیزہ کی مستقل قاری نگہت آصف کے بیٹے نے میگا ٹرانکس انجینئرنگ میں نمایاں کامیابی حاصل کی۔ (مبارک باد)

☆ پاکیزہ کی مستقل قاری فاطمہ علی عباس، کراچی کے ہاں بیٹی تولد ہوئی ہے۔ (مبارک باد)  
☆ مستقل قاری عذرا رحمان، راول پنڈی کے بھائی رضوان حسین کی شادی پچھلے دنوں بخیر و خوبی انجام پائی۔ (مبارک باد)

### دعائے صحت کے لیے التماس ہے

☆ ڈاکٹر ممتاز ضیا، کراچی ان دنوں علیل ہیں۔  
☆ مستقل قاری آرزو شاہد، کراچی کی ٹانگوں میں درد ہے اور وہ سن بھی ہو جاتی ہیں۔  
☆ قاری شہلا ظفر، کراچی ہنوز بستر علالت پر ہیں۔  
☆ قاری ڈاکٹر میمونہ غوری، کراچی کو ابھی آپ کی مزید دعاؤں کی ضرورت ہے۔  
☆ مصنفہ غزالہ عزیز کراچی آشوب چشم کا شکار ہیں۔ (دعائے صحت)  
☆ پاکیزہ کی مستقل قاری فیصل سلطانہ، کراچی ان دنوں پھر بیمار ہیں۔  
☆ ہم سب کی چینی تبصرہ نگار اور شاعرہ امینہ عندلیب سلاوا لی اس ماہ بھی بے حد بیمار ہیں۔ ابھی ان کو آپ کی دعاؤں کی بے حد ضرورت ہے۔

☆ پاکیزہ کی مستقل قاری غزل خان، نیویارک کو کینسر ہو گیا ہے۔ آپ کی دعاؤں سے دو پورس قدرے بہتر آئی ہیں مگر آپ اپنی دعاؤں میں انہیں شامل رکھیں۔

☆ پاکیزہ کی مستقل قاری عذرا بی بی، راول پنڈی کی والدہ ہنوز بستر عیال پر ہیں۔

☆ پاکیزہ کی مستقل قاری مسز عابدہ، لاہور کا بیٹا شدید طویل ہے۔

☆ مستقل تبصرہ نگار مصباح رضا سعید، فیصل آباد کی بیٹی کی ذہنی صحت کے لیے دعا کریں۔

☆ پاکیزہ کی مستقل قاری ناز ظفر کاظمی کی والدہ کے لیے دعا کریں۔

☆ شاعرہ اور مصنفہ فریدہ جاوید فری، لاہور شدید بیمار ہیں اور اسپتال میں داخل ہیں۔

### انتقالِ برمال

☆ مصنفہ صائمہ اکرم چوہدری کے والد چل بے۔

☆ مصنفہ رضوانہ پرنس کے چھوٹے بھائی سلیم لندن میں انتقال کر گئے۔

☆ مستقل تبصرہ نگارناہید بنت نور، واہ سینٹ ورکس کے والد کی اس ماہ برسی ہے۔

☆ مستقل تبصرہ نگار ذکیہ ایوب کے شوہر ایوب زاہد بخ کی اس ماہ برسی ہے۔

نوٹ۔ تمام مرحومین کی مغفرت کی دعا کے ساتھ صرف تین مرتبہ سورہ اخلاص بڑھ کر ان کے درجات کی بلندی کے لیے دعا کریں۔

بھ عمیرہ احمد، لاہور کی رائے پاکیزہ کے لیے۔ ”آپ کا بے حد شکر یہ کہ پاکیزہ کے ذریعے مجھے یاد رکھتے ہیں۔

میں پاکیزہ بڑی باقاعدگی سے پڑھتی ہوں۔ یہ نہیں کہوں گی کہ پورا پڑھتی ہوں، ہاں بہنوں کی محفل ضرور پڑھتی ہوں اور

مصنفات و دیگر شخصیات سے کیے گئے انٹرویو بہت اچھے ہوتے ہیں۔ سوالات کا چناؤ بہت عمدہ ہے۔ اس سے مختلف رائٹرز کی

کامل شخصیت کا احاطہ ہو جاتا ہے اس کے علاوہ افسانوں پر بھی بھی ضرور وقت ملنے پر نظر ڈالتی ہوں۔ میں آج کل کچھ نیا

پرنٹ میڈیا کے لیے نہیں لکھ رہی انشاء اللہ جلد ہی پاکیزہ قارئین کی فرمائش پوری کروں گی۔ آپ بس دعاؤں میں یاد

رکھیں۔“ (آپ کے اس وعدے کا انتظار رہے گا..... کہ کب آپ کی تحریریں پاکیزہ کی زینت بنیں گی)

بھ عالیہ بخاری، کراچی کی رائے پاکیزہ کے لیے۔ ”پاکیزہ میں شامل تمام افسانے، کہانیاں اچھی جا رہی ہیں مگر کبھی

کبھی کہانیوں میں طویل پیکر یا وعظ کا سا گمان ہوتا ہے۔ افسانوں کو افسانہ ہونا چاہیے فصاحت نامہ نہیں..... ویسے آج کل کئی

مصنفات اچھا لکھ رہی ہیں۔ میری مصروفیت اسکرپٹ رائٹنگ ہی ہے، انشاء اللہ پاکیزہ کے لیے جلد لکھوں گی۔ پرچہ

باقاعدگی سے دیکھتی ہوں اور بہنوں کی سرگرمیوں سے آگاہ رہتی ہوں۔ میری دعائیں آپ سب کے لیے اور پاکیزہ کے

لیے ہمیشہ رہیں گی۔ (آپ کی دعاؤں کے لیے مشکور ہوں) مصنفات سے انٹرویو کا سلسلہ اچھا ہے۔ ان کے بارے میں

پڑھنا اچھا لگتا ہے مگر میں خود انٹرویو دینے سے دور بھاگتی ہوں ابھی تو بہت کام کرنے ہیں، ایک بات میں نئی رائٹرز سے

ضرور کہوں گی کہ مطالعہ کیے بغیر اچھی تحریریں سامنے نہیں آتیں سو لکھنے کے لیے اپنے اساتذہ، سینئر اور ہم عصروں کو بھی پڑھتی

رہیں۔ آپ لوگ اپنی مصنفات کو یاد رکھتے ہیں اس کے لیے شکر یہ.....“ (جی بالکل مطالعہ تو واقعی بے حد ضروری ہے)

بھ پروفیسر افسر سلطانہ، کراچی سے۔ ”گھٹ سیما کا ناول شروع سے آخر تک دلچسپی لیے رہا اور پھر آخر میں جو

رازوں پر سے پردے اٹھے تو حیرت ہی آگیا۔ گم شدہ محبت ایک منفرد کہانی منفرد عنوان جسے آپ نے خاص بنا دیا۔ آپ کی یہ

کاوش یقیناً قابل تحسین ہے۔ میں نے انجم کی شائع شدہ تقریباً سب ہی ناولز پڑھے..... انجم کی دستخط شدہ کتابیں میں نے بہت

سنجھال کر رکھی ہیں۔ ان سب کتابوں میں ایک اہم بات جو انجم کو ممتاز کرتی ہے وہ ان کے قلم کی احتیاط..... جو کتاب عظیمی اپنے

کنوار پن میں پڑھ سکتی تھی وہ آج کی ہر کنواری لڑکی پڑھ سکتی ہے۔ انجم کا قلم شوخ تو ہوتا ہے، بے باک نہیں..... قلم کی حرمت

کے رکھوالے کبھی کبھی کوئی، کوئی ہوتے اور ملتے ہیں۔ جیتی رہیے۔ شائستہ عزیز کا افسانہ سب سے اچھا رہا۔ پروین عذرا، غزالہ

فرخ، ہاجرہ رحمان اور بشری گوندل نے بھی مایوس نہیں کیا۔ اس بار اختر شجاعت موجود تھیں اچھا لگا۔ شائستہ زریں کا سروے

بھی خوب رہا۔ سیما رضا کو دیکھ کر از حد خوشی ہوئی۔ سیما تمہاری آواز سننے کو ترس گئی ہوں، کئی دفعہ فون ملا با بات نہ ہو سکی۔ بہنوں

کی محفل میرا پسندیدہ سلسلہ ہے۔ نیلو فر کا انٹرویو دوبارہ پڑھ کر بھی اتنا ہی حیرت آ رہا ہے جتنا پہلی مرتبہ..... عظیمی کو عمرے کی مبارک

باد..... بیماروں کی صحت یابی کے لیے دعا گو ہوں۔“ (آپ کی رائے پہنچانی جا رہی ہے۔ شکر یہ) یہ شگفتہ شیخ، کراچی سے۔ ”اگست کے خوب صورت پاکیزہ کاٹائل حسب معمول دربار رہا۔ بہت کم الفاظ میں بے حد با معنی ادارہ صرف انجم باجی ہی لکھ سکتی ہیں۔ بہترین نصیحت کی ہے کہ مسابقت سے نہ گھبرا میں بلکہ اپنے آپ کو اہل ثابت کریں۔ عظمیٰ آفاق کو عمرے کی مبارک باد۔ اس بار پاکیزہ کی تمام تحریریں لاجواب رہیں۔ تم شدہ محبت پر ہٹ جا رہا ہے۔ برستا ساون اور میں، غزالہ فرخ کا افسانہ پسند آیا، افسانہ نہیں حقیقت ہے یہ، میں نیلو فر عباسی کے انٹرویو کا پہلا حصہ بہت پسند آیا۔ دوسرے حصے کا بے چینی سے انتظار ہے۔ رفعت شبانہ کا سمجھوتا بھی پیار اور حقیقی تھا باقی افسانے بھی بہترین رہے۔“ (شکر یہ)

بہت مشکل سے وقت نکال کر بہنوں کی محفل میں شریک ہو رہی ہوں کہ یہ میرا پسندیدہ کالم ہے شرکت کی تو ہر مرتبہ کوشش کی مگر کبھی، کبھی تو غیر حاضری بھی لگ ہی جاتی ہے۔ غیر دانستہ بڑا گھر چھوڑ کر چھوٹا اور بنا کر عید کے بعد شفٹ کیا تو بے اختیار یہ مصرعہ یاد آ گیا کہ سامان سو برس کا پل کی خبر نہیں..... دریا کو کوزے میں بند کرنا مشکل ضرور تھا مگر ناممکن نہیں۔ کافی سامان ضرورت مندوں میں دے کر کفارہ ادا کرنے کی کوشش کی ہے اور شکر الحمد للہ اچھی طرح سیٹ ہو گئی۔ پورا رسالہ تو نہیں پڑھ سکی مگر چونکہ آپ کا ناول صفحہ اول پر آ گیا ہے اس لیے ایک ہی نشست میں اسے پڑھا، مزہ آیا تھوڑے صفحات اور بڑھادیں پھر یا سکین لاری کا انٹرویو بالکل انہی جیسی کہانی لگی کہ دونوں بیٹے امریکا کو پیارے ہو گئے مگر اللہ کا صدا احسان ہے بی بی نہیں ہے۔ ساون کی رت بدلی، پروین عذرا تاشنہ کا پختہ تحریر کا آئینہ دار، غزالہ فرخ کا برستا ساون اور میں با مقصد افسانہ..... رفاقت جاوید کا پے انگ گیسٹ زیادہ متاثر نہ کر سکا۔ کام، کام اور صرف کام بھی زیادہ مزہ نہ دے سکا کہ عمر کے ساتھ، ساتھ اعصاب تھک جاتے ہیں کام سے زیادہ عبادت میں دل لگتا ہے کام کرنے سے درد کم ضرور ہو جاتا ہے لیکن ختم نہیں ہوتا اور کام نہ کر کے انسان اپنا ج بھی نہیں ہوتا۔ کوئی حقیقت نہیں، میں فرحین اختر نے محرم اور نامحرم کا فرق بڑی خوب صورتی سے واضح کیا ہے، ویل ڈن۔ سمجھتا رفعت شبانہ کا اچھا تھا لیکن آئینہ جیسی لڑکیاں اب ناپید ہیں جو جلدی بات سمجھ لیتی ہیں۔ شائستہ عزیز کا آئینوں کے درمیان مزہ نہ دے سکا۔ کھلا ڈالا اور پھر ماہین کے ساتھ زیادتی جو انہوں نے معمولی بات سمجھی۔ کچھ عجیب ہی لگا ایسے فرشتہ صفت مرد اس دنیا میں ہوتے نہیں اور پھر عدالت میں راز کو طشت از باہم کرنا۔ کس عورت کے بس میں ہے۔“ (تبرے کا شکر یہ)

بہت فریاد ہاشمی، کراچی سے۔ ”محترمہ ذکیہ بلگرامی اور اختر شجاعت کے مضامین ہم سب کے لیے رشد و ہدایت کا بہت بڑا ذریعہ ہیں، خدا ان کو بہترین اجر عطا فرمائے۔ یہ پڑھ کر افسوس ہوا کہ یادوں کی مالا کا سیا خری حصہ ہے۔ آپ سے فرمائش ہے کہ ذکیہ بہن اگر اور نہ کچھ لکھ سکیں تو ان کے پرانے مضامین کو پھر سے شائع کریں۔ شکر یہ۔ ناول سب بہت اچھے جا رہے ہیں۔ خاص کر آپ کا ناول بہت پسند آیا ہے۔ شگفتہ انداز میں لکھا، ہوا آپ کا ناول اب بالکل نئے موڈ پر آیا ہے۔ دیکھتے ہیں آگے کیا ہوتا ہے۔ شیریں حیدر اور ناہیدہ فاطمہ حسنین کا انٹرویو بہت اچھا لگا..... دونوں نہایت قابل کہنیں ہیں۔ نزہت کے سوالات اور ان کے جوابات دونوں بہت چرچا کرتے۔ شیریں حیدر کے ناول نکلنے نے بھی بہت متاثر کیا..... اپنی زندگی میں ہم بڑی، بڑی غلطیاں کرتے رہتے ہیں اور ہمیں اس کا احساس تک نہیں ہوتا۔ روپی کے روپ میں ایک مثبت کردار پیش کیا گیا ہے۔ خدا ان کی کوششوں کو کامیاب کرے اور لوگ فرائض کی ادائیگی میں کوتاہی نہ کریں، آمین۔ آتم ایمان کا ناول بھی بہت پسند آیا۔ جولائی کے پرچے میں عالیہ حرا کا ناول سرفہرست رہا۔ اسی کو کہتے ہیں محبت قاری عالم..... خالدہ نسیم کا ناول پڑھ کر یقین ہو گیا کہ دنیا میں ابھی فرشتے موجود ہیں۔ فیصحا صف خان اور شائستہ کی نظمیں پسند آئیں۔ ہمایک کا مختصر مضمون بہت اچھا لگا۔“ (پسندیدگی کا شکر یہ)

بہت سمیرا بنت یوسف، کراچی سے۔ ”آپ نے میرے معمولی خط کو اتنی اہمیت دی۔ مجھے بے حد خوشی ہوئی۔ میری رب پاک سے دعا ہے کہ پاکیزہ کو اتنی ترقی ہو کہ وہ تمام رسالوں کا سردار کہلائے۔ (آمین) مدیرہ اعلیٰ عذرا آنٹی کو دل سے سلام..... آپ نے پاکیزہ کا نام بالکل پرفیکٹ رکھا۔ واقعی یہ پاک جیسا ہے۔ یادوں کی مالا میں ڈاکٹر ذکیہ بلگرامی آنٹی میں مجھے اپنی امی جان کا عکس دکھتا ہے۔ یہ بہت نفس سی آنٹی ہیں ان کو بھی دل سے سلام.....“ (محترمہ عذرا رسول

کچھ حرافریسی، ملتان سے۔ ”روحانی سفر کا نواں اور آخری باب بڑھانہ پوچھیں قلب ناتواں کو طمانیت اور راحت کی کس قدر دولت محسوس ہوئی۔ جا بجا خود کو ڈاکٹر ذکیہ بلگرامی صاحبہ سے متعلق پایا۔ قرآن پاک سے متعلق گفت و شنید کو دل و دماغ حاضر کیے ذہن کی مسند پر رکھا۔ نعمتوں اور رحمتوں کا اوج کیا ہوتا ہے بخوبی محسوس ہوا۔ پتھر کا دیس حرام کی توجہ مانگ رہی ہے۔ دیکھیں محترمہ کب نظر کرم فرمائیں گی۔ عید مبارک اخلاقی سبق کے لبادے کو زیب تن کیے عہدگی کی چاشنی میں ملفوف تھی۔ پہلی سی محبت میں مصنفہ صاحبہ کی بیچاری محبت کے ہمراہ ہماری تمام ہمدردیاں رہیں، شانہ اور ریحان کی محبت میں تلخ حقائق کے کڑوے سچ عیاں تھے۔ میرے چارہ گر، عالیہ جی نے اس دفعہ بھی توجہ کو مرکز کے دائرے سے باہر نہ آنے دیا۔ تانیہ کو بخوبی منصور نے زبان کی چیمبرہ دستیوں پر قابو پانے کا سبق دیا، خوب۔ مجھے عید منانی ہے، نزہت آپنی نے گرمی سے بے حال رقیہ کی حالت سے حظ اٹھانے پر مجبور کیا۔ عیدی ہو یا عید وہ تو ہوتی ہی اپنوں کے بغیر ادھوری ہے۔ مختصر مگر جامع تحریر بڑی خوب صورتی سے اپنا مدعا قارئین سے سہل الفاظ میں واضح کرتی چلی گئیں۔ ویری ویل ڈن جوڑ کے پہلو میں بھی حکمت بھرا پیغام چھپا تھا۔ ناہید فاطمہ سے مل کر ہم بھی مسحور کن، شاد و محبت کے جذبات سے سرشار ہوئے۔ سید مناف، صدف و دیگر ہستیوں سے مل کر حقیقتاً عید کا لطف دو بالا ہو گیا۔ خوش ذائقہ پڑھ کر خود بھی خوش و خرم ہو گئے۔ حسن کھاریے میں بڑے آزمودہ ٹولکے سامنے آئے تو آج ہی لاتے ہیں ہم بھی تریوز! کیا خیال ہے؟ سارا کا سارا پاکیزہ عزیز من بیک فارلسٹ ایک کی طرح لذیذ، مزے دار، دیدہ زیب و دلچسپ تھا۔“ (شکریہ)

کچھ ذکیہ ایوب، کراچی سے۔ ”اگست کا شمارہ ہر لحاظ سے مکمل لگا، یوم آزادی اور ساون کے حوالے سے سب تحریریں بہت اچھی تھیں۔ پروین عذرا تاشہ کا ناول بہترین رہا۔ ان کا موضوع بہت اچھا تھا۔ مدیحہ شاہد اپنے ناولٹ کو بہت خوب صورتی سے آگے بڑھا رہی ہیں۔ رامین کے ساتھ زیادتی کرنے والے اللہ کی پکڑ سے پہلے ہی اپنے ٹھکانے میں پھنس گئے۔ غزالہ فرخ نے بھی ساون کے حوالے سے سوئی ماں کی آنکھیں کھول دیں۔ رفاقت جاوید کی کہانی اچھی تھی۔ شائستہ عزیز کی کہانی بہت ہی اچھی رہی۔۔۔۔۔۔ عامل اور ان کے چیلے جس طرح ضرورت مندوں کو ناز چر کرتے ہیں دل رو پڑا۔ ہاجرہ ریحان نے بھی جھوٹے بیروں کا پردہ فاش کیا ہے۔۔۔۔۔۔ نایاب نے اسما کی کشتی بار لگادی انہوں نے خواہ مخواہ کہانی کو طویل کیا حالانکہ یہ سمٹ سکتی تھی۔ بہر حال کچھ چیزیں اس کی اچھی لگیں۔ درخشاں بلال کی تحریر بھی پسند آرہی ہے۔ رفعت سراج اپنا نیا ناول لے کر آئیں، نام تو منفرد ہے ہی پر کہانی بھی اچھی لگی۔ ہم شدہ محبت کے لیے کیا لکھوں۔۔۔۔۔۔ حارث کے دوست کا فون اور شہلا کا ماموں سمجھ کر بات کرنا یہ سب ایک ہی نشست میں پڑھنے والا تھا۔۔۔۔۔۔ میں تمہارا ناول اس وقت پڑھتی ہوں جب مجھے کوئی ڈسٹرب نہیں کرے۔۔۔۔۔۔ یہ ناول تمہارے دوسرے ناولوں سے مختلف ہے مگر اس میں ہر بات ٹو وی پوائنٹ ہے۔ کہانی میں یقیناً کئی بہت سے موڈ آتے دکھائی دے رہے ہیں۔ نیلو فر سے ملاقات رضوانہ نے بہت اچھی کروائی۔ مل کر مزہ آیا۔ قاخرہ گل نے بھی اچھا لکھا اور دوسری قسط کا انتظار ہے۔ جلتنگ کے لیے کیا کہوں۔۔۔۔۔۔ دونوں پڑوسنوں کی نوک جھوک اور پھر ایک ہو جانا بڑھ کر مزہ آیا۔ روحانی مشورے کا ایک صفحہ اور بڑھادیں۔ تکبر کے موضوع پر اختر شجاعت نے اچھا لکھا۔ عظمیٰ نے ڈائری اچھی سجا لی۔“ (بھر پور تبصرے کا شکریہ)

کچھ نسیم ما پارہ، شکاگو سے۔ ”چار سال بعد اپنے سب عزیز واقارب اور دوستوں سے مل کر بہت مزہ آرہا ہے اور سب بڑی محبت سے آکر مجھ سے مل رہے ہیں۔۔۔۔۔۔ پاکیزہ پڑھ کر بہت لطف اندوز ہوئی۔۔۔۔۔۔ تمام بیمار بہنوں کے لیے صحت کی دعا کرتی ہوں۔ اور جن، جن کو خوشیاں ملی ہوں ان کو میری جانب سے بہت مبارک باد۔۔۔۔۔۔“ (آپ کی رائے پہنچائی جا رہی ہے)

کچھ فیروزہ بیگم، کراچی سے۔ ”اپنی طبیعت خرابی کے باعث کئی ماہ بعد اس محفل میں شریک ہو رہی ہوں۔۔۔۔۔۔ روحانی مشورے میرا پسندیدہ سلسلہ ہے۔ اس لیے میں بھی اپنی بہنوں کو بتانا چاہتی ہوں کہ روزانہ سورۃ اخلاص (قل هو اللہ) کی چھ سچ پڑھ لیا کریں اس طرح آپ کو دوسو قرآن پاک پڑھنے کا ثواب ملے گا۔۔۔۔۔۔ جسے آپ تمام مرحومین، مومنین کو بخش سکتی ہیں اور اپنے لیے اپنے عزیز واقارب کے لیے محفوظ بھی کر سکتی ہیں (جزاک



اللہ) ناول سب اچھے چار ہے ہیں، نیلو فر کے انٹرویو کا پہلا حصہ بہت اچھا لگا۔ دیگر کہانیاں بھی پسند آئیں۔“ (پسندیدگی کا شکریہ، آپ کی طبیعت اب کیسی ہے)

کچھ فریڈہ مانو، نیویارک سے۔ ”آپ سے کافی عرصے بعد رابطہ کر رہی ہوں۔ حال ہی میں بیت المقدس ہوئی تھی ہوں، میں بتائیں سکتی کہ وہاں جا کر کتنا اچھا لگا۔ میں آپ کے مشورے شوق سے پڑھتی ہوں، ایک چھوٹی سی بات اس محفل کے توسط سے اپنی بہنوں کو بتانا چاہتی ہوں کہ قرآن پاک کا ترجمہ روز پڑھیں بے شک آہستہ، آہستہ اور سمجھ کر پڑھیں..... مگر پڑھیں ضرور اس کو پڑھ کر آپ کو خود پتا چلے گا کہ زندگی کے تمام مسائل کا حل ہمیں ہماری کتاب خود بتاتی ہے۔“ (بے شک اور رہنمائی کرنے کے لیے جزاک اللہ)

کچھ پروفیسر قمر جہاں، کراچی سے۔ ”ایک طویل عرصے کے بعد آپ کی اس محفل میں شرکت کر رہی ہوں اس کی سب سے بڑی وجہ آپ کے ٹیلی فون نمبر کی تبدیلی بھی ہے۔ پھر ذکیہ بلگرامی سے فون پر بات کی تو انہوں نے بتایا کہ اب انجم کا نیا نمبر یہ ہے۔ (021-36964779) ہے۔ اس کے بعد آنکھوں میں تکلیف شروع ہونے کے باعث پاکیزہ نہیں پڑھا جاسکا۔ اب قدرے بہتر ہوں۔ ذکیہ بلگرامی کی یادوں کی مالادوبارہ پڑھی اور اس طرح لطف اندوز ہوئی۔ آپ کا ناول بہت اچھی اٹھان کے ساتھ شروع ہوا ہے۔ دیگر تحریریں بھی آہستہ، آہستہ پڑھوں گی۔ نیلو فر کا انٹرویو پڑھ کر مزہ آیا۔“ (قمر اب اتنی لمبی چھٹی نہیں کریں گی، ہاں پسندیدگی کا شکریہ)

کچھ مسز عابدہ، لاہور سے۔ ”پاکیزہ باقاعدگی سے پڑھتی ہوں، مجھے روحانی مشورے بے حد پسند ہیں، میرے جوان بچے کی ہڈیوں کی مضبوطی کے لیے کسی کے پاس کوئی آزمودہ نسخہ یا دعا ہو تو ضرور پاکیزہ میں دیں۔“ (اگر کسی بہن کے پاس ہو تو وہ ہمیں ضرور بھیجیں)

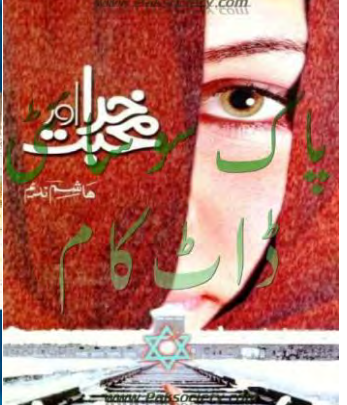
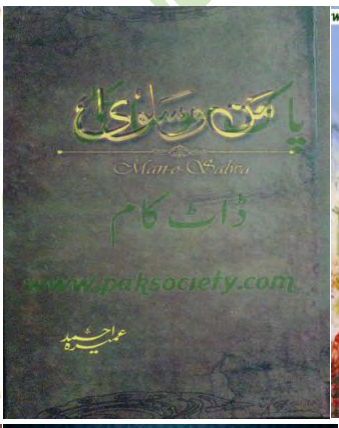
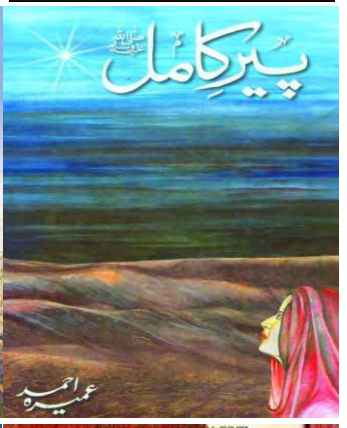
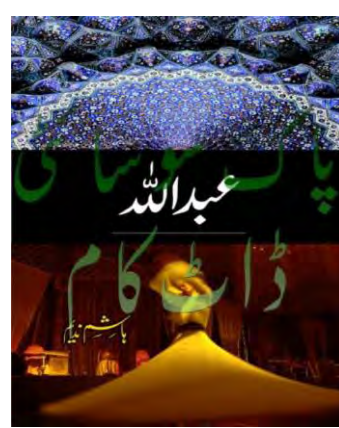
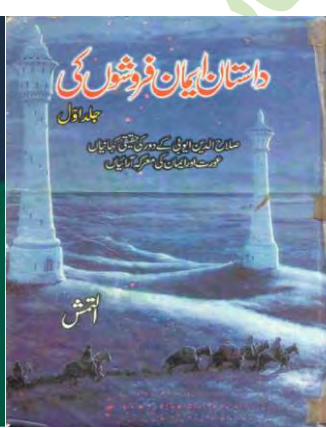
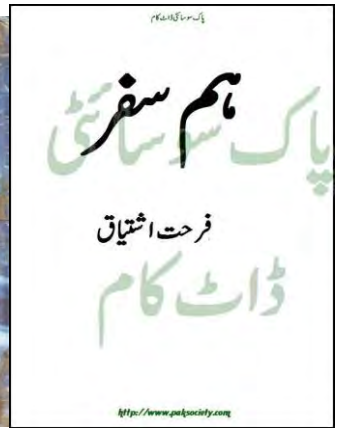
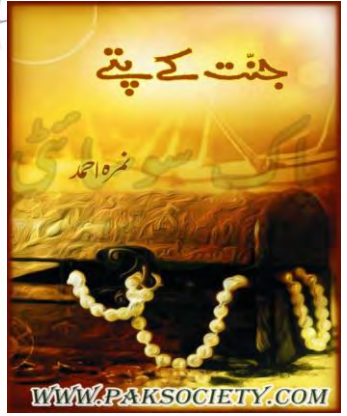
کچھ ایس رانی، سندھ۔ ”پاکیزہ میں میرا سب سے پسندیدہ سلسلہ تو جلتنگ ہے، اس کے بعد ناول اور بہنوں کی محفل شوق سے پڑھتی ہوں بلکہ آپ کو حیرت ہوگی میں بارہ بار بھی پڑھتی ہوں۔ پاکیزہ بہت زیادہ پڑھا جانے والا ڈائجسٹ ہے۔ مجھے اپنی آٹھ سال کی بچی کے لیے ڈائٹ پلان چاہیے۔ جس کا وزن چونتیس کے جی ہو گیا ہے۔ ہمارے گھر میں بہت زیادہ مرغن غذائیں نہیں کھائی جاتیں۔ سادہ کھانا پکانا ہے مگر دیگر بیٹیوں کے مقابلے میں ایک بچی کا وزن تیزی سے بڑھ رہا ہے۔ ابھی تو بچی ہے اور گول منول سی خوب صورت لگا کرتی ہے مگر بعد میں یہی خوبی اس کی خامی بھی بن سکتی ہے۔“ (پیاری بہن آپ کی اس پریشانی سے میں بھی متعلق ہوں اگر کسی بہن نے ایسا کوئی ڈائٹ پلان ہمیں لکھ کر بھیجا تو ہم اسے ضرور پاکیزہ میں شائع کریں گے)

کچھ زرقا، کالا پل کراچی سے۔ ”انجم بابی مجھے پاکیزہ حد سے زیادہ پسند ہے۔ ذکیہ بلگرامی کی یادوں کی مالادوبارے شوق سے پڑھتی ہوں۔ پاکیزہ میں کہانیاں، بہنوں کی محفل بارہ بار پڑھتی ہوں۔ آپ کی آواز سننے کا شوق تھا شکر ہے کہ وہ بھی سن لی۔“ (پیاری زرقا آپ اپنی رائے سے ہر ماہ ہمیں آگاہ کریں..... ہاں ہماری آواز کا تذکرہ تو آپ ایسے کر رہی ہیں جیسے کسی گلوکارہ کی آواز سن لی ہو)

کچھ پروین عذرا تثنیہ، کراچی سے۔ ”صد شکر میری تحریر پاکیزہ کی زینت بنی..... میرے حلقہ احباب میں سب نے بے حد تعریف کی ہے۔ طبیعت خرابی کی وجہ سے پاکیزہ آہستہ، آہستہ پڑھ رہی ہوں۔ ابھی صرف انجم تمہارا ناول گم شدہ محبت کی قسط پڑھی ہے اور بہت اچھی لگی ہے۔ ہر خاندان کی کہانی ساتھ لے کر چل رہی ہو..... مجھے عظمیٰ کی کتاب ذرا سا گھوم لوں چاہیے..... وہ کہاں سے مل سکے گی۔“ (ناول کی پسندیدگی کا شکریہ..... ہمارا پورا کا پورا پاکیزہ ہی شاندار تحریروں سے مزین ہوتا ہے۔ آپ پڑھ کر اپنی بھرپور رائے سے نوازیں۔ عظمیٰ کا سفر نامہ گھر بیٹھے حاصل کرنے کا آسان طریقہ یہ ہے کہ آپ محمد علی قریشی کو لاہور فون کر کے کہہ دیں کہ ذرا سا گھوم لوں میں آپ کے ایڈریس پر وی پی کر دیں۔ قریشی صاحب کو اپنا مکمل ایڈریس لکھوا دیجیے گا۔ ان کا فون نمبر یہ ہے۔ (042.37652546)

صدف نورین، لاہور سے۔ تمہارا خط پڑھ کر دل دکھ سے بھر گیا۔ اللہ تمہیں اپنے حفظ و امان میں رکھے۔ پاکیزہ کے تمام سلسلوں میں حصہ لو۔ توجہ ضرور بنے گی۔ انشاء اللہ۔

پاک سوسائٹی ڈاٹ کام پر موجود آل ٹائم بیسٹ سیلرز:-



لکھی فردوس احمد، گوجرانوالہ۔ تمہارا ناول قابل اشاعت ہے، اپنے خط میں تم نے اپنا فون نمبر نہیں لکھا تھا۔ ورنہ دیگر باتوں کے لیے تم سے بات کرتی۔

فائزہ فاروق سحر، ماڈل ٹاؤن، لاہور گڑیا آپ نے اپنے خط میں صرف مجھے دعائیں دینے کے کچھ اور لکھا ہی نہیں ہے۔ آپ کی ساری دعاؤں کے لیے میں دل سے احسان مند ہوں مگر پاکیزہ کی تحریروں کے بارے میں اپنی رائے تو دیجیے.....

بھ ڈاکٹر ممتاز ضیا، ضیا الدین اسپتال کراچی سے۔ ”شمارہ مجموعی طور پر بہت اچھا تھا۔ مجھے کچھ کہنے کے لیے حسب معمول تھا۔ اللہ اور رسول کی باتیں تبصرے سے بالاتر ہیں۔ ذکیہ کارو حانی سفر اختتام کو پہنچا دل تو چاہتا ہے کہ وہ کھٹی رہیں اور ہم پڑھتے رہیں، اپنے بارے میں آپ دونوں کی گفتگو پڑھ کر ذہن میں آیا ذکر میرا مجھ سے بہتر ہے کہ اس محفل میں ہے۔ آپ دونوں نے مجھے اپنا مقروض کر دیا۔ ذکیہ اتنی پرانی باتیں یاد رکھنے کا شکر یہ دعاؤں میں یاد رکھنا میں گناہ گار بندی بھی تمہارے، عالیہ اور تمہاری ہمیلی کے لیے دعا گو ہوں۔ اللہ تعالیٰ قبول فرمائے، آمین۔ اعتبار و قاضی رہی مگر بیچارے شہر حیات کو کیوں مار دیا؟ پتھر کا دیس کچھ خاص نہیں لگ رہا۔ گم شدہ محبت میں ایک نئے ماحول سے آگاہی مزہ دے رہی ہے۔ تھوڑے صفحے بڑھا دو۔ حد مختصر مگر اچھا تھا۔ نایاب جیلانی کا ناول ذرا جلدی میں اختتام کو پہنچا۔ بہر حال اچھی کہانی تھی۔ نزہت جبین اور رضوانہ پرنس کی کہانیاں بھی اچھی لگیں۔ اے عشق ترے ہیں کھیل عجب..... اپنے عجب کھیلوں کے ساتھ پڑھ لیا جاتا ہے۔ نزہت نے ناہید قاطمہ سے جامع ملاقات کرائی۔ ناہید قاطمہ سے مل کر اچھا لگا۔ بہنوں کی محفل اور دیگر سلسلے اچھے رہے۔“ (پیاری ممتاز اللہ آپ کو کلی صحت دے۔ آپ کے بھرپور تبصرے کے لیے مشکور ہوں)

بھ ذریں زبیر کوٹھاری، کراچی سے۔ ”جب ہا کر پاکیزہ دینے میں دیر کرتا ہے تو بس نہ پوچھیں۔ ہمارے شوہر صاحب کو تو جلتی رنگ پڑھنے کا شوق ہے۔ اس ماہ کا ادارہ بہترین اور ہامنی تھا۔ واقعی میں خود آگاہی ایک بہت بڑی نعمت ہے اور مسابقت اس وقت ہمارے ملک کی ترقی کے لیے اشد ضروری ہے۔ گم شدہ محبت تیز جا رہا ہے۔ قسط ختم ہوتے ہی اگلی قسط کا بے چینی سے انتظار رہتا ہے۔ واقعی انجم باجی کے قلم کا جادو سر پڑھ کر بول رہا ہے ویلڈن منی ناول دیار طبع کے اجالوں میں نایاب جیلانی کی شاہکار تحریر ثابت ہوئی۔ رفاقت جاوید کا بے انگ کیسٹ بہترین رہا جبکہ شمیم فضل خالق کا افسانہ کام، کام اور صرف کام بے حد پسند آیا۔ فرخندہ جعفری کا یادگار عید کا واقعہ مختصر ہونے کے باوجود دلچسپ تھا۔ واقعی تعطیلات اور تہواروں کا آپس میں بہت گہرا تعلق ہے اس طرف ضرور غور کیا جائے۔ رفعت شہانہ کی سمجھوتہ اچھی تحریر تھی مگر کہیں، کہیں قلم پر گرفت کمزور ہو گئی اور بے جا طوالت بھی نظر آئی۔ نیلو فر عباسی کا ایٹرو پور رضوانہ پرنس نے جس انداز میں لیا یقین مانیں بار بار پڑھنے کو جی کرتا ہے اور بار بار پڑھنے کے باوجود یوریت کا قطعی احساس نہیں ہوا۔“ (ہاں یہ بات تو ہے ہماری رضوانہ نے یہ ایٹرو پور بڑی محبت اور محنت سے تیار کیا تھا)

بھ امینہ عندلیب، سلا نوالی سے۔ ”اگست کا پاکیزہ بہت تاخیر سے ملا بوجہ صحت پورا تو نہیں پڑھ سکی۔ آپ نے ہمیشہ کی طرح بہت اچھا پیغام دیا۔ میرے آس پاس ایسے لوگ موجود ہیں اپنا مفاد چاہتے ہیں خود کی امتحان میں پڑنے کے بجائے اوروں کو امتحان میں ڈالتے ہیں۔ پرنس ایسی نہیں ہوں۔ گم شدہ محبت کی یہ قسط بہت اچھی رہی سسٹنس رہا، ساون کے موضوع پر تمام تحریریں پسند آئیں۔ بارش، بادل، ٹھنڈی ہوائیں، کالی گھٹائیں میری کمزوری ہیں۔ ان رتوں کو بہت انجوائے کرتی ہوں، بارش میں بھینکنے کی عادتیں بھی برقرار رہیں۔ اور اب بات ہو جائے محترمہ رفعت سراج کے خوب صورت سلسلے وار ناول کی۔ یہ کہاں بچیں کہ دل ہے، آغاز میں کیا غضب کی شاعری واہ..... دل پر ہاتھ رکھے۔ رومانی انداز میں لکھی گئی پہلی قسط شہنشاہوں ماحول، ہیروئن کے نام، ساحل، ساون، پرنس، مصور معاشرے کے آزادانہ ماحول پر بھی قلم اٹھایا ہے۔ خاص طور پر لڑکیوں کے حوالے سے اچھا لگا۔ باجی اختر شجاعت نے تکبر کے موضوع پر بہت اچھا لکھا۔ بچیوں کو سنایا اور ان کے ساتھ آپ نے اپنی ماڈل کو یہ پیاری، پیاری باتیں بتانی ہیں۔ نیلو فر عباسی کی طویل گفتگو، ملاقات بہت اچھی لگی۔ خاص طور پر ایک فلیٹ میں پورے خاندان کا یوں محبت سے رہنا، ان کی بچپن کی یادیں بہت اچھی تھیں۔ سکھیاں، دھانی آچھل پھٹکیں اور موسم ساون کا واہ، واہ شائستہ ذریں کی کیا بات ہے، عنوان کو بھی سات رنگ دیے (گنتی کیسے ہیں) پہلے تو شائستہ ذریں آپ کو داد دیتی ہوں کہ آغاز میں اتنی خوب صورت شاعری دماغ تو ایک ہوتا ہے؟ آپ ماشاء اللہ بہت ذہین اور محنتی ہیں، پاکیزہ سروے پر تو

آپ کو اے دن دل سے داد دیتی ہوں۔ (ہمارے معاملے میں آپ کی یادداشت کیوں کمزور ہے بھی) سروے میں شگفتہ شفیق نے دل موہ لیا۔ شاعرہ ہیں نا، ماشاء اللہ۔ سیماسراج کے بھی انداز و لفظوں میں ساون کے رنگ کھلے، کھلے پائے گئے۔ باقی بہنوں نے بھی ساون کے حوالے سے... بہت اچھا لکھا۔ بہنوں کی محفل میں ہنسی مذاق تبصرے مشورے، دعائیں، مسکرائشیں، رنگ بکھیرتی ہیں۔ باجی ڈاکٹر ممتاز ضیا نے دو ماہ سے کوئی تبصرہ نہیں کیا۔ بہت اچھا تبصرہ لکھتی ہیں۔ ان کی طبیعت ناساز تھی۔ اللہ تعالیٰ صحت کاملہ عطا فرمائے۔ آمین۔“ (تبصرے کا شکریہ)

بھہ رالعبہ یا سکین بلوچ، کونڈ سے۔ ”کئی ماہ کی غیر حاضری کے بعد دوبارہ آپ کی محفل میں آگئے۔ آپ تو شاید بھول گئی ہوں گی مگر کیا کریں پاکیزہ کے بغیر رہا بھی نہیں جاتا۔ کچھ عرصے پہلے اپنے بھانجے ڈاکٹر عمران کی منگنی کے سلسلے میں کراچی آنا ہوا، لڑکی والوں کا گھر طیر میں تھا۔ بہت جی چاہا کہ آپ سے ملوں مگر آپ کے گھر کے بارے میں معلوم نہ تھا اور آپ تو بہت مصروف ہیں، یہاں ملاقات کرنی یا نہیں۔ (آپ فون کر لیتیں) طارق روڈ پر گھومتے ہوئے بے اختیار کراچی کی پاکیزہ بہنیں یاد آنے لگیں کہ کاش کسی سے ملاقات ہو جاتی مگر یہ ہماری قسمت کہ سوائے ٹی وی کے شبیر جان کے کسی کو نہ دیکھا اور رخ چوہدری، ممتاز ضیا، عظمیٰ اور کئی بہنوں سے ملنے کی حسرت لیے کونڈ واپس آگئے۔ ادارہ ہر ماہ کی طرح بہترین تھا۔ پاکیزہ کا ہر شمارہ مجھے بہت پسند آتا ہے، میری بہنیں، بھانجیاں اور بھتیجیاں بھی بہت شوق سے پڑھتی ہیں۔ اس بار سارے افسانے اچھے تھے اور بہنوں کی محفل کا تو جواب ہی نہیں۔ ڈاکٹر ممتاز ضیا صاحبہ کا تبصرہ بہت اچھا ہوتا ہے۔ ہر افسانے پر ان کی گہری نظر ہے۔ نگہت سیماسراج کا ناول بے حد پسند آیا۔ آپ کا ناول بھی بہت اچھا ہے... عظمیٰ کی تحریر بہت دلچسپ ہوتی ہے کیا ان کی کتاب کونڈ سے مل سکتی ہے؟“ (آپ محمد علی قریشی کو فون کر لیں وہ بتادیں گے ان کا نمبر محفل میں ہے عذر را رسول جتنی خوب صورت ہیں ویسی ان کی آوازیں نہیں آتی ہیں۔ پاکیزہ کی پسندیدگی کا شکریہ... ڈاکٹر ممتاز اور نگہت سیماسراج کا شکریہ کہہ رہی ہیں)

بھہ ارم کمال، فیصل آباد سے۔ ”اس دفعہ کا ناول بہت خوب صورت تھا۔ ماڈل کافریش لک اور آنکھوں کا میک اپ زبردست لگ رہا تھا۔ ادارہ ہمیشہ کی طرح از چیک رہا۔ کم شدہ محبت ٹاپ پر جا رہا ہے۔ دیکھیں اب صبا اور عامر کی ملاقات کہاں پر ہوتی ہے۔ رفعت سراج کا نیا ناول پتہ کہاں بچیں کہ دل ہے، بہت ہی اچھا آغاز ہے، دیکھیں آگے کیا ہوتا ہے، ویسے رفعت جب بھی آتی ہیں متاثر کر کے جاتی ہیں۔ نایاب جیلانی کا دیوار صبح کے اجالوں میں کی آخری قسط مسرور کر گئی اس کا صبر اور خدمت گزار لائی اور ہادی صاحب جتنے بیزار تھے اتنے ہی مشتاق ہو گئے۔ اسے عشق ترے ہیں کھیل عجب میں شکر ہے کہ ایشال اور عمر میں محبت کی انٹری تو ہوئی جبکہ مناب اور ولی کی شادی جانے اقصم بیچارے پر کون سے پہاڑ توڑے۔ آئینوں کے درمیان شائستہ عزیز کی تحریر پڑھ کر دل بہت افسردہ ہوا خدا کے نام کے پیچھے لوگوں نے کیسے، کیسے ڈرامے کیے ہوئے ہوتے ہیں، دیگر کہانچوں میں برستا ساون اور میں کام، کام اور صرف کام، کوئی حقیقت نہیں اور محبت خطر ٹھہری، بہت ہی متاثر کن تحریریں ہیں، نیلو فر عباسی سے ملاقات سکور کر گئی۔ قلندر و ہتاس کی سر نے انوکھا مزہ دیا۔ بہنوں کی محفل میں اپنی پیاری، پیاری بہنوں کی خیر و عافیت سے آگہی ملی، دل شاد ہوا، انجم باجی یہ محبتیں بلاشبہ ہمارا قابل فخر اثاثہ ہیں۔ جنہوں نے ہم سب بہنوں کو ایک لڑی میں پرو کر رکھا ہے اللہ کرے محبتیں ہوں اور زیادہ...“ (آپ کی اس خوب صورت بات کے جواب میں سوائے آمین کے کچھ نہیں کہہ سکتی ہاں تبصرے کا شکریہ)

بھہ فیضیہ آصف خان، ملتان سے۔ ”گرمی، لوڈ شیڈنگ، موڈ آف پھر بھی پاکیزہ کا مطالعہ اس عالم میں بھی جاری رہا۔ کیونکہ اس کے پناہی نہیں سکتے... ہم اور پاکیزہ لازم و ملزوم جو ٹھہرے۔ اگست کا پاکیزہ جیسے ہی ملا اک فرحت بخش احساس ہوا۔ سرورق پر گھسیرے بالوں والی ماڈل معصومانہ حسن کے ساتھ جی کو بھاگتی۔ یوم آزادی کی مبارکباد دیتا آپ کا دلربا ادارہ من میں اتر گیا۔ یقین جانیں آپ کی باتیں نصیحت بالکل نہیں لگتیں بلکہ رک و فریب انداز میں مشورے لگتے ہیں۔ جو واقعی ہماری راہنمائی کرتے ہیں۔ بصیرت افروز مضامین کے بعد گم شدہ محبت کی تلاش میں آگئے۔ حادثہ کی ڈرامے بازی اور جملے بہت اچھے لگے۔ شہلا کو تھوڑی سی عقل سکھائیں۔ صبار جیم کا پا کردار ہونا آج کل کی لڑکیوں کے لیے مشعل راہ ہے۔ کریم کی حرکتیں طش دلاقی ہیں، بہر حال کہانی میں دلچسپی کے تمام لوازمات بدرجہ اتم موجود ہیں اور یہ آپ

کی کامیابی کی سند ٹھہری۔ پروین عذرا تشہ کی یوم آزادی کے حوالے سے تحریر پسند آئی مگر جو پھڑ گئے ان کے لیے دل دکھی ہوا..... رابع اور نعمان کو منزل مل گئی گھر پھر سے آباد ہو گیا۔ پے ایک گیٹ ایک نفسیاتی مریضہ کا قصہ تھا۔ بہر حال اک سبق دیا گیا ویل ڈن ٹیٹر رفاقت جی..... رفعت سراج کی پہلی قسط میں موجود چاشنی نے گرویدہ کر لیا۔ ان کے جملے اور تشبیہات کے کیا کہنے اک نئے موضوع پر لکھی جانے والی یہ تحریر یقیناً سب کو پسند ہی آئے گی۔ سبق آموز تو شمیم فضل خالق کی تحریر کام، کام اور صرف کام بھی ٹھہری بالکل یہی الفاظ میری مرحومہ خالدہ جان کے تھے کہ ہر وقت کچھ نہ کچھ کرتے رہنا چاہیے ورنہ دل و دماغ کے ساتھ، ساتھ جوڑوں پر زنگ لگ جاتا ہے۔ فرحین اظفر کی دلکش تحریر نے کئی افراد کی آنکھیں کھول دیں کہ اکثر گھروں میں دیکھا گیا ہے کہ ہمسائے کے لڑکے کو منہ بولا بیٹا بنا لیا جاتا ہے جو بعد ازاں سراسر نقصان کا باعث بنا ہے۔ لوجی دیار صبح کے اجالوں میں اختتام کو پہنچا..... انجام حسب توقع رہا، رائی کا پہاڑ بنا کیا جو بات و دستوں میں مکمل ہونا بھی اسے بلا وجہ طول دیا گیا۔ سمجھوتا مختصر انداز میں شانہ نے بے حد خوب صورت انداز میں سمجھانے کی بات کی۔ شائستہ عزیز نے آئینوں کے درمیان لکھ کر بوسیدہ اذہان سے اس غلاظت کو نکالنے کی کوشش کی جس میں معاشرے کے احمق ترین افراد رہتے چلے جا رہے ہیں۔ تکبر اک لاجواب مضمون رہا، صد شکر کہ میں تو خود کو بے حد معمولی و اذراں شے سمجھتی ہوں اور تکبر تو صرف اور صرف اللہ کو زیبا ہے۔ نیلو فر عباسی سے ملاقات اور تصاویر نے دل موہ لیا۔ آئندہ بھی ایسی نایاب تصاویر لگائے گا۔ قلعہ روہتاس کے بارے میں مضمون کارآمد رہا۔ ساون کا سروے تو تھا ہی مزیدار..... شگفتہ شفیق اور سیماسراج میری ہارٹ فورٹ ہیں۔ اپنے عندلیب تو میری بھی بہنوں جیسی ہیں۔ اللہ انہیں کلی صحت عطا فرمائے۔“ (طویل تبصرے کا شکریہ)

بھ طیبہ عنصر مغل، راول پنڈی سے۔ ”آپنی مجھے اس سے غرض نہیں ہے کہ پڑھنے والا کوئی اور میرے لکھے ہوئے کو کس رنگ میں پڑھتا ہے مجھے الحمد للہ آپ کی دانائی پر بھر و سما ہے اور اس بات پر فخر بھی کہ میں ایک ایسے ادارے سے وابستہ ہو چکی ہوں جس میں کوئی جہ نہ نہیں ہوتا۔ پچھلے دنوں ایک شارے میں انٹرنس ناول کا چرچہ جوں کا توں موجود دیکھ کر حیرت ہوئی مگر اپنے شارے پاکیزہ پر فخر ہوا کہ آپ ہم سب کو موقع دے رہی ہیں۔ پاکیزہ میں ہماری تحاریر شائع کر کے جبکہ باقی شماروں میں وہی چند خوشامدی لوگ چھائے رہتے ہیں یا سوائے مایہ ناز رائٹر کے۔“ (بیٹا طیبہ دوسرے لوگ کیا کر رہے ہیں ہمیں اس سے کوئی غرض نہیں ہے، جس کا جو دل چاہے وہ کرے۔ ہمیں کسی پر انگلی بھی نہیں اٹھانی چاہیے۔ آپ اور دیگر تمام سینئر زورنی رائٹرز ہمارا سہ ماہیہ ہیں۔ جنہیں ہمیں اپنے ساتھ لے کر چلنا ہے)

بھ سیدہ رابعہ شاہ..... کجرات سے۔ ”میں اس محفل میں پہلی بار تشریف لائی ہوں اور پاکیزہ کی بہت بڑی فین ہوں۔ جب پاکیزہ پڑھتی ہوں تو مجھے اپنے ارد گرد کا کوئی خیال نہیں رہتا۔ آخر پڑھنے میں اتنا مزہ جو آتا ہے۔ پاکیزہ کی سب کہانیاں، ناول، ناولٹ اتنے زبردست ہیں کہ کیا ناولوں۔ کیا ایسا نہیں ہو سکتا ہے پاکیزہ بہت بڑا کردیں اور ایک ماہ میں تین بار شائع ہو کر آئے۔ پاکیزہ ہر دفعہ لاجواب ہوتا ہے ہر ماہ کا ناول بھی زبردست ہوتا ہے۔ میں آپ کی بہت بڑی فین ہوں پلیز میرا خط شائع ضرور کریں۔ ورنہ میرا چھوٹا سا، تنہا سا، مناسا دل ٹوٹ جائے گا۔“ (اب تو آپ کا دل نہیں ٹوٹے گا نا، ہم سب ہی قارئین کے دل کا خیال رکھتے ہیں۔ مختصر خط کا شکریہ)

بھ صائمہ سجاد بخش، کوہاٹ سے۔ ”سیماسراج کا اعتبار و فائز اختتام پر ہوا۔ پھڑے سارے مل گئے اچھا اینڈ تھا لیکن شمر حیات کو جو بندار کتے تو اچھا ہوتا بہر حال نگہت سیماسراج کو ایک اچھا ناول لکھنے پر بہت، بہت مبارک ہو۔ (شکریہ) خالدہ نسیم کا ناول زندگی کی تیغ سچائیوں اور تجربات پر مبنی تھا بہت مشکل زندگی ہے عورت کے لیے ہر قدم پر امتحان، کٹھن مرحلے، آزمائش جو انسان پر آ جاتی ہے۔ (جی ہاں) تحفہ عید، سحرش قاطمہ کی اچھی تحریر تھی۔ پتھر کا دیس میں مدیجہ شاہد نے پھر سپنس چھوڑ دیا۔ دیکھیے کیا ہوتا ہے یہ۔“ (آگے بھی یقیناً اچھا ہی ہو گا اور آپ کو آئندہ اقتضا بھی اچھی لگیں گی)

بھ صائمہ عطا محمد، ڈیرا غازی خان۔ صائمہ آپ کی کہانیاں ناقابل اشاعت ہیں، ابھی آپ کو مطالعے کی شدید ضرورت ہے۔ کہانی بھیجنے کے لیے اسے پھولوں اور اسمیکرز سے سجانا ضروری نہیں، بس متن اچھا ہو۔ بہر حال آپ نے کافی محنت کی ہے اسے سجانے میں۔ فی الحال آپ مختلف مصنفات کی تحریروں کا مطالعہ کریں پھر کہانی لکھنے کی کوشش کیجیے گا۔

بھ افتخار شوق، میاں چنوں سے۔ ”رسالہ تو خیر اے دن جا رہا ہے۔ بہترین مصنفات کی بہترین کہانیاں اور

دوسرے مستقل سلسلے..... انجم انصاری بہنوں کی محفل کے کیا کہنے..... اسی سے پتا چلا کہ نزہت اصغر اسلام آباد ہو کر واپس کراچی چلی گئیں جبکہ ان کا وعدہ تھا کہ میاں چنوں، خانوال میں رک کر جائیں گی۔ چلیں آئندہ سہی..... میری چشیاں تو سرکاری میٹنگز کی نذر ہو گئیں۔ پھر بھی مجھے لکھنے کے لیے موضوعات مل جاتے ہیں اور اللہ آپ کو خوش رکھے میری سرگرمیاں لگاتی رہتی ہیں، اس دفعہ موسم بہار میں پانچ سو پودے لگا کر ہم نے شہر بھر میں ہفتہ بھر کاری کا آغاز کیا۔“ (بہت، بہت مبارک ہو)

✉ نیلو فرخان، بہارہ کہو سے۔ ”ماہ جون اور ماہ جولائی کے پاکیزہ ایک ساتھ ہی پڑھے کیونکہ رمضان المبارک اور عید کی مصروفیات تھیں۔ مدیحہ شاہد ڈائجسٹ رائٹروالی ہیں ناں اچھی کہانی ہے مگر سٹپس بہت ہے۔ صائمہ قریشی نے بڑی ہلکی پھلکی دلچسپ کہانی ناموں کے بارے میں لکھی ایسی کہانیاں ہونی چاہئیں۔ صائمہ قیصر کی بیٹی کی شادی کا احوال اچھا تھا جولائی میں کھانے کی ترکیبیں بہت اچھی تھیں میں نے ٹرائی بھی کی تھیں۔ اور آخر میں اعتبار و قاناؤل نے توڑ لادیا۔ گھت سیما نے بہت اچھی طرح اینڈ کیا، کوئی بات رہ نہیں گئی۔ شرحیات کو مار دیا مگر شاید وہ بھی ضروری تھا۔ اب گھت سیما کا انٹرویو اور ناول کے بارے میں بھی وہ ضرور کچھ لکھیں۔ بیچ میں ذرا کنفیوژن تھا مگر پھر رشتے کھلتے چلے گئے۔ اچھی کہانیاں سلیکٹ کرنے پر آپ لوگوں کا شکریہ..... شاعری میں بھی مشہور شاعروں کی غزلیں دیا کریں۔ انٹرویو وغیرہ کا بھی اچھا سلسلہ ہے۔“ (پسندیدگی کا شکریہ، آپ کی فرمائش نوٹ کر لی گئی ہے)

بھ نضیہ آراء، اس انیمہ سے۔ ”پاکیزہ عید نمبر کے بعد ساون نمبر بھی اچھا تھا مگر آپ نے ٹائٹل پر کیوں نہیں لکھا ساون نمبر..... نئی رائٹرز ہاجرہ ریحان کی مختصر کہانیاں بہت اچھی لگتی ہیں۔ مدیحہ شاہد لگتا ہے بڑے خوبصورت ماحول میں ناول لکھ رہی ہیں۔ غزالہ فرخ کی کہانی بہت ہی اچھی تھی ان کا بھی نزہت اصغر انٹرویو ضرور کریں اس کے علاوہ اور بھی رائٹروں کے متعلق بتائیں نیلو فرحان عباسی کے بارے میں الگ انداز کا انٹرویو بہت اچھا لگا جیسے گھر میں بیٹھے بات کر رہے ہوں۔“ (تبرے کا شکریہ)

☆☆☆

عزیز بہنوں! بہنوں کی محفل کے صفحات کا کوٹھاب ختم ہوا۔ دیر سے آنے والے خطوط انشاء اللہ آئندہ ماہ شامل کر لیے جائیں گے..... اور اب آئیں پہلے درود پاک پڑھتے ہوئے دعا مانگتے ہیں یا اللہ، یا رحمن یا رحیم..... اے کریم اللہ ہمارے اور اپنے پیارے حبیب صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی ساری امت کے سارے گناہوں کو معاف فرما دے اور ہمارے تمام گناہوں کو نیکیوں میں بدل دے اور نیک کام کی توفیق، ہمت، طاقت اور مہلت ہم کو ضرور عطا کرنا..... اے پاک پروردگار موت سے پہلے ہماری مغفرت فرما اور موت کے وقت ہم پر رحم فرما اور موت کے وقت ہمیں عذاب نہ دینا اور قیامت کے روز ہمارا نامہ اعمال ہمارے دل سے ہاتھ میں دینا..... بے شک تو ہر چیز پر قادر ہے، اے اللہ میرے وجود..... اے وحدہ لا شریک..... تو آدم علیہ السلام سے لے کر آج تک اور آج سے لے کر قیامت تک آنے والے سارے ایمان والے مردوں، عورتوں، انسانوں، جنوں سب کو ہی بخش دے..... ہمارے تمام مسائل حل کر دے۔ اے سلامتی دینے والے ہمیں ہر بیماری خاص کر علاج و مہلک بیماریوں سے بچا..... ہمیں تمام شرور سے بچا، ہمیں ہمیشہ عافیت والی زندگی دے تاکہ ہم تیرے دین کو ساری انسانیت تک پہنچا سکیں، آمین تم آمین۔

یا مجیب، یا مجیب، یا مجیب

دعا گو

آپ کی اپنی باجی  
انجم انصاری

**پاکیزہ میں خط لکھنے کا پتا**

مدیرہ ماہنامہ پاکیزہ۔ c.63 فیز 111 ایکسٹینشن، ڈیفنس۔ مین کورنگی روڈ۔ کراچی۔ پوسٹ کوڈ 75500  
فون نمبر 021-35804200, 021-35386783, 021-35802552 EXT 107, 118



## نعتِ رسول مقبول صلی اللہ

### علیہ وآلہ وسلم

ہے تمنا کہ جو پہنچوں تو ہو جنت میں قیام اور مل جائے مجھے مومن کامل کا مقام ایسا کچھ کر کے چلوں مجھ سے خدا ہو راضی دیکھ کر مجھ کو فرشتے بھی کریں پیش سلام دید ہو جائے نبی کی تو کروں ان سے کلام بات کیا ہوگی کروں پیش درود اور سلام آپ کے روضے پہ جانے کی تمنا تھی مجھے میں نے بھیجا تھا کئی بار پیام اور سلام دل یہ کہتا تھا ملاقات کبھی ہوگی ضرور پھول اخلاص کے جن لوں تو کروں آپ کے نام جانتے ہیں یہ سب ہی گل من عیننا فان صرف دنیا کے لیے جو بھی گیا وہ ناکام کلام: ڈاکٹر ذکیہ بلگرامی

### صبر و برداشت

حضرت ابو عبد اللہ خلیفۃ اللہ کے بگڑیدہ بندے تھے اور آپ نے درزی کا پیشہ اختیار کیا ہوا تھا۔ ایک مجوسی آپ سے سخت دشمنی رکھتا تھا اور جب بھی آپ سے کپڑے سلاتا تو مزدوری میں کھوٹا درہم دیتا آپ خاموشی سے لے لیتے اور اس کو واپس نہ کرتے اور نہ ہی اس کو بتاتے کہ یہ درہم کھوٹا ہے۔ ایک مرتبہ کا ذکر ہے کہ وہ مجوسی آپ کی دکان پر مزدوری دینے آیا مگر آپ اتفاق سے دکان پر موجود نہیں تھے آپ کا شاگرد بیٹھا تھا اس نے اپنے کپڑے کی اجرت شاگرد کو دیتے ہوئے اپنے کپڑے طلب کیے شاگرد نے جب درہم کی طرف دیکھا تو وہ کھوٹا تھا اس نے درہم واپس کر دیا جب حضرت ابو عبد اللہ واپس تشریف لائے تو شاگرد

## حمدِ باری تعالیٰ

اے میرے مالک میرے رب کریم تیری ذات پاک ہے یکتا رحیم تو نے سپی میں گہر پیدا کیا اور قطرے کو کیا بحرِ عظیم تو نے پھولوں کو عطا کی ہے مہک اور سورج کو عطا کی روشنی مولا کریم یا الہی لب پہ ہو میرے سدا یا کریم و یا غفور و یا رحیم تو نے ہی انسان کو پیدا کیا اور بخشی پھر اسے عقل سلیم یا الہی روزِ محشر یہ دعا ہے رعنا کی سر پہ ہو سایہ گلن عرشِ عظیم شاعرہ: رعنا حسن

مرسلہ: فصیحہ آصف خان، ملتان

### نورِ خدا

روشن ہے میری دنیا اب نورِ خدا سے ہر ذرہ چمکتا ہے اب نورِ خدا سے ڈوبی ہوئی ہوں عشقِ حقیقی میں اس طرح دل میرا منور ہے اب نورِ خدا سے حمد و ثنا کرتی ہوں ہر لمحہ بیاباں میں لفظوں میں اثر ہے میرے اب نورِ خدا سے تاریک راستوں کا بھی کچھ خوف نہیں ہے جگمگ ہیں میری راہیں اب نورِ خدا سے چلتی ہی جا رہی ہوں میں راہِ عشق پہ منزل ہے میری آساں اب نورِ خدا سے پہنچی ہوں کہاں پہ کیسی یہ ضیا ہے ہر سمت اجالا ہے اب نورِ خدا سے

کلام: عالیہ ضیا، کراچی

جب تم بھیگی، بھیگی سی  
شرمائی اور تھوڑی، تھوڑی گھبرائی سی  
میرے بہت پاس تھیں  
مجھے آج بہت یاد آئی  
وہ گزری شام

کیونکہ اس برس، برسات کی پہلی شام مجھے  
دیران کرگئی  
بارش جھل تھل برس گئی  
تم بن

مرسلہ: ایمنہ عندلیب، سلا نوالی

### یاد رکھنا

☆ انسان کی فطرت اس کے چھوٹے، چھوٹے  
کاموں سے معلوم ہوتی ہے۔  
☆ اچھی بات چاہے کوئی کہے اپنے لیے سے  
باندھ لو اور کیونکہ جب مولیٰ کی قیمت مقرر کی جاتی ہے  
تو یہ نہیں دیکھا جاتا کہ اسے سمندر کی تہ سے لانے والا  
شریف ہے یا ذلیل۔  
☆ چھوٹے، چھوٹے اخراجات کا خیال رکھو.....  
معمولی سا سوراخ بہت بڑے جہاز کو ڈبو دیتا ہے۔

مرسلہ: نور افشاں، شکار پور

### غزل

اپنا دکھ سنا چکی کب کی  
میں اسے آزما چکی کب کی  
میری قسمت میں اس کا پیار نہیں  
ہاتھ اپنا دکھا چکی کب کی  
اب تم آئے ہو لے کے سازِ حیات  
گیت سارے میں گا چکی کب کی  
اس کے دل کا مکان چھوڑ دیا  
پاس اپنے میں آچکی کب کی  
سانس لیتی تھی دیکھ کر جس کو  
میں وہ چہرہ بھلا چکی کب کی  
جتنے بھی آس کے پرندے ہیں

نے آپ سے صورتِ حال بیان کی۔ سن کر آپ نے  
فرمایا کہ تم نے برا کیا وہ مجوسی تو ایک سال سے میرے  
ساتھ یہی معاملہ کرتا چلا آ رہا ہے اور میں خاموشی سے  
اجرت لے کر کنویں میں ڈال دیتا ہوں تاکہ یہ کسی اور  
مسلمان کو دھوکا نہ دے سکے۔ واہ سبحان اللہ.....

(احیاء العلوم)

از: فرح ناز، ملکوال

### ایسے کاش

اے کاش حاجیوں میں میرا شمار ہوتا  
سفرِ مدینہ ہوتا دل زار زار ہوتا  
روٹی ہوئی میں جاتی طیبہ کے گھومنے کو  
سرور جا کے ہوتی جالی کے چومنے کو  
جاں کو نثار کرتی دل شاد میرا ہوتا  
سفرِ مدینہ ہوتا دل زار، زار ہوتا  
انوار تیرے در کے دل میں سیٹ لیتی  
غمِ زیت کے میں سارے پل میں پیٹ لیتی  
آنکھوں کے سامنے جب وہ عمخوار ہوتا  
سفرِ مدینہ ہوتا دل زار زار ہوتا

از: کوثر خالد، جڑانوالہ

### کوشش ہے شرط

جب کوئی بندہ صبح ہوتے ہی کلمہ پڑھ کر اللہ کو یاد  
کرتا ہے۔ اللہ کے احکامات کے مطابق دن گزارتا  
ہے، رات کو سوتے وقت بھی اللہ کو یاد کرتا سنتوں پر عمل  
کر کے اللہ کو خوش رکھنے کی کوشش کرتا ہے تو اللہ تعالیٰ  
کیسے اپنے اس بندے کو بھول سکتا ہے۔ اللہ تعالیٰ تو ایسا  
رحیم اور کریم ہے کہ اپنے بندے کے ایک اچھے عمل کا  
دس گنا زیادہ ثواب عطا کرتا ہے۔ بس کوشش شرط ہے۔  
از: رفعت بیمن رنی، یو ایس اے

### برسات

وہ گزرے برس کی پہلی رات  
جب میں اور تم ساتھ تھے  
وہ سہانی شام



اپنے دل سے اڑا چکی کب کی  
ڈھونڈ سکتا نہیں وہ تمثیلہ  
مجھ کو تنہائی کھا چکی کب کی  
شاعرہ: تمثیلہ لطیف، پسرور

### اقوال زریں

☆ تکبر سے پاک گفتگو، مفاد سے پاک محبت، لالچ  
سے پاک خدمت اور خود غرضی سے پاک دعا سچے  
رشتوں کی دلیل ہے۔

☆ زندگی کبھی آسان نہیں ہوتی اسے آسان بنانا  
پڑتا ہے، کچھ نظر انداز کر کے کچھ برداشت کر کے۔  
☆ اچھی کتابیں اور سچے دل ہر کسی کی سمجھ  
میں نہیں آتے۔

☆ اچھے لوگوں کی یہ خوبی ہے کہ ان کو یاد نہیں  
رکھنا پڑتا وہ خود یاد رہ جاتے ہیں۔

مرسلہ: گل شاہین، رحیم یار خان

### ایک لڑکی تھی

عجب لڑکی تھی رہتی تھی بس خیالوں میں  
وہ ضرب کرتی تھی تقسیم کے سوالوں میں  
کلاس روم میں پنسل تلاش کرتی تھی  
وہ بھول جاتی تھی اس کو لگا کے بالوں میں  
اس کی آنکھوں سے ظاہر تھی ہر اک بات جسے  
وہ بند رکھتی تھی دل کے ہزار تالوں میں  
وہ پیار چھوٹوں سے، عزت بڑوں کی کرتی تھی  
نہ میں بچوں میں آسکا نہ عمر والوں میں  
نہ جانے اب بھی اگر دل کی باتیں پڑھ نہ سکے  
تو ہم نے سیکھا کیا زندگی کے اتنے سالوں میں  
انتخاب: مہوش جواد، چوک اعظم لیہ

### بہت اچھا تھا وہ

آئندہ کسی کے مرنے پر اس کی تعزیت ممکنہ طور پر  
کچھ اس طرح کی ہوا کرے گی۔

مرحوم بہت ہی اچھا انسان تھا، ہمیشہ آن لائن  
رہتا تھا، ہر ایک کی ریکوئسٹ ایکسپریٹ کر لیتا تھا۔ کبھی

ماہنامہ پاکیزہ ﴿ 276 ﴾ ستمبر 2016ء

اپنے کمٹنٹس سے کسی کو تکلیف نہیں دی۔ اس کی پوسٹیں  
بڑی جاندار ہوتی تھیں، بڑے دل کا مالک تھا، کبھی کسی کو  
بلاک نہیں کیا۔ دوستوں کی سیلفیز دل کھول کر لائیک کرتا  
تھا۔ امیروں سے شیئر اور غریبوں کو ٹیگ کیا کرتا تھا۔ ہر  
گروپ کا ممبر تھا، جب موت آئی تب بھی فیس بک پر  
ہی بیٹھا ہوا تھا۔ بہت ہی اچھا آدمی تھا۔

از: یاسمین حیدر، کراچی

### شاہنگ

فرمائشیں تو ان کی ہیں باقی ابھی بہت  
کہتا ہے کون، قرض کی حاجت نہیں مجھے  
شاہنگ کا وہ حکم کرے اور کروں میں دیر  
یہ تاب، یہ مجال، یہ طاقت نہیں مجھے

از: ساجد ظفر، کمالیہ

### سچی گل اے

افسرنے فائل سے نظریں اٹھائے بغیر انٹرویو  
لیتے ہوئے پوچھا۔ ”ہاں تو آپ کو کیا معذوری ہے۔“  
”آپ دیکھیے..... میری یہ ٹانگ، ایک حادثے  
میں اڑتے، اڑتے رہ گئی تھی۔ اس لیے کہ میرے کہنے  
سے نہیں چلتی ہے..... جب اس کا دل چاہتا ہے چلتی  
ہے۔ حادثے کی وجہ سے ایٹارل ہو گئی ہے بلکہ معذور  
ہی سمجھیں آپ۔“

”ٹھیک ہے آپ کو ابھی لیٹرل جائے گا یہ  
سرکاری نوکری ہے دفتری اوقات صبح نو بجے سے پانچ  
بجے تک کے ہیں، آپ گیارہ بجے آجائیں اور ظہر کی  
نماز کے وقفے میں گھر چلے جائیں۔ آپ کی ٹانگ  
ایٹارل ہے، ہم لوگ تو باہر گھوم پھر لیتے ہیں۔ آپ  
کہاں کہیں مارنے جائیں گے..... سرکاری نوکری ہے،  
عرے کریں۔“

مرسلہ: صبا نور، لیہ

### لوٹ آنا

اداس راتوں کی سسکیوں میں  
کبھی جو میرا خیال آئے

اور نہ ہی اس کی دیواریں توڑ سکا لیکن یہ صرف تم ہی تو ہو کہ جو اپنے اور میرے والدین کو سیرگی بنا کر آسانی سے میرے دل تک تو کیا میرے دل کے اس کو نے تک پہنچ گئے جس کو میں نے دیکھا تک نہیں تھا۔ اب تم میرے دل کی دھڑکن ہو اور تم جانتے ہو کہ دل دھڑکنا بند کر دے تو زندگی ختم ہو جاتی ہے۔ اس لیے تم ہی تو ہو میری آن بان اور شان..... بلکہ میرے پرس ہو.....

از: پروین افضل شاہین، بہاول نگر

### محنت سے کامیاب منزل

آج کل اکثر بچے تعلیم کے معاملے میں بے حد پریشان نظر آتے ہیں۔ میں ان کو شورہ دوں گی کہ اپنے اندر محنت کا فارمولا ڈالیں اور مایوسی چھوڑ دیں۔ مایوسی کا ہلی ان کی سب سے بڑی دشمن ہے۔ اپنے اندر سے لفظ کاش کو نکال دیں۔ اس فارمولے کو ساتھ لیں کہ ہاں میں بھی ایسا بن سکتا ہوں۔ محنت، جذبہ، سچائی کو ساتھ لیں، اللہ پر پختہ یقین اور بھروسہ کریں۔ یہ ہو نہیں سکتا کہ آپ محنت کریں اور آپ کو صلہ نہیں ملے۔

از: مشیرہ سحر، میانوالی

### قابل غور

☆ سب سے جلدی راہی ہونے والی ہستی اللہ پاک کی ذات ہے۔ ہماری ندامت کا ایک آنسو سے ہمارا بہت قریبی دوست بنا سکتا ہے اور جس کا سب سے قریبی دوست اللہ ہو تو اس سے بڑھ کر اور عطا کیا ہوگی۔ کام کیسے روک سکتا ہے۔

☆ سب سے بڑا سہارا..... اللہ!

☆ سب سے بڑی نعمت..... بندرتی!

☆ سب سے بڑی دولت..... سچا دوست!

☆ سب سے اچھا ہنر..... محنت!

☆ سب سے بڑا طبیب..... پرہیز!

☆ سب سے بڑا جنون..... محبت!

☆ سب سے بڑا یقین..... توکل!

☆ سب سے بڑا گناہ..... دل آزاری!

☆ سب سے بڑا انعام..... دعا ہے!

اپنے پیاروں کو پُر خلوص دعاؤں کا تحفہ دیں۔

از: نگینہ ضیا، کیاڑی

تو مجھے لمحوں کو یاد کر کے

انہی فضاؤں میں لوٹ آنا

تم آیا کرتے تھے خواب بن کر

کبھی مہکتے گلاب بن کر

میں خشک ہونٹوں سے جب پکاروں

انہی اداؤں میں لوٹ آنا

میری وفاؤں کا پاس رکھنا

میری دعاؤں کی لاج رکھنا

میں خالی ہاتھوں کو جب اٹھاؤں

میری دعاؤں میں لوٹ آنا.....

مرسلہ: نگینہ ضیا بگٹش، کراچی

### اسے کیا کیے

محزز صارف!

پی ٹی سی ایل میں کال کرنے کا شکریہ۔

اردو کے لیے ایک دہائیں۔

انگریزی کے لیے دو دہائیں۔

براڈ بینڈ کے لیے تین دہائیں۔

اسارٹ ٹی وی کے لیے چار دہائیں۔

فون کی شکایت رج کرانے کے لیے پانچ

دہائیں۔

آپ کی کال کے معیار کو برقرار رکھنے کے لیے

آپ کی کال ریکارڈ کر لی گئی ہے۔

وقت ملنے پر ہمارا نمائندہ آپ کی کال اٹینڈ

کرے گا۔

مزید معلومات کے لیے ہمارے جواب کا انتظار

کرتے ہوئے اپنا سر دبائیں یا پھر گلا.....

پی ٹی سی ایل میں کال کرنے کا شکریہ

میوزک.....

تحریر: فریدہ افتخار، اسلام آباد

### میاں جانی تم ہی تو ہو

میرے دل کا دروازہ بہت بلند اور اس کی دیواریں

بہت مضبوط تھیں، نہ تو کوئی اس کے دروازے تک پہنچ سکا



# جلیزنگ انجم انصار

میسے کے ہوتے ہوئے بھی خاصے کنجوس ہیں بلکہ مہا کنجوس ہیں۔“

”یہ کوئی ایسی برائی نہیں ہے کہ اکثر حد سے زیادہ سلیقہ مند لوگ اسی کیٹیگری میں آتے ہیں۔“

”یہی تو میں کہہ رہی ہوں وہ اپنے لیے نرس رکھیں گے نہیں کہ آٹھ گھنٹے کی دیکھ بھال کے وہ دس سے بیس ہزار کے درمیان لے گی اگر چوبیس گھنٹے کی دیکھ بھال کے لیے خاندان کی کوئی غریب بڑھیال جائے تو ان کی دیکھ بھال کے ساتھ، ساتھ مزے، مزے کے کھانے بھی پکا کر انہیں کھلائے تو کون سی بری بات ہوگی۔“

”وہ جانیں اور ان کے معاملات آپ کو کیا ضرورت پڑی ہے۔۔۔ کہ کسی کے بارے میں بے پرکی اڑائیں؟“

”رفو اب اخبار بڑھنا تو چھوڑ دیا ہے کہ پڑھ کر سر میں درد ہوتا ہے، ارد گرد کی خبریں سن کر اٹھر مسکرائیں تو کیا مضائقہ ہے۔“ وہ دو گز کا تہقہ لگا کر کہیں۔

”بھابی! آپ سرف نام کی ہی سنجیدہ ہیں جبکہ حقیقت میں ہر ایک کو سنجیدہ کرنا جانتی ہیں۔“

”اے لو مجھے کیا معلوم کون کس بات سے چڑتا ہے اور کس بات سے الجھتا ہے، نہ ہی مجھے کسی کی چوکی کرنے کی عادت ہے اور نہ ہی کن سوئیاں لینے کی ورنہ برامت ماننا تمہارے گھر کے لوگوں نے میرے خط تک کھول، کھول کر پڑھے اور ٹیلی فون تو ٹیپ تک کیے گئے جیسے میرے پاس آپ لوگوں کی باتوں کے سوا بولنے کے لیے کوئی موضوع ہی نہیں ہو۔“ سنجیدہ بھابی لگیں شکایتیں کرنے۔

”بعض لوگوں کو بڑائی راس ہی نہیں آتی تو کیا

## کبھی جان لیں تو

یہ بات نہیں تھی کہ سنجیدہ بھابی کو کوئی بات معلوم نہ ہو، وہ اڑتی چڑیا کے پر بھی گن لیتی تھیں اور رہی بات معلومات کی تو اس کا تو ان کے پاس خزانہ تھا۔

”بڑی چچی نے رخسانہ کے جہیز میں پہنے ہوئے چیکٹ کپڑے تک دیے ہیں۔“

”تو کیا ان کی سسرال والوں نے پہچان نہ لیے ہوں گے، ان کے ہاں تو ایک سے ایک کائیاں (چالاک) ہیں۔“ میں نے حیران ہو کر کہا۔

”مگر بڑی چچی سے تو سب ہی کم ہیں ناں انہوں نے پلاسٹک میں سوٹ رکھ کر آگے سے مشین سے بخیہ کر دیا اب تھیلیاں پھاڑنے کا زمانہ تو آج سے تیس سال پہلے کا تھا اب نہیں رہا ہے۔“

”بڑے خالو، خالہ کے چہلم میں اپنے لیے لڑکی دیکھ رہے تھے۔“

”بھابی شرم کریں کیسی باتیں کرتی ہیں آپ۔۔۔۔۔ بڑے خالو کچھتر اور اتنی کے درمیان ہوں گے۔ اس عمر میں عقد کریں گے کیا وہ؟“ مجھے ان کی بات سن کر غصہ تو آ گیا تھا۔

”بڑے خالو کس قدر بیمار رہتے ہیں شوگر کے مریض، بلڈ پریشر کے مریض، ڈپریشن انہیں نہیں ہے مگر وہ دوسروں کو تو ڈپریشن میں مبتلا کر دیتے ہیں کیا اتنی ساری بیماریاں کافی نہیں ہیں ان کی شادی ہو جائے گی۔“ سنجیدہ بھابی شگفتہ بنی کہہ رہی تھیں۔

”نہیں ہو سکتی ان کی شادی، آپ خواہ مخواہ میں ہمارے خاندان والوں کا مذاق مت اڑایا کریں۔“

”یہ تو تم مانو گی ناں کہ تمہارے بڑے خالو



سونی آنکھیں اجڑی کلائی پھینکی عید  
بن تیرے ہو کیسے ساجن میری عید

کریں۔“ میں نے برا سامنہ بنا کر کہا۔  
”اس میں بڑائی کی بات کہاں سے آگئی؟“ ان  
کا لہجہ تک حیران تھا۔

”فون صرف بڑے لوگوں کے ٹیپ ہوتے ہیں  
اور ان کو سن کر ان کو سزائیں دلوائی جاتی ہیں، ایک ہم  
ہیں مجال ہے کہ کبھی آپ کی بات آپ کے سامنے  
دہرائی بھی ہو۔ ہم تو صرف ہنسنے ہنسانے کے لیے آپ  
کے فون سن لیتے تھے کہ ذرا دل پشوری ہو جاتی تھی۔“  
”مگر ہے تو بات غلط ناں.....“ وہ کسی اڑیل  
گھوڑے کی طرح ڈٹی ہوئی تھیں۔

”پیاری بھابی! اب غلط اور صحیح میں کوئی خاص  
فرق نہیں رہا ہے جو بات آپ کے لیے غلط ہے وہ  
ہمارے لیے صحیح اور جو بات کسی تیسرے کے لیے غلط ہو  
وہ ہو سکتا ہے ہم دونوں کے لیے صحیح ہو ایسے حالات  
میں بحث کرنا فضول ہی ہوتا ہے۔“

”اللہ تعالیٰ کی مصلحت بعض مرتبہ سمجھ میں نہیں آتی  
کیا تھا کہ میری شادی نہ ہوتی مگر بعض مرتبہ گناہوں کی  
سزا دنیا میں ہی مل جاتی ہے جب ہی تو میری شادی  
بھڑوں کے چھتے جیسے خاندان میں ہوئی اور میاں بھی  
ایسا کاٹھ کا الو ملا جسے اپنی عقل کے بجائے اپنی ساتوں  
بہنوں کی عقلوں پر زیادہ بھروسا ہے مجال ہے کہ کبھی وہ  
میری بات سن کر اس پر عمل پیرا بھی ہو سکیں شادی کو بارہ  
برس بیت گئے مگر حالات جوں کے توں ہی ہیں۔“

”اپنی تندوں تو کیا پوری سسرال پر تم کتنی حاوی  
ہو اس کا اندازہ اپنی تقریروں سے لگانا جو صبح سے شام  
تک تم اپنی سسرال میں بیٹھ کر کرتی ہو۔“ میں نے غصے  
سے پھر کر کہا۔

”اے ہے، یہ کیا کہہ رہی ہو تم۔ میں تو اسکول  
سے کالج تک ایک اچھی مقررہ رہی ہوں یہ وصف کوئی  
تم لوگوں نے تو مجھے عطا نہیں کیا۔“

”یہی تو کہہ رہی ہوں کہ آپ کی کندھوں پر پڑی  
زبان جو آپ میکے سے لے کر آئی تھی وہ اب بھی آپ  
کے کندھوں پر ہی پڑی ہے ظالم سسرال والوں نے کاتی

نہیں ہے۔“  
”اللہ، کیسے، کیسے ارمان ہیں تم لوگوں کے  
دلوں میں۔“

”تمہارے میاں نے تمہاری چٹیا کاٹ دی جسے  
تم پر کٹی کہلا کر ماڈرن ہونے کا بہلا والے لیتی ہو مگر  
عزائم بڑے زہر لیے رکھتی ہو۔“

”عزائم اور عمل میں سمندر کے دو پاٹوں کا فاصلہ  
ہوا کرتا ہے اس لیے کسی کے عزائم جان کر اس سے  
نفرت کرنی چاہیے کہ عمل کرنے کا اختیار بعض مرتبہ  
چاہتے ہوئے بھی اپنے ہاتھ میں نہیں آتا۔ ہمارے وار  
سے کوئی اگر فوج جاتا ہے تو اس کی وجہ یہی ہوتی ہے کہ  
مارنے والے سے تو بچانے والا بڑا ہے جو ہر شے پر  
قادر ہے۔ ہم جو زمیں پر اکڑ کر چلتے ہیں۔ بکو اس  
کرتے پھرتے ہیں۔ اپنی اوقات نہیں جانتے۔“ میں  
نے کہا۔

”کاش کبھی جان لیں تو اپنی زبان کو اپنے  
دانتوں سے دبا کر رکھیں گوشت کی یہ زبان جس

شرکت کر کے اپنے لائحہ عمل پر بھی سوچ بچار کر سکتے ہیں۔ ہماری ہونے والی بہو ایک نامی گرامی پرائیویٹ کالج کی پروفیسر ہے۔ اس کے کالج میں داخلہ لینے والوں کو خصوصی رعایت دی جائے گی۔“

استقبالیہ: پہلی والی کے سب بچے منتظر: والدین

☆☆☆

”ہمارے پیارے بھائی گڈو کی شادی ٹی وی اسکرین کی شہزادی مس گلابو سے ہو رہی ہے۔ شادی کی تقریب میں ٹی وی اور فلم کے نامی گرامی فنکار شرکت کریں گے، جہاں آپ اپنے پسندیدہ فنکاروں سے آٹو گراف بھی حاصل کر سکتے ہیں۔ شادی کے کارڈز اگر آپ اپنے دوستوں کو بھی دینا چاہیں تو دے سکتے ہیں۔

ٹی وی کارڈ ایک ہزار ہے، شادی میں آنے والوں سے نیوٹا ہمارا اپنا گارڈ وصول کرے گا۔ برائے مہربانی اپنے لفافے کھلے دیں کیونکہ ہمارے گارڈز لفافے چیک کر کے لیں گے۔“

انتظامیہ: شادی کمیٹی

☆☆☆

”یہ اطلاع انتہائی خوشی کے ساتھ دی جا رہی ہے کہ ہماری لاڈلی بیٹی شادی کرنے پر رضامند ہو گئیں۔ نواب فیملی سے تعلق رکھنے والے شہزادے گلغام نے گھر دانا کی شرط قبول کر لی ہے وہ آئندہ اتوار رخصت ہو کر ہمارے دولت کدہ میں آجائیں گے۔ آپ سے التماس ہے کہ خوب صورت بوکے، ناکس تہنیتی کارڈز اور اعلیٰ تحائف کے ہمراہ دونوں کو دعا دینے کے لیے گیارہ بجے شب تشریف لائیں۔ شکر یے اور کولڈ ڈرنکس کے ساتھ ہم آپ کو الوداع کہیں گے۔“

”نوٹ: تمام مدعوین اور ان کے تحائف کی فلم ٹی وی کے فلاں چینل پر بھر پور دکھائی جائے گی۔

اچھے کلوز اپ دینے والی خواتین ٹی وی کے ڈراموں میں اپنی قسمت کے طفیل چانس بھی حاصل کر سکتی ہیں۔

☆☆☆

میں بڑی نہیں ہوتی مگر گفتگو کے زہر سے اتنی سخت ہو جاتی ہے کہ کسی کے بھی دماغ کی ہڈی توڑ سکتی ہے۔“

## شادی کے نئے نکورے کارڈز

”آپ کو یہ جان کر خوشی ہوگی.....“

مورخہ 12 ستمبر کو ٹیٹا کی جچی سے شادی فلاں ہال میں ہو رہی ہے، جو آپ کی رہائش سے قریب ترین ہے، نیوٹا پانچ ہزار روپے سے زائد دینے والے ویسے کی تقریب کا کارڈ حاصل کر سکتے ہیں۔ ایک ہزار کم دینے والے مہمان تقریب میں ہرگز شرکت نہ کریں..... ورنہ.....“

اہل دل مہمانوں کے منتظر: مسٹر اینڈ مسز ایکس والی

☆☆☆

”ہمارے پیارے بیٹے شہزاد کا ولیمہ فلاں فائیو اشار ہوٹل میں ہو رہا ہے۔ بچوں کو لانا منع ہے، مرد حضرات کے لیے سیاہ ڈز سوٹ پہننے کی پابندی ہوگی، ہاں خواتین اپنی پسند کے لمبوسات میں آسکتی ہیں۔“

نوٹ: تحائف دینے کے بجائے صرف کیش میں اپنا نیوٹا والدہ شہزاد کو دیا جائے، جو استقبالیہ پر موجود ہوں گی۔ (ان کی شناختی علامت گلابی ساڑھی بڑا سا پرس اور دائیں ہاتھ میں موٹا سا کڑا ہے)

☆☆☆

”ہماری پیاری بیٹی رضیہ سلطانہ کی رسم رخصتی گھر سے ہو رہی ہے۔ سنگل بلاوا ہے رخصتی کی تقریب رات کے بارہ بجے ہے۔ آپ پونے بارہ بجے تشریف لائیں ایک ہاتھ سے اپنا نیوٹا دیں اور دوسرے ہاتھ سے برگر اور جوس کا پیکٹ حاصل کریں، آپ کی چند منٹوں کی یہ شرکت ہمارے لیے نہایت صداقتار ہوگی۔ شکر یہ.....“

شرکت کے متمنی: مسٹر اینڈ مسز چمنل

☆☆☆

”بفضل خدا ہمارے پیارے بیٹے کی دوسری شادی ہو رہی ہے۔ آپ اس خوش قسمت تقریب میں

ماہنامہ پاکیزہ ﴿ 280 ﴾ ستمبر 2016ء



زرگس نسیم..... صابہ موہڑہ  
تری جدائی سے چھائی ہوئی ہے تاریکی  
رو وفا کے مسافر تجھے خبر بھی ہے  
☆ اینہ مشیر..... نئی دہلی

اثر کرے نہ کبھی موسموں کی بے رحمی  
خدا رکھے میرے خوابوں کا یہ شجر باقی  
☆ صائمہ سجاد بخش..... کوہاٹ

روشن ہے تہائی جب سے یہ معلوم ہوا  
میرے لیے اپنی پلکوں پر تم بھی رہ چلائی ہو  
☆ عرشہ جنید..... کراچی

میں فنا ہو گیا افسوس وہ بدلا ہی نہیں  
میری چاہت سے بھی سچی رہی نفرت اس کی  
☆ صبا سجاد..... وہی

یونہی نہیں بہار کا جھونکا بھلا لگا  
تازہ ہوا کے یاد پرانی بھی ساتھ ہے  
☆ نگہت غفار..... کراچی

وہ جو نکلا ہے سکوں ڈھونڈنے صحراؤں میں  
کیوں نہ اس کو دل وحشی میں جگہ دی جائے  
☆ نیلو فرخان..... بہارہ کہو

یہ بوند بوند سی بارش کسی کی یادوں کی  
میرے یقین کا کچا مکاں گرائے گی  
☆ نگہت آصف..... اسلام آباد

ہم شہر بے وفا میں وفا ڈھونڈتے رہے  
حیرت میں ایک جہاں ہے کہ کیا ڈھونڈتے رہے  
لحوں میں کر گیا تھا جو برباد بستیاں  
ہم مدتوں وہ دستِ قضا ڈھونڈتے رہے  
☆ ایمان چوہدری..... فیصل آباد

مجھے آج کل اسی پتھر کی ہے تلاش  
جو لوگ اکثر دل پر رکھ کر کسی کو بھول جاتے ہیں

☆ مسز خدیجہ جمیل..... لاہور  
کچھ دیر جلتا رہتا ہواؤں کے روبرو  
گھر کے دیے سے اتنی مروت نہ ہو سکی  
☆ ایمن زرناب..... کمالیہ

ایک ہمیں آوارہ کہنا، کوئی بڑا الزام نہیں  
دنیا والے دل والوں کو اور بہت کچھ کہتے ہیں  
☆ کائنات عبدالحلیم..... میرپور خاص

تمہارے غم سے جب اپنوں کی آنکھیں نم نہیں اکبر  
تو پھر یہ پوچھتے کیوں ہو کہ بیگانوں پہ کیا گزری  
☆ غزالہ طاہر..... سرگودھا

اسی میں خوش ہوں میرا دکھ کوئی تو سہتا ہے  
چلی چلوں گی جہاں تک یہ ساتھ رہتا ہے  
میرے بدن کو نمی کھا گئی ہے اشکوں کی  
بھری بہار میں کیسا مکان ڈھتا ہے

☆ ارم کمال..... فیصل آباد  
بات اتنی ہے کہ ایک موڑ پہ رستہ بدلا  
دو قدم ساتھ چلا وہ بھی ہزاروں کی طرح  
بادباں کھولے جو میں نے تو ہوا میں پلٹیں  
دور ہوتا گیا ایک شخص کناروں کی طرح

☆ لائیبہ کائنات..... نیوکیسپس لاہور  
وہ مجھ کو دیکھ کے برسا تھا بادلوں کی طرح  
میں زخم، زخم تھا پر پھر بھی اعتدال میں تھا

☆ نازیہ نزی..... نوشہرہ کینٹ  
میری آنکھوں میں نمی بڑھ رہی ہے  
پھر بھی پیاسے اور تشنہ کام ہیں ہم  
☆ عنبر وسیم..... گوجرانوالہ

رستہ کہاں سورج کا کوئی روک سکا ہے  
ہوتی ہے کہاں رات کے زنداں میں سحر بند

☆ نامہ تحریم..... کراچی

بے دروزمانے کو ہے ہنس دینے کی عادت  
ہر ایک سے بیاں درد کی روداد نہ کرنا  
پھر اشک بہانے کی اجازت بھی نہ ہوگی  
دل خون بھی ہو جائے تو فریاد نہ کرنا

☆ عروج نیازی..... ڈی آئی خان

ضرورت توڑ دیتی ہے غرور بے نیازی کو  
نہ ہوتی کوئی مجبوری تو ہر بندہ خدا ہوتا

☆ ثوبیہ ظہور..... ضلع انک

نہ گھر ہی یاد ہے اب تو ہمیں نہ اپنا پتا  
تیری تلاش میں نکلے تو کھو دیا خود کو

☆ رفیعہ ابدالی..... کراچی

ٹپک پڑتے ہیں آنسو جب تمہاری یاد آتی ہے  
یہ وہ برسات ہے جس کا کوئی موسم نہیں ہوتا

☆ پروین افضل شاہین..... بہاول نگر

درخت مل کے نہاتے ہیں تیز بارش میں  
اور ابر دور سے تصویر کھینچ لیتا ہے

☆ صائمہ عطا محمد..... کوئٹہ

روز تاروں کی نمائش میں غلغل پڑتا ہے  
چاند پاگل ہے اندھیرے میں نکل پڑتا ہے

اُن کی یاد آتی ہے اے سانس ذرا آہستہ چل  
دل کے دھڑکنے سے عبادت میں غلغل پڑتا ہے

☆ نادیا عرفان..... اسلام آباد

آدنی زینہ افلاک پہ چڑھ سکتا ہے  
اور کچھ چاہے تو کچھ اور بھی بڑھ سکتا ہے

دل کو آئینہ کے مانند اگر صاف رکھے  
لوبح محفوظ کی تحریر بھی پڑھ سکتا ہے

☆ عالیہ آغا..... لندن

ایک انسان ہے اور اس کی ہزاروں قسمیں  
کوئی روباہ، کوئی گرگ، کوئی شیغم ہے

☆☆☆

☆ ممتاز خانم..... کراچی

بارش کی دعاؤں میں نئی آنکھ کی مل جائے  
جذبے کی کبھی اتنی رفاقت بھی بہت تھی  
کچھ تو ترے موسم ہی مجھے راس کم آئے  
اور کچھ مری مٹی میں بغاوت بھی بہت تھی

☆ راحیلہ مہر علی شاہ..... گاؤں آماخیل

پہلی سی بات جذب و محبت میں اب کہاں  
وہ پھیرے جو اپنی نظر مجھ کو اس سے کیا  
میں بھی بدل کے دیکھ لوں اپنا مکاں کہیں  
بدلے اگر وہ راہ گزر مجھ کو اس سے کیا

☆ جبیں نیاز..... ملتان

عزم راسخ ہو تو دیتی ہے صدا خود منزل  
حوصلہ ہو تو کوئی راہ بھی دشوار نہیں

☆ رفعت محمد یونس..... ملتان

ہے میرے چاروں طرف بھیڑ گونگے بہرہ دار کی  
کے خطیب بناؤں گے خطاب کروں  
یہ زندگی جو مجھے قرض دار کرتی رہی  
گہنیں اکیلے میں مل جائے تو حساب کروں

☆ ساجدہ ظفر..... کمالیہ

تصور تیرا جو مجھے چھو جائے  
میری ہر سانس سے تیری خوشبو آئے  
یہ کس موڑ پر لے آئی ہے جب تو  
پانی میں عکس میرا ہو اور نظر تو آئے

☆ مسز فرح امجد..... ٹاؤن شپ لاہور

تبسم سے کہو ہونٹوں تک نہ آنے پائے  
ہم نے تو اس سے کب کی عداوت کر لی

☆ کرن کمال..... فیصل آباد

وہ مسکرائیں تو ہنس، ہنس پڑیں کئی موسم  
وہ گنگنائے تو باد و صبا ٹھہر جائے

وہ ہونٹ، ہونٹوں پہ رکھ لے اگر دم آخر  
مجھے گماں ہے کہ آئی قضا ٹھہر جائے



### آسان ران روست

اشیا: بکرے کی ران یا دستی (اضافی چربی صاف کر لیں) نمک، حسب ذائقہ۔ پیاز، دو عدد (درمیانی باریک کاٹ لیں) پسا گرم مسالا، ایک چائے کا چمچ۔ سرکہ، ایک پیالی۔ دہی، ایک پیالی۔ لہسن، ادھارک، کا پیسٹ ایک کھانے کا چمچ۔

ترکیب: ران کو صاف کر کے خشک کر لیں اور پھر سر کے میں ڈبو کر دو سے تین گھنٹے کے لیے رکھ دیں۔ پیاز گولڈن کر کے چورا کریں اور دہی، نمک، گرم مسالا اور لہسن، ادھارک کے پیسٹ کے ساتھ خوب پس لیں۔ ران کو سر کے سے نکال کر خشک کر لیں اور اس پر یہ آمیزہ اچھی طرح لپ دیں بلکہ کانٹے کی مدد سے گود دیں۔ دو گھنٹے کے بعد اوون میں بیک کریں یا ایک بڑے دھبے کے اندر اسٹینڈ پر رکھ کر اور دو جگ پانی ڈال کر ڈھکن بند کر کے درمیانی آگ پر رکھ دیں۔ ایک گھنٹا پکائیں اور پانی خشک کر لیں چیک کر لیں کہ گوشت گل گیا ہو تو اتار لیں۔ مزید اروروسٹ تیار ہے۔

مرسلہ: کلثوم عباس، کراچی

### بھنی کلیجی جینی طریقے سے

اشیا: بکرے کی کلیجی، آدھا کلو۔ کارن فلور، ایک کھانے کا چمچ۔ سویا ساس، دو کھانے کے چمچ۔ پانی، آدھا کپ۔ سرکہ، ایک کھانے کا چمچ۔ تیل، آدھا کپ۔ چینی، آدھا چائے کا چمچ۔ ہری پیاز، بارہ عدد۔ (باریک لمبی کاٹ لیں) سیاہ مرچ، حسب پسند۔

ترکیب: کلیجی کو دھو کر باریک، باریک لمبائی کے رخ Strips کاٹ لیں۔ اس پر سوکھا کارن فلاور، سرکہ، سویا ساس اور چینی لگا کر رکھ دیں۔ کڑا ہی میں تیل گرم کر کے کلیجی کو فرائی کر لیں۔ کٹی ہوئی ہری

پیاز بھی شامل کر دیں۔ چند منٹ پکائیں۔ نمک اور کالی مرچ آخر میں چھڑک کر اتار لیں اور گرم، گرم پیش کریں۔

مرسلہ: منیزہ نعیم، راول پنڈی

### پشاوری کڑاھی

اشیا: گوشت، آدھا کلو۔ ٹماٹر، ایک پاؤ۔ نمک، حسب پسند۔ دھنیا، کٹا ہوا۔ ایک چائے کا چمچ۔ ہلدی، ایک چوتھائی چائے کا چمچ۔ کالا زیرہ، ایک چوتھائی چائے کا چمچ۔ کالی مرچ، پسی ہوئی، حسب پسند۔ دہی، دو کھانے کے چمچ۔ تیل، آدھا کپ۔ لال مرچی پسی ہوئی، دو کھانے کے چمچ۔ پیاز، ایک عدد (باریک کاٹ لیں) ادھارک، لہسن پیسٹ، ایک کھانے کا چمچ۔ ہرا دھنیا آدھی گڈی۔ گرم مسالا، پسا ہوا ایک چائے کا چمچ۔

ترکیب: کڑاھی میں دہی، گرم، مسالا اور ہرا دھنیا کے سوا تمام اجزا ڈال کر دسی آگ پر پکائیں جب گوشت گل جائے تو اس میں گرم مسالا ڈالیں اور مزید پندرہ منٹ تک پکائیں پھر دہی ڈالیں اور آخر میں ہرا دھنیا ڈال کر دم پر رکھیں۔

مرسلہ: عمارہ خان، پشاور

### پٹھانی کباب

اشیا: بیف قیمر، آدھا کلو۔ پتے کا آنا، چھ چائے کے چمچ۔ لال مرچ، ایک چائے کا چمچ۔ ٹماٹر، تین عدد۔ پیاز، تین عدد۔ لہسن، دس جوے۔ ادھارک، ایک اچھ کا ٹکڑا۔ انار دانہ، ایک چائے کا چمچ۔ دھنیا، آدھی گڈی نمک، حسب ضرورت۔ گرم مسالا، ایک چائے کا چمچ۔ تیل، فرائی کے لیے۔

ترکیب: قیمر باریک پس لیں۔ ادھارک، لہسن، گرم



## پاک سوسائٹی پر موجود مشہور و معروف مصنفین

عُمیرہ احمد	صائمہ اکرام	عشنا کوثر سردار	اشفاق احمد
نمرہ احمد	سعدیہ عابد	نبیلہ عزیز	نسیم حجازی
فرحت اشتیاق	عفت سحر طاہر	فائزہ افتخار	عنایت اللہ التمش
قُدسیہ بانو	تنزیلہ ریاض	نبیلہ ابراراجہ	ہاشم ندیم
نگہت سیما	فائزہ افتخار	آمنہ ریاض	ممتاز مفتی
نگہت عبداللہ	سباس گل	عنیزہ سید	مستنصر حسین
رضیہ بٹ	زُخسانہ نگار عدنان	اقراء صغیر احمد	علیم الحق
رفعت سراج	اُمِ مریم	نایاب جیلانی	ایم اے راحت

## پاک سوسائٹی ڈاٹ کام پر موجود ماہانہ ڈائجسٹس

خواتین ڈائجسٹ، شعاع ڈائجسٹ، آنچل ڈائجسٹ، کرن ڈائجسٹ، پاکیزہ ڈائجسٹ،  
حناء ڈائجسٹ، ردا ڈائجسٹ، حجاب ڈائجسٹ، سسپنس ڈائجسٹ، جاسوسی ڈائجسٹ،  
سرگزشت ڈائجسٹ، نئے آفاق، سچی کہانیاں، ڈالڈا کا دسترخوان، مصالحہ میگزین

## پاک سوسائٹی ڈاٹ کام کی شارٹ کٹس

تمام مصنفین کے ناولز، ماہانہ ڈائجسٹ کی لسٹ، کڈز کارنر، عمران سیریز از مظہر کلیم ایم اے، عمران سیریز از ابنِ صفی،

جاسوسی دنیا از ابنِ صفی، ٹورنٹ ڈاؤنلوڈ کا طریقہ، آن لائن ریڈنگ کا طریقہ،

ہمیں وزٹ کرنے کے لئے ہمارا ویب ایڈریس براؤزر میں لکھیں یا گوگل میں پاک سوسائٹی تلاش کریں۔

اپنے دوست احباب اور فیملی کو ہماری ویب سائٹ کا بتا کر پاکستان کی آن لائن لائبریری کا ممبر بنائیں۔

اس خوبصورت ویب سائٹ کو چلانے کے لئے ہر ماہ کثیر سرمایہ درکار ہوتا ہے، اگر آپ مالی مدد کرنا چاہتے ہیں تو ہم سے فیس بک پر رابطہ کریں۔۔۔

مسالا، چنے کا آٹا، لال مرچ پاؤڈر، دھنیا اور انار دانہ ایک ساتھ گرائنڈ کر لیں۔ اب اس کچھر کو تیلے میں کس کر دیں اور بیضوی شکل کے کباب بنائیں۔ ایک بڑا پین لیں اسے پانی سے آدھا بھر لیں پھر اس کے ڈھکن کے اطراف کپڑا پیٹ کر اسے مضبوطی سے بند کر کے چولھے پر رکھ کر پانی ابلنے دیں۔ جب دھواں نکلنے لگے تو ڈھکن کے کپڑے پر کباب رکھ کر اوپر ایک ڈش الٹ دیں تاکہ کباب دھواں بھاپ میں پک جائیں۔ جب کباب اچھی طرح تیار ہو جائیں تو پین کو آگ پر سے اتار لیں۔ اب ایک فرائی پین میں تیل گرم کر کے ان کبابوں کو فرائی کر لیں پھر ان کبابوں کو ایک سرونگ پلیٹ میں نکال کر کٹے ہوئے ٹماٹر، پیاز اور انار دانے کے ساتھ سرو کریں۔

مرسلہ: تحسین عباس عابدی، حیدرآباد

### میکسیکن ڈش

اشیا: تیل، چھ کھانے کے بیج۔ درمیانی پیاز، دو عدد۔ (موٹی موٹی کٹی ہوئی) اورک، ایک انچ کیوب (چھیل کر موٹی موٹی کٹی ہوئی) خشک لال مرچیں، چار سے چھ عدد۔ لہسن، دو بڑے جوے (چھیل کے کچلے ہوئے) تازہ ہری مرچیں، ایک تا دو (لمبائی میں کٹی ہوئی) زیرہ، پسا ہوا۔ تین کھانے کے بیج۔ دھنیا، پسا ہوا ایک کھانے کا بیج۔ سرخ مرچ، (پسی ہوئی) آدھا یا ایک چائے کا بیج۔ ہلدی، (پسی ہوئی) ایک چائے کا بیج۔ بکرے کے ران یا دستی کا گوشت، ایک کلو۔ (چربی نکال کر آدھا بیج کے کیوبز میں کاٹا ہوا) گرم پانی، 175 ملی لیٹر یا 6 اونس (محلول) گرم مسالا ایک چائے کا بیج۔

ترکیب: پھر درمیانی آبی بردی گئی مقدار میں سے تین کھانے کے بیج کے برابر تیل گرم کر لیں اور پیاز، اورک، لہسن اور ہری مرچوں کو بھونیں یہاں تک کہ پیاز نرم ہو جائے۔ اس میں آٹھ یا دس منٹ لگیں گے۔ تاہم بیج چلاتے رہیں۔۔۔ آبیج سے اتار کر ٹھنڈا ہونے دیں۔ اس دوران درمیانی آبیج پر باقی ماندہ تیل گرم

کریں۔ کچلے ہوئے لہسن اور ہری مرچوں کو بھونیں یہاں تک کہ لہسن کا رنگ بھرا ہو جائے۔ نصف ٹماٹر ڈالیں۔ بیج چلا کر ایک تا دو منٹ پکائیں۔ زیرہ، دھنیا، پسی ہوئی مرچ اور ہلدی ڈالیں اور آبیج کو کم پر لے آئیں اور چھ تا آٹھ منٹ پکائیں اور زیادہ تر بیج چلاتے رہیں۔ گوشت ڈالیں اور آبیج ہلکی ہی رکھیں۔ بیج چلا کر بھونیں یہاں تک کہ گوشت کا رنگ بدلنے لگے۔ (اس میں پانچ تا چھ منٹ لگیں گے) پانی ڈال کر گوشت ایک مرتبہ ابال لیں پھر ڈھانپ کر تین منٹ تک آہستہ آہستہ پکائیں الیکٹرک پلینڈر یا فوڈ پروسیسر میں بھنی ہوئی پیاز کا آمیزہ ڈالیں اور باقی ٹماٹر ڈالیں۔ کیچان ہونے تک ملا لیں اور اسے گوشت میں ڈال کر پکائیں۔ نمک ڈال کر اچھی طرح ملا لیں۔ پین کو ڈھانپ کر مزید 35 سے 40 منٹ پکائیں یا جب تک گوشت گل نہ جائے پھر بیج چلا کر گرم مسالا ملا لیں اور آبیج سے اتار لیں۔ اسے خشک چاول کے ساتھ بھی کھا سکتے ہیں۔

مرسلہ: عرشہ جنید، کراچی

### کریم کوکٹیل

اشیا: فریش کریم دو پیکٹ۔ دودھ، 1/2 لیٹر۔ چینی پسی ہوئی 8-6 کھانے کے بیج۔ کارن فلور، دو کھانے کے بیج۔ اسٹرابیری جیلی، ایک پیکٹ۔ بنانا جیلی، ایک پیکٹ۔ فروٹ کوکٹیل، ایک ٹن۔ ڈرائی فروٹ، حسب ذوق۔

ترکیب: فریش کریم کو ٹھنڈا کر کے بیٹ کر لیں۔ اسٹرابیری اور بنانا جیلی بنا کر سیٹ کر لیں۔ دودھ میں چینی ڈال کر ابلیں۔ کارن فلور تھوڑے سے دودھ میں گھول کر، ابلتے ہوئے دودھ میں ملا کر پکائیں اور پھر ٹھنڈا کر لیں۔ ٹھنڈا ہونے پر اس میں پھینٹی ہوئی کریم فولڈ کریں۔ پھر فروٹ (بغیر سیرپ کے) اور جیلی بھی ڈالیں اوپر سے ٹس سے گارنش کر کے جیلی سے ڈیکوریٹ کریں۔

مرسلہ: جنیبا نیاز ملتان



## بالوں کے متعلق

### ضروری معلومات

بال وہ بھی سر کے نہایت اہمیت کے حامل ہیں، یہ جسمانی حسن ہے جبکہ کالی گھٹائیں چھٹ جائیں اور چمکدار سطح (ٹنڈ) کی صورت میں سامنے ہو یا پھر سیاہ بدلی کے اوٹ سے کبھی، کبھی سفید یا جھلکنے لگیں۔ اس وقت انسان خصوصاً خواتین کا دل چاہتا ہے کہ کسی بھی علاج اور ٹونکے سے یہ عمل روک لیا جائے اور بادل کی کالی بدلی کبھی نہ چھٹے مگر ہائے رے افسوس ہزار ہا ترقی کے باوجود سفید بال نہ تو مستقل طور پر کالے ہوئے اور نہ ہی دوبارہ سر پر بہا ر آئی۔

بالوں کو تندرست، چمک دار، گھنے، صحت مند اور خوب صورت رکھنے کے لیے ضروری ہے انہیں جسم سے پوری غذا مل رہی، داوران کی مکمل نگہداشت کی جا رہی ہو۔ بال سیٹ کرنا یا اسٹائل بنانا بالوں کی خوب صورتی میں اضافے کا باعث نہیں ہوتا بلکہ آپ کو صرف ایک نئی لگ دیتا ہے۔ ایک کمزور صحت شخص خوب صورت بالوں کا مالک نہیں ہو سکتا۔

بالوں اور جلد کے امراض میں قابل ذکر مرض سر کی خشکی یعنی dandruff ہے، بفانامی یہ چیز جلد سے رسنے والی ایک چکنی رطوبت Moist ہے جو جلد کی سطح پر جمع ہو کر جسم کی گرمی سے فوراً ہی خشک ہو کر بھوسی کی شکل اختیار کر لیتی ہے۔ کنگھا کرنے اور اگلیاں پھیرنے پر یہ پڑی کی شکل میں جھڑنے لگتی ہے۔ تمام جلد کی طرح سر کی جلد میں بھی کچھ ایسے خاص غدود پائے جاتے ہیں جو یہ چکنی رطوبت بناتے ہیں، یہ قدرتی امر ہے اس سے جلد خشک نہیں ہوتی اور موسم کی

شدت اور دیگر مسائل اثر انداز نہیں ہوتے۔ بعض حالات میں یہی رطوبت زیادہ پہنے لگتی ہے۔ اکثر تو پیشانی اور بھوئیں بھی متاثر ہو جاتی ہیں۔ اس کا سبب غیر معیاری اور غیر متوازن غذا اور نیند کی کمی ہے۔ زیادہ مرغن غذائیں اور مرچ مسالا جات نقصان پہنچاتے ہیں۔ اس کے علاوہ صحت کے اصولوں اور طریقوں سے ناواقفیت اور عدم توجہی بھی اس کا بڑا سبب ہے۔ آج کل کے نت نئے شیمپو اور صابن بالوں کی قدرتی کھٹاس کو کاٹتے ہیں، جس سے یہ بیماریاں پیدا ہو جاتی ہیں۔ جھبی حکما اور اطبا بالوں کو آٹے، ریشھے، سیکا کائی، بڑ، بہیڑا، ماش کی دال، بیری کے پتے، وہی، سرسوں کی کھلی، وغیرہ سے مساج اور دھونے کو ضروری خیال کرتے ہیں۔

نی زمانہ تیل لگانے کا رواج دم توڑ چکا ہے۔ ایسے میں بال کیسے لے کیے جائیں اس کے لیے عرض ہے کہ ریشھے، آٹے سے بہتر کوئی نسخہ نہیں۔ ایک تو کچر لگانے کی پنا پر کنگھا کرنے کا رواج ہی ختم ہو گیا ہے۔ انگلیوں سے بال برابر کیے اور گول کر کے کچر لگایا۔ کنگھا یا برش کرنے سے سر کا دوران خون تیز ہوتا ہے اور بالوں کو غذا ملتی ہے۔ صاف بالوں میں تیل لگانا فائدہ مند ہے۔ نہ کہ ہفتہ بھر کے میلے بالوں میں تیل لگایا اور فوراً نہا لیے۔ آپ آٹے، ریشھے، سیکا کائی، ہم وزن لے کر رات بھر کے لیے بھگو دیں۔ صبح نتھار کر اس پانی سے سردھولیں ہفتے میں تین دن یہ عمل کریں۔ غذا میں آئرن، سبز پتوں والی سبزیاں شامل کریں۔

☆☆☆

ماہنامہ پاکیزہ 285 ستمبر 2016ء



## پہلا انعام یافتہ سوال

☆ فریدہ فری..... لاہور

سوال: کہتے ہیں کہ سانپ کا ڈسا پانی نہیں مانگتا..... اور انسان کا ڈسا؟  
جواب: ہر چیز مانگتا ہے۔

## دوسرا انعام یافتہ سوال

☆ ارم کمال..... فیصل آباد

سوال: رانی کونو کرانی کب بننا پڑتا ہے؟  
جواب: جب بادشاہ سلامت بھی گھر میں غلام کی حیثیت رکھتے لگتے ہیں۔

☆ فرح امجد..... لاہور

سوال: آج کل گھر سے بھاگ کر شادی کرنے کا فیشن جڑ پکڑ رہا ہے اس کی کیا وجہ ہے؟  
جواب: اب مائیں نہ اپنی اولاد کی دوست ہیں اور نہ ہی اولاد اپنے والدین پر بھروسہ کر رہی ہیں تو سب من مانی کر رہے ہیں۔

☆ صائمہ سجاد بخش..... کوہاٹ

سوال: نکتہ چینی کرنے والوں کے ساتھ کیا کرنا چاہیے؟

جواب: ان سے کم، کم ملا جائے۔

☆ فرخندہ جعفری..... کجرات

سوال: انسان کی عقل گھاس چرنے کب جاتی ہے؟  
جواب: جب وہ اپنے آپ کو زیادہ عقل مند اور دوسروں کو بے وقوف سمجھنے لگتا ہے تب.....

☆ مریم کاشف..... حیدرآباد

سوال: غبارے سے ہوا کیسے نکلتی ہے؟

جواب: سوئی چھو کر خود دیکھ لو۔

☆ نائمہ تحریم..... ملیر کراچی

سوال: لگائی بجھائی کیسے کی جاتی ہے؟  
جواب: کسی بھی نسبت کے شامیانے میں جا کر دیکھ لو۔ درجنوں طریقے ہیں چند منٹوں میں معلوم ہو جائیں گے۔ (توبہ)

☆ فرحت احمد..... بن قاسم، کراچی

سوال: ہم دونوں same date پر مئے مگر لوگوں کو فکر پڑ گئی حالانکہ میں لاہور اور وہ ملتان گئے تھے؟

جواب: اور اس کے بعد مل کر آپ دونوں کہاں پہنچے۔

☆ یاسمین کنول..... پسرور

سوال: غریب انسان کیسے امیروں کا مقابلہ کر سکتا ہے؟

جواب: ہر حال میں اللہ کا شکر کرے اور کبھی کسی سے مقابلہ بازی نہیں کرے۔

☆ گلناز گل..... ملتان

سوال: کیا آپ نے کبھی اندھیرے میں کالی بلی پکڑی ہے؟

جواب: میں تو اجالے میں بھی بلیاں نہیں پکڑا کرتی۔

☆ پروین افضل شاہین..... بہاول نگر

سوال: ایک راز کی بات بتاؤں، کسی کو بتائیے گا نہیں، انہوں نے جب مجھے پہلی بار دیکھا تو..... بتائیں کیا ہوا تھا؟

جواب: وہ بے اختیار رونے لگے تھے اور مارے

خوف کے ان کی کھٹی علیحدہ بن گئی تھی۔

☆ رفیعہ ابدالی..... کراچی

سوال: آئینہ ان کو دکھایا تو برامان گئے؟

جواب: آپ کی ساری سچی باتیں ان کو پتھروں کی طرح زخمی جو کر گئیں۔

☆ نازیہ نزی..... نوشہرہ کینٹ

سوال: مہینے کے آخر میں ایک پرابلم نہ ہو..... وہ کیا ہے؟  
جواب: بزمِ بزمِ بلائے مہمانوں کا دھرنانہ ہو۔

☆ مصباح رضا سعید..... فیصل آباد

سوال: شادی کے کچھ عرصے بعد یہ شوہر قہر برساتی نظروں سے کیوں دیکھا کرتے ہیں؟

جواب: وہ چاہتے ہیں کہ بیوی ان کے اشاروں پر ناچے اور جب وہ رک جاتی ہے سانس لینے کے لیے تو ان کی نظریں بھی آگ اگلی زبان کی طرح ہو جاتی ہیں۔

☆ مس ردا اقبال..... اوکاڑہ

سوال: میرے آنگن میں خوشیوں کی بہار کب آئے گی؟

جواب: بہار کا سیزن فروری سے اپریل، مئی تک رہتا ہے، انشاء اللہ خوب صورت پھول کھلیں گے۔

☆ مسز کمال..... فیصل آباد

سوال: یہ مرد حضرات غصے میں زکوٰۃ جن کیوں بن جاتے ہیں؟

جواب اب وہ چڑیل تو بننے سے رہے، ماسی مصیبت بھی نہیں بن سکتے۔

☆ فردوس شازبیہ..... لاہور

سوال: شیر تو جنگل میں دھاڑتا ہے اور شوہر؟  
جواب: اور شوہر اپنے جنگل میں منگل دھاڑ کر کیا کرتا ہے۔

☆ حمنی قدیل..... ٹوبہ ٹیک سنگھ

سوال: ایک اور ایک گیارہ کب ہوتے ہیں؟  
جواب: جب بھی برابر کی پارٹیوں کی کسی سے ٹھن جائے..... تو وہ ایک اور ایک گیارہ کے بجائے ایک اور ایک، ایک سوا ایک بھی بن جاتی ہیں۔

☆ رابعہ عمران چوہدری..... رحیم یار خان

سوال: فیس بک نے ایسا کیا کر دیا جناب کہ

☆ ☆ ☆

بوڑھے بھی جوان ہو گئے؟

جواب: اس بارے میں مجھے معلوم نہیں کیونکہ رائٹرز تو بوڑھے ہو بھی جائیں تو ان کے قلم ہمیشہ جوان رہتے ہیں۔

☆ ساجدہ ظفر..... کمالیہ

سوال: دال میں جب کالے کے بجائے لال لال نظر آنے لگے تو اس کا کیا مطلب ہوتا ہے؟

جواب: یہی کہ لال دوپٹا پہننے کا وہ وقت آ گیا ہے کہ تھا جس کا انتظار..... وہ بس آنے ہی والا ہے۔

☆ فرحانہ پروین..... پنجاب

سوال: باجی، آپ اس وقت کیا کر رہی ہیں؟  
جواب: اس وقت میں گہری نیند سو رہی ہوں اور اچھے، اچھے خواب بھی دیکھ رہی ہوں۔

☆ فرح ناز..... ملکووال

سوال: پہلے تو لوگ چاند تارے توڑنے کے دعوے کرتے تھے مگر اب.....؟

جواب: کم از کم اس معاملے میں جھوٹ نہیں بولتے کہ جھوٹ ہر معاملے کم بولا جا رہا ہے جو یہاں پر بھی بولیں۔

☆ صوفیہ بانو..... پنجاب

سوال: باجی چالاک جن کو کیسے رام کروں کہ وہ میری ڈگڈگی پر تاج ہے؟

جواب: یاد رکھنا جن بندر نہیں ہوتا اور نہ ہی وہ جوتے کھا کر رام ہوا کرتا ہے، جن ہو یا دشمن، محبت سے ہی سب اپنے بنا کرتے ہیں۔

☆ راحت نسرین..... سندھ

سوال: ان سے بات کر کے سر میں درد کیوں ہوتا ہے، کن سے..... آخر؟

جواب: وہ لوگ جو بلا تکان اور بلا وجہ تقریر کرنے کے عادی ہوتے ہیں اور اپنی بات کے دوران دوسرے کی بات بھی نہیں سنتے ان کی باتیں سن کر واقعی درد ہوتا ہے اور اس میں پڑھے لکھے، جاہل سب برابر ہیں۔

☆ ☆ ☆

☆ ☆ ☆

☆ ☆ ☆

☆ ☆ ☆

☆ ☆ ☆



شگفتہ مزاج ایناگر

شگفتہ یا تمہیں؟ اور ان کے خوش اخلاق، ہم سفر؟  
 ڈاکٹر محمد شایب قادری سے خوب صورت گفتگو

کرنے کے بجائے محض ایک دلہن رانی اور ان کے  
 دولھے راجا ”پاکیزہ کے مہمان“ بنے ہیں۔ باشعور، من  
 موہنی صورت والی سادہ طبیعت، خوش اخلاق، شگفتہ  
 مزاج، ملنسار اور اپنی عمدہ عادات سے سب کو اپنا

معزز قارئین! ہماری خواہش اور کوشش یہی  
 ہوتی ہے کہ پاکیزہ کے خاص نمبر کی مناسبت سے خاص  
 تحریریں آپ کی نذر کریں۔ سالی رواں کے ”دلہن  
 نمبر“ کے لیے حسب روایت کئی دلہنوں سے سروے

ماہنامہ پاکیزہ ﴿ 288 ﴾ ستمبر 2016ء

کی طبیعت خراب تھی شاہد نے مجھے پارلیمینٹ کر خود ابا کو سنبھالا تھا۔

پاکیزہ ✦..... اپنی پسند کو گھر والوں کی پسند بنانے میں کن مراحل سے گزرنا پڑا؟

شگفتہ یاسمین ✦..... ویسے تو دونوں جانب سے کوئی مشکلات نہیں آئیں۔

پاکیزہ ✦..... ملن کب ہوا؟

شگفتہ یاسمین ✦..... 2011ء میں نکاح ہوا تھا اور 2012ء میں رخصتی۔

پاکیزہ ✦..... نکاح اور رخصتی کی درمیانی مدت میں تحائف کا تبادلہ ہوا؟

شگفتہ یاسمین ✦..... یقیناً تحائف کا تبادلہ ہوا۔ کبھی کپڑے اور اکثر جیولری، بیگز وغیرہ آتے رہتے تھے اور پھر موقع کے لحاظ سے بھی تحائف ملتے تھے۔ میں زیادہ تر شاہد کو پرفیوم دیتی تھی اور کبھی ٹی شرٹ بھی دیتی تھی۔

پاکیزہ ✦..... شادی میں کس کی طرف زیادہ ہلا گلا ہوا تھا؟

شگفتہ یاسمین ✦..... مایوں مہندی کا فنکشن مشترک تھا تو دونوں جانب ہی خوب ہلا گلا تھا۔ ہمارے یہاں رتھکا بھی ہوا تھا۔

پاکیزہ ✦..... مہندی میں سالیوں کو کتنا ٹیک ملا؟

شگفتہ یاسمین ✦..... دس ہزار.....

پاکیزہ ✦..... کس روز آپ کو دولہا میاں زیادہ اچھے لگے؟

شگفتہ یاسمین ✦..... دونوں دن ہی اچھے لگ رہے تھے لیکن شادی والے دن ان کا الگ ہی روپ تھا شہروانی میں بہت معصوم سے لگ رہے تھے موصوف اور پگڑ بھی بہت اچھا لگ رہا تھا۔

پاکیزہ ✦..... شادی کی سب سے اچھی اور سب سے بُری رسم کون سی تھی؟

شگفتہ یاسمین ✦..... نکاح کے بعد جب دولہا اسٹیج پر آتا ہے تو دولہا دلہن ایک دوسرے کو انگوٹھی

پاکیزہ ✦..... ویسے کا دن تھا میرے ابا

شگفتہ یاسمین ✦..... ویسے کا دن تھا میرے ابا

گر دیدہ بنانے والی ہماری دلہن رانی شگفتہ یاسمین پر یہ شعر صد فیصد صادق آتا ہے کہ

اس کی باتیں کہ گل لالہ سے شبنم بچے سب کو اپنانے کا اس شوخ کو جادو آئے

سحر انگیز شخصیت کی مالک شگفتہ نے ایم اے فیشن ڈیزائننگ، ایم بی اے مارکیٹنگ اور ای ایم بی اے مینجمنٹ کی اسناد حاصل کی ہوئی ہیں۔ ایف ایم ۷۰ء کی آر جے ہیں، چند ٹی وی ڈراموں میں اداکاری کے جوہر بھی دکھا چکی ہیں۔ فیشن کونسلنٹ اور فٹنس انسٹرکٹر ہیں۔ آج کل چینل میٹروون کے مقبول پروگرام ”بزم شاعری“ کی میزبان ہیں۔ اس سے پہلے اسی چینل پر بارنگ شو بھی بڑی کامیابی سے کر چکی ہیں۔

شگفتہ کی خوش رنگ زندگی میں دھنک رنگ بھرنے والے دو بھےراج یعنی ان کے ہم سفر ڈاکٹر محمد شاہد قادری ڈاکٹر آف فزیو تھراپی ہیں۔ اسپورٹس فزیشن اور فٹنس ایکسپٹ بھی ہیں۔ ان شعبوں میں ڈاکٹر شاہد کی مہارت لائق ستائش ہے۔ مختلف ٹی وی چینلوں پر ڈاکٹر شاہد نے بحیثیت فزیو تھراپسٹ اور فٹنس ایکسپٹ کے شوز بھی کیے ہیں۔ یہ بھی اپنی ہم سفر کی طرح بہت محفل پسند، خوش مزاج اور خوش اخلاق ہیں۔ خود خوش رہنا اور اوروں کو خوش رکھنا اچھا لگتا ہے۔ تو آئیے قارئین کرام ہم اپنے سوالوں کا آغاز پہلے شگفتہ یاسمین سے کرتے ہیں۔

پاکیزہ ✦..... پہلی مرتبہ ایک دوسرے کو کب اور کہاں دیکھا؟

شگفتہ یاسمین ✦..... ٹی وی چینل پر۔

پاکیزہ ✦..... آپ نے صاحب جی کا انتخاب کس بنیاد پر کیا؟

شگفتہ یاسمین ✦..... وہی ہم آہنگی..... اور یہ بات کو سمجھنے والے انسان ہیں۔

پاکیزہ ✦..... شادی کے بعد وہ کون سا پہل تھا جب اپنے انتخاب پر فخر محسوس ہوا؟

شگفتہ یاسمین ✦..... ویسے کا دن تھا میرے ابا

شگفتہ یاسمین ✦..... ویسے کا دن تھا میرے ابا

شگفتہ یاسمین ✦..... ویسے کا دن تھا میرے ابا

شگفتہ یاسمین ✦..... ویسے کا دن تھا میرے ابا

شگفتہ یاسمین ✦..... ویسے کا دن تھا میرے ابا

شگفتہ یاسمین ✦..... ویسے کا دن تھا میرے ابا

شگفتہ یاسمین ✦..... ویسے کا دن تھا میرے ابا

شگفتہ یاسمین ✦..... ویسے کا دن تھا میرے ابا

ہوتے ہی رات بارہ بجے ایک دوسرے کے لیے کوئی نہ کوئی سر پرانز ہوتا ہے۔  
پاکیزہ ✦..... شادی کی یادگار سالگرہ کون سی ہے؟

شگفتہ یاسمین ✦..... شادی کی تیسری سالگرہ بہت یادگار رہی۔ ہم نے بہت بڑا انتظام کر کے سب کو مدعو کیا تھا، مگر بھی آئے تھے، باربی کیو کروایا تھا اور بہت بھرپور سالگرہ منائی تھی۔

پاکیزہ ✦..... ایک دوسرے کو تحائف کے لیے دونوں کسی خاص موقع کے منتظر رہتے ہیں یا جب جی چاہا دے دیا؟

شگفتہ یاسمین ✦..... ہم کسی خاص موقع کا انتظار نہیں کرتے۔ مارکیٹ میں جب بھی کوئی چیز اچھی لگے ایک دوسرے کے لیے لے آتے ہیں۔

پاکیزہ ✦..... اب تک صاحب کی جانب سے ملنے والے تحائف میں سے سب سے زیادہ کون سا تحفہ پسند آیا؟ اور کیوں؟

شگفتہ یاسمین ✦..... ایک ہینڈ بیگ دیا تھا جو بہت جاذب نظر ہے۔  
پاکیزہ ✦..... شاپنگ کے سفر میں ہم سفر کتنا ساتھ دیتے ہیں؟

شگفتہ یاسمین ✦..... بڑے سکون سے ساتھ دیتے ہیں بیزار نہیں ہوتے۔

پاکیزہ ✦..... بھادڑا ڈکون کرتا ہے؟  
شگفتہ یاسمین ✦..... مجھے بارگینگ کرنی نہیں آتی۔ شاید بہت اچھی کرتے ہیں۔ بلکہ مجھے تو اس معاملے میں بولنے ہی نہیں دیتے کہ تم بول کر گڑ بڑ کر دیتی ہو۔

پاکیزہ ✦..... کسی وجہ سے صاحب جی شاپنگ پر نہ جاسکیں تو آپ کی شاپنگ پر بھروسہ کر لیں گے؟

پہناتے ہیں جو نکاح کی انگٹھی کہلاتی ہے۔ یہ رسم مجھے بہت اچھی لگی اور بڑی تو نہیں کہہ سکتے لیکن رسم کے وقت جو سب ہی مٹھائی کھلا رہے ہوتے ہیں اس سے گلاب بہت متاثر ہوا تھا۔

پاکیزہ ✦..... رُونمائی میں کیا ملا؟  
شگفتہ یاسمین ✦..... انگٹھی۔

پاکیزہ ✦..... میاں جی سے اپنی بات منوانے کا موثر طریقہ کیا ہے؟

شگفتہ یاسمین ✦..... پیار سے بات کریں اور بات لاجیکل بھی ہو تو مان جاتے ہیں۔

پاکیزہ ✦..... شادی کے بعد صاحب جی نے اپنا کون سا کام سب سے پہلے کروایا تھا؟

شگفتہ یاسمین ✦..... آج تک اپنا ذاتی کام خود کہہ کر نہیں کروایا مگر میں اپنی خوشی سے ان کے کام کرتی ہوں۔ ویسے شرٹ پریس کی تھی میں نے شاہد کی۔

پاکیزہ ✦..... شادی کے بعد پہلی مرتبہ کون سے تفریحی مقام پر گئے؟

شگفتہ یاسمین ✦..... پنڈی، گلگت وغیرہ گئے تھے۔

پاکیزہ ✦..... تنہائی میں آپ ان کے ساتھ کس مقام پر جانا پسند کریں گی؟

شگفتہ یاسمین ✦..... لانگ ڈرائیونگ پر۔  
پاکیزہ ✦..... تفریح کے لیے سینما یا تھیٹر کا انتخاب کرنا پڑے تو آپ دونوں کا انتخاب کیا ہوگا؟

شگفتہ یاسمین ✦..... سینما۔

پاکیزہ ✦..... یہ بتائیں کہ آپ لوگ ایک دوسرے کی سالگرہ کا دن یاد رکھتے ہیں؟ اور کیا خاص اہتمام ہوتا ہے؟

شگفتہ یاسمین ✦..... جی بالکل یاد رکھتے ہیں۔ سالگرہ سے ایک دن پہلے سالگرہ کی تاریخ شروع





شگفتہ یاسمین ❖.....

ہم اکٹھے ہی شاپنگ کرتے ہیں۔ اگر فیملی ممبر کے ساتھ نکل گئی تو بھروسا تو کر لیتے ہیں لیکن یہ اطلاع دینا ضروری سمجھتے ہیں تم نے ضرور مہنگا خریدا ہوگا۔

پاکیزہ ❖..... آپ

نے سب سے پہلے کون سی فرمائش کی تھی؟

شگفتہ یاسمین ❖.....

عموماً میں فرمائشیں نہیں کرتی لیکن جب مری گئے تھے تو تب میں نے کہا تھا کہ ہم مال روڈ ضرور جائیں گے۔ (اتنی سی فرمائش!)

پاکیزہ ❖..... اچھا

خصوصاً کون سی فرمائش کرتی ہیں؟ اور کتنی فرمائشیں پوری ہوتی ہیں؟

شگفتہ یاسمین ❖..... قلفی کھانے چلو۔ ویسے

میری فرمائشیں چھوٹی، چھوٹی اور قابل عمل ہوتی ہیں۔ زیادہ ڈیمانڈنگ نہیں ہوں۔ اس لیے جو کرتی ہوں وہ فوراً پوری ہو جاتی ہے۔

پاکیزہ ❖..... میاں صاحب کا سب سے مہنگا

اور سب سے ستا شوق کون سا ہے؟

شگفتہ یاسمین ❖..... جھینگے کی بنی ڈشز بہت

پسند ہیں خاص کر جھینگا کڑا ہی، فٹس بہت شوق سے کھاتے ہیں اور سب سے ستا شوق دس روپے کی آکس کریم۔

پاکیزہ ❖..... کون زیادہ شاہ خرچ ہے اور کون

بخیل؟

شگفتہ یاسمین ❖..... شاہ خرچ میں بہت ہوں شاہد بخیل ہرگز نہیں لیکن سمجھداری سے خرچ کرتے ہیں۔

پاکیزہ ❖..... گھر کا بجٹ کون بناتا ہے؟ شگفتہ یاسمین ❖..... زیادہ تر میں ہی بناتی ہوں۔

پاکیزہ ❖..... شوہر صاحب کو کبھی اس بجٹ سے اختلاف ہوا؟

شگفتہ یاسمین ❖..... میں بناتی ہی اتنا اچھا بجٹ ہوں کہ اختلاف کی گنجائش ہی نہیں نکلتی۔ (شرارتی لہجہ)

پاکیزہ ❖..... کون زیادہ رومیٹک ہے؟

شگفتہ یاسمین ❖..... دونوں ایک جیسے ہی ہیں بلکہ ایک سے بڑھ کر ایک۔

پاکیزہ ✦..... موسیقی کیسی پسند ہے؟ کون سا گیت اکثر گنگاتی ہیں؟

شگفتہ یاسمین ✦..... رومی بھک گانے بہت پسند ہیں..... عجیب داستاں ہے یہ کہاں شروع کہاں ختم..... اور..... پیار سے پکار لو جہاں ہو تم..... اکثر دو بیشتر گنگاتی ہوں۔

پاکیزہ ✦..... محبت کا اظہار لفظوں میں کرنا ضروری سمجھتی ہیں یا روئیہ ہی کافی ہوتا ہے؟

شگفتہ یاسمین ✦..... ہمارے رویتے ہی محبت کا اظہار کر رہے ہوتے ہیں درمیان میں لفظوں سے بھی اظہار ہو جاتا ہے لیکن عموماً رویتے ہی محبت ظاہر کرتے ہیں۔

پاکیزہ ✦..... مشاغل میں کتنی مطابقت ہے؟

شگفتہ یاسمین ✦..... جہاں تک اسپورٹس ایکٹیویٹیز کی بات ہے تو اس میں ہمارے درمیان بہت مطابقت ہے لیکن شاہد کو شاعری سے قطعاً دلچسپی نہیں۔

پاکیزہ ✦..... بارش ہو رہی ہو اور ٹی وی پر کرکٹ میچ آرہا ہو تب دونوں کس سے لطف اندوز ہوں گے؟

شگفتہ یاسمین ✦..... ہم سیدھا بارش میں نہانے جائیں گے۔

پاکیزہ ✦..... آپ کی مصروفیت کب صاحب جی پر گراں گزرتی ہے؟

شگفتہ یاسمین ✦..... جب شاہد گھر پر موجود ہوں اور میں گھریلو امور میں مصروف ہوں۔

پاکیزہ ✦..... تاخیر سے گھر آنے پر تیاں جی کیا بہانہ بتاتے ہیں؟

شگفتہ یاسمین ✦..... کوئی بہانہ نہیں اگر دیر ہو سکتی ہے تو پہلے ہی فون کر کے بتا دیتے ہیں۔

پاکیزہ ✦..... آپ کو ریکارڈنگ میں غیر معمولی تاخیر ہو جائے تو صاحب جی کا رد عمل کیا ہوتا ہے؟

شگفتہ یاسمین ✦..... اگر فون کر دوں کہ وقت لگے گا تو مسئلہ نہیں اور اگر کام میں فون کرنا بھول جاؤں

ماہنامہ پاکیزہ 292 ستمبر 2016ء

تو ناراض ہو جاتے ہیں۔

پاکیزہ ✦..... آپ کے ریڈیو اور ٹیلی وژن پروگراموں پر جانبداری سے رائے دیتے ہیں؟ غیر جانبداری سے یا خاموشی اختیار کرتے ہیں؟

شگفتہ یاسمین ✦..... نہ صرف غیر جانب داری سے رائے دیتے ہیں بلکہ جہاں کوئی غلطی یا کمی محسوس کرتے ہیں اس کی نشاندہی ضرور کرتے ہیں ساتھ ہی مناسب مشورہ بھی دیتے ہیں۔

پاکیزہ ✦..... آپ کے شوہر آپ کی صلاحیتوں کا فرائض لانہ اعتراف کرتے ہیں؟

شگفتہ یاسمین ✦..... یقیناً کرتے ہیں اور ستائش کے ساتھ کرتے ہیں۔

پاکیزہ ✦..... مشہور ہے کہ ہر شریف مرد اپنی بیوی سے ڈرتا ہے آپ کے میاں جی اس حوالے سے کتنی شرافت کا مظاہرہ کرتے ہیں؟

شگفتہ یاسمین ✦..... شرافت کا مظاہرہ اس حوالے سے کرتے ہیں کہ ڈرتے نہیں لحاظ رکھتے ہیں اور ہم نے کبھی ڈرانے کی کوشش بھی نہیں کی۔

پاکیزہ ✦..... آنسو عورت کا سب سے بڑا ہتھیار ہے صاحب کو اس ہتھیار سے کتنے فیصد زیر کرتی ہیں؟

شگفتہ یاسمین ✦..... میں روتی بہت کم ہوں اور سچ تو یہ ہے کہ کبھی اس نوعیت کا جھگڑا ہوا بھی نہیں کہ آنسو نکل پڑیں۔ اپنی بات منوانے کے لیے کبھی میں نے یہ حربہ استعمال نہیں کیا لیکن اگر کسی بات پر آنسو آجائیں میری آنکھوں میں تو وہ شاہد سے برداشت نہیں ہوتا۔

پاکیزہ ✦..... گھریلو ماحول خوشگوار بنانے میں آپ کے ہم سفر کا کردار کتنا اہم ہے؟

شگفتہ یاسمین ✦..... میرے حساب سے گھر کا ماحول بنانے میں مرد کا کردار بہت اہم ہوتا ہے۔ باہر سے جب مرد خراب موڈ میں واپس آتا ہے تو گھر پر اس کا اثر نظر آتا ہے۔ شاہد کبھی خراب موڈ میں گھر واپس

WWW.PAKSOCIETY.COM ONLINE LIBRARY FOR PAKISTAN

RSPK.PAKSOCIETY.COM

PAKSOCIETY1 f PAKSOCIETY



شگفتہ یاسمین ❖..... ہاتھ بہت بٹاتے ہیں۔  
پاکیزہ ❖..... کون زیادہ وقت کا پابند ہے؟  
شگفتہ یاسمین ❖..... دونوں وقت کی پابندی  
پسند کرتے ہیں۔

پاکیزہ ❖..... صاحب کی زیادہ پسندیدہ اور...  
نا پسندیدہ عادت کون سی ہے؟

شگفتہ یاسمین ❖..... زیادہ دیر تک ناراض نہیں  
رہ سکتے اور کسی بات پر روٹھ بھی جلدی جاتے ہیں اور  
بالکل خاموش ہو جاتے ہیں۔ اور یہ خاموشی مجھے بہت  
کھلتی ہے۔

پاکیزہ ❖..... صاحب جی کی کون سی بات بہت  
خوش دیتی ہے اور کون سی پریشان کر دیتی ہے؟

شگفتہ یاسمین ❖..... شاید کی ہر دم چہرے پر کچی  
رہنے والی مسکراہٹ بہت بھلی لگتی ہے اور جو کھی خاموش  
ہو جاتے ہیں تب مجھے یہ غیر معمولی بات بہت پریشان  
کر دیتی ہے۔

پاکیزہ ❖..... وہ آپ کی اور آپ ان کی کون سی  
ماہنامہ پاکیزہ 293 ستمبر 2016ء

نہیں آتے، باہر کی ٹینشن باہر ہی چھوڑ آتے ہیں گھر پر  
اثر انداز نہیں ہونے دیتے۔

پاکیزہ ❖..... شدید بھوک کے عالم میں  
صاحب جی کا رول کیا ہوتا ہے؟

شگفتہ یاسمین ❖..... اگر کھانا تیار نہیں تو جو بھی  
کھانے کی چیز ہے وہی دے دو۔ ویسے عموماً میں  
ایمر جنسی نوڈ تیار رکھتی ہوں اس لیے مسئلہ نہیں ہوتا۔

پاکیزہ ❖..... شادی کے بعد آپ نے وہ پہلی  
ڈش کون سی بنائی تھی جو صاحب جی کو بے حد پسند آئی  
اور کون سی ایسی ڈش تھی جس کے ذائقے کا تصور آج  
بھی میاں جی کو پریشان کر دیتا ہے؟

شگفتہ یاسمین ❖..... بریانی بہت پسند آئی  
تھی۔ اب بھی اکثر فرمائش کرتے ہیں۔ ایسی کوئی  
ڈش نہیں بنائی ہاں اگر کبھی کھانے میں نمک کم ہو  
تو کہہ دیتے ہیں۔

پاکیزہ ❖..... گھر کے کاموں میں آپ کا ہاتھ  
بٹاتے ہیں یا کام بڑھاتے ہیں؟

پاکیزہ ❖..... گھر کو جنت بنانا محض بیوی کی ذمے

داری ہے یا شوہر بھی اس میں حصہ دار ہے؟  
شگفتہ یاسمین ❖..... دونوں کی ذمے داری ہے کہ  
تالی دونوں ہاتھوں سے بھتی ہے۔

پاکیزہ ❖..... شوہر کے دل پر راج کرنے کے  
لیے فرمانبرداری ہی کافی ہے یا اور کوئی ہنر بھی اختیار کیا  
جاسکتا ہے؟

شگفتہ یاسمین ❖..... بھئی فرمانبرداری تو ہم  
اپنے ابا کی کر لیتے ہیں۔ میاں کے ساتھ تو شیئر کارشتہ  
ہوتا ہے سو میاں کے دل میں راج کرنے کے لیے ان  
کے ساتھ، ساتھ ان کے گھر والوں کی عزت کریں، کبھی  
ان کے والدین اور دیگر افرادِ خانہ کی برائی نہ کریں، ہر  
وقت ان کی شکایات نہ کریں۔ بالخصوص ان کے  
والدین کی۔ کیونکہ اس طرح میاں دور ہو سکتا  
ہے۔ یوں سمجھ لیجیے ماں باپ جڑ ہیں جب جڑ سے الگ  
کرنے کی کوشش کی جائے گی تو وہ پھل پھول نہ سکے  
گا۔ ان باتوں پر عمل کیجیے اور جی بھر کے راج کیجیے کہ  
دل کسی اور کا نہیں اپنے میاں کا ہے۔

پاکیزہ ❖..... میاں بیوی کے درمیان اعتبار کا  
رشتہ کب قائم ہوتا ہے؟

شگفتہ یاسمین ❖..... جب دونوں میں سے ایک  
مشکل میں ہو اور دوسرا اس کا ساتھ دے۔  
پاکیزہ ❖..... گھر میں کس کے فیصلے کو حتمی سمجھا  
جاتا ہے؟

شگفتہ یاسمین ❖..... باہمی اتفاق اور ذہنی  
مطابقت سے فیصلہ ہوتا ہے۔ ایک دوسرے پر فیصلہ  
مسلط کرنے کی کوشش نہیں کرتے۔

پاکیزہ ❖..... شادی سے پہلے اور شادی کے  
بعد کی زندگی میں کیا فرق محسوس کرتی ہیں؟

شگفتہ یاسمین ❖..... شادی سے پہلے تمام  
پریشانیاں خود ہی جھیل لیتی تھی اب زندگی بہت آرام دہ  
ہو گئی ہے۔ کیونکہ اب میں شاہد سے پریشانیاں بانٹ  
لیتی ہوں۔ اب زندگی میں سکون بہت محسوس ہوتا ہے

خوبی کی سب سے زیادہ معترف ہیں؟

شگفتہ یاسمین ❖..... بہت سادہ نیچر کی ہے اور  
سیدھی بات کرتی ہے۔ شاہد سخت مہنتی انسان ہیں۔

پاکیزہ ❖..... یاد ہے شادی کے بعد پہلی لڑائی  
کب اور کس بات پر ہوئی تھی؟ اور صلح کس کی جانب  
سے ہوئی؟

شگفتہ یاسمین ❖..... انہوں نے فون نہیں کیا تھا  
تب لڑائی ہوئی تھی کہ مجھ سے تو کہتے ہیں کہ اگر میں نے  
فون نہیں کیا تو تم نے خود کیوں نہیں کیا۔ صلح ہمیشہ میری  
جانب سے۔

پاکیزہ ❖..... آپ کے شوہر صاحب ذوق ہیں  
آپ کو منانے کے لیے کبھی شاعری یا ترنم کو ذریعہ بنایا؟  
شگفتہ یاسمین ❖..... شاعری سے سخت چڑ ہے  
اور گنگناتے بھی نہیں۔ ایک گانا شاہد کو بہت پسند ہے  
چودھویں کا چاند ہو یا آفتاب ہو جب مجھے منانا ہو تو  
موبائل پر گا کر اسے سنا کر آن کر دیتے ہیں۔

پاکیزہ ❖..... کس کے غصے کا گراف زیادہ  
بلند ہے؟

شگفتہ یاسمین ❖..... میرا..... مجھے بہت جلد غصہ  
آجاتا ہے۔

پاکیزہ ❖..... یہ کتنے عرصے پر محیط ہوتا ہے؟  
شگفتہ یاسمین ❖..... حد سے حد دس منٹ اس  
سے زیادہ نہیں۔

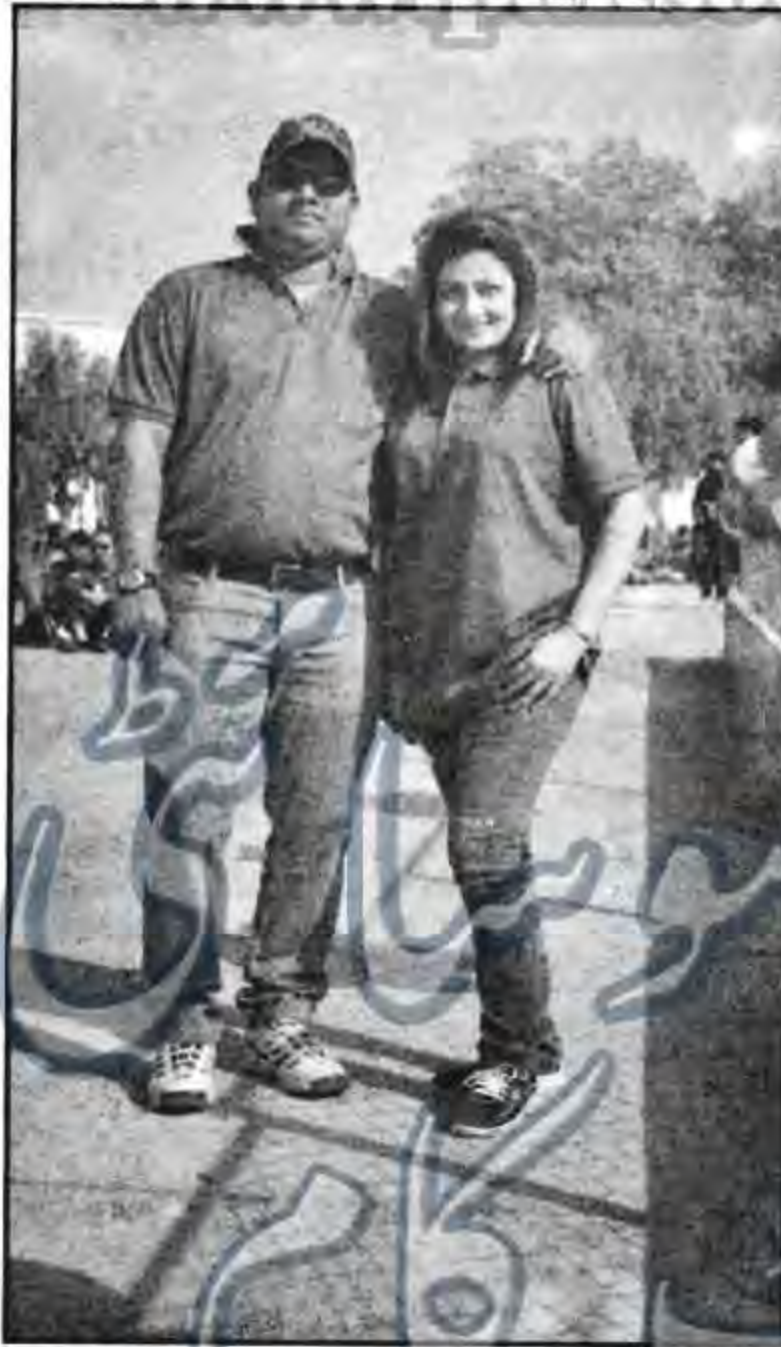
پاکیزہ ❖..... صاحب جی کو غصہ آئے تو آپ کا  
رد عمل کیا ہوتا ہے؟

شگفتہ یاسمین ❖..... میں خاموشی سے کمرے  
سے چلی جاتی ہوں۔

پاکیزہ ❖..... کیا سمجھوتے کے بغیر ازدواجی  
زندگی کامیابی سے گزاری جاسکتی ہے؟

شگفتہ یاسمین ❖..... باہمی اتفاق اور  
سمجھداری سے کامیاب ازدواجی زندگی گزاری جا  
سکتی ہے۔ اب باہمی اتفاق کو آپ سمجھوتا کہہ لیں جو  
دونوں ہی کرتے ہیں۔

شگفتہ یاسمین ❖..... باہمی اتفاق اور  
سمجھداری سے کامیاب ازدواجی زندگی گزاری جا  
سکتی ہے۔ اب باہمی اتفاق کو آپ سمجھوتا کہہ لیں جو  
دونوں ہی کرتے ہیں۔



کہ شادی کے بعد میری طبیعت میں بہت ٹھہراؤ آ گیا ہے۔ (ماشا اللہ)

پاکیزہ ♦..... مثل مشہور ہے ”پیا جتے چاہے وہی سہاگن“ دلہن کے لیے پیا کا چاہنا ہی کافی ہے یا گھر والوں کا بھانا اور چاہنا بھی اہم ہے؟ آپ کا تجربہ کیا بتاتا ہے؟

شگفتہ یاسمین ♦..... دونوں ہی چاہنا بہت اہم ہے۔ گھر والوں کے بھانے اور چاہنے سے میاں کی چاہت اور بڑھ جاتی ہے اور گھر میں رونق بھی رہتی ہے۔

پاکیزہ ♦..... اگر آپ کو اس ملک کا صدر بنا دیا جائے تو سب سے پہلے کون سا قانون نافذ کریں گی اور کون سا کا عدم قرار دیں گی؟

شگفتہ یاسمین ♦..... فیصلہ بلا امتیاز ایک ہونا چاہیے..... مجرموں کو پکڑ کر چھوڑ دینا ثبوت ملنے کے باوجود۔

پاکیزہ ♦..... اگر آپ کو وزیر بہبودی نسواں اور اطفال بنایا جائے تو ان کی بہتری کے لیے اولین اقدام کیا ہوگا؟

شگفتہ یاسمین ♦..... خواتین اور بچوں کی صحت اور خواتین اور بچوں کے لیے بنائے گئے قوانین میں آسانیاں فراہم کروں گی۔

پاکیزہ ♦..... پسندیدہ رشتہ، رنگ، خوشبو، موسم، وقت، ڈش، تہوار، کھیل کون سے ہیں؟

شگفتہ یاسمین ♦..... میاں بیوی، سرخ و سیاہ، Abaya کلون، ٹھنڈا موسم، رات اور صبح سویرے کا وقت بہت پرسکون ہوتا ہے۔ افغانی پلاؤ، تمام تہوار، فٹ بال۔

پاکیزہ ♦..... مستقبل کے حوالے سے کیے جانے والے کتنے وعدے وفا ہوئے؟

شگفتہ یاسمین ♦..... وعدے کوئی نہیں کیے ہنسی خوشی ایک دوسرے کا ساتھ دے رہے ہیں۔

پاکیزہ ♦..... باعتبار مجموعی اپنے شریک حیات کو کیسا پایا؟ کیا شاہد صاحب جیون ساگی کے معیار اور تصور پر پورے اترے؟

شگفتہ یاسمین ♦..... ایک اچھا انسان، تعاون کرنے والا اور ساتھ دینے والا اور جب یہ اوصاف ہوں تو معیار پر تو پورے اتریں گے۔

پاکیزہ ♦..... اپنے شریک حیات کے لیے کوئی پیغام دیں گی؟

شگفتہ یاسمین ♦..... میں نے تم پر بھروسہ کیا اس لیے نہیں کہ تم میرے شوہر ہو۔ تم پر بھروسہ کرنے کی وجہ یہ ہے کہ ایک اچھے شوہر میں جتنی بھی کوالٹیز ہونی

چاہئیں وہ تم میں موجود ہیں۔

پاکیزہ ✦..... آپ کو دلہن پر کیسا لباس اچھا

لگتا ہے؟

محمد شاہد قادری ✦..... سرخ رنگ کا اور شرارہ ہو  
تو کیا بات ہے۔

پاکیزہ ✦..... شادی، ولیمہ میں سے کس روز  
آپ کی دلہن زیادہ اچھی لگ رہی تھیں؟

محمد شاہد قادری ✦..... شادی، ولیمہ دونوں ہی  
دن بہت اچھی لگی تھیں لیکن نکاح والے دن جو روپ تھا  
وہ الگ ہی تھا۔ غضب کی پیاری لگ رہی تھیں۔

پاکیزہ ✦..... آپ کو اپنی بیگم کس لباس میں  
گریس فل لگتی ہیں؟

محمد شاہد قادری ✦..... ساڑھی میں۔

پاکیزہ ✦..... شادی کے بعد آپ نے بیگم سے  
اپنا کون سا کام سب سے پہلے کروایا تھا؟

محمد شاہد قادری ✦..... کوئی کام نہیں کروایا۔  
شگفتہ نے اپنی خوشی سے شرٹ پر لیس کی تھی۔

پاکیزہ ✦..... شادی کے بعد بیگم نے وہ پہلی  
ڈش کون سی بنائی تھی جو آپ کو بے حد پسند آئی اور کون  
سی ایسی ڈش تھی جس کے ذائقے کا تصور آج بھی آپ  
کو پریشان کر دیتا ہے؟

محمد شاہد قادری ✦..... بریانی بہت پسند آئی  
تھی۔ اب بھی اکثر فرمائش کرتا ہوں۔ ایسی کوئی ڈش  
نہیں بنائی ہاں اگر کبھی کھانے میں نمک کم ہو تو کہہ  
دیتا ہوں۔

پاکیزہ ✦..... شدید بھوک کے عالم میں آپ کا  
رذعمل کیا ہوتا ہے؟

محمد شاہد قادری ✦..... باہر سے کھانا لے آؤ یا  
کچھ بھی دے دو۔ عموماً شگفتہ ایمر جنسی نوڈ تیار رکھتی  
ہے۔

پاکیزہ ✦..... بیگم کی بنائی ہوئی کون سی ڈش  
شوق سے کھاتے ہیں؟

محمد شاہد قادری ✦..... افغانی پلاؤ۔

پاکیزہ ✦..... گھر کے کاموں میں بیگم کا ہاتھ

اب جناب بات کریں گے شگفتہ

کے دو لھا ڈاکٹر محمد شاہد قادری سے

پاکیزہ ✦..... شگفتہ صلیبہ کو پہلی مرتبہ کب اور  
کہاں دیکھا تھا؟ تب پہلا تاثر کیا تھا؟

محمد شاہد قادری ✦..... پہلی مرتبہ ٹی وی پر دیکھا  
کمپیئرنگ کرتے ہوئے اور اس کے بعد چینل پر

ملاقات ہوئی۔ پہلی نظر میں اچھی لگی اور دلنشین ہو گئیں  
اور پھر گھر والی بن گئیں۔

پاکیزہ ✦..... انتخاب کس بنیاد پر اور کتنے  
عرصے بعد کیا؟

محمد شاہد قادری ✦..... ملاقات پر احساس ہوا  
کہ ہمارے درمیان بہت ذہنی ہم آہنگی ہے تقریباً چھ ماہ

بعد شگفتہ کو اپنانے کا فیصلہ کر لیا۔

پاکیزہ ✦..... شادی کے بعد وہ ایک پل جب  
اپنے انتخاب پر فخر محسوس ہوا؟

محمد شاہد قادری ✦..... اس وقت جب امی کی  
طبیعت خراب تھی اور شگفتہ نے ایک اچھی بہو ہونے کا  
حق ادا کر دیا تھا۔

پاکیزہ ✦..... اپنی پسند کو گھر والوں کی پسند  
بنانے میں کن مراحل سے گزرنا پڑا؟

محمد شاہد قادری ✦..... گھر والے تو پہلے ہی فور  
میں تھے۔ بڑے بھائی نے کہا تھا کہ زندگی تمہیں  
گزارنی ہے اگر تمہیں لگتا ہے کہ تم اس کے ساتھ خوش  
رہ سکتے ہو تو کر لو شادی۔“

پاکیزہ ✦..... مہندی میں سالیوں کو کتنا نیک دیا  
تھا؟

محمد شاہد قادری ✦..... جناب دس ہزار۔

پاکیزہ ✦..... شادی کی سب سے اچھی اور سب  
سے بڑی رسم کون سی تھی؟

محمد شاہد قادری ✦..... اچھی رسم دودھ پلائی کی  
اور بری رسم مسلسل مٹھائی کھلانے کی۔

ماہنامہ پاکیزہ 296 ستمبر 2016ء



بٹاتے ہیں یا کام بڑھاتے ہیں؟  
 محمد شاہد قادری ❖..... ہاتھ بٹا کر کام  
 سمیٹ لیتا ہوں۔  
 پاکیزہ ❖..... ایک دوسرے کی سالگرہ  
 کا دن یاد رکھتے ہیں؟  
 محمد شاہد قادری ❖..... ابھی تک تو یاد  
 رکھتے ہیں ابھی اتنا زیادہ وقت نہیں گزرا ہے  
 نا۔ انشاء اللہ آئندہ بھی یاد رکھیں گے۔  
 پاکیزہ ❖..... اب تک بیگم کی جانب  
 سے ملنے والے تحائف میں سے سب سے  
 زیادہ کون سا تحفہ پسند آیا؟  
 محمد شاہد قادری ❖..... گھڑی۔  
 پاکیزہ ❖..... ایک دوسرے کو تحائف  
 کے لیے دونوں کسی خاص موقع کے منتظر رہتے  
 ہیں یا جب جی چاہا دے دیا؟  
 محمد شاہد قادری ❖..... جب جی چاہا جو  
 چیز پسند آگئی لے لی اور دے دی۔

پاکیزہ ❖..... کسی وجہ سے شاپنگ پر نہ جا سکیں تو  
 بیگم کی شاپنگ پر بھروسہ کر لیں گے؟  
 محمد شاہد قادری ❖..... یقیناً کیونکہ شگفتہ کی پسند  
 اچھی ہے۔ لیکن دام کم نہیں کروا تیں۔  
 پاکیزہ ❖..... کون زیادہ شاہ خرچ ہے اور کون  
 بخیل؟

محمد شاہد قادری ❖..... شگفتہ ما شاء اللہ بہت  
 کھلے ہاتھ کی ہیں، میں بخیل ہرگز نہیں مگر پیسہ نا سچی سے  
 خرچ نہیں کرتا۔

پاکیزہ ❖..... گھر کا بجٹ کون بناتا ہے؟ آپ کو  
 کبھی اس بجٹ سے اختلاف ہوا؟

محمد شاہد قادری ❖..... شگفتہ ہی بناتی ہیں کہ گھر  
 شگفتہ چلاتی ہے کبھی اختلاف نہیں ہوا کہ وہ خوش اسلوبی  
 سے گھر چلا رہی ہے۔

پاکیزہ ❖..... مشاغل میں کتنے فیصد مطابقت  
 ہے؟

پاکیزہ ❖..... بیگم کا سب سے سستا اور سب  
 سے مہنگا شوق کون سا ہے؟  
 محمد شاہد قادری ❖..... مہنگا شوق تو کوئی نہیں  
 ہے سستا سا شوق ہے قلفی کھانے کا۔  
 پاکیزہ ❖..... بیگم کی کتنے فیصد فرمائشیں پوری  
 کرتے ہیں؟

محمد شاہد قادری ❖..... اب تک جتنی بھی  
 فرمائشیں کیں ساری ہی قابل عمل تھیں تو پوری بھی  
 ہو گئیں۔

پاکیزہ ❖..... شاپنگ کے سفر میں ہم سفر کا کتنا  
 ساتھ دیتے ہیں؟

محمد شاہد قادری ❖..... بھر پور کہ شاپنگ ہم مل کر  
 کرتے ہیں۔

س: بھاؤ تاؤ کون کرتا ہے؟  
 محمد شاہد قادری ❖..... وہ تو میں ہی کرتا ہوں  
 اس معاملے میں شگفتہ بہت اناڑی ہے۔

## یہ شمارہ پاک سوسائٹی ڈاٹ کام نے پیش کیا ہے

### پاک سوسائٹی خاص کیوں ہیں:-

ہائس کو الٹی پی ڈی ایف      ایڈفرس لنکس  
ایک کلک سے ڈاؤن لوڈ      ڈاؤن لوڈ اور آن لائن ریڈنگ ایک پیج پر  
کتاب کی مختلف سائزوں میں اپلو ڈنگ      ناولز اور عمران سیریز کی مکمل ریبنج

Click on <http://paksociety.com> to Visit Us

<http://fb.com/paksociety>

پاک سوسائٹی کو فیس بک پر جوائن کریں

<http://twitter.com/paksociety1>

پاک سوسائٹی کو ٹوئٹر پر جوائن کریں

<https://plus.google.com/112999726194960503629>

پاک سوسائٹی کو گوگل پلس پر جوائن کریں

ہمیں وزٹ کرنے کے لئے ہمارا ویب ایڈریس براؤزر میں لکھیں یا گوگل میں پاک سوسائٹی تلاش کریں۔

اپنے دوست احباب اور فیملی کو ہماری ویب سائٹ کا بتا کر پاکستان کی آن لائن لائبریری کا ممبر بنائیں۔

اس خوبصورت ویب سائٹ کو چلانے کے لئے ہر ماہ کثیر سرمایہ درکار ہوتا ہے، اگر آپ مالی مدد کرنا چاہتے ہیں تو ہم سے فیس

بک پر رابطہ کریں۔۔۔

ہمیں فیس بک پر لائک کریں اور ہر کتاب اپنی وال پر دیکھنے کے لئے امیج پر دی گئی ہدایات پر عمل کریں:-

**Dont miss a singal one of your Favourite Paksociety's Update !**

- i. Open Paksociety Page.
- ii. Click Liked.
- iii. Select Get Notifications.
- iv. Select See First.

**All Done**



محمد شاہد قادری ❖.....80%  
پاکیزہ ❖..... بارش ہو رہی ہو اور ٹی وی پر کرکٹ میچ آرہا ہو تب دونوں کس سے لطف اندوز ہوں گے؟

محمد شاہد قادری ❖..... بارش سے بھرپور لطف اٹھائیں گے۔

پاکیزہ ❖..... محبت کا اظہار لفظوں میں کرنا ضروری سمجھتے ہیں یا روٹی ہی کافی ہوتا ہے؟

محمد شاہد قادری ❖..... میری نظر میں روٹی لفظوں سے زیادہ اہم اور باورفل ہوتا ہے محبت کی مضبوطی کے لیے لیکن کبھی کبھار لفظی اظہار میں بھی حرج نہیں۔

پاکیزہ ❖..... موسیقی کیسی پسند ہے؟ کون سا گیت اکثر گنگناتے ہیں؟

محمد شاہد قادری ❖..... دل کو چھو لینے والی۔ گنگناتا تو نہیں ہوں۔ چودھویں کا چاند ہو یا آفتاب اور شگفتہ کو موبائل کا اسپیکر آن کر کے سنا تا ہوں۔

پاکیزہ ❖..... بیگم گھر کو کتنا وقت دیتی ہیں؟

محمد شاہد قادری ❖..... چیزوں کو اپنے حساب سے ترتیب دیتی ہے۔ چیزوں کو آرگنائزڈ کر کے چلتی ہے۔ اپنی بیرونی مصروفیات کی وجہ سے گھر کو تباہ نہیں کرتی۔

پاکیزہ ❖..... بیگم کی مصروفیت آپ پر کب گراں گزرتی ہے؟

محمد شاہد قادری ❖..... جب میں گھر پہ ہوں اور شگفتہ کام میں مصروف ہو۔ تب مجھے بہت برا لگتا ہے میں یہی کہتا ہوں کہ یہ کام میری غیر موجودگی میں نہ پایا کرو۔

پاکیزہ ❖..... معروف بیوی کا شوہر بننے کا تجربہ کیسا رہا؟

محمد شاہد قادری ❖..... غیر معروف تو ہم بھی نہیں۔ بہت اچھا لگتا ہے۔

پاکیزہ ❖..... یاد ہے شادی کے بعد پہلی لڑائی کب اور کس بات پر ہوئی تھی؟

محمد شاہد قادری ❖..... اگر ذہنی ہم آہنگی ہو تو

محمد شاہد قادری ❖..... دیر سے گھر آنے پر میں نے فون نہیں کیا تھا تب لڑائی ہوئی تھی اس شکوے کے ساتھ کہ مجھ سے تو کہتے ہیں کہ اگر میں نے فون نہیں کیا تو تم نے خود کیوں نہیں کیا۔

پاکیزہ ❖..... آپ کی بیگم صاحب ذوق ہیں آپ کو منانے کے لیے کبھی شاعری یا ترنم کو ذریعہ بنایا؟

محمد شاہد قادری ❖..... نہیں اس کے ایک میچ پر بات ختم ہو جاتی ہے یا پھر جیسا کہ میں نے پہلے بتایا کہ اسپیکر آن کر کے موبائل سے چودھویں کا چاند ہو یا آفتاب ہو سنا دیتا ہوں۔

پاکیزہ ❖..... آپ کو غصہ آئے تو بیگم کا رد عمل کیا ہوتا ہے؟

محمد شاہد قادری ❖..... خاموش ہو جاتی ہے۔ اس وقت جواب نہیں دیتی بلکہ کمرے سے باہر چلی جاتی ہے۔

پاکیزہ ❖..... آپ کے درمیان عموماً کن باتوں پر اختلاف ہوتا ہے؟

محمد شاہد قادری ❖..... چھوٹی چھوٹی بے معنی باتوں پر۔

پاکیزہ ❖..... مشہور ہے کہ ہر شریف مرد اپنی بیوی سے ڈرتا ہے آپ اس حوالے سے کتنی شرافت کا مظاہرہ کرتے ہیں؟

محمد شاہد قادری ❖..... شرافت کا مظاہرہ میں ڈر کر نہیں کرتا کہ یہ رشتہ خوف کا نہیں باہمی عزت اور لحاظ کا ہے جو میں شگفتہ کی کرتا ہوں۔

پاکیزہ ❖..... آنسو عورت کا سب سے بڑا ہتھیار ہے شگفتہ آپ کو اس ہتھیار سے کتنے فیصد زیر کرتی ہیں؟

محمد شاہد قادری ❖..... اللہ کا بڑا اکرم ہے شگفتہ بات بے بات رونے دھونے والی نہیں ہے بلکہ سمجھداری کے ساتھ مسئلے کا کامیاب حل نکال لیتی ہے۔

پاکیزہ ❖..... کیا سمجھوتے کے بغیر ازدواجی زندگی کامیابی سے گزارا جاسکتی ہے؟

محمد شاہد قادری ❖..... اگر ذہنی ہم آہنگی ہو تو

اس سے وابستہ رشتوں سے باعزت محبت اور بروقت خوش ذائقہ کھانے کھلا کر۔

پاکیزہ ✦..... بیگم کی کون سی بات بہت خوش دیتی ہے اور کون سی پریشان کر دیتی ہے؟

محمد شاہد قادری ✦..... شگفتہ خوش رہے تو خوشی ہی خوشی ہے جب یہ خاموش ہو جائے تو مجھے پریشانی ہوتی ہے کہ ہر دم ہنسنے بولنے والی خاموش کیوں ہے۔

پاکیزہ ✦..... باعتبار مجموعی اپنی شریک حیات کو کیسا پایا؟ آپ کے قائم کردہ جیون ساتھی کے معیار اور تصور پر شگفتہ کتنے فیصد پوری اتریں؟

محمد شاہد قادری ✦..... بہت ساتھ دینے اور نبانے والی پایا ہے سچ تو یہ ہے کہ ایک سو ایک فیصد پوری اتری ہے۔

پاکیزہ ✦..... پسندیدہ رشتہ، رنگ، خوشبو، موسم، وقت، کتاب، ڈش، تہوار، کھیل کون سے ہیں؟

محمد شاہد قادری ✦..... ماں، سرخ و سیاہ، پر فہم Brut، صبح کا سہانا وقت، اسپورٹس سے متعلق تمام کتابیں، جھینگا اور اس سے بنی ہر ڈش، عید، بقرعید دونوں، فٹ بال۔

پاکیزہ ✦..... اگر آپ کو اس ملک کا صدر بنا دیا جائے تو سب سے پہلے کون سا قانون نافذ کریں گے اور کون سا کالعدم قرار دیں گے؟

محمد شاہد قادری ✦..... تعلیمی نظام اور معیار کی بہتری کے لیے قانون نافذ کروں گا اور خواتین کی آڑ میں امتیازی سلوک کو ختم کروں گا۔

پاکیزہ ✦..... اپنی شریک حیات کے لیے کوئی پیغام دیں گے؟

محمد شاہد قادری ✦..... جب میں نے تم کو پہلی مرتبہ دیکھا تو تم نے میرے دل کو چھوا اور اس دن پہلی مرتبہ میرا دل تمہارے لیے دھڑکنا شروع ہوا میرے دل کی ہر دھڑکن میں تم موجود ہو۔ (بہت خوب)

☆☆☆

سمجھوتے کی نوبت ہی نہ آئے۔

پاکیزہ ✦..... گھر کو جنت بنانا محض بیوی کی ذمہ داری ہے یا شوہر بھی اس میں حصہ دار ہے؟

محمد شاہد قادری ✦..... دونوں کی ذمہ داری ہے کہ گھر دونوں کا ہے۔

پاکیزہ ✦..... میاں بیوی کے درمیان اعتبار کا رشتہ کب قائم ہوتا ہے؟

محمد شاہد قادری ✦..... جب وقت پڑنے پر ایک دوسرے کی طاقت بن جائیں۔

پاکیزہ ✦..... شریک حیات کے دل میں گھر بنانے کے تین سنہرے اصول کون سے ہیں؟

محمد شاہد قادری ✦..... عزت کریں، محبت کریں اور ایک دوسرے کو سمجھنے کی کوشش کر کے دل میں جگہ بنالیں۔

پاکیزہ ✦..... گھر میں کس کے فیصلے کو حتمی سمجھا جاتا ہے؟

محمد شاہد قادری ✦..... جو بات درست کرے اس کو تسلیم کیا جاتا ہے صنفی بنیاد پر کسی کو کسی پر برتری نہیں دی جانی۔

پاکیزہ ✦..... گھریلو ماحول خوشگوار بنانے میں آپ کی ہمسرا کا کردار کتنا اہم ہے؟

محمد شاہد قادری ✦..... بہت اہم ہے کہ شگفتہ بہت پیارا اور سمجھداری سے کام لیتی ہے، شکی اور جھگڑالو طبیعت کی نہیں ہے۔

پاکیزہ ✦..... شادی سے پہلے اور شادی کے بعد کی زندگی میں کیا فرق محسوس کرتے ہیں؟

محمد شاہد قادری ✦..... شادی سے پہلے بے پروا تھا چونکہ اب فیملی کو لے کر چلنا ہے تو ذمہ داری خود بخود آگئی۔

پاکیزہ ✦..... شوہر کے دل میں راج کرنے کے لیے فرمانبرداری ہی کافی ہے یا اور کوئی ہنر بھی اختیار کیا جاسکتا ہے؟

محمد شاہد قادری ✦..... میاں کے ساتھ، ساتھ



از خود محسوس ہوگا کہ ڈپریشن اور خواہ مخواہ کی ذہنی پریشانیاں اڑن چھو ہو گئی ہیں۔ انشاء اللہ! اور سب سے ضروری یہ ہے کہ اپنی سوچ کو مثبت بنائیں اور دوسروں کی طرف سے اپنے دل میں خواہ مخواہ کی بدگمانیاں پیدا نہ کریں۔

### بھول کی عادت

نسیان یا بھولنا عادت بھی اور یہ ایک بیماری بھی ہے۔ بڑھاپے میں تو اکثر لوگ اس بیماری کا شکار نظر آتے ہیں۔ مگر ان دنوں بہت سی جوان بچیاں اور لڑکے بھی اس بیماری کا شکار نظر آتے ہیں، اس کے لیے بہت آسان سا وظیفہ ہے۔ نماز فریضہ پڑھنے کے بعد اپنا سیدھا ہاتھ سر پر رکھ کر گیارہ بار یا قوی پڑھ لیا کریں۔ دن میں جب بھی پانی پیئیں اپنے گلاس کے پانی پر بے شک ایک مرتبہ ہی سہی مگر سورہ فاتحہ دم کر کے پیئیں۔ ہر نماز کے بعد تین مرتبہ، پہلا کلمہ، تین مرتبہ سورہ اخلاص اور سات مرتبہ سورہ فاتحہ پڑھنا اپنی عادت بنا لیں۔ قرآن پاک کی روزانہ تلاوت نسیان کے مرض سے بچاتی ہے۔

### اوتیوں کی تلخی ختم کرنے کے لیے

جب بھی پانی پیئیں، ایک بار یا وڈ وڈ پڑھ کر دم کر کے پیئیں۔ جب تک آپ کے روئے کی تلخی ختم نہ ہو جائے یہ عمل جاری رکھیں، میٹھی غذا میں بڑھا دیں اور نمک کم کر دیں۔ اس کے ساتھ، ساتھ سلام کو بڑھائیں، یعنی ہر چھوٹے بڑے کو سلام کرنے میں آپ پہل کریں، بزرگوں کی دعائیں لیں اور روزانہ کم از کم ایک تسبیح درود شریف کی ضرور پڑھیں۔ بزرگان دین اور اولیا کرام کے حالات زندگی و واقعات پر مبنی کتب کا مطالعہ کریں۔ آج کل تو بچوں کے حساب سے بھی یہ کتب دستیاب ہیں۔

### چہرے کی جھانپیاں

یہ مسئلہ لڑکیوں کا بھی ہے اور بڑی عمر کی خواتین کا

بچوں کی شادی کے لیے خصوصی عمل  
☆ اگر کسی شخص کے بیٹے یا بیٹی کی شادی نہ ہوتی ہو اور وہ چاہے کہ اچھی جگہ اور جلدی ہو جائے تو وہ 21 روز تک عشاء کی نماز کے بعد تین ہزار تین سو تیرہ مرتبہ سورہ یسین کی آیت نمبر (36) کا ورد کرے اور اول و آخر درود ابراہیمی گیارہ، گیارہ بار پڑھے۔

ہر دعا کے اول و آخر درود ابراہیمی پڑھنا مستحب ہے، لڑکے، لڑکی کا صدقہ بھی دیتے رہا کریں۔

☆ اگر شادی میں بے انتہا رکاوٹیں ہوں تو روزانہ ہر نماز کے بعد دو سو بائیس مرتبہ يَا اَللّٰهُ يَا اَلطّٰيِّفُ يَا رَءِیْنُ پڑھتے رہیں۔ انشاء اللہ دعا مستجاب ہوگی۔ اپنی اولاد کے ساتھ دوسروں کی اولاد کے لیے بھی دعا گور ہے۔

### ڈپریشن سے نجات

آج کل ہر شخص ڈپریشن کا شکار نظر آتا ہے۔ نفسا نفسی کے اس دور نے لوگوں کو بیمار سا کر دیا ہے۔ کہیں تنہائی نے مار رکھا ہے تو کہیں سب کے ساتھ ہوتے ہوئے بھی لوگ اپنے آپ کو تنہا اور مظلوم سمجھتے ہیں اور بعض پریشانیاں اتنا طول پکڑ جاتی ہیں کہ اعصاب ٹوٹ پھوٹ جاتے ہیں۔ ایسے میں درود شریف کثرت سے پڑھیں۔ اگر آپ کو شوگر نہیں ہے تو اصلی شہد کی بوتل پر 41 مرتبہ سورہ فاتحہ اول و آخر درود شریف پڑھ کر دم کر دیں اور صبح نہار منہ اور رات کو سوتے وقت تین بار درود ابراہیمی پڑھ کر ایک، ایک چمچ شہد کھا لیا کریں۔ آپ کے حالات خواہ کیسے بھی ہوں مگر روزانہ دو رکعت نماز شکرانہ ادا کرنے کی عادت ڈالیں۔ آپ کو از خود ایک طمانیت سی محسوس ہوگی۔ اس کے ساتھ، ساتھ کھانے میں نمک کم کر دیں اور اپنے بیڈروم میں نیلے رنگ کا استعمال بڑھا دیں۔ تین ماہ میں آپ کو

نہیں۔ بس بیمار نہیں ہونا چاہیے۔ اچھی صحت کاراز خوشی میں ہے۔ آپ خوش ہو کر دال بھات بھی کھائیں گے تو وہ آپ کے جسم کو لگے گا اور فکروں میں گھرے ہوئے، پریشانیوں میں الجھے ہوئے بہترین غذا بھی کھائیں تو جسم کو لگتا نہیں ہے۔ آپ خوش ہو کر ہر چیز کھائیں۔ خاص طور پر دیسی گھی میں بنا ہوا ماش کی دال کا حلوا صبح نہار منہ کھائیں۔ ماش کی دال کا حلوا اسی طریقے سے بنتا ہے جیسے چنے کی دال کا حلوا، یہ حلوا بے شک تھوڑا سا ہی کھائیں مگر صبح شام ضرور کھائیں۔ رات کو سوتے وقت ایک چمچ اصلی شہد اور ایک دودھ کا گلاس لازمی لینا ہے۔ ہاں! رات کو سوتے وقت چاروں قل، آیت الکرسی اور سورہ فاتحہ پڑھ کر اپنے اوپر ضرور دم کریں۔ صرف تین ماہ بعد اپنی صحت کا موازنہ کر کے دیکھیے۔ ڈھانچا غائب ہو چکا ہوگا۔ بلکہ ایک تو انا دو سائے ہوگا۔

### سیاہ ہونٹ

بعض خواتین کے ہونٹ بالکل سیاہ ہوتے ہیں جو ان کے چہرے پر بہت بدنما لگتے ہیں۔ لب اسٹک لگانے سے وہ اس خامی پر قابو پانے کی کوشش کرتی ہیں مگر خامی بہر حال خامی ہوتی ہے جس کا تدارک کرنا چاہیے اور وجہ جاننی چاہیے کہ ہونٹ سیاہ کیوں ہو رہے ہیں۔ بھی، بھی غیر معیاری لب اسٹک بھی اس کا سبب بنتی ہے۔ ویسے زیادہ انڈے، گرم مسالے، بازار کے کھانے، چٹ پٹی اور باسی اشیا اور فرنیج میں کافی دن کی رکھی ہوئی چیزیں مسلسل کھانے سے معدے میں تعفن شروع ہو جاتا ہے۔ جس کی وجہ سے ہونٹ کالے ہو جاتے ہیں۔ مقامی طور پر کسی ڈاکٹر سے مشورہ کر کے وٹامن اے اور وٹامن ڈی کی ادویات کا استعمال بھی کریں۔ اس کے ساتھ موسم کی سبزیاں اور پھل خوب استعمال کریں۔ دن میں بھی رات کو سوتے وقت بالائی میں لیموں کا عرق، زعفران اور ذرا سا شہد یکجا کر کے ہونٹوں پر لگائیں اور ایک گھنٹے بعد دھو لیں اور یا ٹوٹا گیارہ مرتبہ پڑھ کر ہاتھوں پر پھونکیں اور پورے چہرے پر اپنے ہاتھ پھیریں۔ عمل کی مدت تین ماہ ہے۔

☆☆☆

بھی ان کے چہرے پر بدنما جھانیاں ان کے چہرے کو بگاڑ کر رکھ دیتی ہیں۔ وہ بازاری طرح، طرح کی کریمیں لگا کر اپنی اسکن کو مزید خراب کر لیتی ہیں۔ جس کا نتیجہ یہ نکلتا ہے کہ یہ لڑکیاں احساس کمتری کا شکار ہو جاتی ہیں۔ پیاری بیٹیو! سب سے پہلے آپ نماز کی باقاعدگی کیجیے یا کم از کم اتنا تو ضرور کیجیے کہ آپ کا کوئی دن ایسا نہ گزرے جس میں آپ نے کسی وقت کی بھی کوئی نماز نہ پڑھی ہو۔ یاد رکھیے نماز پڑھنے والے کے چہرے پر نور ہوتا ہے۔ اور دوسری ایک خاص بات ہمیشہ یاد رکھیے کہ جب بھی آپ شیشے میں اپنی شکل دیکھیں درود شریف پڑھیں۔ اگر آپ کو پڑھنا یاد نہیں رہتا تو ڈرینک ٹیبل کے اوپر لکھ کر چپکا دیں۔ درود شریف کی برکت سے چہرے کی کشش میں اضافہ ہوتا ہے۔ اب علاج کی جانب آجائیں چھ عدد دیسی انڈے اچھی طرح ابالیں، ان کی سخت سی زردیاں علیحدہ کر لیں اور مسلسل فرانی پان میں ڈال کر ہلکی آگ پر اتنا بھونیں کہ زردیوں کا پانی خشک ہو جائے اور زردیاں سرخی مائل ہو جائیں۔ خیال رہے کہ ان کو جلنا نہیں چاہیے جب یہ ٹھنڈی ہو جائیں تو ان میں تقریباً ایک پاؤ اصلی شہد ملا کر کسی چیز سے اچھی طرح گھوٹیں کہ پیسٹ بنا بن جائے۔ پھر باوضو ہو کر تین سو تیرہ مرتبہ یا اکتالیس یا چھتیس پڑھ کر دم کر دیں اور اس کریم کو اپنے فرنیج میں رکھیں۔ یہ خراب نہیں ہوگی۔ رات کو سوتے وقت اسی پیسٹ سے پورے چہرے کی اچھی طرح دائروں میں مالش کریں اور اس کے ساتھ ایک گلاس نیم گرم دودھ میں ایک چمچ شہد ڈال کر پیئیں۔ صرف دو ماہ کے اس عمل سے آپ کے چہرے کی جھانیاں دور ہو جائیں گی۔ مگر آپ نے گھڑی دیکھ کر ہر ایک گھنٹے کے بعد ایک گلاس پانی ضرور پینا ہے، چاہے آپ کو پیاس لگے یا نہ لگے۔

### ہڈیوں کا ڈھانچا نہ رہیں

اکثر لوگ اس قدر دبلے ہوتے ہیں کہ ہڈیوں کا ڈھانچا دکھائی دیتے ہیں تب وہ لوگوں کے سامنے آنے جانے سے اجتراز کرنے لگتے ہیں۔ اگر آپ دبلے ہیں تو کوئی پریشانی کی بات نہیں، موٹا ہونا کوئی مشکل بات



# شوابعے ہومیوپیتھک



اس بات کی ضرورت کافی عرصے سے محسوس کرائی جا رہی تھی کہ کسی مستند ادارے کے تحت ماہر تجربہ کار ہومیوپیتھک ڈاکٹروں کا بورڈ ہو جو لوگوں کی صحت کے مسائل کو اپنی ماہر اندر رائے اور تجربے کی روشنی میں نہ صرف حل کرے بلکہ ان کی رہنمائی بھی کرے۔ لہذا اس سلسلے کے تحت ہماری کوشش ہوگی کہ ہم آپ کو مختلف امراض کے متعلق آگاہی بھی فراہم کریں اور آپ کے جو صحت کے مسائل ہوں اس کو بورڈ کے ماہر تجربہ کار ڈاکٹرز کے ذریعے حل کرائیں تاکہ آپ کا معیار صحت بلند ہو لہذا آپ کے جو بھی صحت کے مسائل ہیں انہیں ہمیں اس پتے پر لکھ بھیجیں، ڈاکٹر حامد جنرل ہومیوپریٹیوٹ لمیٹڈ آرام باغ روڈ کراچی 74200۔ ہم ماہنامہ پاکیزہ کے ذریعے آپ کی بیماری کے متعلق آپ کی رہنمائی کریں گے لیکن اس کے لیے اپنا مکمل نام، عمر، پتا اور جو کام کرتے ہیں اس کے متعلق، ازدواجی حیثیت، بیماری کے متعلق، کب سے ہوئی، کیا علاج کیا؟ کسی قسم کی کوئی رپورٹس ہوں تو اس کی فوٹو کاپی جو پڑھنے کے قابل ہوں ساتھ بھیجیں تاکہ صحیح تشخیص کی جا سکے اور دوا بھی صحیح تجویز ہو۔ (اپنے علاقے میں دوائے ملنے کی صورت میں ہم سے رجوع کریں)

## بچی کا قد

ہے۔ برائے مہربانی اس کا قد بڑھنے کے لیے کوئی دوا تجویز کریں۔

## صائمہ رمضان..... حیدرآباد

میں آپ کی بہت پرانی قاریہ ہوں اور بہت امید سے آپ کو خط لکھ رہی ہوں، آپ نے بہت سے لوگوں کے مسئلے حل کریں ہیں اسی طرح سے میری بچی کا مسئلہ

## ٹوکن

### برائے شوابعے ہومیوپیتھک

اکتوبر 2016ء

اپنا مسئلہ اس ٹوکن کے ساتھ روانہ کریں۔ ٹوکن کے بغیر آئے ہوئے مسئلوں پر توجہ نہیں دی جائے گی۔ اپنا مسئلہ جس مینے بھیجیں اسی مینے کا ٹوکن استعمال کریں۔

نام: \_\_\_\_\_  
پتا: \_\_\_\_\_  
\_\_\_\_\_

جواب۔ بچوں کا قد خاندان کے زیر اثر ہوتا ہے یعنی ماں کا خاندان اور باپ کا خاندان اور پھر بچی کی ساخت۔ بہر حال بچی کو 6 ماہ تک ڈاکٹر ولما رشوابعے جرمنی کی Baryta Carb-30، Calc-Pos-30 کے 5،5 قطرے دن میں تین مرتبہ آدھا کپ پانی ڈال کر دیں۔ بچی کو اچھا ماحول، متوازن غذا دیں اور اچھل کود والے گیمز کھلائیں۔

## چہرے پر دانے اور تل وغیرہ

## سکینہ جمیل..... بہاولپور

میرے چہرے پر بہت موٹے موٹے دانے نکل آتے ہیں، پیپ والے، خون بھی نکل آتا ہے، اور نشان بھی چھوڑ جاتے ہیں۔ میرے چہرے پر بہت زیادہ بال بھی ہیں، چہرے پر براؤن تل بھی ہیں بہت زیادہ۔ مجھے بہت شدید پیاس لگتی ہے، نیند میں بھی بہت آتی ہے، زبان خشک ہو کر چپک جاتی ہے، مجھے پیشاب کا بھی مسئلہ ہے بار بار آتا ہے۔ میرے منہ سے بدبو آتی ہے جس کی وجہ سے کسی سے بات کرتے وقت شرمندگی اٹھاتا





کی سفیدی اور لیکوریا میں بھی کمی ہے۔ کمر میں کبھی زیادہ کھڑے رہنے سے بہت درد ہو جاتا ہے۔

جواب۔ محترمہ ان ہی ادویات کو مزید دو ماہ جاری رکھیں۔ ساتھ میں Thuja-30 کے 5,5 قطرے آدھا کپ پانی میں دن میں 3 مرتبہ پیئیں۔ 2 ماہ بعد مکمل کیفیت کے ساتھ حال بتائیں۔

اور دوسرا مسئلہ میری بیٹی کا ہے۔ اس کا قد 5 فٹ ہے۔ چہرے پر اور زیادہ دانے اور واٹ ہیڈز بڑھ گئے ہیں۔ لیکوریا بھی ہے، کبھی ہاتھ پاؤں ٹھنڈے ہو جاتے ہیں، ست رہتی ہے۔ پہلے پڑھائی میں بہت اچھی تھی مگر اب اس میں بھی دل نہیں لگتا، بھول جاتی ہے۔ اب سچر ہیں مگر یاد نہیں کر پار ہی اس کے لیے بھی دوا بتادیں۔

قد بڑھانے کے لیے ضروری ہے ماں اور باپ کا قد اور ان کے خاندان کا قد دیکھا جائے، بچی کی غذا اور کھیل کود پر بھی دھیان دیں۔ بازاری اور اشتہاری ادویات سے پرہیز کریں۔ بچی کو کوئی بیماری ٹانسلو Mumps تو نہیں ہیں، کم از کم چھ ماہ تک دوائی کھلائیں، ہر ماہ قد دیکھا جائے، لیکوریا کی تفصیل لکھیں کب کیوں اور کیسا ہوتا ہے، خون کی کمی %Hb چیک کرائیں، صبح ناشتا دوپہر کا کھانا، رات کا کھانا کیا اور کتنا لیتی ہیں؟ ٹی وی اور سیٹ کو کتنا وقت دیتی ہیں؟ فی الحال ڈاکٹر ولمار شوابے جرمنی کی Baryta Carb-30، Calc-Sul-30 اور Ptk-45 استعمال کرائیں۔

ماہانہ ایام کی بےقاعدگی

کوثر یا سمین..... تملہ گنگ

ڈاکٹر صاحب میں اپنی بیٹیوں کا مسئلہ لے کر حاضر ہوں، ان کے ساتھ ایام کا مسئلہ ہے، بڑی کی عمر 16 سال اور چھوٹی کی عمر 15 سال ہے، دونوں کو کبھی دو ماہ، کبھی تین ماہ مینز ہوتے ہیں، ہر ماہ بعد نہیں ہوتے، بڑی بیٹی کے upper lips والی جگہ پر بہت بال ہیں۔ ایسے جیسے موچھیں ہیں۔ وہ Upper lips بنوائی نہیں ہے کہ یہ گناہ

پڑتی ہے، میری نظر بھی کمزور ہے، میرے سر کے بال بہت گرتے ہیں، بال سفید بھی ہو گئے ہیں، خشک اور بے رونق بھی ہیں، بالوں میں خشکی بھی ہے، مجھے اکثر زکام بھی ہو جاتا ہے، بلغم والی کھانسی ہو جاتی ہے۔ میں ان بیماریوں کی وجہ سے شدید ڈپریشن کا شکار ہوں، پلیز میری ان بیماریوں کا علاج ضرور بتائیں، کون سی بیماری کی کون سی دوا ہے یہ ضرور بتائیں، اور دو کتنے ماہ کھانی ہے اور طریقہ کار بھی ضرور بتائیں، آپ کی بڑی مہربانی ہوگی، اللہ آپ کو ترقی دے۔ (آمین)

جواب۔ بی بی، آپ سب سے پہلے جلد از جلد HbA1C کا ٹیسٹ کرائیں، مسائل یقیناً آپ کے ساتھ بڑھ رہے ہیں۔ صحیح علاج کے لیے صحیح تشخیص کی ضرورت ہے۔ فی الحال ڈاکٹر ولمار شوابے جرمنی کی مندرجہ ذیل ادویات شروع کریں۔ Mercor-30, Bry-30, Ruta-30, Calc-Sul-30, Syzigium-3x شیشی میں سے 7,7 قطرے آدھا گلاس میں پانی ڈال کر دن میں چار مرتبہ لیں رپورٹ کے ساتھ حال بتائیں۔

پہلے سے فرق ہے

فرح خان..... ملیسر، کراچی

آپ نے مجھے جو دوائی دی تھی وہ میں نے ایک ماہ استعمال کیں۔ مارچ کے شمارے میں آپ کا جواب ملا تھا۔ ہاتھوں کی کمزوری کم ہے پہلے سے الحمد للہ مگر گلٹیاں تھوڑی نرم ہو گئی ہیں اور سے ویسے ہی بڑھ رہے ہیں، تل مسوں میں تبدیل ہو رہے ہیں، قبض بھی رہتا ہے۔ آنکھوں میں دھبے ہیں، جلن بھی ہو رہی ہے۔ ہاتھوں بیروں کی ریس پھولی ہوئی ہیں، ابھی پچھلے دو ماہ سے اٹے ہاتھ میں اچانک ایسا محسوس ہوتا ہے کوئی نیس کھینچ رہا ہے پھر کچھ سینڈز میں ٹھیک ہو جاتا ہے، جیسے جب لیٹتی ہوں تو کندھے سے کہنی تک درد ہونے لگتا ہے۔ نسون میں کھنچاؤ تو دن میں کسی بھی وقت ہو جاتا ہے پھر ٹھیک ہو جاتا ہے۔ ناخن بھی خراب ہو رہے ہیں۔ پیٹ بہت زیادہ بڑھ گیا ہے۔ اس کے لیے بھی آپ مجھے کوئی اچھی دوا بتائیے، آپ کی بہت مہربانی ہوگی۔ بالوں



From Nature.  
For Health.

کے 10 قطرے آدھا گلاس پانی میں دن میں 3 مرتبہ دیں، 3 ماہ بعد حال بتائیں۔

### شوہر کا مسئلہ

اس کے علاوہ میں اپنے شوہر کا ایک مسئلہ بیان کر رہی ہوں۔ میرے شوہر کو پیشاب کی .... شکایت ہے۔ جس سے کپڑے ناپاک ہو جاتے ہیں۔ کئی دفعہ علاج کروایا لیکن وقتی فائدہ ہوتا ہے۔ تنگ آ کر اب کوئی بھی علاج نہیں کرواتے، مہربانی فرما کر کوئی اچھی سی دوا تجویز کر دیں۔ اور یہ بھی کہ کتنا عرصہ استعمال کرنی ہے، بہت نوازش ہوگی۔

جواب۔ مایوسی کفر ہے، شفا من جانب اللہ ہے۔ ہمیں نہیں پتا کہ اس میں شفا کب اور کیسے ملے گی؟ لہذا صحیح مستند معالج سے علاج اور دوا کرتے رہیں۔ ڈاکٹر ولماں شوابے جرمنی کی دوا Hepar Sul-30 اور Merc. Cor-30 کے 5,5 قطرے دن میں 3 مرتبہ ایک گلاس پانی میں دیں۔ ان کا UrineDIR کرا کر رپورٹ ہمیں ضرور بھیجیں۔

### جسم پر بال اور منہ کے چھالے

#### عاصمہ عمران.....چیچہ وطنی

میں پاکیزہ میں آپ کا کالم بہت شوق سے پڑھتی ہوں۔ گزشتہ پانچ سال سے پیریڈ بہت ڈسٹر بڈ ہیں، کبھی 3 کبھی 4 ماہ بعد، لیکن گزشتہ دو سال سے ہنیر دوائی کے نہیں آتے۔ ہر بل یا ہومیو پیتھک دوا لیتی ہوں۔ گرووں میں بھی درد ہوتا ہے، گیس بہت بنتی ہے پیٹ میں۔ گلے میں انفیکشن بھی رہتا ہے۔ منہ اندر سے ہر وقت چھلا رہتا ہے۔ مریخ مصالحہ بالکل نہیں کھا سکتی۔ دودھ بالکل نہیں پیا جاتا، ریشہ بن جاتا ہے، چاہے گرم چاہے ٹھنڈا، وزن کسی طرح کم نہیں ہوتا ہر کوشش کی۔ ہر طرح کا پریہیز کرتی ہوں لیکن روز بروز صحت گرتی جا رہی ہے۔ رنگت بہت صاف تھی لیکن اب رنگ بھی سیاہ پڑ گیا ہے۔ چہرے سمیت پورے جسم پر موٹے کالے بال نکل آئے ہیں، ہر وقت اسٹریس رہتا ہے، غصہ اور رونا بہت

ہے۔ برائے مہربانی کوئی دوا تجویز کریں۔ دونوں کے لیے کتنے ماہ دوا لیتی ہے یہ بھی بتائیں۔

جواب۔ بچپوں کو متوازن غذا دیں جس میں دودھ اور فروٹ بھی شامل ہوں۔ کھیل کود بھی کرائیں، ورزش بھی انتہائی ضروری ہے۔

ڈاکٹر ولماں شوابے جرمنی کی مندرجہ ذیل ادویات استعمال کرائیں۔  
Megnesium Phos Pentarkan -  
PtK-60 ایک ایک گولی دن میں 3 مرتبہ لیں، ساتھ Oleumm jec3x Pulsatilla-30 کے 5,5 قطرے آدھا کپ پانی دن میں 3 مرتبہ دیں۔ 4 ماہ کے بعد دوبارہ حال بتائیں۔

### پیریڈ ز اور لیکوریا

#### بشری عثمان.....لاہور

مجھے ایک عرصے سے لیکوریا کی شکایت ہے۔ میری تیسری پریگنسی میں لیکوریا کی شکایت شدید ترین رہی اور کسی بھی علاج سے فرق نہیں پڑا، زچگی کے بعد بھی لیکوریا کی شکایت ختم نہیں ہوئی۔ چہرے پر گالوں کی ہڈیوں کے اوپر اور ناک پر براؤن گلوں کی طرح کی چھائیاں پڑ گئی ہیں جو کہ بہت بری لگتی ہیں۔ بار بار نزلہ زکام کی شکایت ہوتی ہے، گلا مسلسل خراب رہتا ہے۔ پچھلی سردیوں میں مجھے ہر مہینے نزلہ زکام ہوتا رہا اور گلے میں شدید خراشیں اور درد ہوتا رہا، غصہ بہت آتا ہے، طبیعت میں چڑچڑاپن اور بیزاری آگئی ہے۔ برداشت کی بھی بہت کمی ہے۔ کچھ بھی کھا لوں پیٹ میں گیس بہت ہوتی ہے۔ نیند بھی بہت کم آتی ہے۔ آنکھوں کے نیچے گہرے حلقے پڑ گئے ہیں اور بال بھی سفید ہونا شروع ہو گئے ہیں۔ اس کے علاوہ مجھے بو اسیر کی بھی شکایت ہے۔ مہربانی فرما کر مجھے اچھی سی ہومیو پیتھک دوا تجویز فرمادیں۔

جواب۔ متوازن غذا کا خیال رکھیں، ورزش کیا کریں۔ ڈاکٹر ولماں شوابے جرمنی کی Ferrum Pentarkan Ptk-45 کی 2 گولیاں دن میں 3 مرتبہ تھوڑے پانی کے ساتھ دیں۔ Avena Sativa Q



ان ادویات سے نجات حاصل کروں۔ برائے مہربانی ہو میو پیٹھک کی کوئی ایسی دوا تجویز کریں جس سے سرکا درد، اعصابی

دباؤ نہ ہو اور پُرسکون نیند آ جائے، اس کے علاوہ خارش کی بھی تکلیف ہے۔ آپ نے بہت سے لوگوں کو ٹھیک کیا ہے۔ مجھے امید ہے کہ آپ کی دوائی میرے لیے بہترین ثابت ہوگی۔

جواب۔ آپ ڈاکٹر ولما رشوا بے جرمنی کی مندرجہ ذیل ادویات استعمال کریں۔ Calc-Carb-30، Rhus-tox-30، Gelsemium-30 کے 5،5 قطرے آدھا گلاس پانی میں دن میں 3 مرتبہ جبکہ Passiflora Pentarkan Ptk-66 کے 1،5 قطرے ایک گھونٹ پانی میں دن میں تین مرتبہ لیں۔

بچوں کی پیدائش کے بعد پیٹ کا بڑھنا

رابعہ..... حیدرآباد

میں پاکیزہ ڈائجسٹ کی مستقل قاری ہوں۔ ہر مہینے لوگوں کو آپ کی دوا سے شفا یاب ہوتے دیکھتی ہوں۔ اس دفعہ اپنا مسئلہ لے کر حاضر ہوئی ہوں۔ میرا وزن پہلے کم تھا، جب سے سیزر سے بچے ہوئے ہیں، پیٹ اور کولہبے بہت بھاری ہو گئے ہیں جس کی وجہ سے برا محسوس ہوتا ہے، ڈائٹنگ کرنے اور واک زیادہ کرنے سے لیکور یا ہو جاتا ہے۔ مجھے قبض بھی رہتا ہے۔ ایسی دوا تجویز کریں جس سے میرا وزن کم ہو جائے۔ آپ کو اپنی دعاؤں میں یاد رکھوں گی۔

جواب۔ غذا میں میٹھی چیزیں، شربت، کولڈ ڈرنکس بالکل بند کر دیں، اسی طرح تلی ہوئی بھنی ہوئی چیزوں کا استعمال بھی نہ کریں، عام گھر کا کھانا، اسٹیم سے پکا ہوا گوشت، سبزیاں، فروٹ استعمال کریں، وہی کی بالائی بھی مفید ہے۔ واک ضرور کرتی رہیں۔ ڈاکٹر ولما رشوا بے کی مندرجہ ذیل ادویات استعمال کریں۔ Calc-Carb-30 کے 5 قطرے آدھا کپ پانی میں

ماہنامہ پاکیزہ 305 ستمبر 2016ء

آتا ہے اپنی حالت پر۔ کہیں آجائیں سکتی ان باتوں کی وجہ سے۔ چکر بہت آتے ہیں۔ نیند بھی نہیں آتی اور نسوانی حسن کم ہوتا جا رہا ہے۔ برائے مہربانی جلد جواب دے کر شکریہ کا موقع دیں۔

جواب۔ واک کیا کریں، متوازن غذا لیں، دوسری تمام دوائیں بند کر دیں جب تک مکمل ٹھیک نہ ہوں، conceive کرنے کی کوشش بھی نہ کریں، ڈاکٹر ولما رشوا بے جرمنی کی Ferrum Pentarkan Ptk-45 کی 2 گولیاں تھوڑے پانی کے ساتھ دن میں 3 مرتبہ لیں۔ Magnesium-Phos Pentarkan Ptk-60 ایک گولی دن میں 3 مرتبہ لیں۔ Oleum jecoris-30 کے 5،5 قطرے آدھا کپ پانی میں 3 مرتبہ لیں۔ 3 ماہ بعد حال بتائیں اور شوہر کے متعلق بتائیں ان کی طبیعت کیسی رہتی ہے۔

بیٹے کا مسئلہ

ایک مسئلہ میرے بیٹے کا بھی ہے، اسے بھی دودھ موافق نہیں آتا جب بھی کیلا، چاول دودھ وغیرہ لے تو ریشہ ہو جاتا ہے۔ زبان پر زخم ہو جاتے ہیں۔ ابھی 6 سال کا ہے ابھی تو دودھ ضروری ہے اس کے لیے۔ اللہ آپ کو جزائے خیر سے نوازے، دوا ایسی ہو جو میرے سارے مسئلوں کو حل کر دے اللہ کے حکم سے۔

جواب۔ بچے کو وہی دیں، اس کی تمام دوائیاں بند کر دیں۔ متوازن خوراک دیں، انڈے، ٹافیاں، پیڑ، چاکلیٹ بالکل نہ دیں، کولڈ ڈرنکس بھی استعمال نہ کریں، ڈاکٹر ولما رشوا بے جرمنی کی Merc.sol-30، Borax-30 کے 5،5 قطرے آدھا کپ پانی میں ڈال کر دن میں 3 مرتبہ دیں، 15 دن بعد دوبارہ حال لکھیں۔

گردن اور سرکا درد

ماہ رخ مرزا..... چکوال

بچپن سے گردن اور سر میں درد رہتا تھا۔ ذہنی امراض کے ڈاکٹر کے پاس گئی تو انہوں نے اینٹی ڈپریشن دیا۔ پریشانیوں میں بھی کافی رہی، اب میں چاہتی ہوں،



پاک سوسائٹی ڈاٹ کام پر موجود آل ٹائم بیسٹ سیلرز:-



پراسٹیٹ غدود اور مثانے کا مسئلہ

اورنگی ٹاؤن..... کراچی

مجھے عرصہ دراز سے پراسٹیٹ غدود کا مسئلہ ہے اور کوئی 8 یا 9 سال سے شوگر اور بلڈ پریشر کا مسئلہ ہے۔ پراسٹیٹ غدود اور مثانے کے لیے ہمیشہ ہومیو پیتھک ادویات استعمال کیں۔ ان ادویات کے استعمال کا فائدہ تو رہا لیکن عارضی طور سے۔ اب میں نے ایلو پیتھک ڈاکٹر سے رجوع کیا ہے، انہوں نے کچھ ٹیسٹ لکھ کر دیے اور دوا میں جو میں استعمال کر رہا ہوں، اس سے بھی کوئی فائدہ نظر نہیں آ رہا ہے۔ کمزوری بہت محسوس ہوتی ہے۔ خاص شکایت یہ ہے کہ بار بار پیشاب کی حاجت ہوتی ہے۔ دن میں ہر آدھا ایک گھنٹے بعد اور رات میں 6 سے 7 مرتبہ اٹھنا پڑتا ہے۔ صبح اجابت سے پہلے اور بعد میں بار بار پیشاب محسوس ہوتا ہے۔ کبھی ایسا محسوس ہوتا ہے کہ مثانے میں کچھ اٹکا ہے اور خارج نہیں ہو رہا ہے۔ کچھ انتظار کے بعد تھوڑا سا خارج ہوتا ہے، کبھی کھل کر صاف آتا ہے، کبھی رک رک کر۔ کبھی پیشاب میں چھین اور جلن بھی محسوس ہوتی ہے۔ ایک مہینے سے قبض کی کافی شکایت ہے۔

جواب۔ آپ کی رپورٹس کے مطابق شوگر کنٹرول میں نہیں، کیراٹینائن بارڈر پر ہے، پیشاب میں انفیکشن ہے، مثانے، گردوں اور پراسٹیٹ کی بھی پرابلمز ہیں۔ مجھ سے آ کر ملیں، ڈاکٹر ولمار شوابے جرمنی کی فی الحال اور Sabal Pentakaran Ptk-75 اور Syzigium jamboo Q اور Merc.cor-30 کے 10,10 قطرے ایک گلاس پانی میں ڈال کر دن میں 3 مرتبہ لیں۔ واک ضرور کریں، کم از کم ایک گھنٹا شروع پندرہ منٹ سے کریں۔

دن میں 3 مرتبہ، Phytolaca e baciss Q اور Fucus ves Q کے 10,10 قطرے آدھا گلاس پانی میں 3 مرتبہ لیں۔ دو ماہ بعد کیفیت سے مطلع کریں۔

منہ سے بو

طارق محمود..... اٹک

محترم ڈاکٹر صاحب ماہنامہ پاکیزہ ہمارے گھر میں گزشتہ 20 سال سے پڑھا جا رہا ہے۔ دیگر سلسلوں کے ساتھ "ہومیوکلینک" بھی ہمارا پسندیدہ ہے۔ اب میں اپنا مسئلہ لے کر حاضر ہوا ہوں۔ میرے منہ اور سانسوں سے ہر وقت انتہائی ناگوار بو آتی ہے۔ خالی پیٹ اور زیادہ ہوتی جاتی ہے۔ جب پیٹ بھرا ہوا اور کچھ کھاؤں یا زیادہ میٹھا کھاؤں تو منہ اور گلا کڑوا، بد ذائقہ ہو جاتا ہے۔ کبھی کبھار قبض ہو جاتا ہے اور کبھی موٹن 24 گھنٹوں میں چار پانچ مرتبہ حاجت کے لیے جانا پڑتا ہے۔ میرے لیے کوئی ایسی دوا تجویز کر دیں کہ میرا مسئلہ حل ہو جائے اور میرے منہ/سانسوں سے بد بو دور ہو جائے۔ اللہ تعالیٰ آپ کو جزائے خیر عطا فرمائے۔ آمین!

جواب۔ صبح نہار منہ صرف ایک گلاس پانی پیئیں، پیٹ کو زیادہ نہ بھریں اور خالی بھی نہ چھوڑیں، دوپہر کو نماز ظہر اور کھانے کا وقفہ ہر صورت کریں، کھانے کو آہستہ آہستہ چبا کر کھائیں جلدی کس بات کی ہے؟ تیز مریج مصالحہ اور مرغن کھانے استعمال نہ کریں۔ اگر کرنا پڑے تو ساتھ وہی کا استعمال کریں، متوازن غذا استعمال کریں۔ رات کو کھانے کے بعد چہل قدمی ضرور کریں۔ کم از کم 15 منٹ، صبح فجر کے بعد 15 منٹ واک کا اہتمام کریں۔ ڈاکٹر ولمار شوابے جرمنی کی Nuxvomica-30 اور Merc.sol-30 کے 5,5 قطرے ایک گھونٹ پانی میں ڈال کر ہر کھانے کے بعد صبح، دوپہر، رات لیں۔ دو ماہ بعد حال بتائیں۔



**Dr. Willmar Schwabe Germany**

Available at All Medical & Homoeopathic Stores

شوابے سنگل ریمیڈیز گھر بھر کی صحت کے لیے کلاسیکل ہومیو پیتھی

ماہنامہ پاکیزہ ﴿ 306 ﴾ ستمبر 2016ء